پاکستان میں فارسی ادب

جلد سوم

از بہادر شاہ تا انقراض سلطنت مغلان

۱۱۱۹ھ تا ۱۲۵۹ھ

ڈاکٹر ظہور الدین احمد

پاکستان میں فارسی ادب

جلد سوم

از بہادر شاہ تا انقراض سلطنت مسلمانان

۱۱۱۹ھ تا ۱۲۵۹ھ

از

ڈاکٹر ظہور الدین احمد

ادارۂ تحقیقات پاکستان، دانشگاہ پنجاب، لاہور

انتشارات ادارۂ تحقیقات پاکستان
شمارہ ۳۶

تشکر

ادارۂ تحقیقات پاکستان متروکہ اوقاف بورڈ ، حکومت پاکستان کی مالی امداد کا ممنون ہے ، جس کی وجہ سے ادارے کے لیے تصنیف و تالیف کا کام آسان ہو گیا ۔

طابع : سید ظفر الحسن رضوی
مطبوعہ : ظفر سنز پرنٹرز ، ۹ ۔ کوپر روڈ ، لاہور
طبع اول : دسمبر ۱۹۷۷ء
قیمت : ایک سو دس روپے

فہرست مندرجات

مرکز ادب کشمیر

مرکز ادب سندھ

اضافات

تعارف

یہ پاکستان میں فارسی ادب کی تیسری جلد ہے۔ اس میں بہادر شاہ کے عہد حکومت یعنی ۱۱۱۹ھ سے لے کر مسلمانوں کے انقراض سلطنت تک فارسی ادب کو شامل کیا گیا ہے۔ مرکز لاہور میں یہ دور ۱۱۲۸ھ/۱۷۶۸ء میں ختم ہو جاتا ہے اور سکھوں کا عہد شروع ہوتا ہے۔ وادی پشاور میں مسلمانوں کی حکومت ۱۸۲۲ء/۱۲۳۹ھ میں ختم ہوئی۔ سندھ میں مسلمانوں کی حکومت کا خاتمہ ۱۲۵۹ھ میں ہوا اور انگریز قابض ہو گئے کشمیر پر ۱۲۵۹ھ میں سکھ قابض ہو گئے۔ پہلی دو جلدوں میں پانچ مراکز کا ذکر ہوا تھا یعنی لاہور، کشمیر، سندھ، وادی پشاور اور بنگال۔ اب چونکہ بنگال یعنی مشرقی پاکستان، پاکستان کا حصہ نہیں رہا اس لیے اس میں بنگال کا ادب شامل نہیں کیا گیا۔ اس جلد میں بلوچستان کا فارسی ادب شامل ہو سکتا تھا لیکن چونکہ بلوچستان کی فارسی شاعری پر ڈاکٹر انعام الحق کوثر نے الگ کتاب لکھ دی ہے، اس لیے ہم نے ان مصنفین پر دوبارہ لکھنا مناسب نہیں سمجھا۔ ان مختلف مراکز سے متعلق ان اشخاص کا ذکر کیا گیا ہے جو ان علاقوں میں پیدا ہوئے اور انھوں نے زندگی کا بیشتر حصہ یہاں گزارا۔ اگر وطن سے باہر رہے تو آخر وطن واپس آ گئے اور یہیں پیوند خاک ہوئے۔ ان میں بعض وہ لوگ بھی شامل ہیں جو باہر سے آ کر ان علاقوں میں بس گئے اور پھر یہیں کے ہو رہے۔ اس کتاب میں ان سلاطین و حکام اور امرا کا بھی ذکر ہے جنھوں نے اس سرزمین میں خاص مدت کے لیے حکمرانی کی اور فارسی ادب کی ترویج و فروغ میں حصہ لیا۔

بر صغیر پاکستان و ہند میں فارسی ادب کی تاریخ بہت وسیع ہے اور اس کی ترتیب و تالیف کے لیے بہت وقت اور سرمائے کی ضرورت ہے۔ ہم

نے اپنے ملک کی ادبی تاریخ مرتب کرنے کے خیال سے اس کو پاکستان تک محدود کر لیا ہے۔ اس طرح اپنے ملک کے بعض ایسے مصنفین کا تعارف ہو گیا ہے جن کا پاک و ہند کی مفصل تاریخ میں جگہ پانا دشوار ہوتا۔ ہم بعض ایسی تصانیف کا تعارف پیش کر سکے ہیں جو صرف پاکستان کی لائبریریوں میں محفوظ ہیں اور باہر والوں کی نگاہوں سے اوجھل ہیں۔

اس دور میں ایک یہ تبدیلی واقع ہوئی ہے کہ ملتان سندھ کے بجائے مرکز لاہور میں شامل کیا گیا ہے۔ پہلی دونوں جلدوں میں وہ سندھ کے تنظیمی حلقے میں شمار ہوتا تھا۔

گزشتہ چند سالوں میں شعرا کے مندرجہ ذیل مفصل تذکرے شایع ہوئے ہیں:

تذکرۂ شعرای کشمیر مرتبہ سید حسام الدین راشدی۔

تذکرۂ شعرای پنجاب مرتبہ خواجہ محمد رشید۔

مقالات الشعرا علی شیر قانع اور تکملۂ مقالات الشعرا از ابراہیم خلیل سندھ کے شعراء کے متعلق تذکرہ متذکرہ صدر مراکز سے متعلق ہیں جن شعراء کا ذکر ان تذکروں میں آ چکا ہے، ان کے احوال و کوائف اور ان کے اشعار ہم نے دوبارہ اس جلد میں نقل نہیں کیے۔ ان کے صرف نام درج کر دیے ہیں تاکہ جس کو ضرورت ہو وہ ان کی طرف رجوع کر سکے۔ البتہ جن شعرا کے دیوان مل گئے ہیں یا دوسرے ماخذ سے مزید اشعار دستیاب ہوئے ہیں ان پر مزید کوائف کے ساتھ تفصیل سے لکھا ہے۔

اغلب ہے کہ بعض نجی کتابخانوں میں اس دور کے متعلق تصالیف موجود ہوں جن تک میری رسائی نہیں ہو سکی۔ امید ہے جوں جوں ان کتابوں کا انکشاف ہو گا اور میری دسترس میں آئیں گی میں اگلی جلد کی تکمیل تک ان کا تعارف پیش کر سکوں گا۔ اس جلد میں بھی ہر مرکز

کے اختتام پر 'اضافات' کے طور پر بعض نئی کتابوں کا تعارف پیش کیا گیا ہے جو دوران جستجو میں دستیاب ہوئی ہیں اور وہ پچھلے ادوار سے متعلق ہیں -

امید ہے ہماری اس محنت و کاوش کو قدر کی نگاہ سے دیکھا جائے گا۔

جنوری ۱۹۷۶
۵/۸۹ نسبت روڈ - لاہور

ظہورالدین احمد

لاہور

سیاسی پس منظر

اورنگ زیب کی وفات کے بعد تخت نشینی کے لیے ان کے بیٹوں کے درمیان جنگ آزمائی ہوئی - آخر محمد معظم کو کامیابی ہوئی اور وہ شاہ عالم اول کے لقب سے تخت نشین ہوا - ۱۷۱۱ع میں وہ لاہور آیا - اس کے آنے پر مذہبی ہنگامہ برپا ہو گیا - اس نے حکم دیا تھا کہ نماز جمعہ میں خطبہ کے دوران حضرت علی کے ساتھ "وصی رسول اللہ" کے الفاظ کا اضافہ کیا جائے - فقہا نے فیصلہ کیا کہ کوئی خطبہ نہ پڑھا جائے - بادشاہ نے علماء کو دربار میں بلا کر مناظرہ کیا - آخر حاجی یار محمد کی جرأت مندانہ تقریر سے متأثر ہو کر اس نے اپنا حکم واپس لے لیا - شاہ عالم کے بعد کوئی بادشاہ لاہور نہیں آیا - ۱۷۱۲ع میں اس کی وفات کے بعد جانشینی کے لیے بھائیوں میں معرکے ہوئے - جہاندار شاہ کامیاب ہوا - اس نے دس مہینے اور پچیس دن حکومت کی - اس کے بعد فرخ سیر کو تقریباً چھ سال اور محمد شاہ کو انتیس تیس سال کے لگ بھگ تخت پر بیٹھنا نصیب ہوا -

لاہور الگ صوبہ تھا - یہاں بادشاہ کی طرف سے ناظم مقرر ہوتے رہے سکہ اور خطبہ بادشاہ کے نام کا ہی تھا لیکن اصل حکومت صوبہ دار کی ہوتی تھی - بعد میں صوبہ داری موروثی ہو گئی - ۱۷۱۳ع سے ۱۷۳۶ع تک عبدالصمد خان دلیر جنگ اور ۱۷۳۶ع سے ۱۷۴۵ع تک ان کا بیٹا زکریا خان ناظم رہے - باپ بیٹے دونوں بیدار مغز حکمران تھے - انھوں نے صوبے کے نظم و نسق اور حکومت کے استحکام کے لیے بڑی قابلیت کا مظاہرہ کیا - عبدالصمد خان نے بندہ بیراگی کی مفسدانہ اور ظالمانہ کاروائیوں کا خاتمہ کیا اور اس کے قتل سے مسلمانوں کو نہب و غارت سے نجات دلائی - اس کے عہد

حکومت میں علوم و فنون کو ترقی ہوئی ۔ گجرات ، سیالکوٹ ، جالندھر اور لاہور علم و فن کے مرکز شمار ہوتے تھے ۔ یہ علاقے علماء و عرفا و شعراء کے مخزن تھے ۔

۱۷۳۸ع میں نادر شاہ ہندوستان پر حملہ آور ہوا ۔ مرکزی حکومت نے کابل کے گورنر کو مدد نہ بھیجی ۔ اس لیے نادر شاہ کابل کی فتح کے بعد دریائے اٹک کو عبور کر کے صوبۂ لاہور میں داخل ہوا ۔ نواب زکریا خان نے بھی مرکز سے امداد طلب کی لیکن وہاں سے کوئی جواب نہ آیا ۔ زکریا خان نے اسی میں مصلحت جانی اور تیس لاکھ روپیہ نذرانہ پیش کر کے صلح کر لی اور لاہور کو تباہ و برباد ہونے سے بچا لیا ۔ جب نادر شاہ دہلی کو برباد کر کے اور مالِ غنیمت سے مالا مال لاہور سے گزرا تو اس نے نواب زکریا کی دور اندیشی اور معاملہ فہمی سے متأثر ہو کر اس کی درخواست قبول کر لی اور ہزارہا اہلِ فن اسیرانِ جنگ کو رہا کر دیا جن کو وہ اپنے ساتھ لے جا رہا تھا ۔

نواب زکریا کے عہدِ حکومت میں جنگ پناہ بھٹی ، میر مار زمیندار اور راجہ جموں دھوپ دیو نے بغاوتیں کیں ۔ لیکن زکریا خان نے اپنے تدبر و شجاعت سے ان سرکشوں کو مغلوب کیا اور صوبہ میں امن و امان قائم رکھا ۔ اور عدل و انصاف سے لوگوں کی دل جوئی کی ۔

۱۷۵۷ع میں نادر شاہ کے قتل کے بعد احمد شاہ درانی نے ایرانی سلطنت کے مشرقی حصے پر قبضہ کر لیا ۔ وہ نادر شاہ کے ہمراہ ۱۷۳۸ - ۳۹ع میں ہندوستان آیا تھا اور اسے یہاں کے سلاطین و امراء کی کمزوری کا علم تھا ۔ اس نے جلد ہی کابل پر تسلط جما لیا ۔

زکریا خاں کی وفات کے بعد نظامتِ لاہور کے لیے کشمکش ہوئی ۔ محمد شاہ کے وزیر قمرالدین کا داماد یحیٰی خاں اور زکریا خاں کا بیٹا شاہنواز خان دعویدار تھے ۔ دونوں میں معرکہ ہوا اور شاہنواز کامیاب ہوا لیکن

دربارِ شاہی میں اس کی کامیابی سخت کھٹکتی تھی ۔ یحییٰ خان قید سے بھاگ کر دہلی پہنچ گیا تھا ۔ شاہنواز نے احمد شاہ درانی سے سیاسی روابط قائم کر کے اس کو لاہور آنے کی دعوت دی ۔ بعد میں وہ اپنے وعدے سے منحرف ہو گیا ۔ احمد شاہ کے پیر و سفیر صابر شاہ کو قتل کروا دیا ۔ احمد شاہ نے ۱۷۴۸ع میں لاہور پر حملہ کیا اور بیگم پورہ کو تباہ کر دیا ۔ قتلِ عام کیا ۔ خزائن و جواہر پر قبضہ کر لیا ۔ شاہنواز خان شکست کھا کر دہلی بھاگ گیا ۔ آخر اکابر شہر نے تیس لاکھ روپیہ نذرانہ دے کر رحم کی درخواست کی اور لاہور کے باقی ماندہ حصے کو تباہی سے بچا لیا ۔

احمد شاہ نے سرہند کے مقام پر میر معین الملک بن وزیر قمرالدین کے مقابلے میں شکست کھائی اور واپس کابل چلا گیا ۔ معین الملک عرف میر منو ۱۷۴۸ع سے ۱۷۵۳ع تک لاہور کا ناظم رہا ۔ اس کے بعد اس کی بیوی مغلانی بیگم نے اپنے شیرخوار بیٹے محمد امین کی نظامت میں حکومت سبنھالی لیکن امراء اور سالاران سپہ کی باہمی رقابتوں کی وجہ سے نظام درہم برہم رہا ۔ اس دوران میں خواجہ مرزا خاں نے بھی شہر لاہور پر قبضہ کیا ۔ عبداللہ خان مغلانی بیگم کے ماموں نے بھی زمام حکومت سنبھالی ۔ آدینہ بیگ حاکمِ دوآب جالندھر نے بھی لاہور پر حملہ کر کے عبداللہ خان کو شکست دی ۔ مغلانی بیگم نے اپنی بیٹی عمدہ بیگم وزیر غازی الدین عمادالملک سے بیاہ دی ۔ لیکن بعد میں آدینہ بیگ کے توسط سے مغلانی بیگم کو بھی گرفتار کر کے وزیر کے پاس پہنچا دیا گیا ۔ آدینہ بیگ لاہور اور ملتان کا ناظم مقرر ہوا ۔ ادھر احمد شاہ درانی لاہور اور ملتان کو اپنی قلمرو میں شمار کرتا تھا اور اپنی طرف سے مغلانی بیگم کو ناظمِ صوبہ نامزد کر چکا تھا ۔ جب اسے مغلانی بیگم کے گرفتار ہونے کی خبر پہنچی تو اس نے ۱۷۵۶ع میں فوج روانہ کی جس نے شہر کو خوب لوٹا ۔ سید جمیل الدین نائب ناظم لاہور آدینہ بیگ کے پاس جالندھر چلا گیا ۔

مغلانی بیگم نے احمد شاہ درانی کو حالات سے باخبر کیا ۔ وہ ۱۷۵۷ع

میں پنجاب کو روندتا ہوا دہلی پہنچ گیا۔ مغلانی بیگم کی نشاندہی پر اس نے خوب زر و جواہر لوٹا۔ احمد شاہ نے اپنے بیٹے تیمور شاہ کو پنجاب میں نائب السلطنت مقرر کیا۔ مغلانی بیگم کو صرف تیس ہزار روپے سالانہ وظیفہ ملا۔ احمد شاہ کے حکم سے جہان خان لاہور مقیم ہوا۔ اس نے خراج حاصل کرنے کے لیے لوگوں کو بہت تنگ کیا۔ آدینہ بیگ نے مرہٹوں کو بلایا۔ انہوں نے ۷۵ لاکھ روپے سالانہ خراج لے کر آدینہ بیگ کو پنجاب میں نائب السلطنت مقرر کیا۔ اس نے خواجہ مرزا خان کو لاہور میں چھوڑا اور خود بٹالہ چلا گیا۔

مرہٹوں کا یہ تسلط دیکھ کر احمد شاہ درانی پھر حملہ آور ہوا۔ لاہور ملتان کے علاوہ اس نے سرہند پر قبضہ کیا۔ ۱۷۶۱ء میں مرہٹوں اور درانیوں میں پانی پت میں فیصلہ کن جنگ ہوئی اور مرہٹوں کو شکست فاش ہوئی۔

۱۷۶۱ء میں سکھوں نے لاہور پر قبضہ کر لیا۔ احمد شاہ ان کو زیر کرنے کے لیے پہلے ۱۷۶۲ء میں، پھر ۱۷۶۵ء میں اور ۱۷۶۸ء میں حملہ آور ہوا۔ بادشاہ کی آمد پر سکھ پہاڑیوں اور جنگلوں میں چھپ جاتے اور اس کی غیر حاضری میں مسلمانوں کی بستیوں کو لوٹتے۔ ۱۷۶۵ء میں سکھوں نے حاکم لاہور کابلی مل کی عدم موجودگی سے فائدہ اٹھا کر قلعہ پر قبضہ کر لیا۔ سکھ سرداروں نے لاہور کو تین حصوں میں تقسیم کیا۔ سوبھا سنگھ کو جنوبی حصہ جس میں نیازبیگ، مزنگ، اچھرہ اور چوبرجی شامل تھے۔ گوجر سنگھ کو مشرقی حصہ ملا جو کابلی مل کی حویلی سے شالا مار باغ تک پھیلا ہوا تھا۔ لہنا سنگھ کو مرکزی حصہ ملا۔ ان تین حاکموں کے عہد میں بڑا ظلم و ستم ہوا۔ تاراج و غارت تو ان کا شعار رہا۔ مغلیہ دور کی عمارتوں سے سنگ مرمر اور قیمتی پتھر اتارنے میں بھی عار نہ سمجھی۔ پچیس تیس برس کی حکومت کے بعد تیمور شاہ کے بیٹے زمان شاہ نے ۱۷۹۶-۹۷ء میں حملہ کرکے سکھوں کو خراج ادا کرنے پر مجبور کیا لیکن مقبوضہ علاقوں پر ان کی حکومت قائم رکھنے پر راضی ہو گیا۔ ۱۷۹۸ء میں وہ آخری

مرتبہ لاہور آیا - لیکن ابھی اس تدبیر میں تھا کہ سکھوں کے خاتمے کے لیے کیا لائحہ عمل اختیار کیا جائے کہ وہ اپنے بھائی شاہ محمود کی بغاوت کا حال معلوم کر کے جلد واپس چلا گیا - دریائے جہلم میں اس کی توپیں رہ گئیں - سکر چکیہ مثل کے رنجیت سنگھ نے بارہ میں سے آٹھ توپیں نکلوا کر کابل بھجوا دیں - شاہ زمان نے خوش ہوکر اسے لاہور پر حکومت کرنے کا اجازت نامہ بھیج دیا - اس کے بعد لاہور پر سکھوں کی حکومت مستحکم ہوگئی -

ذیل میں ناظمان لاہور کی فہرست ان کے سنین حکومت کے ساتھ درج کی جاتی ہے تاکہ ان کے ادوار حکومت کا نقشہ پیش نظر رہے -

لاہور کے ناظم و حکمران

سید اسلم خان	۱۱۱۹ تا ۱۱۲۴	۱۷۰۸ تا ۱۷۱۲
زبردست خان (علی مردان خان)	۱۱۲۴ تا ۱۱۲۵	۱۷۱۲ تا ۱۷۱۳
عبدالصمد خان بہادر دلیر جنگ	۱۱۲۵ تا ۱۱۵۰	۱۷۱۳ تا ۱۷۳۷
زکریا خان (عضدالدولہ خان بہادر	۱۱۵۰ تا ۱۱۵۸	۱۷۳۷ تا ۱۷۴۵
یحییٰ خان	۱۱۵۸	۱۷۴۵
شاہنواز خان	۱۱۵۸ تا ۱۱۶۱	۱۷۴۵ تا ۱۷۴۸
جمعہ خان	۱۱۶۱	۱۷۴۸
میر منو (معین الملک) بن قمرالدین وزیر محمد شاہ	۱۱۶۱ تا ۱۱۶۷	۱۷۴۸ تا ۱۷۵۳
امین الدین خان	۱۱۶۷ تا ۱۱۶۹	۱۷۵۳ تا ۱۷۵۵
آدینہ بیگ خان	۱۱۶۹ تا ۱۱۷۰	۱۷۵۵ تا ۱۷۵۸
تیمور شاہ	۱۱۷۰ تا ۱۱۷۱	۱۷۵۷ تا ۱۷۵۸
آدینہ بیگ خان	۱۱۷۱	۱۷۵۸
خواجہ مرزا خان (آدینہ بیگ کا نائب)	۱۱۷۱ تا ۱۱۷۲	۱۷۵۸ تا ۱۷۵۹

ساما (مرہٹہ)	۱۱۷۲	۱۷۵۹
احمد شاہ ابدالی عہدِ حکومت	۱۱۷۳ تا ۱۱۸۲	۱۷۵۹ تا ۱۷۶۸
حاجی کریم دادخان	۱۱۷۳	۱۷۵۹
سربلند خان	۱۱۷۳ تا ۱۱۷۴	۱۷۶۰ تا ۱۷۶۱
خواجہ عبید خان	۱۱۷۴ تا ۱۱۷۵	۱۷۶۱ تا ۱۷۶۲
احمد شاہ ابدالی	۱۱۷۵ تا ۱۱۷۷	۱۷۶۲ تا ۱۷۶۳
کابلی مل	۱۱۷۷ تا ۱۱۸۱	۱۷۶۳ تا ۱۷۶۷
دادن خان	۱۱۸۱ تا ۱۱۸۲	۱۷۶۷ تا ۱۷۶۸

فارسی ادب

مرکز لاہور میں فارسی ادب کا بھرپور اظہار ہوا ہے - لاہور مرکز سلطنت تھا - ملتان اب کہ سندھ سے الگ ہو کر الگ مرکز حکومت بن گیا اور پنجاب کے تنظیمی حلقے میں شامل ہو گیا - لاہور اور ملتان کے علاوہ سیالکوٹ - پسرور - گجرات - ایمن آباد - قصور اور جالندھر بھی علم و ادب کے مرکز بن گئے کیونکہ ان شہروں اور قصبوں سے بھی اہلِ علم و ادب نامور ہوئے -

مرکز سلطنت دہلی تھا - اس لیے لاہور سلاطین کی علمی و ادبی سرپرستی سے محروم رہا - ناظمان صوبہ میں سے عبدالصمد خان اور ان کے اولاد و احفاد نے علمی و ادبی سرپرستی کی لیکن وہ اپنے محدود ذرایع آمدن کے پیش نظر تیموری سلاطین کی طرح فیاضانہ انعام نہیں دے سکتے تھے - مثلاً آفریں لاہوری جیسے استادالشعراء کو ایک روپیہ روزینہ عطا ہوا - لاہور میں علمی و ادبی فضا موجود تھی - گھر گھر مشاعروں کی محفلیں جمتی تھیں - مسجد وزیر خاں کا صحن بھی مشاعروں کا بڑا مرکز تھا جہاں اطراف سے شعراء آکر بزم مشاعرہ میں شرکت کرتے تھے - تنقید و تحسین کے آوازے بلند

ہوتے تھے اور شعری مراتب کا جائزہ لیا جاتا تھا۔ اس طرح کلام کا معیار بلند ہوتا تھا۔ حاکم لاہوری کے تذکرہ "مردم دیدہ" سے اس عہد کے بے شمار شعرا کی ایک جھلک دیکھی جا سکتی ہے۔

اس دور میں ہندوؤں نے فارسی علم و ادب میں کافی مہارت پیدا کرلی تھی۔ وہ حکام و امراء کے ساتھ منشی کی حیثیت سے ملازم ہوتے تھے۔ منشی عموماً شعرا بھی ہوتے تھے۔ بعض کے مرتب دیوان بھی ملے ہیں۔ اور بعض نے مقامی رومانی داستانوں کو بھی منظوم کیا ہے۔ وہ زمانے کے رواج کے مطابق فنی و مصنوع عبارت پر بھی خوب دسترس رکھتے تھے۔ لغت و محاورہ دانی کا بھی انھوں نے ثبوت مہیا کیا ہے۔ سیالکوٹی مل وارستہ اور انندرام مخلص اس سلسلے کے سرخیل ہیں۔

طلبہ کی سہولت کے لیے نثر و نظم کی درسی کتابوں کی شروح لکھنے کا بھی رواج رہا۔ چنانچہ بعض نے خاص طور پر شارحین کی حیثیت سے شہرت حاصل کی۔

علماء و صوفیہ علمی دینی اور روحانی فضا کے مأخذ و منبع تھے۔ انھوں نے بھی ارشاد و تبلیغ اور مفاد عامہ کے لیے کتب و رسائل تصنیف کیے۔ عربی میں بھی اور فارسی میں بھی لیکن ان میں سے اکثر دستبرد زمانہ کی نذر ہو چکے ہیں یا کہیں نجی کتابخانوں کے دفینوں میں موجود ہیں۔ جہاں ہماری رسائی نہیں ہو سکتی۔

اس مرکز میں ہم مندرجہ ذیل مصنفین کو شامل کر سکتے ہیں جن کے متعلق تفصیل سے لکھنا ممکن ہو سکا ہے۔

شعراء

ملا داؤد قادری ملتانی ۔ وارستہ سیالکوٹی ۔ غنیمت کنجاہی

احمد یار خان یکتا ۔ محمد علی رائج سیالکوٹی ۔ واقف بٹالوی

آفرین لاہوری ۔ دلشاد پسروری ۔ حاکم لاہوری ۔ اندرجیت منشی ۔ محمد ماہ مروت ۔ سیف اللہ سیفی ۔ احمد نشاط پسروری ۔ صادق ملتانی ۔ خیراللہ فدا لاہوری ۔ بیرنگ لاہوری ۔ تجرد لاہوری ۔ انند رام مخلص ۔ دیوان سنگھ خلیق لاہوری ۔ دیوان مُلرای منشی جوت پرکاش ۔ شاکر اٹکی ۔

علماء

عبداللہ خویشگی قصوری ۔ حافظ احسن اللہ سھرکن لاہوری حافظ پیر محمد طبیب لاہوری ۔ محمد عنایت اللہ قادری ۔ حافظ محمد صدیق جان محمد سیالکوٹی ۔ عبداللطیف لاہوری ۔ بہلول برکی جالندھری ۔ مولانا محمد عابد لاہوری ۔ یار محمد ملتانی ۔ نصراللہ بن عبدالسلام اٹکی ۔

شارحین

محمد بزرگ سیالکوٹی ۔ سید علیم اللہ جالندھری ۔ بہلول برکی جالندھری ۔ عبداللہ خویشگی ۔

مؤرخ

عاصی کلانوری (اسرار صمدی) ۔ محمد قاسم (عبرت عبرت نامہ) محمد اسلم پسروری (فرحت الناظرین) ۔ دونی چند (کیگوھر نامہ) ۔ محمد مقیم (تاریخ لاہور و سیالکوٹ) ۔ نورالدین فاروقی (جہاندار نامہ) غلام محی الدین (فتوحات نامہ صمدی) ۔

انشا پرداز

میر قاسم علی (مرصع کار) ۔ کرپارام ملتانی ۔ پاکھر مل ۔ احمد

بن عبداللہ پسروری ۔ منسا رام خوشابی ۔ شیخ محمد رشید گجراتی ۔ شیر علی قصوری ۔ روپ نراین کھتری سیالکوٹی ۔ اخلاص خان وامق ۔ لالہ میگھراج ملتانی ۔ ملک لعل چند منشی ۔ پران ناتھ ملتانی ۔ محمد ماہ صداقت ۔

صوفیہ

حافظ محمد حیات نوشاہی ۔ عبدالرحمن لاہوری ۔ شاہ فتح اللہ جالندھری ۔ عبدالکریم لاہوری ۔

لغت نگار

انند رام مخلص ۔ سیالکوٹی مل وارستہ ۔

تذکرہ نگار

حاکم لاہوری مؤلف مردم دیدہ

—:o:—

غنیمت کنجاہی

تذکروں میں غنیمت کا بہت مختصر حال موجود ہے۔ صادق علی دلاوری نے ۱۹۴۲ء میں مقامی ذرائع سے ان کے حالات مرتب کیے تھے[1]۔ محمد اکرم ان کا نام تھا اور غنیمت تخلص۔ کنجاہ کے رہنے والے تھے جو گجرات سے سات میل دور مغرب کی طرف ایک قصبہ ہے۔ اگست ۱۹۴۳ء میں ڈاکٹر محمد عبداللہ چغتائی نے مثنوی "نیرنگ عشق" کے ایک قلمی نسخے کا تعارف کراتے ہوئے اس بات کی طرف توجہ دلائی کہ اس کے ترقیمے میں غنیمت کو شاہجہان آبادی لکھا ہے[2]۔ نومبر ۱۹۴۳ء میں صادق علی دلاوری نے "غنیمت کا وطن" کے عنوان سے مقالہ لکھا اور "ثواقب المناقب" مؤلفہ محمد ماہ صداقت کے حوالے سے ثابت کیا کہ غنیمت صداقت کے چچا تھے اور اس کے والد یعنی غنیمت کے بھائی نظر محمد کنجاہ کے رہنے والے تھے[3]۔ لیکن دوسرے محققین کو اس پر اطمینان نہیں ہوا۔ غنیمت کے ہم وطن پروفیسر شریف کنجاہی نے بتایا کہ اس کا وطن شاہجہان آباد تھا جو کنجاہ کے قریب چناب کے کنارے آباد تھا۔ انہوں نے قیاساً کہا ہے کہ اس کا موجودہ نام ٹھٹھی مفتیاں ہے[4]۔ سید شرافت نوشاہی کی رائے یہ ہے کہ کنجاہ کو شاہجہان آباد یا شاہجہان پور کہا جاتا تھا[5]۔ انہوں نے ایک قدیم دستاویز کے حوالے سے یہ نام متعین کیا ہے لیکن اس دستاویز میں شاہجہان پور مندرج ہے۔ شاہجہان آباد نہیں[6]۔

۱۔ اوریئنٹل کالج میگزین، مئی ۱۹۴۲ء۔
۲۔ اوریئنٹل کالج میگزین، اگست ۱۹۴۳ء۔
۳۔ اوریئنٹل کالج میگزین، نومبر ۱۹۴۳ء۔
۴۔ رسالہ فنون (اردو) شمارہ اپریل، مئی ۱۹۷۴ء۔
۵۔ رسالہ العلم (کراچی)۔ شمارہ اپریل، جون ۱۹۷۳ء۔
۶۔ شریف التواریخ از شرافت نوشاہی، نسخۂ خطی مملوکہ مصنف۔

میرا خیال ہے یہ محض قیاس آرائی ہے۔ اس نسخۂ خطی کے کاتب کو مغالطہ ہوا ہے جس کا تعارف ڈاکٹر عبداللہ چغتائی نے کرایا ہے۔ کاتب نے اپنے ترقیمے میں قیاساً شاہجہان آباد لکھ دیا ہے۔

غنیمت کے والد نظر محمد فاضل آدمی تھے۔ ان کے چچا ابوالبقا بھی صاحبِ علم و عرفان تھے۔ غنیمت نے اپنے والد، چچا قاضی خوشی محمد اور قاضی رضی الدین سے متعدد کتابیں پڑھیں۔ انھوں نے تصوف و طریقت میں بھی تربیت حاصل کی۔ وہ صالح محمد گیلانی کے معتقد و پیرو تھے جو حضرت حاجی محمد نوشہ کے مرید تھے جن کے فیض سے سلسلۂ نوشاہیہ کو رواج و فروغ ہوا۔ غنیمت نے اپنے مرشد کے متعلق لکھا ہے:

در کشور کشای فیض سرمد　　امام عاشقان صالح محمد
سروسر حلقہ‌ی صاحبدلان است　　جنید وقت و شبلی زمان است
کند از یک نگاہِ مہر پرور　　کف خاک ترا خورشید انور

غنیمت کو سید عبدالقادر جیلانی سے بھی گہری ارادت تھی۔ ان کی منقبت میں لکھا ہے:

غنیمت ای غلام غوث اعظم　　فدای نام پاک قطب عالم
چو من خود راسگِ کوی تو خواندم　　بآہوی حرم نسبت رساندم

غنیمت نے ایک دفعہ کابل جانے کا ارادہ کیا پر نہ گئے۔

شوق فائز می کند تکلیف سیر کابلم
شد غنیمت دیدۂ ما عرصہ سرخاب ازو

گلشن کشمیر کی سیر کو گئے۔ جب وہاں دل نہ لگا تو پنجاب واپس آ گئے۔

شد غنیمت سرد در خاطر ہوای کابلم
بسکہ دل سرگرم سیر گلشن کشمیر بود

دو مرتبہ اٹک بھی گئے[1] ۔ شفیق اورنگ آبادی نے لکھا ہے کہ غنیمت کچھ عرصہ کے لیے میرزا ارتق بیگ فوجدار سیالکوٹ کے پاس ملازم رہے اور انھی کے بیٹے میرزا عبدالعزیز کی داستانِ محبت کو اس نے اپنی مثنوی "نیرنگِ عشق" میں منظوم کیا[2] ۔ کسی اور مآخذ سے اس بیان کی تصدیق نہیں ہو سکی ۔ میرزا ارتق بیگ کی شخصیت بھی متعین نہیں ہو سکی ۔ البتہ بیان کا دوسرا حصہ غلط معلوم ہوتا ہے ۔ غنیمت نے ذیل کے شعر میں جس عزیز کی فرمایش پر یہ مثنوی لکھی وہ اسم خاص میرزا عبدالعزیز نہیں ہو سکتا بلکہ عزیز سے مراد ایک عام عزیز مراد ہے ۔

سخن گفتم بامید تمیزے　　گہر سفتم بتکلیف عزیزے

حسین دوست نے لکھا ہے کہ غنیمت لاہور میں نواب مکرم خان کے ملازم رہے ۔ عزیز ان کا بیٹا تھا لیکن یہ بھی غلط ہے ۔ نواب مکرم خان لا ولد تھے ۔ سید شرافت نوشاہی نے اخبار "پیام" کے حوالے سے اپنی تالیف "شریف التواریخ" میں لکھا ہے کہ وہ دہلی بھی گئے ۔ گنواروں کی سی وضع قطع تھی ۔ وہ سرخوش سے جا کر ملے ۔ انھوں نے اپنی غزل سنائی تو حاضرین محظوظ ہوئے ۔ سرخوش نے اپنے پاس ٹھہرایا اور بڑی خاطر تواضع کی[3] ۔ اس حکایت کی تصدیق کسی اور مآخذ سے نہیں ہو سکی ۔ سرخوش نے اپنے تذکرہ "کلمات الشعراء" میں غنیمت کا ذکر کیا ہے لیکن اس قسم کا کوئی واقعہ بیان نہیں کیا اور نہ ان سے ملاقات کا ذکر کیا ہے ۔

غنیمت لاہور میں بیمار ہوئے اور کنجاہ میں فوت ہوئے ۔ وہیں ان کا مقبرہ ہے ۔ مقبرے پر سال وفات ۱۱۱۰ع درج ہے ۔

---

۱ ۔ مجلہ صحیفہ ، جنوری ۱۹۷۳ع ، رقعات غنیمت کنجاہی مرتبہ شرافت نوشاہی رقعہ اول

۲ ۔ گلِ رعنا ، شفیق اورنگ آبادی ، مخطوطہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری ، مجموعہ شیرانی ، شمارہ ۱۴۹ ، ص ۲۲۷ ۔

۳ ۔ شریف التواریخ نسخہ خطی مملوکہ مصنف ۔

تصانیف

۱ - دیوان : دیوان پنجابی ادبی اکیڈیمی لاہور کی طرف سے شایع ہو چکا ہے - پروفیسر عبدالعزیز ربانی نے ترتیب و تصحیح کا کام سر انجام دیا ہے - دیوان میں دو قصیدے نعت رسول میں - ایک قصیدہ مدحیہ اور بارہ رباعیاں ہیں باقی تمام غزلیات ہیں - نور محمد قادری کے پاس دیوان غنیمت کا ایک نسخہ موجود ہے ، جس میں مطبوعہ غزلیات کے علاوہ اور بھی اشعار ہیں اور بعض اشعار کے متبادل متن بھی ہیں[1] -

۲ - مثنوی نیرنگ عشق -

۳ - رقعات غنیمت

۴ - ساقی نامہ : انڈیا آفس لائبریری میں شمارہ ۱۶۵۲ پر ایک مجہول الاسم مثنوی ہے جو ساقی نامہ سے مشابہ ہے - ایٹے کا خیال ہے کہ اس کا مصنف بھی غنیمت ہے - یہ بھی اسی کاتب نے لکھی ہے جس نے دیوان لکھا ہے - اس مثنوی کا آغاز و انجام اس طرح ہے :

بیاساقی کہ فصلِ نوبہار است قدح گلرنگ می ، مطرب ہزار است

چہ حاصل نکہت از طول کلامست تمام است و تمام است و تمام است

۵ - مثنوی گلزارِ محبت : سید شرافت نوشاہی نے اس کا تعارف مجلہ العلم (کراچی) شمارہ اپریل ، جون ۱۹۷۳ع میں کرایا تھا - اس مثنوی کا نسخہ خطی شیخ کرامت اللہ گجراتی کے ذاتی کتب خانے میں موجود ہے - کل ۴۴ ورق ہیں - ہر صفحے میں ۱۳ سطریں ہیں ، مثنوی کا آغاز یوں ہے :

الٰہی ساز دل را عشق مانوس بطاقم نہ چراغ برق مانوس

---

۱ - فنون ، مارچ ۱۹۷۵ع -دیوان غنیمت کا ایک اور خطی نسخہ -

مثنوی کے عنوانات بھی منظوم ہیں ، ابتدائی عنوانات یہ ہیں :

حمد باری ، نعتِ رسول ، مدح غوث اعظم ، مرشد سید صالح محمد نوشاہی ، مدح فرخ سیر ، عشق ، تعریفِ پنجاب ۔

فرخ سیر کی مدح سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ غنیمت ۱۱۲۵ھ تک تو یقیناً زندہ تھے ۔
نسخہ خطی کا اختتامیہ اور ترقیمہ حسب ذیل ہے :

"گفت غنیمت سخن دل تمام کاتبِ او گفت علیہ السلام
غریقِ رحمتِ ایزد آن کسی باد کہ کاتب را بہ الحمد کند یاد

تمت تمام شد مثنوی تصنیف غنیمت کنجاہی ، اسمِ او محمد اکرم است و تخلصِ او غنیمت عرف نرخی کنجاہی غفراللہ لہ ولوالدیہ ۔"

مجلہ فنون لاہور ، شمارہ ستمبر و اکتوبر ۱۹۷۳ع میں شریف کنجاہی نے اس مثنوی کا لسانی اور فنی تجزیہ کر کے اور "نیرنگ عشق" سے مقابلہ کر کے ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ یہ مثنوی غنیمت کی تصنیف نہیں ہو سکتی ۔ اور یہ کوئی اور غنیمت ہیں ۔ ان تمام دلائل کے خلاف ایک بات یہ ہے کہ کیا اس غنیمت کے مرشد بھی سید صالح محمد گیلانی تھے ۔ دوسرے یہ کہ وہ "نیرنگ عشق" کی تالیف کے وقت زندہ تھے اور "گلزار محبت" کی تالیف کے وقت وہ وفات پا چکے تھے ۔ ترقیمے سے ظاہر ہوتا ہے کہ کاتب گویا غنیمت کے عزیز احباب میں سے تھے جو اس کے اور اس کے والدین کے لیے مغفرت کی دعا مانگ رہے ہیں ۔ شریف صاحب کے تجزیے سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ "گلزار محبت" غنیمت سے منسوب ہے ۔

۶ ۔ رقعات غنیمت

غنیمت کی نگارشات میں تیرہ رقعات بھی موجود ہیں جو ایک خطی بیاض میں دوسرے انشا پردازوں کی تحریروں کے ساتھ ایک جگہ منقول

ہیں ۔ یہ بیاض پنجاب یونیورسٹی لائبریری ، مجموعہ شیرانی میں شمارہ ۹۳۰ پر محفوظ ہے ۔ سید شرافت نوشاہی نے ان تیرہ رقعات کو مجلہ سہ ماہی صحیفہ ، شمارہ ۶۲ ، جنوری ۱۹۷۳ع میں شائع کر دیا ہے ۔ یہ رقعات اپنے دوست ، احباب کو لکھے گئے ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اپنے احباب کے ہاں جاتے تھے اور احباب ان کے ہاں آتے تھے ۔ یہ ان کی خاطر داری کرتے تھے ۔ ایک خط سے ظاہر ہوتا ہے کہ ایک دوست ان کے ہاں آئے جو بھنگ کے رسیا تھے ۔ ان کے لیے بھنگ مہیا کرنے کے لیے ایک دوست کو لکھا ہے ۔ ایک دوست نے ان سے شکاری پرندہ حاصل کرنے کی فرمائش کی ہے ۔ ایک صاحب کے لیے انھوں نے معجون مقوی باہ بھیجی ہے ۔ قیاس ہے کہ ان کے پاس طبی نسخے موجود ہوں گے یا واقعی وہ علم طب سے بھی شغل رکھتے تھے ۔ ایک خط سے ظاہر ہے کہ وہ دو مرتبہ اٹک گئے ۔ ایک دوسرے خط سے واضح ہے کہ کسی حاکم یا منصبدار کی ملازمت میں وہ لشکر میں تھے جہاں سے انھوں نے خط لکھا ۔

ان کے دو خطوط سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ دواوین شعرا اپنے دستخط سے نقل کر کے اپنے پاس رکھتے تھے چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ دیوان نادم گیلانی ، دیوان صیدی اصفہانی اور دیوان برہمن گرجستانی کے خود نوشت نسخے گم ہوگئے ہیں ۔ ان کا نوشتہ دیوان تجلی کوئی صاحب لے گئے تھے ۔ ایک خط میں ان سے بار بار تقاضا کرنے کا ذکر ہے ۔ ایک دوست نے کسی کتاب کا نسخہ نقل کروا کر انھیں بھجوایا تھا تاکہ وہ اصل سے مقابلہ کر کے اس کی تصحیح فرما دیں ۔ اس قسم کی تحریروں سے ان کی علمی و ادبی مصروفیات پر روشنی پڑتی ہے ۔

رقعات کی عبارت منشیانہ ، دقیق اور پر تکلف ہے ۔ نثر میں بھی شعری تلازمات کو مد نظر رکھا گیا ہے ۔ پہلے رقعے کے چند جملے ملاحظہ کیجیے :

”مخدوما مکرما کہ در تادیہ کورنش تحمل تاخیر بر اہل تقدیم گران

میداشت ، دست در بغل کشیدۂ مہجوری است ۔ ناصیہ ایکہ غیراز خاک آن آستان صندے نمی خواست ،گرفتار درد سر ہاست و لبے کہ جز دستبوس گرامی لذتے نفہمیدہ زہرھای مہاجرت چشیدہ"۔

شاعری

تصوف

غنیمت نے سید صالح محمد کا مرید ہو کر درویشانہ زندگی اپنا لی تھی۔ غوث اعظم شیخ عبدالقادر جیلانی کے ساتھ تو انھیں والہانہ عقیدت تھی جیسا کہ ان کے اشعار سے ظاہر ہے۔ اس نسبت کی وجہ سے ان کے کلام میں تصوف و عرفان کے مضامین پائے جاتے ہیں۔ انھوں نے گہرے فلسفہ تصوف پر اظہار خیال نہیں کیا۔ نہ ہی خاص اصطلاحات تصوف استعمال کی ہیں البتہ مثالوں سے تصوف کے معانی و مطالب کی وضاحت کی ہے۔

اہل تصوف کا یہ خیال بنیادی حیثیت رکھتا ہے کہ خدا ہر جگہ موجود ہے۔ وہ مختلف شؤن و مظاہر میں نظر آتا ہے۔ اصل حقیقت وہی ہے۔ غنیمت نے اپنے اشعار میں اس خیال کو مختلف رنگوں میں بیان کیا ہے مثلاً

درمیان بحر و امواجش دوئی نام است و بس
جلوۂ معشوق وحدت زیب آغوش خود است

خالی ازو نیست ہیچ جای   یار نہ دانستہ ام کجا نیست

صوفیہ کی بنیادی فکر یہ بھی ہے کہ وہ محبوب خداوندی کے لیے اپنا سب کچھ لٹاتے ہیں۔ اپنے نفس کی سرکشی کو دباتے ہیں۔ خود کو ہر دم اس کی یاد میں محو رکھنا شعار زندگی سمجھتے ہیں۔ اس کے تصور میں حائل ہونے والی انانیت کو مٹانا ان کا شیوۂ مشرب ہے۔ خود شکنی اور ودگسستنی میں ہی ان کے لیے محبوب کے قریب کی راہ کھلتی ہے۔ غنیمت کے کلام میں اس قسم کے افکار جا بجا نظر آتے ہیں۔ مثلاً

ترا ز خود شکنی فتح ھا میسر شد   نبود غیر غنیمت کسی غنیم اینجا

تسبیح عاشقان رشتۂ ہستی گسستن است (ص ۶۴)

گر دلی داری غنیمت پند صائب گوش کن
"حفظ دولت در پریشان کردن سیم و زر است"

غبارم سد راہ منزلی مقصود شد چندی
تہی گردیدم از خود یافتم کوی حبیب اینجا

تفکر و مراقبہ صوفیہ کا شغل ہے ۔ غنیمت لکھتے ہیں :

سالکان را آشنای بحر وحدت میکند
سر فروبردن بفکر خویش چون گردابہا

غنیمت کے خیال میں مال و اسباب کی بربادی ، سامان عیش و نشاط سے دوری درویشانہ زندگی کے عین مطابق ہے اور اگر گردش فلک اس تباہی میں معاون ہوتی ہے تو ہمیں اس کا احسان مند اور شکر گزار ہونا چاہیے نہ کہ ہم فلک بیدادگر اور کج رفتار کے شکوہ گزار بنیں ۔ غنیمت نے اس خیال کو نہایت موزوں مثال سے واضح کیا ہے :

نیست مشتاق فنا را شکوہ از بیداد چرخ
دانہ ام از آسیاها زیرِ بارِ منت است

اگر ایک شخص کے پاس تن ڈھانپنے کو کپڑا نہیں تو لوگ اسے غریب و مفلس سمجھیں گے ۔ اگر ایک فقیر درویش ارادتاً اپنے آپ کو عریاں بدن رکھتا ہے کیونکہ وہ نفس کو ہر قسم کی زیب و آرائش اور آرام و راحت سے دور رکھتا ہے تو لوگ اسے صوفی کہتے ہیں ۔ غنیمت بہت حساس ہیں ۔ وہ سمجھتے ہیں کہ عریانی تن سے بھی حس خود نمائی کی نمایش کا امکان موجود ہے ، اس لیے انھیں یہ بھی گوارا نہیں ۔ وہ کہتے ہیں ۔

جامۂ عریانی غنیمت   در نظر عشق خود نمائیست

عشق

اپنے محبوب خالق کے ساتھ محبت روح زندگی میں استواری کا سبب ہے۔ ایک شاعر نے کہا تھا :

ہر کرا عشق نیست آدم نیست۔

غنیمت بھی اس بات کے قائل ہیں کہ عشق کے بغیر زندگی ناخوشگوار ہے۔

ہر دل کہ بود بی اثر عشق تو ، باشد   در چشمِ غنیمت گرہِ رشتۂ جانہا

بعض لوگ محض تسکین نظر کے لیے حسین چیزوں کو دیکھتے ہیں۔ بعض لوگ حسینوں میں ان کے خالق کا عکس دیکھتے ہیں۔ اگرچہ اس حسن کی نظارہ بازی میں ہوس کا شائبہ نہیں ہوتا۔ پھر بھی نظر آلودہ ہونے کے اسباب موجود ہوتے ہیں۔ بعض اہل ہوس کسی مادی فائدے کے بغیر نظارہ بازی میں مصروف رہتے ہیں۔ اگر نظر پاک نہ ہو تو یہ بھی ایک قسم کا گناہ ہے۔ خیال ہے کہ غنیمت بھی اس قسم کی نظر بازی سے نادم ہیں :

جز ندامت در نظر بازی نباشد حاصلی
چشم ما از کردہ ھای خویش امشب تر است

عشق میں ایک ایسا مقام آتا ہے کہ من تو شدم تو من شدی کا مرتبہ حاصل ہوتا ہے۔ من و توکا امتیاز اٹھ جاتا ہے۔ عاشق و معشوق ایک ہو جاتے ہیں۔ اس طرح جس نے عاشق کو دیکھا اس نے خدا کو دیکھا جسے محبوب یعنی خدا کی تلاش ہے وہ عاشق کے پاس جائے تو اسے خدا تک رسائی ہوگی۔ غنیمت اس حقیقت کو جانتے تھے۔ چنانچہ انھوں نے اپنے آپ کو اس مقام پر پہنچا ہوا بتا کر اس نقطے کی وضاحت کی ہے۔

میان عاشق و معشوق فرقی نیست چندانی
غنیمت رہ بجانان می توان برد از سراغِ من

سچا عشق بڑی طاقت ہے ۔ وہ قوت ارادی اور قوتِ اعتمادی کو مضبوط کرتا ہے ۔ آدمی خدا کے سوا کسی دوسرے پر بھروسا نہیں کرتا ۔ اپنی حاجات کے لیے کسی کے سامنے دست دراز نہیں کرتا ، اس لیے اس میں دنیا والوں کے سامنے سر بلند رکھنے کی عادت ہو جاتی ہے ۔ غنیمت کو بھی عشق کی یہ نعمت میسر تھی ۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں :

چون غنیمت سرفرو نارم بکس از فیض عشق
تا نفس در راہ جانان سوخت باد نخوت است

صوفیہ کا عشق انھیں چپ رہنے کی تلقین کرتا ہے ۔ وہ دوسروں کے عیب نہیں ڈھونڈتے ۔ دوسروں سے جھگڑا نہیں کرتے ۔ صلح کل ان کا درس زندگی ہے ۔ غنیمت بھی انھی اخلاق کے حامل ہیں اور دوسروں کو انھی اخلاق کی نصیحت کرتے ہیں ۔ مثلاً :

ندامت ھاست حاصل گفتگوی بی تأمل را

علاج رخنۂ ایمان خویش کرد یقین
کسی کہ بستہ لبِ خود ز عیب جوئیہا

تا ز دم دستی بدامان بہار صلح کل
چون گل شد در دل دشمن غبار کینہ ام

غنیمت نے اپنے کلام میں زمانے کی اجتماعی اور اخلاقی زندگی پر تبصرہ کیا ہے ۔ وہ بتاتے ہیں کہ ہنر کی بے قدری تھی ۔ اہلِ ثروت و حکومت ہنر نا آشنا تھے ۔ محتسب خود مجرم تھا ، صوفی میخوار تھا ، باہمی رواداری ، ہمدردی اور مروت عنقا تھی ۔ دولت کے بل پر حریفوں کو شکست دی جا سکتی تھی ۔ یہ احوال و کوائف ان کی اپنی زبانی سنیے :

نمی خرند غنیمت ز روی بیقدری
بنرخ خاک فروشیم گر ہنر اینجا

ھر کلاہی کہ من دیدم سرِ بی مغز داشت
کاسہ ھا بودہ است خالی زیر این سرپوشہا

محتسب بگذاشت از کف پاس نام و ننگ را
می زند ھر جا کہ باید بادۂ گلرنگ را

ع : درین دیار کہ عیب است گرم جوشی ھا

نظریۂ شعر و اسلوب :

غنیمت کا زمانہ شاعری میں تقلید کا دور شمار ہوتا ہے ۔ شعراء ذہین تو تھے لیکن شعری موضوعات کا دائرہ محدود ہوگیا تھا ۔ اس لیے شاعر کا کمال فن اس میں سمجھا جاتا تھا کہ وہ بات نئے انداز اور اسلوب سے کہے ۔ قوت متخیلہ کو کام میں لا کر نئے سے نیا اور پیچیدہ و ژولیدہ خیال پیش کرے تا کہ قاری اس کے ذہن رسا کا قائل ہو جائے اور اس کے دقیق فکر کی داد دے ۔

غنیمت کے پیشِ نظر متقدمین و متأخرین غزل گو شعرا کا کلام تھا ۔ وہ ان کے اسلوب کو پسند کرتے تھے ۔ ان کا قول تو یہ ہے کہ وہ کسی دوسرے کے تتبع پر راضی نہیں تھے جیسا کہ وہ فرماتے ہیں :

نشود طبع باقبال تتبع راضی   در زمین دگری خانہ بنا نتوان کرد

لیکن انھوں نے جابجا حافظ ، فغانی ، صیدی تہرانی ، ابوطالب کلیم ، صائب ، قاسم دیوانہ ، جلال اسیر اور ناصر علی کی غزلیات کا تتبع کیا ہے ۔ بعض کے مصرعوں کو تضمین کیا ہے اور انھی کی بحر و قوافی و ردیف میں اپنی غزلیں لکھی ہیں ۔ کہیں کہیں ان کی برابری کا دم مارا ہے ۔ کہیں اپنے عجز کا اعتراف کیا ہے اور کہیں ان سے عالی رتبہ ہونے

کا بھی دعویٰ کیا ہے ۔ بقول صاحب مجمع النفایس و مؤلف نشتر عشق وہ محمد زمان راسخ کے شاگرد تھے[1] ۔ مگر ان کے اشعار میں اس کی طرف اشارہ موجود نہیں ۔

غنیمت جانتے تھے کہ شاعری آسان کام نہیں ۔ اس کے لیے بڑی گہری فکر کی ضرورت ہے اور کلام کی آرائش و پیرائش کے لیے بھی پیچ و تاب کھانے پڑتے ہیں ۔ ان کا قول ہے :

مصرع رنگین نشد تا خون نشد اندیشہ ھا
فرو رفتم بفکر و گوهر معنی بدستم آوردم

آرایش سخن کے متعلق فرماتے ہیں :

پیچ و تاب فکر در آرایش نظم سخن
شاہدانِ حسنِ معنی را بجای کاکل است

گہری فکر کے ساتھ غزل کا دوسرا عنصر درد و سوز ہے ۔ فریاد و فغاں ہے جو آزردہ و شکستہ دل سے نکلتی ہے ۔ غنیمت کو احساس تھا کہ اس عنصر کے بغیر غزل اصلی روپ میں نہیں آ سکتی ۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں :

بانگِ شکستِ دل غزلِ عاشقانہ بود (ص ۱۱۹)

درد و داغ می جوشد از کلام او امروز
بر زبان غنیمت را در دل آنچہ بود آمد (ص ۱۶۶)

دیوان میں شاید ایک دو غزلیں ایسی نکل آئیں جو صحیح معنوں میں عاشقانہ ہوں یعنی شعری اصطلاح میں ان میں تغزل کارفرما ہو ۔ ہاں

---

۱ ۔ نشترِ عشق ، قلمی پنجاب یونیورسٹی لائبریری ، شمارہ ۱۴۸۷ ، ص ۲۶۶ ۔

ایسی غزلوں کی نشاندہی کی جا سکتی ہے جو درد و سوز سے مالا مال ہیں اور شاعر کے احساس و کرب کی آئینہ دار ہیں ۔ اس قسم کی نمایندہ غزل یہ ہے :

اسیر تن پرستی گشتہ ای از دل چہ می پرسی
برون نارفتہ از خود یک قدم منزل چہ می پرسی

درون غنچہ با بیرون گل یک رنگ می باشد
بود پیدا ز رنگ چہرہ حالِ دل چہ می پرسی

نیفشاندی سرشک از دیدہ جمعیت چہ می خواہی
نکردی دانہ ای در خاک از حاصل چہ می پرسی

نہ دادی دل بشوخی ذوق سر بازی چہ می دانی
نخوردی زخم تیغ و حالت بسمل چہ می پرسی

بگوشت نالۂ زنجیر مجنونی نمی آید
ز عزم ناقۂ لیلای این محمل چہ می پرسی

بہر جا می گذاری بر زمین سر آستان اوست
مقام و منزل معشوق ای غافل چہ می پرسی

غنیمت کے کلام میں سب سے بڑی خامی وہاں پیدا ہوتی ہے جہاں خیال کا خاکہ واضح نہیں ہوتا یا خیال کے لیے جامۂ الفاظ ٹھیک نہیں ملتا یعنی معنی کے اظہار کے لیے الفاظ کافی نہیں ہوتے ۔ مثلاً یہ اشعار :

بیاد داغہای کہنہ دل دارد تماشای
بود سیر چمن طاؤس را بر گشتہ دید نہا

پراز غنچہ شاخیست در باغ الفت
قد نازنین تو از جوش دلہا

بعض جگہ مضمون پیدا کرنے کے لیے غیر حقیقی اور غیر واقعی

مثالیں لاتے ہیں اور عموماً مبالغہ سے کام لیتے ہیں لیکن بعض جگہ اس کے پڑھنے سے دماغ میں شگفتگی پیدا نہیں ہوتی اور نہ ہی شاعر کے پرواز تخیّل یا عمق فکر کا احساس ہوتا ہے۔ مثلاً

بی سخن گردد زبان او سیہ ہمچو غزال
ہر کہ می خواند غنیمت نامۂ اعمال ما

یا

بسکہ حرف زلف تو بسیار گفتہ ام
زنجیر شد چو شمع سخن بر زبانِ ما

بعض جگہ مراعات لفظی کا التزام رکھنے کی وجہ سے بھی خیال میں پیچیدگی اور بیان میں الجھاؤ پیدا ہوتا ہے مثلاً:

پیش آن چشم سخن گو ہمچو میل سرمہ ناک
خاک گشتہ بر زبانہا قوت گفتارها

بعض جگہ مبالغہ کی وجہ سے غیر طبیعی نتیجہ نکالا ہے:

بچشم مست تو کردم شبی اشارہ ز دور
مرا چو گردن میناست پر شراب انگشت

بعض جگہ خواہمخواہ مضمون پیدا کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ مطلب میں صراحت نہ ہونے کی وجہ سے شعر ایک طرف الجھا ہوا اور دوسری طرف بے مزہ ہو گیا ہے۔ اس قسم کے اشعار کی دو مثالین ملاحظہ کیجیے:

برنگ تاک می بالد رگ جان شہیدانت
چو میخوردند بی باکانہ از بس آب خنجرها

تا سجدۂ کوی شدہ معشوق تمنا
وا کردہ ز ابرو بغل شوق جبینها

ان کے کلام میں مضمون آفرینی کی وجہ سے ہمیں نئی اور وسیع المعنی تراکیب میسر آئی ہیں ۔ مثلاً

نرگسِ میخانہ سامان اور بلبلِ درد آشیان

لیکن بعض جگہ نامانوس اور غریب تراکیب بھی نظر آتی ہیں مثلاً

دکان آہنہا ۔ سبز گردد دانۂ زنجیر

اس عہد کا یہ بھی رجحان تھا کہ شعرا قدرت کلام دکھانے کے لیے سخت زمین تلاش کرتے تھے یا مشکل ردیف انتخاب کرتے تھے ؛ اس طرح خواہ‌مخواہ بامعنی شعر نکالنے کی کوشش کرنی پڑتی تھی اور کلام میں تکلف اور تصنع پیدا ہو جاتا تھا ۔ غنیمت نے بھی سرشک ۔ بغل ۔ پری ۔ سبو ۔ ساکنی دارم جیسی ردیفوں میں غزلیں کہی ہیں اور پر تکلف اشعار نکالے ہیں ۔

اس دور کا ایک اور انداز مثالیہ اسلوب ہے ۔ ایک مصراع میں کوئی قول پیش کیا جاتا ہے پھر اس کی تائید و توثیق کے لیے دلیل کے طور پر دوسرے مصراع میں مثال پیش کی جاتی ہے ۔ صائب ، کلیم ، غنی اور سیادت اس میں خاص مہارت رکھتے تھے ۔ غنیمت نے بھی جا بجا اس اسلوب کو اپنایا ہے ۔ مثلاً

رفیقِ نفسِ سرکش از بلا ایمن نمی باشد
اجل ہمراہ میگردد سوار اسپِ توسن را

مثال پہلے نتیجہ بعد میں :

عرق بر چھرۂ ابر از صدای رعد می جوشد
ندامت ھاست حاصل گفتگوی بی تأمل را

نیرنگ عشق ۔

یہ غنیمت کی مشہور و معروف مثنوی ہے جو اپنے فصیح الفاظ بیان

کی وجہ سے کافی مقبول ہوئی ہے ۔ یہ ۱۰۹۶ع میں مکمل ہوئی ۔ "گلزار بہار فکر رنگین" سے تاریخ نکلتی ہے ۔ کل پندرہ سو اشعار ہیں ۔ مثنوی کی کہانی مختصراً یہ ہے ۔

ایک غریب کے ہاں بچہ پیدا ہوا جو شوکت حسن سے مالا مال تھا ۔ اس کا نام شاہد رکھا گیا ۔ باپ اس کی ولادت سے پہلے فوت ہو گیا تھا ۔ لڑکا دس سال کا ہوا تو قیامت نکلا ۔ اس کے حسن کے چرچے ہوئے ۔ ایک مرتبہ اس کے شہر میں مقلد پیشوں کی ایک جماعت پہنچی ۔ انھوں نے شاہد کی ماں کو روپیہ دے کر شاہد کو اپنی جماعت میں شامل کر لیا اور اسے رقص و سرود کی تعلیم دی ۔ کچھ عرصے کے بعد اسے ساتھ لے کر چل دئے ۔ ایک شہر میں پہنچے ۔ جس نے اسے دیکھا تاب حسن نہ لا کر بے تاب ہوا ۔ جب اس کے حسن کی گونج دور دور تک پہنچی تو محتسب کو حکم ہوا کہ اس فتنے کو دور کرے ۔ محتسب اسے دیکھ کر خود اپنے بس میں نہ رہا ۔ آخر قاضی کے حکم سے مقلدوں کو شہر سے باہر نکال دیا گیا ۔ امیر شہر کے ولی عہد "عزیز" کو بھی دوستوں کی معرفت شاہد کی رعنائی اور دلفریبی کی اطلاع پہنچی ۔ عزیز نے چھپے چوری محفل رقص منعقد کی ۔ شاہد کو دیکھ کر وہ دل و جان سے فریفتہ ہو گیا ۔ اسے اپنے گھر لا کر آرایش کے تمام سامان مہیا کیے ۔ خواجہ سرا نے امیر کو اس حال سے باخبر کیا ، جس کے حکم سے شاہد کو گھر سے نکال باہر کیا گیا ۔ عزیز تاب فراق نہ لا کر اس کے پیچھے چل دیا ۔ باپ شفقت پدری سے مجبور ہوا اور اس نے دونوں کو واپس بلایا ۔ دونوں اکٹھے رہنے لگے ۔ شاہد مدرسے میں رہنے لگا ۔ چند سال گزر گئے ۔ اب شاہد جوان ہو چکا تھا ۔ ایک دن وہ شکار کو نکلا ۔ عزیز اور دوسرے ساتھی بھی ہمراہ تھے ۔ ہرن کا تعاقب کیا ۔ وہ خود دور نکل گیا اور ساتھیوں سے بچھڑ گیا ۔ ایک گاؤں میں پہنچا جہاں پنگھٹ پر گاؤں کی البیلی دوشیزائیں جمع تھیں ۔ شکار کو گیا تھا ۔ خود کسی کے تیر نظر کا شکار ہو گیا ۔ وہ گاؤں کے نمبردار کی لڑکی تھی ۔ شاہد رات اسی گاؤں میں ٹھہرا ۔ اچانک اسی رات افغانوں نے چھاپہ مارا

لوٹ مار کی اور بہتوں کو گرفتار کرکے لے گئے ۔ شاہد اور اس کی محبوبہ بھی اسیر ہوئے ۔ شاہد کے ساتھی اس کی تلاش میں آئے اور گاؤں میں آ کر یہ ماجرا سنا ۔ انھوں نے افغانوں کی جائے پناہ پر حملہ کیا ۔ شاہد اور اس کی محبوبہ کو نجات دلائی ۔ شاہد نے اپنی منظور نظر کو حاصل کرنے کے لیے ایک بڑھیا کی خدمات حاصل کیں جس نے لڑکی کے والد کے پاس رشتے کا پیغام دیا ۔ وہ عورت خود تو وہاں ٹھہری رہی اور لڑکی کے ساتھ خفیہ ملاقات کرکے اسے ایک فقیر کے ہمراہ وہاں سے نکلوا دیا ۔ شاہد اپنی محبوبہ کو لے کر ایسا غائب ہوا کہ پھر اس کی خبر نہ ملی ۔ اس کا عاشق دوست یعنی عزیز اس کی جدائی میں دیوانہ ہو گیا ۔

اصلیت قصہ ۔

یہ بات مثنوی سے واضح ہوتی ہے کہ یہ قصہ پنجاب سے متعلق ہے عزیز حاکم وقت امیر کا بڑا بیٹا اور ولی عہد تھا ۔ مطبوعہ مثنوی کے اختتام پر حاشیہ نگار نے عزیز کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ نواب مکرم خان لاہور کا بیٹا تھا لیکن تاریخی شواہد سے یہ بات واضح ہے کہ نواب مکرم خان حاکم لاہور لاولد تھے ۔ البتہ انھوں نے اپنا ایک متبنیٰ بنا رکھا تھا جس کا نام عبیداللہ تھا[1] ۔ اکثر تذکرہ نگاروں کا یہی بیان ہے کہ عزیز نواب مکرم خان کا بیٹا تھا لیکن ان کے مقابل صاحب گل رعنا نے ایک اور بیان دیا ہے لیکن اس کا مآخذ نہیں بتایا ۔ اس نے لکھا ہے :

"غنیمت" در اوائل حال بھمراھی میرزا ارتق بیگ فوجدار قصبہ سیالکوٹ بسر می برد ۔ دران ایام میرزا عبدالعزیز خلف میرزای مذکور بر شاہد نامی امرد پسری کہ از رقاصان بود تعشق بہم رسانید و کارش برسوائی کشید ۔ غنیمت کہ از ہم صحبتان و

---

۱ ۔ مآثرالامراء ، ج ۳ ، ص ۶۹۶ ۔

غمخواران آن عزیز مصر عشق بود بموجب فرمایش مرزا ارتق بیگ آن قصہ را کہ ہزار و پانصد بیت موافق اعداد غنیمت باشد مسمی بہ نیرنگ عشق موزون کرد[1] -

یہ بیان بھی تسلی بخش نہیں کیونکہ مثنوی میں غنیمت عزیز کے متعلق لکھتے ہیں کہ وہ فرمانروا کا ولی عہد تھا :

در آن فرمانروائیہای موجود - ولی عہدش اگر بود آن پسر بود -

ارتق بیگ فوجدار تھا اس کے بیٹے کو ولی عہد نہیں کہا جا سکتا -

مثنوی میں غنیمت کے اپنے بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ واقعہ اس کا چشم دید ہے اور اس نے یہ مثنوی حکم کی تعمیل میں مجبور ہو کر تصنیف کی - مندرجہ ذیل اشعار سے اس بات کی طرف اشارہ ملتا ہے -

حدیث عشق بود از گفتنم دور ولی بودم بحکم امر معذور
سخن گفتم بامید تمیزی گہر سفتم بتکلیف عزیزی

مولانا غنیمت کے ایک ہم وطن ادیب شریف کنجاہی نے اپنے ایک مضمون میں لکھا ہے[2] کہ اس قصے کی اصلیت صحیح نہیں - مندرجہ بالا شعر میں عزیز سے مراد اسم خاص نہیں بلکہ صرف ایک عزیز مراد ہے جس کے کہنے سے مولانا نے یہ مثنوی لکھی اور شعر سے بھی یہی معنی متبادر ہوتے ہیں - انھوں نے مزید یہ دلیل دی ہے کہ غنیمت نے لکھا ہے کہ عزیز شاہد کی جدائی میں دیوانہ ہو گیا -

---

۱ - گل رعنا ، شفیق اورنگ آبادی ، مخطوطہ مجموعہ شیرانی - پنجاب یونیورسٹی لائبریری ، شمارہ ۱۳۹۰ ، ص ۳۲۷ ب -

۲ - "غنیمت کنجاہی کی مثنوی" مقالہ مطبوعہ روزنامہ "امروز" ، شمارہ ۹ فروری ۱۹۵۸ع -

ز شہر آرائی دانش بیرون شد　　اسیر وسعت آباد جنون شد

وہ لکھتے ہیں کیا جب وہ "اسیر وسعت آباد جنون" ہوگیا تھا تب اس نے اس قصے کو منظوم کرنے کی فرمائش کی تھی ۔

شریف صاحب کا یہ بھی خیال ہے کہ غنیمت کا اس واقعہ سے کوئی تعلق نہیں اور مندرجہ ذیل اشعار میں جہاں وہ اپنی موجودگی کا ذکر کرتا ہے ، وہ محض انداز بیان ہے ۔ جب شاہد خود قاصد بن کر جاتا ہے تو وہ اپنے دوستوں میں سے غنیمت کا تعارف یوں کراتا ہے :

بگفتا زاں میان موزون جوانے　　غنیمت نام بود آتش زبانے

مکتب کے ذکر میں کہتا ہے :

برآمد بر در مکتب خروشم　　کہ من سیپارۂ دل می فروشم

شریف صاحب اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

"اس سے بعضوں نے یہی سمجھ لیا ہے کہ غنیمت سچ مچ سیپاروں کا بغچہ بغل میں دبائے اس مکتب کے دروازے پر صدا دینے چلے گئے تھے ۔ وہ بھول گئے کہ غنیمت ایک مفتی شہر کا فرزند تھا اور صاحب علم و فضل" ۔

شریف صاحب گوارا نہیں کرنا چاہتے کہ غنیمت کا نام عزیز کے ہم مجلسوں میں ہو اور وہ اس "کار بد" میں اس کا شریک ہو ۔ لیکن اگر اس واقعہ سے غنیمت کا کوئی تعلق نہیں تھا تو اس نے خوامخواہ اس قصے میں اپنی شخصیت داخل کرکے کیوں بیان کو غیر طبعی بنایا ۔ دوسرے موقعے پر تو ایک بیان کا عنوان ہی یہ ہے :

"رفتن مولانا غنیمت برای سیر مکتب خانۂ شاهد

اس عنوان کے تحت جتنے اشعار لکھے ہیں ، وہ اس کی اپنی شیفتگی اور عشق

کا اظہار کرتے ہیں ۔ یہ ٹھیک ہے کہ وہ فقیروں کی طرح "من سپارۂ دل می فروشم" کی صدائیں نہیں لگاتا ہوگا لیکن اس کے عشق بھرے دل سے اس قسم کی آوازیں تو ضرور نکلتی ہوں گی ۔ شریف صاحب کہتے ہیں کہ یہ نہیں بھولنا چاہیے تھا کہ وہ مفتی شہر کا فرزند تھا ۔ اس کا مطلب یہ بھی نہیں کہ مفتی کا بیٹا ہمیشہ سنجیدہ و پرہیزگار ہی ہوتا ہے ۔ اگر ایسی بات ہے تو شاعری اور مثنوی طرازی دو متضاد کام ہیں ۔ اگر غنیمت پر مفتی پن کی پرچھائیں ہوتی تو وہ تڑپتی اور پھڑکتی عشقیہ مثنوی نہ لکھ سکتے ۔ اور ایک لڑکے کو پری زاد اور حور شمائل بنا کر خود کو اور دوسروں کو اس کے عشق میں دیوانہ نہ بناتے ۔ اب شریف صاحب نے مزید تحقیق کے بعد لکھا ہے کہ غنیمت کے مفتی زادہ ہونے کا کوئی معاصر ثبوت نہیں' ۔

مضمون قصہ :

شاید ادبیات فارسی میں یہ پہلی عشقیہ مثنوی ہے جس میں عاشق و معشوق دونوں مرد ہیں ۔ اگر کسی کو پہلے سے معلوم نہ ہو کہ شاہد ایک لڑکا ہے تو مثنوی کے پہلے تیس صفحوں تک اسے یہی یقین رہے گا کہ مثنوی کا محبوب صنف نازک سے تعلق رکھتا ہے ۔ مصنف نے اس کے چشم و ابرو ۔ قد و قامت ۔ زلف و کمر کی توصیف کچھ اس انداز سے کی ہے کہ شعراء کے عام محبوب اور اس مرد بچہ کے اوصاف میں فرق نہیں کیا جا سکتا ۔ کئی جگہ اس کو پری زاد نازنین اور حور خصال لکھا ہے ۔ چونکہ شاہد کی عمر دس بارہ سال تھی ۔ لمبے بال بھی رکھے تھے ۔ نازک اندام بھی تھا ۔ اس پر قیامت رقص کی تعلیم حاصل کر رکھی تھی ۔ ممکن ہے کوئی خیال کرے کہ عزیز اور شہر کے دوسرے نوجوانوں نے اسے لڑکی ہی سمجھا ہو ۔ کیونکہ مثنوی میں شاہد کے لیے جس شیفتگی کا اظہار کیا گیا

---

۱ ۔ "فنون" اپریل ، مئی ۱۹۷۴ع ۔

ہے وہ اگر ایک امیر ولی عہد رموز عشق سے آشنا شخص کی طرف منسوب ہو تو عجیب اور غیر طبعی بات معلوم ہوتی ہے - یہ گمان بھی ہو سکتا ہے کہ عالمگیر جیسے زاہد اور سخت گیر شہنشاہ کے عہد حکومت اور فقیہ و محتسب کی فرمانروائی میں زن و مرد کی عشقیہ داستان منظوم کرنا مفتی زادے کے لیے معیوب ہو - اگر یہ واقعہ سچا ہے تو کوئی بعید نہیں کہ عورتوں کی کمیابی اور حجاب کی وجہ سے ایسے غیر فطری رجحان پیدا ہو جائیں اور بھوکی نگاہیں ہوس کی تسکین کے لیے حسین دوشیزاؤں کے بجائے حسین لڑکوں کو تلاش کریں اور اگر یہ قصہ فرضی ہے اور اس کے بیان کرنے سے پہلے کہانی کا نتیجہ مصنف کے پیش نظر تھا تو مضمون کی ناگواری در گزر کے قابل ہے کیونکہ یہ ظاہر ہے کہ وہ تصوف و طریقت کے پیرو ہیں اور ان کی نظر میں ،

مجاز آئینہ دار روی معنیست　　سیر این جادہ هم در کوی معنیست

عشق مجازی کے بغیر عشق حقیقی تک رسائی نہیں ہوتی -

کہ بی جامِ می صورت کشیدن　　نیاری جرعۂ معنی چشیدن

خصوصیات :

یہ مثنوی جامی کی یوسف زلیخا کے تتبع میں کہی گئی ہے - مضمون کے اعتبار سے نہیں بلکہ وزن و ہیأت کے اعتبار سے - مصنف نے دو جگہ اس کے اشعار بھی اپنی مثنوی میں سمو لیے ہیں ، مثلاً یہ شعر -

الٰہی غنچۂ امید بکشا　　گلی از روضۂ جاوید بنما

غنیمت کا دل سوزِ عشق سے مالا مال ہے - اس نے قاضی الحاجات سے دعا مانگی تھی -

دلی دہ سر بسر عشق و ہمہ سوز　　سرشک دیدۂ داغ دل افروز
دلی دہ مسکن عشق ستم زاد　　ز گرمی محبت آزر آباد

اسی لیے اس نے اس عشقیہ داستان کو جوش و سوز سے بیان کیا ہے ۔ جا بجا ایسے اشعار آئے ہیں جن میں احساسات کی تندی محسوس ہوتی ہے ۔ بیان میں ولولہ معلوم ہوتا ہے ۔ بعض جگہ واردات کی کیفیت نظر آتی ہے ۔ گویا مصنف اس داستان کو اپنی داستان بنا کر بیان کر رہا ہے ۔ اپنی تصنیف کے بارے میں اس کی رائے یہ ہے :

نہ شعر این نالۂ خونی نوائیست شکستِ شیشۂ دل را صدائیست

قلم ننوشت جز بیتابی دل دواتم بود حلقۂ مرغِ بسمل

نمودم چون حدیث عاشقی سر پرِ پروانہ شد اوراقِ دفتر

بحرفِ دل گدازی لب کشودم دهن را دیدۂ گریان نمودم

جب آدمی اپنے دل کی بات کو دوسروں پر واضح کرنا چاہتا ہے یا کسی شخص کو اپنی مدد کے لیے پکارتا ہے تو جوش میں آ کر اپنی بات کو دہراتا ہے تاکہ سننے والے پر اس کی فریاد کا اثر ہو ۔ جہاں ایسا موقع آیا ہے ۔ غنیمت نے بھی اپنے دل کی ویسی ہی کیفیت کو تکرار کلمات سے ادا کیا ہے ۔ اس اندازِ بیان سے جہاں اس کی قدرتِ کلام واضح ہے ، وہاں دل کی فریاد کا طبعی اظہار نہایت موزوں ہے ۔ مثلاً یہ اشعار دیکھیے :

اسیرم کرد کافر ماجرائی رہائی یا نبی اللہ رہائی

مرا ای جانجان از روی ایمان مسلمان کن مسلمان کن مسلمان

بدست نفسِ کافر کیش خونخوار گرفتارم ، گرفتارم ، گرفتار

مثنوی میں جہاں کہیں سوال و جواب کا انداز آیا ہے ، اس میں بھی پیارا اسلوب ہے اور شاعرانہ لطافت موجود ہے ۔ اس سے پڑھنے والے کے دل میں حیرت و تحسین کے جذبات ابھرتے ہیں ۔ مثلاً یہ اشعار :

بگفتہ قیمتش ؟ گفتم نگاهی بگفتم کمترک ؟ گفتا کہ گاهی

بگفتا پیشتر آ پیش رفتم　　تکلف بر طرف از خویش رفتم

سبک ہندی جو اپنی نازک خیالیوں اور معنی آفرینیوں کے لیے معروف ہے ، اس مثنوی میں بھی کہیں کہیں کارفرما ہے لیکن خیال میں اتنی پیچیدگی نہیں آئی کہ معانی میں الجھاؤ پیدا ہو جائے ۔ تھوڑی سی فکر کے بعد معنی اجاگر ہو جاتے ہیں ۔ مثال کے لیے یہ دو اشعار ملاحظہ کیجیے :

چہ تندست این شراب آتشین جوش　　پسر خورد و پدر گردید مدھوش

شہید چشمِ مستش راست جاری　　بجای خون شراب از زخم کاری

مثنوی کی تشابیہ و استعارات میں ندرت اور شگفتگی ہے ۔

بروی سینہ اش سیب دو پارہ　　علاج قوتِ ضعفِ نظارہ

رسانیدند　　پیغام　　رسیدن　　بہار گفتن　　و　　عید شنیدن

شفق سرمایۂ چشم از دیدن گل　　چمن سامان نگاہ از چیدن گل

مثنوی نیرنگِ عشق کی شروح بھی لکھی گئی ہیں ۔ ابھی تک دو کا سراغ مل سکا ہے ۔

۱ ۔ شرح نیرنگِ عشق ، نسخہ خطی پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں شمارہ Pivi/161 B پر موجود ہے ۔ کل ۹۷ ورق ہیں ۔ سال تحریر ۱۱۹۰ھ ہے ۔ شارح کا نام دوست محمد ہے ۔

۲ ۔ دوسری مبسوط و مفصل شرح بھی پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں شمارہ Pivi-161 A پر موجود ہے ۔ ۳۱۶ ورق ہیں ۔ شارح کا نام محمد اشرف انصاری ہے ۔ سال تالیف معلوم نہیں ۔

محمد علی رایج سیالکوٹی

رایج کے باپ کا نام میر دوست محمد تھا - وہ بھی شاعر تھے اور صانع تخلص کرتے تھے - خزانۂ عامرہ میں ان کا ایک شعر مندرج ہے[1] -

بپای برق ہم نتوان رسیدن از حریم او
رہ دور و دراز است ای کبوتر ، بال و پر مشکن

سفینۂ خوشگو میں صانع کے دو مزید اشعار اور ایک مصراع منقول ہے[2] -

لب گل خون حسرت خوردۂ چاک گریبانش
بہار لالہ آتش دیدۂ رنگ گلستانش

رنگ بیہوشی دل ریختہ از دست کسی
می بخون جگر آمیختہ از دست کسی

ع این قدر تیر تغافل ز کہان خانۂ کیست ؟

خوشگو نے صانع کو محمد علی رائج کا بیٹا بتایا ہے جو غلط ہے - صانع ۱۱۰۴ء میں فوت ہوئے - رائج نے خود قطعۂ تاریخ لکھا[3] :

کسب فیض آن ہمہ از تربت او کردم
کہ چومن نکتہ وری یاد ندارد ایام

---

۱ - خزانۂ عامرہ ، غلام علی آزاد ، مطبع نولکشور ، کانپور ، ص ۲۴۴ -
۲ - سفینۂ خوشگوار ، بندرابن داس ، پٹنہ ، ۱۹۵۹ء ، ص ۲۱۲ -
۳ - دیوان محمد علی رائج - نسخہ خطی پنجاب یونیورسٹی لائبریری ، شمارہ ۲۷۹ - Pivi

گفت تاریخ وفاتش ز سعادت رائج
بود پاک و ز کف ساقی کوثر زد جام

رائج نے تعلیم و تربیت اپنے والد سے حاصل کی - عبدالحکیم حاکم اس کے معاصر لکھتے ہیں :

"از علم و فضل چندان بہره ای نداشت لیکن در فارسی و فن نظم و نثر بسیار ماہر بود و کتابهای دقیق نظم را بدقت درس می گفت"[1] -

غلام علی آزاد رائج کی عادات و اطوار کے متعلق لکھتے ہیں :

بسیار شوخ طبع ، خوش محاوره و انجمن افروز بود - در شعرخواندن طرز عجیبی داشت و وقت تحسین شعر خود می گفت : "پہ پہ ثم پہ پہ" - گاہی می گفت ، "سقف خانہ پست و این شعر پہ پہ بلندی میخواهد"[2]

خوشگو نے رائج کے ایک دوست اللہ یار کی زبانی بیان کیا ہے کہ رائج "بسیار بی تکلف و شگفتہ پیشانی است - مقید ہیچ شی نیست - روزی زن بد ہیئت بطریق مبا سطت باو گفت کہ میر اگر رجولیت داری ، پیش بیا - فرمود : ای خاتون - مرد بودم - اکنون از نگاه گرم تو سرد شدم" -[3]

سرخوش اس کے متعلق لکھتے ہیں کہ وہ "مردیست قلندر وضع ، آزاد مشرب"[4] -

خان آرزو نے لکھا ہے کہ سیالکوٹ میں ان کی کچھ زرعی زمین تھی - اسی پر گزران تھی - قناعت سے زندگی بسر کرتے تھے اور دوست احباب کی

---

۱ - تذکرۂ مردم دیده ، حکیم بیگ حاکم ، لاہور ۱۹۶۱ع ، ص ۷۶ -
۲ - خزانۂ عامره مذکور ، ص ۲۳۵ -
۳ - سفینۂ خوشگو ، بندراین داس ، پٹنہ ، ۱۹۵۹ع ، ص ۲۱۶ -
۴ - کلمات الشعراء ، محمد افضل سرخوش ، لاہور ، ۱۹۴۲ع - ص ۴۱ -

بھی خاطر تواضع کرتے تھے[1] -

رائج بائیس ربیع الثانی ۱۱۵۰ھ کو لاہور میں فوت ہوئے - حاکم نے تاریخ وفات کہی : ''رفت رائج بعالم باقی[2]'' - ان کی نعش سیالکوٹ پہنچائی گئی - بقول حاکم ان کی عمر سو سال کے لگ بھگ تھی - ریاض العارفین میں سال وفات ۱۰۱۰ھ درج ہے جو صحیح نہیں[3] -

رائج کے معاصر اور قریب العصر تذکرہ نگار انھیں استاد شمار کرتے ہیں وہ اس زمانے کے دیگر استادان فن مثلاً فقیر اللہ آفرین ، مرزا عبدالقادر بیدل ناصر علی سرہندی اور خواجہ عبداللہ سامی لاہوری کے ساتھ ہم طرح غزلیں کہتے تھے - آرزو لکھتے ہیں :

''اکثر زمین غزلہایش طرحی خود است و در بحور غیر مشہور کہ مرزا بیدل گفتہ ، اکثر غزلہا گفتہ و خوب گفتہ و داد تلاش دادہ[4]'' -

حاکم نے ان کے متعلق لکھا ہے :

در شعر طور تازہ دارد - معنی بند و مضمون یاب است[5]

خوشگو نے لکھا ہے کہ آرزو نے رائج کا دیوان پڑھ کر مندرجہ ذیل رائے کا اظہار کیا :

---

۱ - مجمع النفایس ، سراج الدین علی خان آرزو ، مخطوطہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری -
۲ - تذکرۂ مردم دیدہ ، ص ۷۶ -
۳ - ریاض العارفین ، رضا قلی ہدایت ، تہران ۱۳۱۶ ھش -
بھگوان داس نے ''رفت رایج ز عالم فانی'' تاریخ لکھی جو صحیح نہیں - اس سے سال ۱۱۸۳ھ نکلتا ہے - (سفینۂ ہندی 'پٹنہ' ۱۹۵۸ع ، ص ۹۴ -
۴ - مجمع النفایس مذکور -
۵ - تذکرۂ مردم دیدہ مذکور ، ص ۷۶ -

''خیلی صاحب مذاق و تلاش و بفارسی آشنا بنظر آمد ۔ بتازگی و بنازکی می گوید''[1]

احمد علی کی رائے ہے : ''سخنش از لطافت خالی نیست ۔ معنی ھای رنگین و اشعار پر مضامین ویراست کہ در گفتن نمی آید ۔ اشعارش پختہ و بسرحد کمال رسیدہ''[2] ۔

دیوان : خوشگو جس روز لاہور پہنچا اس روز رائج وفات پا گئے ، چنانچہ وہ جنازے میں شریک ہوا ۔ یہیں اس نے ان کا دیوان پڑھا ۔ دہلی جا کر آرزو سے ذکر کیا ۔ انند رام مخلص نے خاص طور پر ان کا دیوان سیالکوٹ سے منگوایا اور آرزو کو مطالعہ کے لیے دیا ۔ آرزو لکھتے ہیں کہ دیوان میں بیس ہزار کے لگ بھگ اشعار ہوں گے ۔ پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں دیوان رائج کا مخطوطہ ۳۶۸ ورق پر مشتمل ہے ۔ ہر صفحے پر ۱۹ سطریں ہیں ۔ خط باریک نستعلیق ہے ۔ اس میں ۳۲۰ ورق تک غزلیات ہیں ۔ ۳۲۱ سے بعد قصاید در منقبت حضرت علی و ائمۂ اطہار اور در تعزیت و مرثیت امامین ہیں ۔

قصاید کے پہلے اشعار ملاحظہ ہوں :

باز عاشور آمد و دل خون شد از درد امام
گریۂ ہر مومنی جیحون شد از درد امام
می تراود از زبان مرد و زن ای وا حسین
میکند گل از لب طفلانِ بیغم یا حسین

۳۴۵ سے ۳۴۹ تک مثنوی ہے در منقبت حسین ۔ اس کے دو شعر یہ ہیں ۔

حسین آن قرة العین حیدر جگر پرکالۂ زہرا و حیدر

---

۱ ۔ سفینۂ خوشگو مذکور ، ص ۲۱۶ ۔

۲ ۔ مخزن الغرایب ، احمد علی ، مخطوطہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری ، مجموعہ شیرانی ، ص ۱۲۲ ۔

زمین را جملگی ازگریہ ترکن　　وگر مانندکفِ خاکی بسرکن

۳۴۹ اور ۳۵۰ پر رباعیات مندرج ہیں - ۳۵۲ سے ۳۵۳ تک ترجیع بند ہے - جس کا ترجیعی شعر یہ ہے :

ای یزید بن یزید ابن یزید　　چون تو کافر نسب امروزکہ دید

۳۵۳ سے ۳۵۶ تک قطعات تاریخ ، ۳۵۶ سے ۳۶۷ تک مثنویات ہجویہ و دعائیہ اور ۳۶۷ اور ۳۶۸ پر مثنوی درج ہے جس کا موضوع اس شعر سے ظاہر ہے :

ز مکر زن بزیر چرخِ گردان　　بخاک آمیخت آب روی مردان

رائج آزاد مشرب تھے لیکن ائمۂ اطہار کی منقبت اور تعزیت میں جو اشعار لکھے ہیں ان سے ظاہر ہے کہ وہ مائل بہ تشیع تھے۔ مندرجہ بالا اشعار کے علاوہ ذیل کا شعر مزید اس پر شاہد ہے :

غمم فگندہ زپا یا علی ولی اللہ
بگیردست مرا یا علی ولی اللہ (۳۵۰ الف)

انھی عقاید کی بنا پر معلوم ہوتا ہے کہ لوگوں نے انھیں رافضی کہا۔ چنانچہ اس کے متعلق وہ خود لکھتے ہیں اور اس الزام سے خود کو بری قرار دیتے ہیں :

خارجی چند ز ارباب ستم　　می کنند اینجا برفضم متہم
سنّیم یعنی غلام چار یار　　مدح خوان جملہ اصحاب کبار
لیکن اخلاصم بود با آن جناب　　رفض نتوان گفت حبِ بوتراب
(ص ۳۴۸)

رائج اگرچہ کسی امیر یا حاکم کے دربار سے وابستہ نہیں تھے لیکن

ان کی مجالس ادبی میں ان کا گزر ضرور تھا اور امراء ان کی قدر بھی کرتے تھے جیسا کہ آزاد بلگرامی کے ایک بیان سے ظاہر ہوتا ہے۔ وہ لکھتے ہیں۔
خواجہ محمد فاضل خان غبار تخلص برادرزادۂ سیف الدولہ عبدالصمد خان ناظم لاہور نے محمد علی رائجؔ سے کہا۔ کسی کا یہ مصراع مشہور ہے۔

ای حنا انگشت فندق بند داد از دست تو

اس پر دوسرا مصراع لگانا چاہیے۔ رائجؔ نے اسی وقت یہ مصراع لگایا

از کمان ناخنی خوردم خدنگ از شست تو

خان مذکور نے اس مصراع کے لیے ستر روپے انعام بھجوایا[1]۔

سیف الدولہ عبدالصمد خان ناظم لاہور ۹ ربیع الثانی ۱۱۵۰ھ یعنی رائجؔ کی وفات کے تیرہ دن پہلے وفات پا گئے۔ رائجؔ نے لکھا:

کہ می گوید ترا عبدالصمد خان از جہان رفتی
زمین انگیخت گرد کلفتی بر آسمان رفتی

فلک تخت و ملائک لشکر و انجم سپاہت شد
پی فرمانروائی ھای ملکِ جاودان رفتی

کفایت خان کی مدح میں بھی ذیل کے دو شعر ایک غزل میں موجود ہیں۔ اس امیر سے بھی کچھ نہ کچھ نسبت و رابطہ ہوگا۔

شکوہ دولت دنیا و دین یعنی کفایت خان
کہ قیصر بر جناب ہمتش از سائلان بادا

دعاھای کہ دارم بہر جاہت کمترین اینست
کہ خان یا رب وزیر کشور ہندوستان بادا (ص ۳۸ الف)

۱۔ خزانۂ عامرہ مذکور، ص ۲۴۵ - ۲۴۶۔

مغلیہ امراء میں سے کفایت خان لقب کے ساتھ کئی امراء تھے لیکن عالمگیری امراء میں جعفر بیگ کفایت خان زیادہ نامور معلوم ہوتے ہیں ۔ قیاس ہے کہ رائج کے پیش نظر یہی صاحب ہوں گے جن کا ذکر کیول رام نے تذکرۃ الامرا میں یوں کیا ہے[۱] :

"کفایت خان در سنہ ششم عالمگیری بمنصب هزاری باین۔ خطاب و بدیوانی تن ظاهرا از تغیر عسکری قزوینی سرافرا شده و درسنہ یازدهم معزول گردید ۔ درسنہ سیزدهم مکرر بدیوانی تن مقرر گشتہ و درسنہ ۱۶ بعد استعفای اسد خان از نیابت وزارت بنا بر اجرای کار دیوانی اعلی باین عنایت محل اعتماد گردیده . . . مقرر شده بود کہ پائین تر از مهر دیوان اعلی مهر خود بر پروانجات دفتر می کرده . . . باشد ۔ در سنہ ۱۸ بدیوانی خالصہ ضمیمہ تن سر بر افراختہ و در سنہ ۲۰ از دیوانی خالصہ تغیر گردیدہ تا سنہ ۲۴ بہ دیوانی تن مامور مانده در سنہ ۲۸ھ رحلت کرده" ۔

رائج نے ایک اور صاحب شکراللہ خان کی بزم سخن کا ذکر کیا ہے جس میں غزلخوانی کو وہ اپنے لیے باعث افتخار سمجھتے ہیں انھوں نے لکھا ہے :

شود رائج سمندر عندلیب از آتش غیرت
اگر در بزم شکراللہ خان بیند غزلخوانت

شکراللہ نام کے چار امراء کا ذکر ملتا ہے ۔ ممکن ہے زیادہ بھی ہوں قیاس ہے کہ رائج کے پیش نظر ذیل کے دو اشخاص میں سے ایک صاحب ہوں :

---

۳ ۔ تذکرۃ الامراء ، کیول رام ، نسخہ خطی پنجاب یونیورسٹی لائبریری ص ۱۱۲ - ۱۱۳ ۔

۱ - "شکراللہ خان ولد جعفر خاں برادر باقر خان نجم ثانی در زمان عالمگیر بخطاب خانی سر بلند شدہ بود - در ۲۵ھ از انتقال فولاد خان بفوجداری سیوات مقرر گشت - در سنہ ۲۷ھ بخطاب عسکری خان نامور گردید -

۲ - شکر اللہ خان خویش عاقل خان میر عسکری منصبی داشت - در سنہ ۳۱ھ عالمگیری بخطاب و بفوجداری شاہ جہان آباد افتخار یافتہ بود" تذکرۃالامراء کیول رام - ص ۸۰

معاصر شعرا میں سے انھوں نے میر جمال الدین کا نام لیا ہے - اس سے مراد میر جمال الدین سیادت لاہوری ہو سکتے ہیں جو ۱۱۰۰ھ تک زندہ تھے ایک جگہ لکھتے ہیں :

یا رب از سعی قبولش دہ چو راجؔ کز وطن
این غزل نذر جمال الدین محمد بردہ ام (ص ۲۵۲)

دوسری جگہ لکھتے ہیں :

راجؔ این شہرتم از میر جمال الدین است

گل رعنا میں مذکور ہے کہ وہ کشمیر بھی گئے - سری نگر میں پانچ روز ٹھہر کر سیالکوٹ واپس آ گئے - اس وقت کے حاکم ابوالبرکات خان سے بھی ملاقات ہوئی - اس کا داماد راجؔ کا شاگرد تھا - یقینی طور پر نہیں کہا جا سکتا کہ راجؔ کس سال کشمیر گئے - مذکورہ ابوالبرکات خان سب سے پہلے ۱۱۳۳ - ۱۱۳۴ میں نائب صوبیدار کشمیر تھے - اس کے بعد ۱۱۳۷ - ۴۰ھ تک نائب صوبیدار رہے - بعد میں بھی آٹھ نو سال صوبیدار رہے - قیاس چاہتا ہے کہ راجؔ ۱۱۳۳ - ۱۱۳۴ میں کشمیر گئے ہوں گے - کیونکہ اس سال میں بھی کافی عمر رسیدہ ہوں گے یعنی اس وقت ان کی عمر

---

۱ - گل رعنا ، شفیق اورنگ آبادی ، مخطوطہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری ، مجموعہ شیرانی ، شمارہ ۴۹ ، ص ۳۴ الف -

ستر بہتر سال ہوگی - اس سے زیادہ بڑی عمر میں کشمیر جانا تو ان کے لیے
اور بھی مشکل ہوگا۔

نشتر عشق میں لکھا ہے کہ وہ دہلی گئے اور مرزا بیدل اور شاہ آفرین
سے صحبتیں رہیں - کچھ عرصہ ٹھہر کر واپس چلے گئے[1] -

اوپر ہم نے معاصر یا قریب العصر تذکروں سے رائج کے احوال زندگی
تلاش کیے ہیں - ان کے علاوہ مندرجہ ذیل تذکروں میں بھی ان کا ذکر
موجود ہے لیکن ان تمام میں انھی تذکروں سے معلومات اخذ کی گئی ہیں
اور معلومہ اطلاعات میں اضافہ نہیں ہوا -

تذکرہ حسینی (ص ۱۳۵) - ریاض العارفین (ص ۱۳۱) - شمع انجمن
(ص ۱۷۰) - تذکرۂ بینظیر (ص ۶۷) - ریاض الشعرا (ص ۱۲۹) - سرو آزاد
(ص ۲۰۴) - مخزن الغرایب (ص ۲۲ الف قلمی) - مآثر الکرام، ج ۲،
ص ۲۴ - انیس العاشقین (ص ۱۹۲ ب قلمی) - ہمیشہ بہار -

رائج مروجہ انداز میں صوفی تھے - وحدت الوجود کے قائل تھے :

ہم زلیخا و ہم قافلہ و ہم یوسف
ای خریدار خود این گرمیٔ بازارت چند

کو جبینی کہ درو نورش نیست
دہر یک بزم چراغان شدہ است

چشتیہ صوفی کی طرح وہ سماع کے بھی قائل تھے -

صوفی عشقم مرا رائج سماعی آرزوست
سوختم از انتظار و قاتلی پیدا نشد (ص ۱۲۹ الف)

---

۱ - نشتر عشق، حسین قلی خان، مخطوطہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری، شمارہ ۵۸ -

مراحل تصوف میں ابتدائی اقدامات ترک مال و زر، ترک خواہش اور ترک شرک ہیں - راجخ کے کلام میں جا بجا یہ افکار نمایاں ہیں، مثلاً :

چودر فقر و قناعت سیم و زر افگندی از چشمش
مکن کوتاہ یا رب ہمت مردانۂ راجخ
از گداز عشق ربط دل بکونینم نماند
چون دو ساحل از دو جانب برد این دریا مرا
ہمچو روح از بدنت بگسل و معراج بہ بین
از نہ افلاک بیک چشم زدن بیرون رو
آب تیغ عشق پاکم شست از لوث شرک
ہر نفی غیر شد زخم نمایان مرا

ان کے کلام سے ظاہر ہے کہ ان کا دل عشق کی نعمت سے مالا مال تھا - وہ کہتے ہیں :

بیقراریہای دل در عشق باشد دین مرا
جیب تمکیں پارہ کردن رسم و آہ آئین ما

درد مندی ہمچو من از عشق بازان بر نخاست
از نم اشک و غبار غم خمیرم کردہ اند (ص ۱۹۱ الف)

ہمچو سیابی کہ بر آتش نمی گیرد قرار
دل ز سوز عشق سیر عالم بالا کند (ص ۱۳۲ الف)

وہ داغ محبت سے ہمہ تن سوختہ تھے -

عاقبت داغ محبت راجخ تمازت شعلہ چوخس کرد مرا

مرا عشق بگداخت با جملہ تمکین
ہر سو چو سیلی ز کہسار رفتم (ص ۲۳۱)

راجخ مرد مومن کے بلند مقام سے آگاہ ہیں - وہ چاہتے ہیں زندگی کے

یہ بیش بہا لمحات گردش صبح و شام میں الجھ کر نہ رہ جائیں یا دنیاوی مادی لذت کی محویت میں نہ گزر جائیں ۔ وہ کہتے ہیں :

بحق وحدت کہ جلوۂ دوست از تو پیداست دیدہ واکن
عبث چہ گردیدہ ای چو رانج اسیر امروز صید فردا

وہ انسان کو اس کا مقام یاد دلا کر اسے متنبہ کرتے ہیں ۔

چند محوی در صفای خانۂ دیوان بفرش
جبرئیل از شہپرش بر عرش روبد جای تو

جب انسان کا پایہ بلند ہے تو اسے زیب نہیں دیتا کہ وہ اپنی ادنیٰ خواہشات کی تکمیل کے لیے کسی دوسرے کے سامنے سر خم کرے ۔ یہ اس کی خودداری اور غیرت کے منافی ہے ۔ وہ کہتے ہیں :

ز اہل دولت گر نہ ای خم در سلام کس مباش
صاحب کس چون نکردند غلام کس مباش

استخوانی شد ز جوع و چون ہما کن قوت ازو
چون مگس ناخواندہ حاضر بر طعام کس مباش

زندگی کی بلند اقدار کا مالک ہوتے ہوئے انسان پر فرض ہے کہ وہ بنی آدم کے ساتھ اچھا سلوک کرے ۔ خود نیک بنے اور دوسروں کے ساتھ نیکی کرے اور خندہ پیشانی سے پیش آئے ۔

تو نیک باش کہ عالم شوند آئینہ ات
وگرنہ کیست کہ در دھر بد معاملہ نیست

سر کن ہمیشہ پا ہمہ کس خندہ رو ز خلق
محروم فیض گستری این سحر مباش

رائج نے اپنے زمانے کی ناقدری فن کا ذکر کیا ہے - وہ کہتے ہیں کہ امراء بخیل ہیں اور جاہل اس لیے شعرا کی قدر دانی اور قدر افزائی نہیں ہوتی - چونکہ رائج خوددار واقع ہوئے ہیں ، اس لیے وہ کسی کے سامنے دست سؤال دراز کرنے کو معیوب سمجھتے ہیں :

ننگم آید التجا با این کریمان لئیم
شاعرم کردی چو رائج لاوبالی کن مرا

اغنیا دشمن شعر اند درین عهد زجهل
چقدر قافیه بر اہل سخن تنگ آمد

رائج از کوری مردم شده پنہان هنرم
جوهر از آئینه مار بخود می پیچد (ص ۱۹۵ الف)

چه محو صحبت مستان دولتی رائج
کناره گیر ترا از خری لگد برسد (ص ۱۹۹)

رائج کے زمانے کے شعراء میں عموماً تقلید اور روایت کی رسمی پابندی کا چلن تھا - لیکن استادانِ فن اس کا بھی گلہ کرتے ہیں کہ قلیل البضاعت شاعر اعلیٰ مضامین چرا کر اپنا لیتے ہیں - اور یہ بات بہت معیوب سمجھی جاتی ہے - جمال الدین سیادت نے بھی اس کی طرف اشارہ کیا ہے :

این سخن دزدان سنگین دل که دعویٰ می کنند
چون نگین از شعر مردم نام پیدا می کنند

رائج اس سلسلے میں کہتے ہیں :

بر معانی سخت میلرزم از دزد بد گهر
حفظ کن یا رب ز دست اندازِ سگ‌خوانِ مرا

راجؒ نے اپنے کلام کی خوبیوں میں سے نازک خیالی ، رنگینیٔ بیان اور تازگی فکر کی طرف توجہ دلائی ہے - ان کے اشعار میں لفظی زیبائش کے ساتھ ساتھ جذبے کی آمیزش بھی ہے - علامہ اقبال نے کہا ہے :

نقش ہیں سب ناتمام خون جگر کے بغیر

راجؒ بھی داغ دل اور خون جگر کی باتیں کرتے ہیں :

از مرد چهل سالۂ فکرم خبر است این
کو شعر کہ داغ دل و خون جگر است این

کلام کی رنگینی کے متعلق راجؒ نے بڑے معنی خیز انداز میں تشریح کی ہے :

تلوین چمن آرای سخن محشر رنگم
شعرم همه بوی گل و من دفتر رنگم
صبّاغ لباسِ سخن آسان نتوان شد
ز آتش کدۂ فکر گدازش مگر رنگم
جمع آمده حوران معانی بکنارم
بیرنگم و چون وانگرم مظهر رنگم

اپنے طرز سخن اور تازگی بیان کے متعلق فرماتے ہیں :

در کفت راجؒ عجب طرزنوی افتاده است
بی تکلف نازکیهای خیال اینست و بس

ور تازگی از شعر ترم آب روانست
ترتیب بدیوان چه دهد کس سخنم را

از حلاوت بخشی طرز سخن در ملک فکر
همچو راجؔ خسرو شیرین کلامم کن مرا

شعر کی تکوین و تخلیق ریاضت فکر اور مقصدیت کے متعلق راجؔ نے ایک غزل میں اپنی شاعری پر مفصل تبصرہ کیا ہے جو یادداشت کے قابل ہے:

فروغ دیده می بخشد چو فرزند خلف شعرم
ز مصرع داده میل سرمه آلودی بکف شعرم
به پهلو از سطورم صفحه گوئی ترکش تیر است
که سازد سینهٔ حاسد مشبک چون هدف شعرم
بود هر مصرع شوخم دوال اطبل شهرتها
جهان را کرده دیوان قیامت از شغف شعرم
کلام من بچشم کم مبین حکم غنا دارد
کرامت کرده اند از حضرت شاه نجف شعرم
پدر را کی تمنای به ز فرزند عزیز آمد
چه شد ز افلاس کرد اسباب دنیا را تلف شعرم
باوجی رفت از توحید و نعت و منقبت قدسش
که خط سر نوشت جبرئیل است از شرف شعرم
بهاری کرده معنی در ریاض فکرتم راجؔ
که از شهرت چو بوی گل دود در برطرف شعرم

زمانے کے رواج کے مطابق راجؔ نے مشکل بحروں میں بھی غزلیں کہی ہیں۔ قدرت کلام دکھانے کے لیے ردیف کا التزام بھی کیا ہے مگر اس سے کلام میں زیادہ تکلف اور تصنع نہیں آیا۔ مثلاً دو تین ردیفیں یہ ہیں:

در صحرا۔ آئینہ را۔ غنچہ را

معنی آفرینی و معنی یابی تو اس دور کا مخصوص شیوہ رہا ہے۔ نئے معنی کی تلاش ہیں تخیل میں پیچیدگی اور بیان میں عدم صراحت اس طرز کا خاصا ہے۔ مبالغہ سے بھی اکثر کام لیا جاتا تھا جس سے نئے معانی پیدا کرنے میں مدد ملتی تھی۔ مثلاً رائج کا یہ شعر ملاحظہ کیجیے:

ز اشک گرم چہ آتش بہ بحر زد رائجؔ
کہ یک قلم شدہ ماھی کباب در تہ آب

مثالیہ شیوۂ بیان بھی اس دور کا امتیازی نشان رہا ہے۔ کہیں کہیں رائج نے بھی اس سے کام لیا ہے اور اچھے شعر نکالے ہیں۔ مثال کے لیے یہ شعر دیکھیے:

دل کہ از عشق نشد شق نشود مظہر راز
تا شگافی بقلم نیست رقم ممکن نیست (ص ۱۰۸)

مرد را دنیا و دین ہر دو ممکن نیست
تابودبت بہ بغل طوف حرم ممکن نیست

جیسا کہ ہم نے اوپر ذکر کیا ہے اور جیسا کہ اس کے کلام سے ظاہر ہے رائج کے دل میں درد و سوز ہے اور یہی غزل کی جان ہے۔ محبوب کے فراق میں تپش اور کسک کا اظہار مقصود ہوتا ہے۔ اگر شاعر اس سے محروم ہو تو غزل پھیکی اور بے کیف ہوتی ہے۔ عاشق کا دل تڑپتا ہے تو وہ دوسروں کو بھی تڑپاتا ہے۔ رائج کے دل کی کیفیت دیکھنی ہو تو اس کے مندرجہ ذیل اشعار پڑھیے:

طپید و خون‌شد و از غم بجان رسید دلم
ز دوری تو چگویم چہا کشید دلم

چو مرغ تو بقفس اوفتادہ بی تو دمی
درون سینۂ چاکم نیارمید دلم

تمام رنگ ز خون و تمام بوی ز آه
بباغ عشق تو چون خود گلی نچید دلم
در آب جا نکند عکس وقت لرزیدن
جمال یار ز جوش طپش ندید دلم

رائج کا عشق تجریدی نہیں بلکہ جارحانہ قسم کا ہے۔ اور یہ عشق ایسا نہیں جو جوانی تک محدود رہتا ہے بلکہ بڑھاپے میں بھی اس کی تندی ختم نہیں ہوتی۔ وہ کہتے ہیں :

پیرم منگر حوصلۂ صحبت من کو
کیفیت تندیست شراب کہنم را (ص ۳۲ الف)

در آغوشش کشم امروز رائج ہر چہ بادا باد
بود ہر چند پیچ و تاب آن نازک میان پیدا

غزل کی خوبی یہ ہے کہ اس کی بحر ہلکی پھلکی رواں ہو۔ موسیقی سے بھی ہم آہنگ ہو۔ بھاری بھرکم الفاظ نہ لائے گئے ہوں۔ تخیل میں صراحت ہو۔ بھرتی کے اشعار نہ بڑھائے ہوں۔ ہر شعر میں فکر کا ایک نہ ایک حسین زاویہ عیاں ہو۔ ان مختصات کو سامنے رکھ کر دیکھیے تو ہمیں رائج کی بہت سی غزلیں اس معیار پر پوری اتریں گی۔ نمونے کے طور پر ہم اس کی مندرجہ ذیل غزل نقل کرتے ہیں :

از وصل حیرت دل ما کم نمی شود
حرص گدا بہ برگ و نوا کم نمی شود
صد سیل عشق از تہ این پل گذشتنی است
عشق بتان بہ پشت دوتا کم نمی شود
باشد ز سردمہری احباب رعشہام
سرما ہم از ہزار قبا کم نمی شود

دست دعا مکن سپر ناوکِ قضا
تسلیم شو ز عجز بلا کم نمی شود

چون شمع ہر کہ سرکشِ ناز غرور شد
از سر بریدنش من و ما کم نمی شود

یا رب چہ ساز مطرب بزم ازل نواخت
کز گوشہا ہنوز صدا کم نمی شود

رائج ز حیرت گل رویش بدست او
چون رنگِ لالہ رنگِ حنا کم نمی شود (ص۱۳۷ب)

قدرتی مناظر سے لطف اندوز ہونے کے لیے رائج کا احساس لطیف ہے۔ بہار کے موقع پر اسے ہر چیز ناچتی گنگناتی نظر آتی ہے۔ چمن کی ہر شے مسرت انگیز اور روح پرور ہے۔ زاہد خشک مزاج کے دل میں ولولہ پیدا ہوتا ہے۔ فارسی شاعری میں قدرت کی رعنائیوں سے لذت اندوز ہونے کا گہرا احساس کہیں کہیں امتیازی خصوصیت کا حامل ہے۔ ایک قصیدے کی تشبیب سے ہم رائج کے چار اشعار نقل کرتے ہیں جن سے ان کے ذوق حسن کا اظہار ہوتا ہے:

تا چہ بزم طربی طرح نمودست بہار
برگ برگ چمن آمد چو جلاجل بصدا

گل چو بلبل بہوا بال فشاند ز طرب
خار از عیش چو منقار کند زمزمہا

شعلۂ آتشِ بیدرد گل اندوہ گداز
نغمۂ بیغرض مرغِ چمن رُوح فزا

زاہد از اوج جنون زمزمۂ عشق بلب
رند از موج قدح سلسلۂ عشق بپا

——:o:——

وارستہ سیالکوٹی

سیالکوٹی مل نام تھا ۔ وارستہ تخلص کرتے تھے ۔ سیالکوٹ میں پیدا ہوئے ۔ ابتدائے شعور سے ذوقِ سخن نصیب ہوا ۔ نظم و نثر لکھنے اور سمجھنے میں بڑا اچھا سلیقہ پایا ۔ متقدمین و متاخرین شعراء کے دواوین کا مطالعہ کیا ۔ اشعار کا انتخاب کیا ۔ تذکرہ بھی مرتب کیا ۔ اس میں اکثر شعراء پر اعتراض وارد کیے ۔ معاصرین کی محافل میں شرکت کی ۔ محمد علی رائج سیالکوٹی ۔ نورالعین واقف بٹالوی اور عبدالحکیم حاکم جیسے بزم آراؤں سے خوب صحبتیں رہیں ۔ شعر فہمی اور شعر سنجی میں خوب بحث و تکرار ہوتی رہی ۔ حریفوں کے اعتراضات کے جوابات بھی دے ۔ سراج الدین علی خان آرزو دہلی میں استادالاساتذہ شمار ہوتے تھے ۔ زباندانی ، لغت شناسی اور شعر سنجی میں ان کا بڑا مقام تھا ۔ وارستہ نے اپنے ذوق سلیم ، مطالعۂ سخن اور تعمقِ فن کی وجہ سے آرزو کی بھی غلطیاں نکالیں ۔ اور چراغ ہدایت ، سراج منیر اور تنبیہ الغافلین میں وارد اعتراضات کے مدلل جواب دے ۔ اپنے مصنفہ رسائل و کتب مثلاً مطلع السعدین ، مصطلحات الشعرا اور جواب شافی میں ان کی غلطیوں کی نشاندہی کی اور اسناد کے ساتھ اعتراضات کو رد کیا ۔ وہ اپنے معاصرین پر طنز و تعریض بھی کرتے تھے اور ہجو بھی لکھتے تھے ۔

انہوں نے ۱۱۸۱ع میں ڈیرہ غازی خان میں انتقال کیا ۔ گل رعنا میں ۱۱۸۲ھ کا لکھا ہوا واقف کا ایک خط غلام علی آزاد کے نام مندرج ہے ۔ اس میں واقف لکھتے ہیں کہ "سال گزشتہ لالہ سیالکوٹی مل وارستہ تخلص کہ مجموعہ کمال نظم و نثر بود ، در ڈیرہ غازی خان جان سپرد"[۱] ۔

---

۱ ۔ گلِ رعنا ، شفیق اورنگ آبادی ، نسخۂ خطی پنجاب یونیورسٹی لائبریری ، مجموعہ شیرانی ، شمارہ ۱۴۹۰ ، ص ۲۹ ، الف ۔

نقاد و محقق و لغت نگار - وارستہ فنِ شعر اور عروض و قوافی میں خوب ماہر تھے - لفظ لفظ کی تحقیق کرتے تھے - محاسن و معایبِ نثر و نظم پر ان کی نظر تھی - اساتذہ کے ہزاروں اشعار پر ان کا عبور تھا - نقائص کی نشاندہی کرتے یا کسی کے اعتراضات کو رد کرتے تو اساتذہ کا کلام سند کے طور پر پیش کرکے اپنے قول کو مدلل بناتے - مطلع السعدین اور مصطلحات الشعرا ان کے کمالِ نقد و نثر ، تحقیقِ الفاظ اور حسِ انتقاد پر شاہد عادل ہیں -

شاعر - سیالکوٹی مل کے تخلص وارستہ سے ظاہر ہے کہ وہ شعر کہتے تھے - گل رعنا کے مؤلف نے لکھا ہے[1] کہ وہ صاحبِ دیوان ہے لیکن اس کے اشعار مؤلف تک نہیں پہنچے اور اس کا صرف ایک شعر نقل کیا ہے :

نیست در دھر زبان بازی دگر مایۂ درد
از چہ رو جامۂ تلخ است بہر سوسن را

یہ شعر لکھ کر ساتھ ہی بتایا ہے کہ تلخ کے معانی سیاہ ہیں اور اس کی سند میں مرزا صائب کا مندرجہ ذیل شعر پیش کیا ہے :

گرنداری ماتم ایمان این دلمردگان
از چہ رودارد جامۂ خود کعبۂ اسلام تلخ

مطلع السعدین میں وارستہ نے اپنے ذیل کے اشعار لکھے ہیں[2] :

---

۱ - گلِ رعنا ، قلمی ، ص ۳۳۲ الف -
۲ - مطلع السعدین ، وارستہ ، نولکشور ، کانپور ، ۱۲۹۷ھ ، ص ۲ -

چیست سخن موجۂ بحر صفات
چیست سخن پرتو خورشید ذات
چیست سخن مروحۂ جنبان روح
نشاء سرگرمی شام و صبوح
صاف خمستان حدوث و قدم
موجۂ سرچشمۂ بی کیف و کم
جان جہان است سخن بی سخن
عمر ابد بخش ز نو تا کہن
بوی گل گلشن فیض ابد
روح فزا باد ریاض خرد

مطلع السعدین میں ہی ایک جگہ صنعت ذوالمعنین کی تشریح کرتے ہوئے سند کے لیے اپنا شعر پیش کیا ہے[1]۔

دولت بیدار نبود حاصل عرفان سرشت
گفت منصور حرف حق سر من بردار شد

انشا پرداز

ہندو فارسی میں خوب مہارت پیدا کرتے تھے کیوں کہ انشا پردازی ان کا فن اور پیشہ تھا۔ لیکن ساتھ ہی عربی میں کافی استعداد پیدا کرنا بھی ضروری ہوتا تھا۔ کیوں کہ انھیں مسلمان امراء و حکام کی طرف سے یا خود انھیں مخاطب کرکے خط لکھنے ہوتے تھے۔ اس لیے کلمات دعائیہ اور طریق تخاطب و سلام کے لیے عربی اصطلاحات اور کلمات کا جاننا ضروری تھا۔ وارستہ کی تالیفات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ عربی محاورات و مصطلحات کو پوری تحقیق کے ساتھ استعمال کرتے ہیں۔ چونکہ اس

۱۔ مطلع السعدین، وارستہ، نولکشور، کانپور، ۱۲۹۷ھ، ص ۲۴۔

زمانے میں مسجع و مقفیٰ عبارت لکھنا بھی کمال انشا سمجھا جاتا تھا ، اس لیے دونوں زبانوں یعنی فارسی و عربی میں یکساں مہارت کی ضرورت ہوتی تھی ۔ وارستہ نے صفات کائنات ، یعنی نامہ نگارین ۔ میں اپنی نثر کے نمونے پیش کیے ہیں ۔ ان سے نثر نگاری میں ان کی مہارت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے ۔ نمونہ کے لیے ہم ان کی یہ عبارت نقل کرتے ہیں[1] :

در صفت بسم اللہ

"بسم اللہ مصرعۂ دیوان الٰہی ست و سر قصیدۂ سفینۂ شاہی ۔ ابروی وسمہ کشیدۂ شاہد حقیقت ست یا مد جادۂ سر منزل طریقت ۔ با را تا بہ سینش سعادت اتصال دست دادہ ، کلید باب الابواب برکات بدستش افتادہ ۔ میمش غنچہ ایست نیم باز۔ گوشۂ دستار ملائکہ را زینت طراز ۔ الف ہایش دیباچہ طراز انا فتحناست ۔ عصای دستگیری پیر و برنا ۔ عکس لامش در آئینۂ قلب خزینہ دار مال است بل معلم دارالادب کمالہا ۔ دل آگاہان را ہدایت دستگاہ است یا زور بازوی یداللہ ۔ حا حسن آغاز و آغاز حسن را پیرایہ و حامدان را در تحمید الٰہی سرمایہ ۔ نون معنی دان نون والقلم و ما یسطرون ۔ ماہی آشنای بحر مکون و بطون ۔

وارستہ کی مندرجہ ذیل تالیفات معلوم ہیں :

۱ ۔ مطلع السعدین ۲ ۔ مصطلحات الشعرا ۳ ۔ جواب شافی

۴ ۔ صفات کائنات یا نامۂ نگارین ۵ ۔ تذکرۃ الشعراء

نامۂ نگارین :

اس کا ایک قلمی نسخہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری ، مجموعہ شیرانی میں

---

۱ ۔ صفات کائنات ، وارستہ ، مطبع نولکشور ، ۱۸۷۸ع ، ص ۱ ، ۲ ۔

شمارہ ۹۴۲ پر موجود ہے۔ کل دو سو تیرہ اوراق ہیں۔ متن کی تقطیع "4 × "7 ہے۔ ہر صفحے میں پندرہ سطریں اور ہر سطر میں ۱۵، ۱۶ لفظ ہیں۔ خط نستعلیق متوسط۔ اس کا خاتمہ یوں ہے:

"للہ الحمد والمنتہ کہ این نامۂ نگارین و صحیفۂ رنگین بر صفت ارزانی حبوب و غلات کہ سرمایۂ جانفزای و روح پروری قاطبۂ جانداران شہر و صحراست، حسن انجام و انجام حسن بر نظر عاشقان حسن معنی جلوۂ دلفریبی نمود۔ امید کہ مقبول طبایع منصفان قدسی نہاد گردیدہ کسوت زیبای قبول و اقبال در برکنار۔ بمنہ و کرمہ باتمام رسید و باختتام گرائید بتوفیق اللہ المستعان۔ من تصنیف وارستہ سیالکوٹی ۱۲۳۶ ہجریہ مقدسہ علی صاحب الصلوٰۃ والسلام۔

نامۂ نگارین، رنگا رنگ خوبصورت تحریروں کا مجموعہ ہے۔ مؤلف چونکہ خود انشا پرداز ہے۔ تحریر کی رنگینیوں کو سمجھتا ہے اور طالبان انشاء کی ضرورتوں کو بھی جانتا ہے، اس لیے اس نے زندگی کے تقریباً ہر شعبے سے موضوعات منتخب کر کے ان کے متعلق مستند ادیبوں اور انشاء پردازوں یا ان کی مصنفہ کتابوں سے متعلقہ نگارشات درج کی ہیں تاکہ ضرورت کے وقت ایک موضوع کے متعلق اساتذۂ انشاء کی تحریروں کے نمونے سامنے آ جائیں اور آموزندگانِ انشاء کے لیے رہنما کتاب میسر آ جائے۔

عنوانات کی مختصر فہرست یہ ہے۔ کل عنوانات کی تعداد ۸۰۳ ہے۔
بسملہ۔ سجدہ ریزی خامہ۔ عرض نیاز۔

صفت عالم کون و فساد۔ روزہای ہفتہ۔ جمعہ۔ نوروز و عید۔ جشن و تہوار۔ شب ماہتاب۔ شب چراغان۔ ہولی۔ شب برات۔ دیوالی۔

عناصر اربعہ۔ انسان و عشق۔ تزویج و عروسی۔ اعضای بدن و محبوب۔ سخن و سخنوری۔ اقسام علم۔

سازھائے موسیقی ۔ راگ بندی و مزیت آن بر موسیقی ایران ۔ صفت دولتخانہ ۔ بزم ناؤ نوش ۔ اسباب آرائش ۔

خمریات ۔ مطعومات و مشروبات ۔ اسلحہ ۔ دواب و مواکب ۔ وزراء و عمال ۔ شہربانی ۔ فقراء و لوازم ۔

بازار و حرفہ ۔ محترفہ ۔ اقمشہ ۔ غلات ۔ پیشہ ور

جانوران و طیور و مرغان شکاری ۔ سباع و بہائم ۔ باغ و لوازم ۔ درخت و اثمار ۔ فصول ۔

جن اساتذۂ ادب و انشاء کی تحریروں کے نمونے مندرج ہیں ان کے نام یہ ہیں :

امیر خسرو ۔ منیر ۔ داراب جویا ۔ مخلص خان ۔ ایزد بخش رسا ۔ محمد ماہ صداقت ۔ رای رایان مخلص ۔ احمد منشی ۔ قاضی زادہ ۔ ابوالفضل ۔ طاہر وحید ۔ خانعالی ۔ مرزا خلیل ۔ محمد صالح ۔ خان آرزو ۔ جلالا طباطبائی ۔ ظہیر تفرشی ۔ بیدل ۔ طغرا ۔ محمد علی ماہر ۔ ملا ساطع ۔ ارادت خان واضح ۔ غنیمت ۔ جلال دوانی ۔ تنہا ۔ محمد قاسم ۔ محب علی سندھی تجلی ۔ محمد کاظم ۔ ۔ صادق دست غیب ۔ اسامی سبزواری ۔ شیخ احمد ۔ فتاحی ۔ مرزا مہدی نادر شاہی ۔ بخشی ۔ ظہوری ۔ میر غازی شہید ۔

جن کتابوں کے نام مذکور ہیں اور جن سے اقتباسات لیے گئے ہیں وہ مندرجہ ذیل ہیں ۔ دیگر مصنفین کی تالیفات کے نام مندرج نہیں ۔

اعجاز خسروی ۔ تاج المآثر ۔ عمل صالح ۔ بہار دانش ۔ ابواب الجنان نفایس الفنون ۔ خزاین الفتوح ۔

مختلف موضوعات پر ان تمام نگارشات کے جمع ہو جانے سے مسلمانوں کے معاشرے کی جھلک سامنے آ جاتی ہے ۔ بزم و رزم کے تمام اسباب

و لوازم سے متعلق ایک ایک کا ذکر کیا گیا ہے ۔ گھر بار ۔ رہن سہن ۔ منڈی بازار ، جشن و تہوار ، غرض کہ عوام و خواص کی زندگی کا نقشہ مرتب کیا جا سکتا ہے ۔

مؤلف نے کافی محنت و کاوش سے کتاب مرتب کی ہے اور اس کی وسعتِ نظر پر شاہد ہے ۔

یہ کتاب صفات کائنات کے عنوان سے مطبع نولکشور لکھنؤ میں ۱۸۷۸ع میں شایع ہو چکی ہے ۔ مؤلف کے دیباچے سے ظاہر ہے کہ اس کتاب کا کوئی نام تجویز نہیں کیا گیا ۔ کیونکہ متن کے عنوانات میں صفت کا لفظ استعمال کیا گیا ہے اور صفات کے موضوعات زندگی کے مختلف شعبوں سے متعلق ہیں ، اس لیے کتاب کے مرتب نے کتاب کا نام ''صفات کائنات'' تجویز کر لیا ہے ۔

کتاب کے مؤلف نے دیباچے میں لکھا ہے کہ اس نے منتخبات نثر و نظم کے دو مجموعے مرتب کیے تھے ۔ اس کی عبارت یہ ہے :

''از نظم و نثر دو رو آئینہ پرداختہ ام ۔ دولختی دری ساختہ ام کہ از یک درش بگلگشت سروستان نثر راہ توان برد و از در دیگر تماشای جلوۂ نظر فریب شاہدان نظم توان کرد'' ۔

جُنگ رنگا رنگ :

مجموعۂ نثر تو یہی کتاب یعنی نامۂ نگارین یا صفات کائنات ہے ۔ مجموعہ نظم جنگ رنگا رنگ کے نام سے ایک کتاب شاہ اودھ کی لائبریری موتی محل میں موجود تھی ۔ سپرنگر نے فہرست مخطوطات میں اس کا ذکر کیا ہے ۔ اس مجموعے میں ۲۰۷ عنوانات کے تحت مختلف شعراء کے اشعار جمع کیے گئے ہیں ۔ مثلاً عنوان چراغ کے تحت جن شعراء نے چراغ اور اس کی مناسبت سے اشعار کہے ہیں وہ مندرج ہیں ۔ کتاب ۳۰۶ ورق پر

مشتمل تھی[1]۔

مطلع السعدین

مصنف کتاب کی تمہید میں لکھتے ہیں کہ میں نے عمر بھر فصحا کے دیوان اور بلغا کے منشورات کا مطالعہ کیا۔ اور اکابر عصر سے استفادہ کیا۔ میں نے چاہا کہ میں نظم و نثر کی ماہیت اور شعر و انشاء کے متعلق قواعد و قوانین پیش کروں تاکہ مبتدی اس سے استفادہ کریں۔ اس کتاب کی تالیف کا آغاز ۱۱۶۸ھ میں ہوا۔

کتاب مقدمہ۔ دو ابواب اور خاتمہ پر مشتمل ہے

مقدمہ میں فارسی کے معنی۔ فارسی اور اس کی اقسام یعنی فارسی دری اور پہلوی کے متعلق تفصیل سے لکھا ہے۔ اس کے بعد دوسری زبانوں پر فارسی کی برتری ثابت کرنے کے لیے ذیل کی دو حدیثیں نقل کی ہیں جو یقیناً موضوع ہیں:

۱۔ اذاارادالله امرا فیہ لین اوحی الی الملائکة المقربة بالفارسیہ الدریہ
واذا ارادالله امرا فیہ شدة اوحی الی الملائکة المقربہ بالعربیة

۲۔ لسان اهل جنة دری۔

باب اول میں سات فصلیں ہیں۔

پہلی فصل میں شعر کے معنی بتائے ہیں اور روایت بیان کی ہے کہ سب سے پہلے آدم نے اپنے بیٹے ہابیل کا مرثیہ سریانی میں لکھا جس کا ترجمہ عربی میں ہوا۔

دوسری فصل میں کلام منظوم کی گیارہ قسمیں بیان کی ہیں۔ مثنوی

1- Catalogue of the Arabic, Persian and Hindustani manuscripts of the libraries of the King of Oudh. A. Sprenger, Calcutta, 1854, P. 146.

کے ضمن میں بتایا ہے کہ اس وقت تک وہ گیارہ بحروں میں لکھی جا چکی ہے : خمسہ نظامی (۵ بحریں) - مثنوی معنوی اور سبحۃ الابرارکی (۲ بحریں) امیر خسرو نے نُہ سپہر لکھ کر دو بحروں کا اضافہ کیا اور بقول صاحب عمل صالح منیر لاہوری نے دو اور بحروں کا اضافہ کیا -

تیسری فصل میں مصطلحات شعر کی توضیح کی ہے - ان میں سے چند ایک غیر معروف مثلاً خفی - شعر تر - شعر خشک - تغلیب - محابات - اختلاس - حامل موقوف قابل ذکر ہیں -

چوتھی فصل میں فصاحت ، بلاغت اور اضافت کی بحث ہے -

پانچویں فصل میں صنایع لفظی و معنوی کا تفصیلی ذکر کیا ہے - ان صنایع کے علاوہ جو عموماً علم بیان و معانی کے موضوع پر کتابوں میں ملتی ہیں بعض دلچسپ لیکن پر تکلف اور دقیق قسم کی صنایع لفظی و معنوی کی بھی نشاندہی کی ہے مثلاً تولیدالتوأمین (قلقل - زمزمہ)

مضمون اللغتین - ایک شعر جو فارسی و عربی دونوں زبانوں میں معنی دے مثلاً امیر خسرو کا یہ شعر -

بہای خانہ داری باہا کن　　　ہواداری و نادانی رہاکن

مشید - ایسے الفاظ لانا جن کے حروف پر نقاط تمام کے تمام اوپر ہوں -
قلب مستوی - ایک عبارت جو عقب سے بھی ویسے ہی پڑھی جائے جیسا کہ آغاز سے ہے - مثلاً شکر بترازوی وزارت برکش

چھٹی فصل میں تصرفات شعرا بیان کیے گئے ہیں - تنقید و تبصرہ اور دقیقہ رسی کے نقطۂ نظر سے یہ فصل بہت اہم ہے -

اس میں مندرجہ ذیل اقسام کے تصرفات کی نشاندھی کی گئی ہے -

۱ - تصرت معنی - مثلاً لفظ اصلاح بمعنی ستردن - لفظ لقا بمعنی دیدن و رسیدن

۲ - اسم فاعل کے آخر یای بڑھانا مثلاً قربانی = قربان - حاجی = حاج

۳ - مصدر کے آخر یای بڑھانا مثلاً سلامتی = سلامت - فضولی = فضول

۴ - اسقاط حرف از اواخر مثلاً محا کا = محا کات -

۵ - تصرف در حرکت - مثلاً بَرکت = بَرَکت بوقلمون = بوقلمون

۶ - تخفیف مشدد - مثلاً تنور = تنّور - مشاطہ = مشّاطہ

۷ - اسقاط کسرۂ اضافت یا موصوف - مثلاً تہ سبو - سر منزل

۸ - ھا کا اضافہ لفظ کے آخر میں جس کا آخری حرف الف ممدودہ ہو - مثلاً خونخوارہ - دوتاہ -

۹ - کلمہ کے آخر یای کا اضافہ - مثلاً زبانی - یادگاری

۱۰ - اسم فاعل بمعنی مصدر استعمال کرنا -

۱۱ - امالہ و اشباع -

۱۲ - لازم کو متعدی اور متعدی کو لازم استعمال کرنا

۱۳ - اسکان تحریک مثلاً مژگان = مژَگان

۱۴ - تحریک ساکن پہَن = پہن

ساتویں فصل معائب شعر کے بارے میں ہے جن میں سب سے سنگین سرقہ - ابتذال - نسخ و انتحال ہے - دوسرے عیوب میں تنافر کلمات - ضعف تالیف - تعقیدات - اغلاق - تزییف (درشت الفاظ و سست معانی) رکّعت - متروک الفاظ کا استعمال - خلاف قواعد عروض و قوافی -

دوسرا باب نثر و انشا کے متعلق ہے - اس میں پانچ فصلیں ہیں - فصل اول - در ماہیت انشاء - فصل دوم درماہیت منشی - منشی کے متعلق

بتایا ہے کہ وہ فکر قویم ـ طبع مستقیم اور سرعت انتقال ذہن جیسی صفات کا مالک ہو ـ فصل سوم ـ رجحان انشا بر شعر و منشی بر شاعر ـ فصل چہارم ـ اقسام انشا یا نثر ـ مرجز ـ عاری ـ مسجع ـ فصل پنجم ـ قواعد و قوانینی کہ مستلزم نثر آرائی است ـ خاتمہ میں رسم الخط اور املا کے متعلق قواعد و ضوابط بیان کیے ہیں ـ اقسام حروف ـ عربی و فارسی کے مخصوص حروف اور مستثنیات ـ ت اور ط اور ت اور ۃ لکھنے کے قواعد مندرج ہیں ـ

اگرچہ شعر کہنے کی صلاحیت خداداد ہوتی ہے اور طبعی موزونی کے بغیر حقیقی شعر نہیں کہا جا سکتا ـ لیکن اس کے باوجود کلام کی آرایش و پیرایش کے لیے فنی قواعد و ضوابط کا علم ضروری ہوتا ہے ـ کلام کی آرایش کے لیے جہاں تشبیہ و استعارہ اور صنایع لفظی و معنوی سے آشنائی ضروری ہے ، وہاں زبان و بیان کی خوبیوں کا علم بھی ضروری ہے ـ اس نقطۂ نظر سے مطلع السعدین کے پہلے باب میں فصل پنجم ، ششم اور ہفتم نہایت اہم ہیں ـ چھٹی اور ساتویں فصل سخن فہمی اور تنقید و تبصرہ کی تربیت کے لیے نہایت مفید ہے ـ مصنف نے اکثر اساتذہ کے اشعار سے مثالیں دے کر ان کے محاسن اور عیوب کی نشاندہی کی ہے ـ

وارستہ ہندو ہونے کے باوجود فارسی عربی کے فن فصاحت و بلاغت فن عروض و قوافی اور صرف و نحو سے گہری واقفیت رکھتے ہیں ـ اس لیے شعرا پر تنقید کرتے ہوئے ان تمام لوازم سے مسلح ہوتے ہیں جو ایک نقاد کے لیے لازم ہیں ـ

سراج الدین علی خان آرزو وارستہ کے معاصر ، اپنے زمانے میں لغت ، زباندانی ، شعر فہمی اور شعر سنجی میں استادالاساتذہ شمار ہوتے تھے ـ اور ان کی تالیفات ان کی ہمہ گیر شخصیت کی آئینہ دار ہیں ـ ان کے شاگرد انھیں سراج المحققین کے لقب سے پکارتے تھے ـ وارستہ نے اپنی کتاب میں آرزو کی بعض خامیوں کی نشاندہی کی ہے اور انھیں سراج المحققین لکھ کر گویا طنز کیا ہے ـ ہم دو ایک زیر بحث نکات یہاں درج کرتے ہیں ـ

ص ۹۷ - کلیم کا ایک مصراع ہے : ز رایان سرکش کہ در ہند بود -
وارستہ لکھتے ہیں -

"خان سراج المحققین درین شعر رایان راکہ بیای حطی است، رانان بنون فہمیدہ جمع رانا گفتہ و این غلطی ست فاحش چہ جمع رانا رایان اصلاً نمی تواند شد - رایان جمع رای لفظی است آمدہ ہندی لغت" -

ص ۹۱ - "سراج المحققین روشن کے مقابلے میں ایمن قافیہ لائے جو خلاف قواعد ہے کیوں کہ ایمن میں میم مکسور -

ص ۶۷ - طغرا کا ایک شعر ہے :

ازو گشتہ کافیہ زیر و زبر نشد آگہ از مبتدا و خبر

. خان آرزو نے اعتراض کیا کہ کافیہ مشدد باندھا ہے - وارستہ کہتے ہیں اگر تقدیم و تاخیر سے یوں پڑھیں تو طغرا سہوالفکر کے طعن سے بری ہو جائیں - ازو کافیہ گشتہ زیر و زبر

کتاب میں مندرجہ ذیل کتب و مؤلفین کے نام مذکور ہیں جس سے ظاہر ہے کہ تالیف کتاب کے سلسلے میں یہ ان کے پیش نظر رہے ہیں -

کتاب لغت مؤلفہ مجدالدین علی قوسی - رشید الدین وطواط - عزالدین موصلی - فاضل فراہانی - مجمع الصنایع - مشمر - شرح انوری -

مصطلحات الشعرا[1]

وارستہ نے دیباچے میں لکھا ہے کہ میں روز و شب فصحا کے دواوین

1- Blochman, Contributions to persian lexicography., J. A. S. B., 1868, P. 3.

کے مطالعہ میں مصروف رہا اور دل و جان سے الفاظ و معانی کی تحقیق میں منہمک رہا ۔ بعض غریب محاورات کے معانی لغت کی کتابوں میں نہ مل سکے ، اس لیے زبان دانان ایران کی طرف رجوع کیا اور اس کام میں پندرہ سال صرف ہو گئے ۔ میں نے چاہا کہ جمہور کے استفادہ کے لیے ان کو کتابی صورت میں لے آؤں ۔ بعض دوسرے غریب الفاظ کے معانی لغت اور شروح دواوین میں ملتے ہیں ۔ سہولت طلبہ کی خاطر ان کو بھی شامل کر لیا ہے ۔ مصطلاحات الشعرا کی تدوین کا کام ۱۱۸۰ھ میں شروع ہوا ۔ بقول مؤلف مصطلحات الشعرا سے تاریخ شروع تالیف نکلتی ہے ۔

مؤلف نے جن کتابوں سے اس کتاب کی تالیف سے مدد لی ہے ان کے نام یہ ہیں ۔
فرہنگ جہانگیری ۔ کشف اللغات ۔ مؤیدالفضلا ۔ مدارالافاضل ۔ قاموس رشیدی ۔ تاج المصادر ۔ شرح دیوان خاقانی ۔ شرح قصاید انوری ۔ لطائف مثنوی معنوی ۔ صراح ۔ ابراہیم شاہی ۔ منتخب اللغات ۔

متن میں ان کتابوں کا حوالہ دینے کے لیے ان کے پورے ناموں کے بجائے مختصرات رکھے ہیں مثلاً جہانگیری کے لیے ج اور کشف اللغات کے لیے ک ۔ محاورہ دانان ایران کے لیے 'مح' ۔ چونکہ محاورہ دانان ایران کے لیے مختصر اشارہ کتابوں کے ساتھ مذکور ہے ، اس لیے بلوخمن کو شبہ ہوا کہ شاید یہ بھی کسی کتاب کا نام ہے اور اس لیے اس نے اسے ایک لغت شمار کیا ہے[1] متذکرہ کتب لغت کے علاوہ تاریخ اور دوسرے موضوعات پر کتابوں سے بھی استفادہ کیا ہے مثلاً عالم آرای عباسی ۔ ظفر نامہ یزدی ۔ تذکرۂ دولت شاہی ۔ آئین اکبری وغیرہ ۔

مؤلف نے لفظ یا محاورہ کے مختلف معانی کی سند کے لیے عموماً ایرانی

---

۱ تفصیلی نوٹ کے لیے دیکھیے ''ادبیات فارسی میں ہندوؤں کا حصہ'' ۔ سید عبداللہ لاہور ، ۱۹۶۷ء ، ص ۱۳۶ — ۱۶۲ ۔

شعرا کے اشعار پیش کیے ہیں ۔ ایک جگہ ''خط آتش خوان'' کی توضیح کے لیے سراج الدین علی خان آرزو کا شعر بھی پیش کیا ہے لیکن ساتھ ہی لکھ دیا ہے کہ شعرائے ایران کے کلام میں اس کا استعمال نہیں دیکھا گیا ۔ استناد کے لیے اکثر مندرجہ ذیل شعرا کے نام ملتے ہیں :

طغرا ۔ مفید بلخی ۔ طالب آملی ۔ طرزی ۔ وحید ۔ صائب ۔ خالص
زلالی ۔ شفائی ۔ محسن تاثیر ۔ شفیع اثر ۔ سعید اشرف ۔ شانی تکلو ۔
فغانی ۔ ذہنی تبریزی ۔ سنجر کاشی ۔ وحشی ۔ فوقی یزدی ۔
نعمت خان عالی ۔ سوزنی ۔ جویا تبریزی وغیرہ ۔

نادر و غریب محاورات کے ساتھ ساتھ عام روزمرہ میں استعمال ہونے والے الفاظ بھی درج کیے ہیں مثلاً خود و خویش ۔ لاک پشت ۔ کیچ ۔ کلفت ۔ گاہ بگاہ ۔

سر زمین پاک و ہند میں عام طور پر اردو ، ہندی ، پنجابی اور دوسری زبانوں میں استعمال ہونے والے الفاظ کے معانی بھی بتائے ہیں ۔ مثلاً لگن ۔ لنگر (جای کہ طعام بفقرا و مسا کین دہند) ۔ کوفتہ ۔ قاب ۔ شاباش ۔ شیرہ ۔ بینی ۔ سربند وغیرہ ۔

بعض الفاظ کی تشریح کرتے ہوئے فارسی کے مقابل مقامی زبان کے الفاظ دیے ہیں مثلاً چار سو = چوہٹہ ۔ تفتان = پرائھا ۔ جامہ ناشوی = کورا ۔ جوق = پنجالی ۔

مؤلف نے بعض ترکی الفاظ بھی اپنی لغت میں شامل کیے ہیں مثلاً لچک ۔ قراول ۔ قرق ۔ چپر ۔ تزک ۔ ترکش ۔ الفاظ و مصطلحات کی ترتیب دقیق ہجائی ترتیب سے نہیں کی گئی ۔ صرف پہلے اور دوسرے حرف کی ترتیب کا خیال رکھا ہے مثلاً تناظر ''را'' میں خای معجمہ کے تحت تین مصطلحات اس ترتیب سے درج ہیں ۔ رخت سلامی ۔ رخنہ شمشیر اور رخ کس بردن ۔

لغت کی سب سے نمایاں خامی یہ ہے کہ لفظ کا تلفظ نہیں بتایا گیا۔ اس نقص کی وجہ سے معانی کا غلط تصور پیدا ہو سکتا ہے۔ مثال کے لیے یہ لفظ دیکھیے۔

نفور : نفرت کنندہ ۔ بمعنی نفرت نیز ۔

نفور کو اعراب کے بغیر لکھا ہے ۔ اگر نفور کو ن پر زبر کے ساتھ پڑھیں تو پہلے معنی یعنی نفرت کنندہ صحیح ہیں ۔ اور دوسرے معنی غلط ہیں ۔ اگر دوسرے معنی کو صحیح مانا جائے تو ن پر پیش پڑھنی چاہیے ۔

بعض الفاظ کے متعلق جو معنی لکھے ہیں وہ ناقص اور ناکافی ہیں مثلاً

گل اندام : صفت معشوق و بمعنی اسب نیز آرند

حسن صباح : نام مزوریست کہ تفصیل مکری او در کتب تواریخ مفصلاً و در تذکرہ دولتشاہی مجملاً مسطور است ۔

وارستہ نے مذکورہ ماخذ کے علاوہ یقیناً لغت کی اور کتابوں کو بھی پیش نظر رکھا ۔ خاص طور پر خان آرزو کی سراج اللغات اور چراغ ہدایت کو سامنے رکھا ہے اور جا بجا خان آرزو کے بتائے ہوئے معنوں پر تنقیدی نظر ڈال کر نقائص کی نشاندہی کی ہے ۔ ڈاکٹر سید عبداللہ نے بعض حصوں کا چراغ ہدایت سے مقابلہ کر کے وارستہ کی افضلیت کی طرف متوجہ کیا ہے ۔ ٹیک چند بہار نے مصطلحات الشعرا کا تمام متن اپنی لغت بہار عجم میں شامل کر لیا ہے اور فرہنگ انند راج میں بھی اس لغت سے استفادہ کیا گیا ہے ۔ اور وارستہ کی کوششوں کو اہم اور مفید سمجھا گیا ہے ۔

جواب شافی

گل رعنا میں مذکور ہے[1] کہ وارستہ نے ایک رسالہ جواب شافی کے

---

۱ ۔ گل رعنا ، شفیق اورنگ آبادی ، نسخۂ خطی پنجاب یونیورسٹی لائبریری ، مجموعہ شیرانی ، شمارہ ۱۴۹۰ ، ص ۳۳۲ الف ۔ ۳۳۳ ۔

عنوان سے لکھا ۔ وارستہ اس کے دیباچے میں اس رسالے کی وجہ تالیف یوں بیان کرتے ہیں ۔ ۱۱۶۳ھ میں خان سخندان حکیم بیگ حاکم دہلی سے لاہور آئے ۔ میں اپنے دیرینہ تعلقات کی بنا پر انہیں ملنے گیا ۔ میں ان کا دیوان دیکھ رہا تھا ۔ اس کے حواشی پر بعض اشعار پر مناسب اور غیر مناسب اعتراضات لکھے ہوئے تھے ۔ معلوم ہوا کہ یہ اعتراضات جناب سراج الدین علی خان آرزو کے شعلۂ ادراک کا نتیجہ ہیں ۔ میں نے خان موصوف کی مصنفات بلاغت آیات کا مطالعہ کیا تھا اور میں ان کے کمال جامعیت کا معترف تھا لیکن یہ اعتراض دیکھ کر میں حیران رہ گیا ۔ جب میں نے ان کا رسالۂ سراج منیر دیکھا جس کے آخر میں منیر لاہوری کے اشعار اور جملوں پر حرف گیری کی گئی تھی تو میری حیرت میں اور بھی اضافہ ہوا ۔ خان حاکم نے ان اعتراضات کو معقول استدلال سے رد کرنے کے لیے اصرار کیا ۔ میں دوسروں کے عیوب کی نشاندہی کو کمال نہیں سمجھتا ۔ میں اس کام کے لیے آمادہ نہ تھا لیکن جب خان دیرین آشنا کا اصرار حد سے گزر گیا تو اعلائے کلمۃالحق کی خاطر میں نے خان حاکم کے اشعار پر شکوک و شبہات کا ازالہ کیا اور منیر کے کلام پر اعتراضات کا مدلل جواب دیا‘‘ ۔

گل رعنا میں مؤلف نے حاکم کے چند اشعار نقل کیے ہیں ۔ ساتھ ہی خان آرزو کے اعتراضات اور بعد میں وارستہ کے جوابات درج کئے ۔ تقریباً سات آٹھ اشعار پر دفع اعتراض کے لیے سند کے طور پر صایب کے اشعار پیش کیے ہیں ۔ منیر کے ایک شعر پر اعتراض نقل کر کے اس کا جواب دیا ہے ۔ ایک مثال ملاحظہ کیجیے :

حاکم کا شعر ہے :

کاکم بوصف ابروی پر چین او بکف
چوں شاخ آہوست ز سر تا بپا گرہ

خان آرزو نے اعتراض کیا :

شاخ آہو گرہ ندارد پیچ و خم دارد

وارستہ نے جواب دیا :

اساتذہ گرہ ثابت کردہ اند ، چنانکہ صایبا گوید :

عقدۂ حرص از مرور زندگی گردد زیاد
شاخ آہو پر گرہ از کثرت سال خوداست

اس رسالے کا کوئی نسخہ ابھی تک دستیاب نہیں ہوا ۔

—:o:—

احمد یار خان یکتا

احمد یار خان قبیلۂ برلاس سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کے اجداد ترکستان سے آ کر تحصیل خوشاب، ضلع سرگودھا میں آباد ہو گئے۔ ان کے والد اللہ یار خان لاہور، ملتان اور ٹھٹھہ کے حاکم رہے۔ اور چالیس سال کے قریب فوجدار غزنین رہے[1]۔ لیکن معاصر تواریخ میں اللہ یار خان کے متعلق لاہور، ملتان اور ٹھٹھہ کی حاکمیت یا نظامت کے بارے میں کہیں ذکر نہیں ملتا۔ بادشاہنامہ مؤلفہ عبدالحمید لاہوری میں ایک اللہ یار خان کا ذکر ہے جو سہ ہزاری و دو ہزار سوار کا منصبدار تھا۔ وہ افتخار کا بیٹا تھا اور عموماً اس کے کارہائے نمایاں کا ذکر صوبۂ بنگال کے سلسلے میں آیا ہے۔

البتہ مآثر عالمگیری میں سال ۱۰۸۷ھ کے واقعات میں اللہ یار خان کا ذکر ہے جسے قلعہ دار کابل مقرر کیا گیا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ احمد یار خان یکتا کے والد ہوں گے۔ کیوں کہ ان کے متعلق یہ بات تصدیق ہو گئی ہے کہ وہ اس سے پہلے تھانہ دار غزنین تھے۔ مآثر عالمگیری کی عبارت یہ ہے:

"خانہ زاد خان از تغیر اللہ یار خان، تھانہ دار غزنین و از تغیر او اللہ یار خان قلعہ دار کابل مقرر شد[2]۔"

عالمگیر نامہ میں اللہ یار خان کے متعلق مندرجہ ذیل معلومات فراہم ہوئی ہیں:

۱۰۶۸ھ اللہ یار خان میر توزک باضافۂ پانصدی بمنصب ہزار و

۱۔ مقالات الشعراء، ص ۸۷۔

۲۔ مآثر عالمگیری، محمد ساقی مستعد خان، کلکتہ، ۱۸۷۱ع، ص ۵۹۔

پانصدی سہ صد سوار[۱] -

صف شکنخاں کے ہمراہ دارا کے تعاقب میں بھیجا گیا[۲] -

۴ محرم ۱۰۶۹ھ - اللہ یار خان خزانہ کے ساتھ ملتان پہنچا اور صف شکنخان کو تعاقب دارا کا پیغام پہنچایا[۳] -

اللہ یار خان بعطای جیغہ مرصع سرافرازی اندوخت[۴] -

داراشکوہ اور اورنگزیب کی جنگ میں شریک ہوا[۵] -

شجاع کی شکست کے بعد از اصل و اضافہ بمنصب ہزار و پانصدی چہار صد سوار مقرر ہوا[۶] -

اللہ یار خان میر توزک بخدمت داروغگی ملازمان جلو کہ قبل ازین بہ سیف خان مفوض بود ، تعین یافت[۷] -

اجمیر میں داراشکوہ کے مقابل میں جنگ میں شریک ہوا[۸] -

اللہ یار خان کو خلعت عطا ہوا - (فتح پور میں)[۹] -

۴ رمضان (جلوس مبارک) - اللہ یار خان کو خلعت اور فیل عطا ہوا[۱۰] -

---

۱ - عالمگیر نامہ ، محمد کاظم ، کلکتہ ، ۱۸۶۸ع ، ص ۱۹۶ -
۲ - ایضاً - ص ۲۰۴ -
۳ - ایضاً ص ۲۰۵ -
۴ - ایضاً - ص ۲۳۱ -
۵ - ایضاً - ص ۲۴۸ -
۶ - ایضاً - ص ۲۷۰ -
۷ - ایضاً - ص ۲۸۹ -
۸ - ایضاً - ص ۳۰۸ -
۹ - ایضاً - ص ۳۴۲ -
۱۰ - ایضاً - ص ۳۹۴ -

عہد شاہجہان اور عہد اورنگزیب کی معاصر تواریخ میں کسی واقعہ کے ضمن احمد یار خان یکتا کا ذکر نہیں آیا۔

احمد یار خان یکتا کے احوال و آثار کا تذکر ذیل کے تذکروں میں موجود ہے:

شمع انجمن، ص ۵۳۹ - تذکرۂ بینظیر، ص ۱۳۰ - روز روشن، ص ۴۹۷ - سفینۂ ہندی، ص ۲۶۱ - ۲۶۴ - مقالات الشعرا، ص ۸۸۲ - منتخب الاشعار - ریاض الشعرا ص ۴۰۲ - سرو آزاد، ص ۱۹۹ - مخزن الغرائب، ص ۳۸۲ - ۳۸۳ - تذکرۂ حسینی، ص ۲۷۳ - تذکرۂ نتائج الافکار، ص ۲۹۰ انیس العاشقین - سفینۂ خوشگو - بیاض مجموعہ شیرانی شمارہ ۲۲۷۹ (پنجاب یونیورسٹی لائبریری)۔

یکتا جامع صفات شخص تھے۔ آزاد بلگرامی نے ان کے متعلق لکھا ہے:

"یکتای اماثل بود و مستجمع فنون فضائل۔ خطوط در نہایت جودت می نگاشت و تصویر در کمال تحفگی می کشید و اقسام شعر بقدرت می گفت[۱]۔"

میر غازی شہید ساکن بھیرہ یکتا کے دوستوں میں سے تھے۔ انھوں نے اپنے کلام میں کئی جگہ یکتا کی تعریف کی ہے۔ ایک جگہ لکھتے ہیں:

یاد خان نہ این جا بہر خانی است　　اختلاف عالم روحانی است

کاملان مداح و ممدوح ہم اند　　ناقصان سوھانگر روح ہم اند

یکتا کے تخلص کے متعلق جو مناقشہ ہوا تھا اس کا ذکر اکثر تذکرہ نگاروں نے کیا ہے۔ لاہور کے ایک اور شاعر محمد عاقل خان یکتا تخلص

---

۱ - سرو آزاد، ص ۱۹۹ - ۲۰۱ - تذکرہ بینظیر، عبدالوہاب، الہ آباد، ۱۹۴۰ء ص ۷۸۔

کرتے تھے۔ انھوں نے احمد یار خان یکتا سے کہا: "یکتا تخلص میرا ہے۔ آپ اسے چھوڑ دیں۔" احمد یار خان نے کہا: "اب یکتا کی بجائے دوتا ہو گئے ہیں۔ بہتر ہے کہ ہم طرحی غزلیں لکھیں۔ سخنوران معظم کے سامنے پڑھیں۔ جس کی غزل بہتر قرار دی جائے وہی یکتا تخلص کا حقدار قرار دیا جائے۔" احمد یار خان نے مجلس شعرا کے سامنے اپنی غزل پڑھی۔ ہر طرف سے صدائے آفرین بلند ہوئی۔ عاقل خان کو اپنی غزل پڑھنے کی جرأت نہ ہوئی۔ احمد یار خان نے محضر تیار کیا جس پر حضار مجلس نے دستخط کیے۔ آفرین نے یہ شعر لکھا:

برین معنی گواہیم آفرین ما　　که احمد یار خان یکتاست یکتا

ایک اور شاعر نے یہ مصراع لکھا:

گوهر یکتاست احمد یار خان

یکتا کی غزل طرح یہ ہے:

تاخطش طرح جهانگیری کاؤسی ریخت
لشکر زنگ چو رومی بسر روسی ریخت
بامیدی که شود جلوه گر آن سرو روان
خاک شد جبهه و در راه قدمبوسی ریخت
سرد آلوده نگاهیکه بیادم آمد
که سرشک شفقی از مژه ام طوسی ریخت
بر در بتکده از نالهٔ زارم ناقوس
همه تن اشک شد و در بر ناقوسی ریخت
شمع از اشک رخش سوخت سراپا یکتا
جای اشکش همه خاکستر طاؤسی ریخت

سفینۂ ہندی کے مؤلف نے یہ مناقشہ محمد اشرف یکتا سے منسوب کیا ہے لیکن اکثر تذکرہ نگاروں نے محمد عاقل خان یکتا کا نام لکھا ہے۔

اور یہی صحیح ہے -

تحفتہ الکرام مؤلفہ علی شیر قانع میں مذکور ہے کہ نواب احمد یار خان ۱۱۱۶ھ سے ۱۱۱۹ھ تک تین سال تھٹہ کا ناظم رہا - تھٹہ میں نہر علی جان کا پل اسی نے تعمیر کروایا تھا - غلام علی آزاد بلگرامی نے بتایا ہے کہ احمد یار خان بھکر میں گئے اور علامہ میر عبدالجلیل بلگرامی کی خدمت میں ارادت و احترام کے ساتھ حاضر ہوئے - خط نسخ میں اپنے ہاتھ کا لکھا ہوا قرآن مجید پیش کیا[۲] - سفینۂ ہندی کا مصنف لکھتا ہے کہ

''خودش نیز از عصر عالمگیر بادشاہ تا زمان محمد شاہ بادشاہ فی الجملہ از دولت و امارت منصبی داشتہ''[۳]

لیکن یہ واضح نہیں ہوا کہ کس قسم کے سرکاری کام ان کے سپرد تھے - صرف پنجاب ڈسٹرکٹ گزٹ کے مؤلف نے اتنا بتایا ہے کہ :

that during the later years of Muhammad Shah's reign, the affairs of Bhera and the surrounding Country as far south as shahpur, were administered by Raja salamat Rai, a Khatri of Anand Clan, that Khushab and its dependencies were under the management of Nawab Ahmad Yar Khan. (4)

مؤلف سفینۂ خوشگو نے لکھا ہے کہ یکتا آخری ایام میں اپنے باپ کی بجائے تھانہ دار غزنین تھا لیکن اس نے اپنے ماخذ کا ذکر نہیں کیا - یہ بیان غلط معلوم ہوتا ہے اگر یکتا آخری وقت تھانہ دار غزنین ہوتے تو اپنی مثنوی ہیر و رانجھا میں اپنی مفلسی و بے زری کا گلہ نہ کرتے :

بی زر و مفلس و پریشانم　　　بی روزی خراب و حیرانم

آزاد نے ہمیں بتایا ہے کہ جب وہ سندھ سے ملتان آ رہے تھے تو

---

۱ - تحفۃ الکرام ، میر علی شیر قانع ، ج ۳ ، ص ۹۹ -

۲ - سرو آزاد ، غلام علی ، لاہور ، ۱۹۱۳ ، ص ۱۹۹ - ۲۰۱ -

۳ - سفینۂ ہندی ، بھگوان داس ، پٹنہ ۱۹۵۸ ، تحت عنوان یکتا -

4. Punjab District gazetteer, vol xxx A.Shahpur District, Lahore, 1917, P. 34.

انھوں نے احمد یار خان کے متعلق سنا کہ وہ ۲۳ جمادی الاول ۱۱۴۷ھ کو خوشاب میں وفات پا گئے چنانچہ انھوں نے خود ذیل کا قطعہ تاریخ لکھا[1]:

خان والا رتبہ احمد یار خان   ز آنِ او آئینہٴ خلق عظیم

در فنون فضل یکتای زمان   زادۂ افکار او در یتیم

کرد از معمورۂ گیتی سفر   ماتم او ساخت دلہا را دونیم

چونکہ یکتا رفت شد تاریخ او

جای احمد یار خان بزم نعیم (۱۱۴۸-۱ : ۱۱۴۷ع)

سفینہٴ خوشگو میں لکھا ہے کہ وہ غزنین میں ۱۱۴۵ھ میں فوت ہوئے[2]۔ قیام الدین حیرت نے لکھا ہے۔ وی در سنہ عزیمت نادر شاہ باین سمت در عظیم آباد وفات یافت" (۳)۔ یہ بیان بھی غلط ہے اور کسی غلط فہمی پر مبنی ہے۔

نواب احمد یار خان خوشاب میں مدفون ہیں اور ان کا مزار خاص و عام کے لیے زیارت گاہ ہے۔

احمد یار خان کو مثنوی کہنے میں خاص درک تھا۔ ان کی تین چار مثنویوں کے نام ہم تک پہنچے ہیں:

۱۔ مثنوی گلدستہ حسن   ۲۔ جہان آشوب۔   ۳۔ ہیر رانجھا

۴۔ گلزار خیال

تذکروں میں قبل الذکر دو مثنویوں کے دو دو تین تین شعر مندرج ہیں۔

گلدستہ حسن کے دو شعر یہ ہیں:

۱۔ سرو آزاد، غلام علی، لاہور، ص ۱۹۹ - ۲۰۱۔

ص ۱۰۰۔

۲۔ سفینہٴ ہندی، بھگوان داس، پٹنہ، ۱۹۵۸، تحت عنوان یکتا۔

۳۔ مقالات الشعرا، قیام الدین حیرت، مرتبہ نثار احمد فاروقی، دہلی، ۱۹۶۸،

سوسن بہ کنارۂ لب جو | افگندہ زبان چو تشنہ آہو
تابی دیدم مگر کمر بود | یا پیچش رشتۂ نظر بود

گلدستہ حسن کا ایک خطی نسخہ کتاب خانۂ ملی ملک تہران میں شمارہ ۶۶۷۴ پر موجود ہے۔

جہان آشوب کے تین شعر یہ ہیں : ابھی تک اس مثنوی کا کوئی سراغ نہیں ملا۔

امیران کہن بی قدر و قیمت | چو مال مردہ یا مال غنیمت
ہمہ در خاک بیقدری فسردہ | چو شمشیر اصیل زنگ خوردہ
کہن جاگیر مردم شد بتاراج | بدست مطرب وحجام و حلاج

ایک اور مثنوی کے دو شعر یہ ہیں جس کا نام مذکور نہیں۔ ممکن ہے مثنوی کا نام گلزار خیال ہو جس کے متعلق کہا گیا ہے کہ وہ شایع ہو چکی ہے[1]۔

فلک را زنم پشت دستی چنان
کہ گردد غبار رخ لامکان
زنم پشت پای اگر بر زمین
شود سرمۂ دیدۂ سافلین

تیسری مثنوی یعنی داستان ہیر و رانجھا ۱۳۲۷ھ میں شایع ہو چکی ہے۔ مصنف نے بتایا ہے کہ ہیر و رانجھا میں نے کسی کی فرمائش پر لکھی

۱۔ تذکرۂ بینظیر، عبدالوہاب، الہ آباد، ۱۹۴۰، ص ۱۴۷، مقالات الشعرا، ص ۶۹۔

۲۔ فہرست نسخہ ہای خطی فارسی، مرتبہ احمد منزوی، ج چہارم، ص ۳۰۶۷۔

ہے اس لیے میں نے صنایع و بدائع سے زیادہ کام نہیں ا ا۔ اس مثنوی کے ناپختہ ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ میں تنگی معیست کی وجہ سے پریشان تھا۔ انھی کی زبانی ان کا بیان سنیے :

نہ زخود سلک این درر سفتم　　بل ز فرمودۂ کسی گفتم
زان سبب سادہ کردہ ام موزون　　بری از استعارۂ مضمون
شعر فرمایشی نیاید کار　　گرچہ باشد ہمہ در شہوار
سبب دیگرش پریشانی است　　دل بگرداب بحر حیرانی است
بی زر و مفلس و پریشانم　　پی روزی خراب و حیرانم
متفرق حواس و دل غمگین　　چہ کند طبع استوار متین
سادہ و پختہ گفتن آسان نیست　　کار ہر شاعر سخندان نیست

یکتا سے پہلے باقی سعیدی اور شاید اس کے ہم عصر آفرین اس داستان کو فارسی میں منظوم کر چکے تھے۔ یکتا نے اپنی مثنوی میں یہ نہیں بتایا کہ اس نے اس قصے کی تفاصیل کہاں سے اخذ کی ہیں۔ یکتا نے ایک دو جگہ مروجہ قصے سے اختلاف کیا ہے۔ پہلے تو یہ کہ کسی مسافر نے جھنگ سیال کی ہیر نامی خوبصورت عورت کی صفات بیان کیں اور رانجھا تقسیم میراث کے بعد اس کی جستجو کے لیے نکل پڑا۔ دوسرے یہ کہ آخر میں ہیر و رانجھا کو بیاباں میں چھوڑ دیا گیا ہے۔ حضرت خضر نے انھیں پانی پلایا اور جان بچائی۔ پھر وہ سیر جہان کو چلے گئے۔ اور بغداد، کوفہ، کربلا اور حرمین شریفین بھی پہنچے۔

مثنوی کی تمہید میں حمد و توحید پر اظہار خیال کیا ہے۔ پھر حسن و عشق کی حقیقت فلسفہ تصوف کے نقطۂ نظر سے بیان کی ہے۔ مقصد یہ کہ اس کائنات میں حسن و عشق کارفرما ہیں۔ حسن مطلق نے اپنا جلوہ دیکھنے کے لیے اس جہاں کو رنگا رنگ مناظر سے آراستہ کیا۔

خواست تا حسن خویشتن بیند گلبن گلشن و چمن بیند
ساخت آئینۂ محمد نام دید در وی جمال خویش تمام
حسن و عشق است یک گل رعنا ہست گیتی ازین دورنگ بپا

ان تمہیدی اشعار کے بعد پنجاب اور لاہور کی تعریف کی ہے۔ یکتا سے پہلے لاہور کے متعلق طالب آملی کی نظم اور پنجاب کے بارے میں غنیمت کنجاہی کی نظم وصفیہ نظموں میں بلند پایہ شمار ہوتی ہیں۔ یکتا نے پنجاب اور لاہور کی تعریف میں جو اشعار نکالے ہیں ان میں سے بعض شعری صفات کے ساتھ ساتھ گہرے مشاہدات پر بھی دلالت کرتے ہیں۔ تشابیہ نادر اور تعجب انگیز ہیں۔ مثلاً:

سر زمینی کہ عشق را باب است
کشور حسن خیز پنجاب است

ہر طرف چاہ و چرخ دولابی
نغمۂ گریہ اشک بیتابی

کوزہ ہایش قطار بسملہا
خونچکان سلک مہرۂ دلہا

پنج دریا چو پنجۂ احسان
سیل سیم و زر است در طغیان

گرچہ ہر گوشہ اش طرب خیز است
از می شوق جام لبریز است

لیک لاہور مصر محبوبیست
یوسفستان عالم خوبیست

کہانی میں ڈرامائی عناصر موجود ہیں۔ جابجا کردار میں تصادم کی وجہ سے حرکت و جنبش جاری رہتی ہے۔ رانجھا اور ہیر کا تصادم۔ کیدو اور ہیر

کا تصادم - ہیر اور قاضی کا تصادم - رانجھا اور اہل رنگ پور کا تصادم - رانجھا اور قاضی کا تصادم وغیرہ - کہانی کے اس زیر و بم کی وجہ سے انسانی جذبات و احساسات میں بھی بہت سے اتار چڑھاؤ آئے ہیں - اور شاعر کو رانجھا اور ہیر کے غم و غصہ - کرب و کسک کے اظہار کے مواقع میسر آئے ہیں - شاعر نے ایجاز سے کام لیا ہے - بعض مقامات پر ایک ایک جملہ میں پوری ذہنی و قلبی کیفیت کا اظہار کر دیا ہے - مثال کے طور پر رانجھا کے نام ہیر کا خط قابل ملاحظہ ہے -

یکتا کے اب وجد ماوراءالنہر سے آئے تھے - ان کی زبان ترکی اور فارسی ہوگی - یکتا اگرچہ سر زمین پنجاب میں پیدا ہوئے - لیکن گھر کا ماحول اور خاندانی امارت و حشمت ضرور اثر انداز ہوئی ہوگی - لیکن اس کے باوجود یکتا نے اپنے مولد و منشاء کا ماحول اپنایا - چونکہ داستان ہیر اس سرزمین سے متعلق تھی اس لیے اس نے یہاں کی فضا اور کردار قصہ کے ماحول کو مد نظر رکھا ہے - یہاں کے مردوں عورتوں کے طور اطوار بیاہ شادی کے رسم و رواج اور غم و غصہ کے وقت جذبات و احساسات کو واقعیت سے ہمکنار رکھا ہے -

اشعار مثنوی کے علاوہ یکتا کا شعری سرمایہ ان چند اشعار پر مشتمل ہے جو کہیں کہیں تذکروں میں محفوظ ہو گئے ہیں - ان جملہ اشعار سے صرف اتنا اندازہ ہوتا ہے کہ وہ پختہ گو شاعر تھے اور اپنے زمانے میں قدر و منزلت کی نگاہوں سے دیکھے جاتے تھے - مختلف تذکروں سے یکتا کے مندرجہ ذیل اشعار مل سکے ہیں :

سرو ساماں چہ می پرسی زمن عمریست چون کاکل
سیہ بختم پریشان روزگارم خانہ بر دوشم
(ریاض الشعرا)

جلوۂ خط زلف را در پیچ و تاب افگندہ است
موج سوہان سیل باشد خانۂ زنجیر را

جامهٔ صد چاک بر گل تنگ بود
این قبا بر قامتِ دل دوختند

گردهٔ چشم سیاهش از قیامت ریختند
یک جهان مے خانه حل گردید در پیمانه ای
هر ایاغ حلقهٔ زلفت پر است از صاف حسن
حیرتم گل می کند زین جام کج دار و مریز

از نا خوشی میان من و اہل روزگار
جوش غبار صورتِ دیوار بسته است

یکتا بفریب اہلِ دنیا نروی
از بہر دوا پیش مسیحا نروی
رخ تافتن از ملک قناعت بیجاست
شاہی اگرت دهند از جا نروی

از دیده غبار خواب می باید شست
با اشک نه از گلاب می باید شست
آئینه بشویند ز خاکستر و خاک
این آینه را به آب می باید شست

(تذکرۂ بے نظیر

از بسکه سراپا زغمِ عشق تو داغم
چون کاغذ آتش زده یک شہر چراغم

(روز روشن)

شب که طرف کله آن مهر جهانتاب شکست
صبح روشن شد و رنگ از رخ مهتاب شکست

صرف عشق خوش قدان گردید نقد اشک من
کرد مفلس عاقبت این چرخ بالائی مرا

(مقالات الشعراء)

شد هوش ربا چشمی جانانه چنین باید
مخمور را بدگفتم پیمانه چنین باید
میسوزم و میگردم پروانه صفت گردت
در پیش قدت میرم پروانه چنین باید
عهدی ز ازل بستم با حلقهٔ گیسویت
اکنون شکنی هر دم پیمانه چنین باید
میخندم و میگریم میمیرم و میسوزم
در چار سوی حسنت دیوانه چنین باید
صد چاک زنم دل را یکتا ز پی زلفش
این طرهٔ گیسو را یک شانه چنین باید

(بیاض مجموعه شیرانی ، شماره ۲۲۷۹)

رہین منت گوش گران خویشتنم
تا بلند نباشد سخن نمیشنوم

(منتخب الاشعار)

:—o—:

واقف بٹالوی

نام تایب بیگ تھا ۔ بیکتا کے نام سے معروف تھے۔ لقب نورالعین تھا ۔ ۱۱۰۰ھ میں بٹالہ میں پیدا ہوئے ۔ یہ قصبہ اب مشرقی پنجاب(بھارت) میں واقع ہے ۔ پہلے یہ علاقہ مرکز لاہور سے وابستہ تھا اور مشرق کی جانب تیس کوس کے فاصلے پر واقع تھا ۔ واقف کے والد قاضی امانت‌اللہ بن آیت اللہ انصاری قصبہ کے قاضی تھے اور عہد محمد شاہی میں انھیں امانت خان اور ملک القضاۃ کا خطاب ملا ۔ مخزن‌الغرائب میں قاضی امانت اللہ کی موت کا واقعہ منقول ہے ۔ قاضی صاحب ایک عمارت بنوا رہے تھے اور مزدور کام میں مصروف تھے ۔ اتفاقاً ایک دیوانہ نجار پن بلائے آ گیا اور کام میں مصروف ہو گیا ۔ دوسروں نے کہا ۔ یہ پاگل ہے ۔ اسے کام سے ہٹا دو ۔ قاضی نے ان کا کہا نہ مانا ۔ کچھ عرصہ کے بعد مزدور کھانے کے لیے چلے گئے اور دیوانہ کام میں لگا رہا ۔ قاضی صاحب تختہ پر سو گئے ۔ دیوانہ اٹھا اور اس نے تیشہ لے کر قاضی صاحب کے سر پر ایسے مارا کہ بھیجا چکنا چور ہو گیا ۔ لوگ اسے پکڑ کر واقف کے پاس لے گئے ۔ انھوں نے کہا : ”اس پر قصاص واجب نہیں ۔ غفلت میرے والد کی تھی“[1] ۔ بقول خوشگو واقف قاضی امانت اللہ کے بڑے بیٹے تھے[2] ۔ ان کے خاندان میں علم و فضل کا چرچا تھا ۔ اس لیے انھوں نے بھی علوم متداولہ پڑھے ۔ شیخ محمد سعید نے انھیں نورالعین لقب عنایت کیا ۔ استاد حکیم عبداللہ خاں کشمیری مخاطب بہ بہاءالدولہ نے کہا نورالعین غزل کے مقطع میں درست نہیں آیا کرے گا ۔ اس لیے واقف تخلص اختیار کرنے کا مشورہ دیا ۔

---

۱ ۔ مخزن الغرایب ، احمد علی ، مخطوطہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری ، مجموعہ شیرانی ، ص ۳۷۶ ۔

۲ ۔ سفینۂ خوشگوار ، پٹنہ ، ۱۹۵۹ ، ص ۲۸۵ ۔

عبدالحکیم حاکم لاہوری مؤلف تذکرۂ مردم دیدہ ان کے مخلص دوست تھے ۔ وہ تذکرہ کی تالیف کے وقت یعنی ۱۱۷۵ھ میں ان کے متعلق لکھتے ہیں کہ میں تیس سال سے اس بزرگ سے آشنا ہوں ۔ وہ :

"در پرہیزگاری و متابعت سنت نبوی بجان میکوشد۔ کم اختلاط وکم دماغ و بے نیاز و آزاد و غنی دل است ۔ درپاس آشنائی و اخلاص یکہ روزگار ۔ طبع ہموار و نرمی گفتار وکم گوئی خاصہ اوست ۔ طورش علیحدہ از طور برادران و اقرباست"[1] ۔

جب حاکم حج کعبہ کے لیے لاہور سے روانہ ہوئے تو واقف بھی سیر دکن کے لیے ان کے ساتھ ہم سفر ہوئے ۔ غلام علی آزاد اس وقت اورنگ آباد میں تھے ۔ انھوں نے اپنے تذکرۂ خزانۂ عامرہ میں ان سے اپنی ملاقاتوں کا ذکر کیا ہے ۔ انھوں نے بتایا ہے کہ حاکم اور واقف ۲۹ رجب ۱۱۷۴ھ کو اورنگ آباد میں آئے اور مجھ سے ملاقات کی ۔ ایک ہفتہ قیام کے بعد وہ دونوں سورت کی طرف روانہ ہو گئے ۔ حاکم تو سمندر کے راستے حرمین شریفین کی طرف روانہ ہو گئے لیکن واقف جسمانی نقاہت اور ہجوم امراض کی وجہ سے بحری سفر نہ کر سکے ۔ واقف نے اپنی بے بسی اور بے چارگی کے متعلق یوں لکھا ہے :

"بملاحظہ تلوث خود از سفر حجاز و زیارت اماکن معلی کہ محل تقدس و تنزہ است ، مقصر ماندم ۔ و این شعر استاد حسب حال خود یافتم ۔

گرچہ جان بی تو بلب نزدیک است ۔ دور بودن بادب نزدیک است

---

۱ ۔ تذکرہ مردم دیدم ، عبدالحکیم حاکم ، مرتبہ سید عبداللہ ، لاہور ، ۱۹۶۱ ، ص ۱۱۴ ۔

۲ ۔ ایضاً ۔ ص ۱۱۵ ۔

۳ ۔ خزانۂ عامرہ ، غلام علی آزاد ، نولکشور ، کانپور ، ص ۳۵۰ - ۳۵۱ ۔

ہرچند اکثر عوام و برخی خواص تازیانہ طعن بر توسن ہمت این قاصر می زنند کہ در وحل حرمان فروماند لکن او افہم میدانہ کہ سررشتہ ادب نگاہ داشتم و خود را نالایق محض دانستہ از دور جواہر اشک نیاز نثار ہر دو آستان مقدس کردم"[1]

جب حاکم سفر حجاز سے لوٹے تو وہ اور واقف دونوں سورت سے روانہ ہو کر ۱۵ جمادی الاول ۱۱۷۵ھ کو اورنگ آباد میں پہنچے اور تکیہ شاہ محمود میں قیام کیا - حاکم تو ۱۹ شوال کو حیدر آباد سیر کو چلے گئے اور واقف وہیں ٹھہرے رہے - حاکم ۱۹ صفر ۱۱۷۶ھ کو اورنگ آباد میں واپس آئے اور پھر دونوں ۲ ربیع الآخر کو اپنے وطن کے لیے روانہ ہوئے -[2]

چونکہ برہانپور اور مالوہ کا راستہ غیر محفوظ تھا اس لئے انہوں نے برار اور چترپور کا راستہ اختیار کیا - اتفاق سے اورنگ آباد اور بالا پور کے درمیان ڈاکوؤں نے آ لیا اور ساز و سامان اور کتابیں لوٹ کر لے گئے - واقف کے پاس عینک اور تھوڑا سا پارہ رہ گیا - چونکہ واقف کو کیمیا کا شوق تھا ، اس لیے انھوں نے اورنگ آباد سے کچھ پارہ خرید لیا تھا ، کیونکہ وہاں ارزاں تھا - آزاد بلگرامی لکھتے ہیں کہ وہ بالاپور پہنچے تو واقف نے سارا ماجرا لکھ کر مندرجہ ذیل مطلع اور رباعی مجھے بھجوائی -

عینکی و پارۂ سیماب باما ماندہ است
چشم بیخواب و دل بیتاب باما ماندہ است

کردند غریب غارتی راہزنان
سر ماند و نماند ہیچ چیز از سامان

---

۱ - تذکرۂ مردم دیدہ ، عبدالحکیم ، مرتبہ سید عبداللہ ، لاہور ، ۱۹۶۱ ، ص ۱۱۵ -

۲ - خزانۂ عامرہ ، غلام علی آزاد ، نولکشور ، کانپور ، ص ۳۵۰ - ۳۵۱ -

بردند ہر آنچہ بود الا عینک
وا ماندہ بما ہمین دو چشم حیران

میں نے کچھ روپیہ فراہم کر کے ہنڈی بھجوائی - بالا پور میں واقف سخت بیمار ہو گئے - علاج پر کچھ روپیہ اٹھ گیا - بعد میں کہاروں کی مدد سے کولاپور پہنچے - زاد راہ میں کمی ہو گئی - کولاپور سے پھر ایک شخص کو مدد کے لیے میرے پاس بھیجا - میں نے پھر کچھ رقم بھجوائی - وہ کولاپور سے ناگپور پہنچے - آخر مراحل طے کرتے ہوئے حاکم دوشوال کو خانپور و ہوشیار پور اور واقف بٹالہ میں پہنچے[1] -

واقف نے اوائل محرم ۱۱۸۳ھ میں غلام علی آزاد کو خط لکھا جس میں ۱۱۷۶ء سے بعد تک کے احوال و اطوار کے متعلق تفصیل بتاتی ہے - یہ خط گل رعنا میں منقول ہے[2] یہاں اس کا خلاصہ پیش کیا جاتا ہے - وہ لکھتے ہیں :

میں اپنے شفیق دوست کے ہمراہ چھ مہینوں کے بعد اپنے وطن پہنچا - کولا پور سے آگے خطرناک گزرگاہوں سے ہوتے ہوئے ہم خدا خدا کر کے الہ آباد پہنچے - چونکہ میرے پاؤں سوج گئے تھے اس لئے خانقاہ شیخ محمد فاخر زائر میں رکنا پڑا - وہاں جامع الکمالات شاہ غلام قطب الدین مصیب سے ملاقات ہوئی - وہ بڑے تپاک سے پیش آئے - وہاں بھی حضور کا نام سفارش کے طور پر کام آیا اور ٹھہرنے اور آرام کرنے کو جگہ مل گئی الہ آباد سے لکھنؤ ہوتے ہوئے اپنے وطن پہنچا - وہاں کے طور ہی نرالے تھے - سکھوں نے قبضہ جما لیا ہوا تھا - اعزا و احباب سب تکلیف میں تھے اور معاشی بدحالی میں گرفتار - آخر تلاش معاش کے لیے میں پاک پٹن گیا

---

۱ - خزانۂ عامرہ ، مذکرہ ، ص ۳۵۰ - ۳۵۱

۲ - گل رعنا ، شفیق اورنگ آبادی ، مخطوطہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری ، مجموعہ شیرانی ، شمارہ ۱۶۹۰ ، ص ۲۹۷ - ۲۹۸ -

لیکن ناکام لوٹا۔ اس کے بعد نواب بلند خاں بہادر کی فیاضی کا چرچا سنا جو احمد شاہ درانی کی طرف سے صوبۂ کشمیر کا ناظم تھا۔ میں اور عبدالحکیم حاکم دشوار گزار پہاڑی راستے طے کرکے کشمیر پہنچے۔ اس نے نقد و سامان سے نوازا۔ اچانک نواب مذکور کی معزولی کا حکم نامہ پہنچا اور وہ کشمیر چھوڑنے پر مجبور ہوا۔ ہم بھی اس قافلۂ بےنصیباں کے ساتھ جموں کی طرف روانہ ہوئے۔ شاہ حاکم کو ضعف معدہ کی وجہ سے اسہال لاحق ہوگیا۔ اس لیے انھیں بڑی مشکلوں سے منزل تھنہ تک پہنچایا۔ نواب تو آگے چلا گیا اور شاہ حاکم دو تین دن میں ہی اللہ کو پیارے ہو گئے۔ بصد حسرت انھیں وہیں دفن کرکے نواب سے جا ملا۔ اس نے اپنی عالی ظرفی کے پیشِ نظر میری مدد کی۔ وطن پہنچ کر میں نے قرض اتارا اور کچھ رقم بیوی بچوں پر صرف کی۔ دو تین مہینوں کے بعد پھر وہی افلاس و احتیاج کا سامنا ہوا۔ ایک سال جوں توں گزارنے کے بعد ملتان کی طرف گیا۔ وہاں سے ڈیرہ غازی خاں گیا جہاں نواب بلند خان احمد شاہ درانی کی طرف سے اس علاقے کا حاکم تھا۔ وہ عزت و احترام سے پیش آیا پانچ ماہ کے بعد وہاں سے رخصت ہوا۔ نواب اور دوسرے پر مروت اصحاب سے جو کچھ حاصل ہوا تھا وہ راستے میں بیماری پر خرچ ہو گیا۔ برے حالوں گھر پہنچا اور قرضخواہوں کے عذاب میں مبتلا رہا۔ ایک سال اسی پریشان حالی میں گزارا۔ بڑھاپے اور قوائے جسمانی کے انحطاط کے باوجود ۱۵ ذی الحجہ ۱۱۸۱ھ کو ملتان پہنچا۔ نواب اپنے منصب سے معزول ہو کر ملتان میں گوشہ نشین تھا۔ وہ بڑے لطف و کرم سے پیش آیا۔ اب قناعت کرکے یہاں پڑا ہوں۔ دیکھیے پردۂ غیب سے کیا رونما ہوتا ہے۔ آپ کے دیدار کے لئے میں کس قدر بےتاب ہوں بیان نہیں ہو سکتا۔ اب تو یہ جی چاہتا ہے کہ جوگی فقیر ہو کر آپ کی خدمت میں پہنچ جاؤں لیکن اب نہ رفیقِ سفر ہے اور نہ استطاعت ہے۔ بےحواسی میں یہ چند نامربوط سطریں لکھ سکا ہوں"۔

"شعر و شاعری اب کسے یاد ہے۔ وہ بساط ہی الٹ گئی۔

شاہ عبدالحکیم حاکم جو اس کے محرک تھے داغ مفارقت دے گئے۔ ان کے ایک سال بعد شیخ علی محمد تجرد بھی اللہ کو پیارے ہو گئے۔ اسی سال علامہ شیورام عاشق اس دنیا سے چل بسے ۔ مجموعۂ کمال نظم و نثر لالہ سیالکوٹی مل وارستہ ڈیڑھ غازی خاں میں وفات پا گئے۔ ان چار یاروں کی جدائی میں عرض کرتا ہوں :

زین کہنہ قفس جملہ اسیران رفتند
این غمکدہ را ساختہ ویران رفتند
ای مرغ دل من کہ تو تنہا ماندی
خاموش نشین کہ ہم صفیران رفتند

شاہان درانی کے ساتھ تعلقات

جمادی الاول ۱۱۷۰ھ کو احمد شاہ درانی کی طرف سے تیمور شاہ پنجاب ، سندھ ، کشمیر وغیرہ کے حاکم نامزد ہو کر لاہور پہنچے ۔ واقف کی علمیت اور شاعرانہ فضیلت کا سن کر اللہ ویردی بیگ پیشکار بٹالہ کو لکھا کہ شیخ بیکتای واقف قاضی زادہ کو لاہور روانہ کرے ۔ واقف پہلے تو خوف و رجا کی وجہ سے متذبذب تھے ۔ تیمور شاہ نے لکھا کہ ”من اوراںخراج بٹالہ قبول دارم ۔“ چنانچہ اطمینان دلانے پر وہ ۱۱ ذیقعد ۱۱۷۰ھ کو بٹالہ سے روانہ ہوئے اور سلخ ذیقعد کو تیمور شاہ کے دربار میں پہنچے ۔ واقف نے خطبہ فتح ہندوستان اور رویت ہلال ماہ مبارک ذیحجہ کے عنوان سے قصاید پیش کیے جو بادشاہ نے پسند کیے اور کہا ”واقف بلبل شیوا بیان گلشن خویش است “ اور نقد و قلمدان مینا کار اور خلعت سے نوازا ۔ تیمور شاہ نے کہا : ’شما سہ نام و دو لقب و یک تخلص دارید ۔ بامشرب فقر این چہ اسراف است‘ ۔ ایک نکتہ طراز مصاحب نے کہا : ’واقف عالم ، شاعر ، متصوف و کیمیا گر ہے ۔ اگر حاجی اور غازی کی دو صفات اکھٹی ہو جائیں تو اسماء و صفات موافق ہو جائیں گے ۔ واقف نے کہا ۔ اگر عنایت شاہی سے زاد راہ اور اسلحۂ حرب میسر آ گئے تو یہ صفات بھی

میسر آ جائیں گی ' - بادشاہ نے سو اشرفی ، ایک قبضہ دھوپ میناکار ، پرولۂ مرصع اور فرگل خاصہ عنایت فرمایا - واقف نے اظہار تشکر کے لیے یہ اشعار پڑھے -

اگر سالہا عذر لطف تو خواہم   برون نایم از عہدۂ آن کماہی
ہمان بہ کہ آنرا بلطفت گذارم   کہ ہم لطفت از خود کند عذر خواہی

تیمور شاہ نے کہا - اپنا شعر پڑھو جو مطابق حال ہو - واقف نے کہا :

لطف تو شاہ من اگر شامل حال من شود
جام جہان نما کند کاسۂ این گدای را

بادشاہ نے پسند کیا اور کہا کہ نگین دولت کے لیے دوسرے شاعر کا مصرع کندہ ہے - اگر آپ اس سے بہتر لکھیں تو وہ کندہ کرواؤں - پہلا مصرعہ یہ ہے - ''زیبندۂ دولت جاوید تیمور'' واقف نے کہا - یہ کلام بزرگوارانہ ہے - یہی رہے تو بہتر ہے - تیمور شاہ نے بتایا کہ یہ کلام فقیر و مرشد میاں عبدالکریم کشتی کا ہے جنھوں نے عید پر تبرکاً اپنی دستار عنایت کی اور دعا کے طور پر عبارت میں یہ کلمات بھی درج فرمائے[۱] -

واقف سات آٹھ ماہ لاہور میں تیمور شاہ کے دربار میں رہے - ان کا کلام نقل ہوا اور افغانستان میں متعارف ہوا -

۱۱۷۳ھ میں احمد شاہ اور تیمور شاہ لاہور آئے - بادشاہ نے سرکشوں کے قتلِ عام کا حکم دیا - واقف نے اور ان کے ہم مجلس علماء و شعراء نے تیمور شاہ کی خدمت میں دربار کے سابقہ علماء و ندما کے توسط سے قتلِ عام کو روکنے کے لئے عریضہ بھجوایا - واقف خود' تیمور شاہ کے توسط سے

---

۱ - تیمور شاہ درانی ، عزیزالدین وکیلی ، طبع دوم ، ۱۳۴۶ هش ، ج ۱ ، ص ۸۳ - ۹۱ -

احمد شاہ کے سامنے متعارف ہوا - واقف نے یہ شعر پڑھا :

ندیدہ ہیچکس ظل پیمبر   بحمداللہ کہ ظل اللہ دیدم

۱۲ ربیع الاول ۱۱۷۳ تک لاہور میں قیام رہا - پھر واقف زین خان مہمند حاکم افغانی لاہور سے رخصت ہو کر دہلی چلے گئے - وہاں سے عبدالحکیم کے ہمراہ حج کو روانہ ہوئے - واقف سفر ھند کے بعد ۲ شوال ۱۱۷۵ کو بٹالہ پہنچے اور ۷ جمادی الاول سے ۲۸ جمادی الثانی ۱۱۷۷ء تک لاہور میں مقیم رہے[1] -

واقف اواخر سال ۱۱۷۹ھ میں شیخ عبداللہ انصاری اور دوسرے حکما و فضلا کے ہمراہ شاہزادہ سلیمان بن احمد شاہ کی شادی کے موقع پر قندھار گئے - ۱۱۸۲ء میں دوبارہ قندھار جانے کا اتفاق ہوا اور انہوں نے احمد شاہ ، شاہزادگان اور صلحا کی مدح و منقبت میں سترہ قصائد لکھے - واقف قندھار سے صمصام الدولہ و گل محمد خان مستاجر ولایت تھٹہ و احمد خان حاکم فرخ آباد کے پاس گئے[2] -

رجب ۱۱۹۲ھ میں تیمور شاہ تیسری مرتبہ لاہور گئے اور واقف کے ساتھ بائیس سال کے بعد دوبارہ ملاقات ہوئی اور ۹۲ سال کی عمر میں واقف کو اپنے ہمراہ لے گئے - یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ وہ ضعیفی اور پیری کی وجہ سے کب رخصت لے کر کابل سے واپس آ گئے[3] -

واقف ۲۷ صفر ۱۲۰۳ھ کو وفات پا گئے[4] - تذکرہ نتائج الافکار

---

۱ - گل رعنا مذکورہ ، ص ۳۹۸ ، نشتر عشق مذکورہ -

۲ - تیمور شاہ درانی ، مذکورہ ، ص ۱۰۶ - ۱۱۰ -

۳ - تیمور شاہ درانی ، ص ۲۴۸ - ۲۴۹ -

۴ - انیس العاشقین ، رتن سنگھ زخمی ، مخطوطہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری ، شمارہ Pfi 23 -

اور روز روشن میں سال وفات ۱۱۹۵ھ دیا گیا ہے[1]۔ تیمور شاہ درانی کے مؤلف نے بھی یہی سال لکھا ہے۔ سفینۂ ہندی میں مذکور ہے کہ واقف آخر سندھ چلے گئے اور وہیں فوت ہوئے۔ یہ صحیح نہیں[2]۔

واقف تشیع مشرب تھے۔ مندرجہ ذیل دو شعر اس امر کے شاہد ہیں۔

درماندہ ام بہ مفلسی و عجز و احتیاج
دریای جود و بحر کرم یا علی[4] مدد

واقف بدامن شہ مردان علی[4] ولی
دستی بزن کہ وارہی از چنگ روزگار

وہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی سے بھی گہری عقیدت رکھتے تھے جیسا کہ ذیل کے اشعار سے ظاہر ہے:

سر زمینی از برای سجدہ می کردم طلب
شکر للہ آستانِ شاہِ جیلان یافتم (ص ۵۳۵)

شاید تو زبندگان خویشم خوانی
می خوانم ختم خواجگان از عمری (ص ۵۴۳)

شاعری

بندرابن داس خوشگو ہندوستان پر نادر شاہ کے حملے کے دوران میں ڈیڑھ سال تک واقف کے مکان پر ٹھہرے رہے۔ یہ ۱۱۵۱ھ کا واقعہ ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ واقف "جوانی بسیار بخوبیہا و تکلفہا بنظر می

۱۔ تذکرۂ نتائج الافکار، قدرت اللہ، بمبئی، ۱۳۳۶ ھش، روزِ روشن، ص ۳۵)
۲۔ سفینۂ ہندی، بھگوان داس، پٹنہ، ۱۹۵۸، ص ۲۳۲۔

آمد" اور یہ بھی بتاتے ہیں کہ "مشق شعر از نظر میر معصوم وجدان می گذرانید"[1] لیکن ایک اور بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ ۱۱۵۸ - ۱۱۵۹ھ کے لگ بھگ استاد سخن کی تلاش میں تھے - چنانچہ انھوں نے علی محمد تجرد کے وسیلے سے سراج الدین علی خان آرزو سے اصلاح لینے کی خواہش کی - اسی درخواست کے جواب میں آرزو خود لکھتے ہیں :

"چوں ایں عاصی ناقص را از تربیت خود فرصت نیست و بخود گمان استادی ندارد ، چند بار ابا نمود - بسبب آن مرد عزیز بسیار بجد شد - یک مرتبہ ہر چہ بخاطر رسید نوشتہ فرستاد - ازان باز قریب بچہار سال است خط او نرسیدہ کہ بہر حال اگر چندی دیگر بہمیں وضع مشق بر خود روا دارد ، گمان دارم کہ بپایۂ اعلیٰ رسد - - - پس ازان اگر اتفاق صحبت بزرگان فن اورا دست دہد ، ترقیات نمایاں خواہد نمود"[2] -

یہ بیان تذکرۂ شعرا مجمع النفائس میں درج ہے جو ۱۱۶۳/۱۱۶۴ میں تالیف ہوا - اس لئے چار پانچ سال پہلے جب واقف نے اصلاح کلام کے لئے درخواست کی ہوگی تو تقریباً ۱۱۵۸/۱۱۵۹ کا سال ہوگا - تذکرۂ مردم دیدہ ۱۱۷۵ھ میں مرتب ہوا - اس کے مصنف عبدالحکیم حاکم کے بیان کے مطابق سال تالیف کے وقت واقف پورے عروج پر تھے - وہ لکھتے ہیں :

"افکار آبدارش خیلی مؤثر و بہ درد است - معانی بلند و پاکیزہ و الفاظ شستہ - روانی کلامش روان را تازگی می بخشد - بالفعل باین طور شعر گفتن خاصۂ اوست - حدی دیگری نیست - - - - عاشق غزل است و رباعی ہم خوب میگوید و ہرچہ میگوید ناخن بدل میزند و خالی از تلاش و لطف نیست - پختگی و استادی از سخنش معلوم است - می فرماید -

---

۱ - سفینۂ خوشگوا ، پٹنہ ، ۱۹۵۹ ، ص ۲۸۶ -

۲ - مجمع النفایس ، آرزو ، نسخۂ خطی پ - ی - ل ، ص ۲۱۶ -

نالۂ چند کردہ ام موزون نی غزل نی قصیدہ‌ای دارم"[1]

واقف کے ایک اور معاصر استاد فن غلام علی آزاد ان کے متعلق لکھتے ہیں :

"طبع بلندش تحسین خواہ و فکر ارجمندش قابل ۔ بارک اللہ عمری خدمت سخن کرد و در تصحیح زبان کوشید ۔ خود با فقیر نقل کرد کہ شبی در رویا این مصراع بخاطر رسید :

جام طرب بدست تو لبریز دادہ اند

بعد بیدار شدن این پیش مصراع رسانیدم :

در خندہ اختیار نداری برنگ گل

با فقیر گفت کہ وقتی ایں مصراع بخاطر رسید :

ای چراغت بکف از رنگ حنا زود بیا

شش ماہ فکر مصراع دیگر کردم و بعد شش ماہ ایں پیش مصراع بہم رسانیدم ۔

دل ز دستم بہ شبستان غمت گم گردیدہ"[2]

غلام ہمدانی مصحفی واقف کے کلام کی شہرت اور پسندیدگی کا ذکر کرتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ ان کا کلام ایرانیوں کو بھی مرغوب تھا ۔ ان کا بیان ہے :

"دیوانی در کمال شستگی و بزرگی بطرز متقدمین دارد ۔ اشعارش در ہمہ جا اطراف ہندوستان مشہور است و پیش دانایان این فن نامش

---

۱ ۔ تذکرۂ مردم دیدہ ، ص ۱۱۷ ۔

۲ ۔ خزانۂ عامرہ ، ص ۴۵۰ ۔

یکتائی مذکور ۔ در وقتیکہ احمد شاہ ابدالی بہ ہندوستان با بھاؤ و سرداران دکن ہنگامہ بگیر و ببند و بکش گرم ساختہ اکثر مرزایان دفتر مثل مرزا عبدالہادی لاری عشرت اصطلاح دان بی بدل و الہ وردی خان محزون نیز بقول حیرت شاملو ہراتی و دیگر مرزایان دفتر دیوانش را نوشتہ برغبت تمام با خود بردند ، چنانچہ الحال در ہرات و سیستان رائج است"[1] ۔

مخزن الغرایب کے مؤلف نے بھی واقف کی غزل گوئی کی تعریف کی ہے اور مرزا فروغی اصفہانی ملک الشعرای کابل کی ایک رباعی نقل کی ہے جو اس نے واقف کے جواب میں بھجوائی تھی اور اس میں واقف کی خوب تعریف کی تھی ۔ واقف کے متعلق لکھتے ہیں :

در انشاد غزل سرآمد شعرای زمان خود بودہ ۔ اشعار بغایت نازک و شیرین و با مزہ واقع شدہ ۔ ۔ ۔ نوبتی شیخ نورالعین مکتوبی بمیرزا محمد فروغی صفاہانی کہ ملک الشعرائی کابل درانوقت باو تعلق داشت ، فرستادہ و این دو بیت دران مکتوب مندرج بودہ :

چونمی شود بتو میرزا نشستن
من و وادی فراقت برہ صبا نشستن
رہ‌جستجوی وصلت بچہ ضعف میکنم طی
بہزار جا ستادن بہزار جا نشستن

میرزا فروغی در جواب نوشتہ :

ای آنکہ نظام گلشن کونینی در نظم سخن یگانۂ دارینی
دور از تو بدیدہ نور مارا نبود خود واقفی ای دوست کہ نورالعینی

---

۱ ۔ عقد ثریا ، غلام ہمدانی مصحفی ، مرتبہ عبدالحق ، دہلی ، ۱۹۳۴ ، ص ۶۰ ۔

واقف کا خاندان شرفائے بٹالہ میں شمار ہوتا تھا ۔ قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ خوش حال ہوں گے تبھی تو ۱۱۵۱/۱۱۵۲ھ میں ایک ہندو شاعر بندرابن داس خوشگو ڈیڑھ سال تک ان کے گھر مکین رہا ۔ اس وقت واقف جوان تھے لیکن خوشگو لکھتے ہیں کہ فضائل اخلاق کے باوجود ان کی طبیعت میں درویشی اور استغنا موجود تھا ۔ ہمارے پاس اطلاعات نہیں جن سے معلوم ہو کہ انھوں نے وسائل معیشت پیدا کرنے کے لئے کوئی شغل اختیار کیا یا محض شعر و شاعری میں وقت گزارتے رہے ۔ اتنا ضرور ہے کہ ان کی زندگی میں ایسے حوادث پیش آئے جن کی وجہ سے ان کے دل کو ٹھیس لگی ۔ وہ غم سے آشنا ہوئے اور درد و کرب میں مبتلا ہوئے ۔ معلوم ہوتا ہے کہ عشق کا مسئلہ بھی درمیان میں آیا جس کی وجہ سے انھوں نے آزادگی اور وارستگی کا راستہ اختیار کر لیا اور اسی وجہ سے ان کے والد ناراض ہوئے ۔ واقف کہتے ہیں :

گشت بیزار از جنونِ ما پدر
کاش از مادر نمی زادیم ما

اپنی غم زدگی کا حال یوں بتایا ہے :

لالہ زار است سینۂ واقف
ہر کجا افگنی نظر داغ است (ص ۲۵۴)

مرا گویی چنین غگمیں چرایی
چہ گویم چو بدینسان آفریدند (ص ۳۶۱)

ان پر عشق کس قدر مؤثر ہوا ، اس کے متعلق لکھتے ہیں :

چون نی از عشق نالۂ جانسوز
مغز از استخوان ما شدہ است

ہمدمان بوی کباب از نفسم می شنوند
اندرین سینہ ھانا دل بریانی ہست

اس سوز و غم سے ظاہر ہوتا ہے کہ واقف کا جذبۂ عشق ایک سچا جذبہ تھا ۔ ان کے کلام میں اس قسم کے پاک عشق کا بھی اظہار ملتا ہے جس کے متعلق وہ لکھتے ہیں کہ بچپن سے ہی یہ مجھے نصیب ہوا ۔ اس کے لئے میں نے تکلیفیں اٹھائیں اور جان کو گھلایا :

بطفلی در دبستان محبت گر فتم یاد قرآنِ محبت
طپیدم سوختم برباد رفتم چہا کردم بفرمانِ محبت (ص ۱۵۰)

ان کا عقیدہ ہے کہ عشق راحت دل و جان ہے اور عشق اصل دین و ایمان ہے ۔

ہر کرا باتو آشنائی نیست
در دلش ہیچ روشنائی نیست

عشق دین است عشق ایمان است
بہ ھمین اعتقاد باید مرد (ص ۴۳۸)

عشق است کہ آن نعمت الوان منست
راح من و روح من و ریحان منست (ص ۸۱۲)

انھوں نے بتایا ہے کہ عشق آسان نہیں ہے اس میں بڑے صبر و استقلال کی ضرورت ہے :

عاشقی محنتی است ایوبی بادل نا صبور نتوان کرد (ص ۲۸۲)

اس کے ساتھ ہی جب عشق راسخ ہو جائے تو وہ عشق میں ایسی قوت و جرأت پیدا کرتا ہے کہ اس کے سامنے پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جاتے ہیں

اور اس کی ایک آہ سوزناک سے جہان بھسم ہو جاتا ہے۔

ز پیرِ عشق مرا رخصتِ تصرف نیست
بہ نیم نالہ کنم ورنہ آب سنگ ترا

ازان آتش کہ زد در سینہ ام عشق
توانم عالمی در یک دو دم سوخت (ص ۱۰۶)

واقف کا وہ کلام جو اس قسم کے جذب دروں اور سوز و غم سے مالامال ہے یقیناً اس کا بہترین کلام شمار ہونے کے قابل ہے اور تقریباً تمام تذکرہ نویس اس کے بلند پایہ کلام کی تعریف کرتے ہیں۔ واقف خود بھی اپنے اس قسم کے کلام پر نازاں ہیں اور اس خصوصیت کا جابجا اظہار کرتے ہیں:

نالۂ چند کردہ ام سوزوں
نی غزل نی قصیدہ ای دارم

واقف نوشتی این غزل من بخون دل
شاباش مہربان و قدردان من

اپنے دیوان کے اختتام پر لکھتے ہیں:

یعقوبم و این غمکدہ کنعان محبت
ہر بیت در آن کلبۂ احزان فقیر است
سوز و گدازی کہ شناسد دل روشن
ہر مصرع آن شمع شبستان فقیر است (ص ۸۳۵)

لیکن واقف کا سارا کلام اس نوعیت کا نہیں جس کی نشان دہی وہ کرا رہے ہیں ۔

واقف کا دیوان جو پنجابی ادبی اکادمی لاہور کی طرف سے شائع ہوا ہے اور جو پروفیسر غلام ربانی عزیز صاحب نے چھ قلمی اور ایک مطبوعہ نسخے کی مدد سے مرتب کیا ہے ، ۸۴۴ صفحات پر مشتمل ہے ۔ ہر صفحے پر ستائیس اٹھائیس اشعار مندرج ہیں ۔ ۷۹۴ صفحات تک غزلیات ، قطعات اور متفرق اشعار درج ہیں ۔ اس کے بعد ایک مخمس ، ایک مثنوی ، دس صفحات کا ایک ترجیع بند ہے اور صفحہ ۸۰۷ سے ۸۴۳ تک ۲۰۹ رباعیاں ہیں ۔ شیخ اکرام الحق نے حضرت علی کی منقبت میں ان کے ایک مسدس کا بھی ذکر کیا ہے جو اس مطبوعہ نسخے میں موجود نہیں ۔ ذیل کے دو اشعار بھی مطبوعہ دیوان میں نہیں :

گر شوی بیمار ہر گز کس نمی پرسد ترا
شہر نا پرسان کہ میگویند ملتان یافتم

بر روی زمین دوزخ سردیست مکن گوش
گویند اگر خطۂ کشمیر بہشت است[1]

واقف صحیح معنوں میں غزل کے شاعر ہیں ۔ غزل کا یہ دور انحطاط کا دور شمار ہوتا ہے ۔ غزل کے موضوعات محدود ہو کے رہ گئے تھے چنانچہ واقف کے دیوان میں بھی وہی پرانے موضوعات ہیں ۔ انھی کو پھیر پھیر کر رنگ ڈھنگ سے بیان کیا ہے ۔ دہن و کمر کی باریکی و نایابی ، زلف کی سیاہی و درازی ، طلب بوسہ و انکار بوسہ ، دشنام کی شیرینی ، قامت کی قیامت سامانی ، سبزۂ خط کی بہار یا سیاہی خط کی حسن پوشی ، فراقِ یار

---

۱ ۔ شعرالعجم ، فی الہند ، اکرام الحق ، ملتان ، ص ۲۳۰ ۔

میں دل کی بے قراری ، عاشق کی گریہ و زاری ، کوی محبوب کا کتا بننے کی آرزو ، نشہ شراب کی لذت ، زاہد و محتسب پر طنز و طعن جیسے مضامین سے دیوان پٹا پڑا ہے ۔ نمونے کے لئے صرف کمر و دہن کے متعلق یہ شعر ملاحظہ کیجیے :

دهنش نقطۂ موہوم و گماں ہر سہ یکیست
کمر او رگ جان راز نہان ہر سہ یکیست

آگہ از راز دهان و کمر یار شدم
بعد ازین واقف اسرار مگوئید مرا

ہیچ معلوم نگردید کجاست
یار گویند کمر داشتہ است

قد کے متعلق فنی نقطۂ نظر سے یہ شعر خوب ہے :

قدش دیدم قیامت را شنیدم
شنیدہ کی بود مانند دیدہ (ص ۱۲۷)

بقول حاکم مؤلف تذکرۂ مردم دیدہ واقف پرہیزگار اور متبع سنت نبوی تھے ۔ لیکن ان کے کلام کو دیکھ کر ظاہر ہوتا ہے کہ ان کی دو شخصیتیں تھیں ۔ ایک شاعر کی اور دوسری متبع رسول کی ۔ شاعر کی حیثیت سے وہ امرد سے عشق کرنا معیوب نہیں سمجھتے اور لطف شراب لینے سے بھی انھیں عار نہیں تھی ۔ ان کے عشق کا مطمع نظر کوئی عورت نہیں ۔ شاید اس زمانے میں عورت سے محبت کا اظہار کرنا معیوب سمجھا جاتا ہو ۔ مگر نوجوان لڑکے سے عشق کا اظہار بھی تو کوئی سہانا نہیں مگر واقف ہیں کہ ان کی تسکین کا سامان شیریں ادا پسر (نوجوان) کے

پاس موجود ہے ۔ مثلاً وہ کہتے ہیں :

بوسہ ای از لعل آن شیریں پسر خواہم گرفت
ہرچہ بادا باد من حق النظر خواہم گرفت (ص ۲۹۸)

ہم صحبتی دخترِرز کرد ملولم ای شیخ ترا گر پسری ہست بمن دہ

ایک پوری غزل دردِ دل و فراقِ یار کے لیے کہی ہے :

حالم بر آن پسر بگوئید آہستہ و مختصر بگوئید
اول ازیں دیدہ حرف رانید زان پس ز دل و جگر بگوئید
گفتن بسیار لازم نیست حرفی کہ کند اثر بگوئید
می ریزم لعل و گوہر از چشم در گوش وی ایں خبر بگوئید
گر گوش نکرد از سر ناز آن بہ کہ شما زسر بگوئید
چشمم بی نور شد چو یعقوب با یوسفم این قدر بگوئید
گر پرسد ماجرای اشکم بگذشت آبم زسر بگوئید
بشکست کمر ز کوہ دردم با آن بت خوش کمر بگوئید
با او کہ طبیب خستہ جان ست حال من محتضر بگوئید
با من دو سہ حرفی از زبانش یاران ، چہ شود ، اگر بگوئید
من ترک وفا چگونہ گویم با من سخنی دگر بگوئید
یاران ، این تازہ سرگذشتم گوئید بچشم تر بگوئید
واقف می مرد و زار می گفت حالم بر آن پسر بگوئید
(ص ۳۱۰)

غزل کے ایک معنی تو عورتوں سے بات چیت ہے ۔ دوسرے معنی ہرن کی وہ درد بھری فریاد ہے جو وہ شکاریوں کے نرغے میں بے بس و بے چارہ ہو کر کرتا ہے ۔ واقف کی اکثر غزلوں میں بھی محبوب سے بات چیت بھی سنائی دیتی ہے اور محبوب کے فراق میں درد بھری فریاد بھی سارے دیوان میں شاید ہی کوئی غزل ہو جس میں شاعر نے وصالِ یار

سے کامیاب و کامران ہو کر مسرت و انبساط کا اظہار کیا ہو ۔ لیکن درد فراق سے بھرے ہوئے اشعار تو ہر غزل میں مل جائیں گے ۔ ایسی پوری غزلیں بھی موجود ہیں جو سراسر ہجر و فراق کے مارے عاشق کے جذبات و احساسات کا اظہار کرتی ہیں ۔ ایک غزل تو ہم اوپر نقل کر آئے ہیں ۔ دوسری غزل کے بھی چند اشعار ملاحظہ کیجیے تاکہ غزل کی اس کیفیت کا حال آپ پر ظاہر ہو :

چنان میان من و یار راه مسدود است
کہ رسم نامہ و پیغام بر طرف شد و رفت
زبسکہ لطف خود از ما دریغ میداری
چہ جای بوسہ کہ دشنام بر طرف شد و رفت
ازان زمان کہ طرف شد بر دل غم عشقت
قرار و راحت و آرام بر طرف شد و رفت
زمانہ ساختہ افسرده ام چنان واقف
کہ گریۂ سحر و شام بر طرف شد و رفت

عاشق کے دو امتیازی نشانات میں سے آہ سرد و چشمِ تر مشہور ہیں ۔ واقف نے ان امتیازی علامات کو اپنے لیے بہت زیادہ اپنایا ہے ۔ اکثر غزلوں میں آپ کو ایک نہ ایک شعر ضرور مل جائے گا جس میں آہ و اشک کا ذکر ہوگا مثلاً ردیف دال کی غزلوں میں دو تین غزلوں کے بعد بار بار ایسے اشعار ملتے ہیں ، جن میں اشک و آہ کا التزام کیا گیا ہے ۔ مثلاً :

چہ از لطف زبانی میدہی ظالم فریب من
روا کن تا دل و چشمم باشک و آہ خو گیرد (ص ۳۲۰)

دران دیار کہ واقف گذار من افتد
تمام آب و ہوا اشک و آہ میگیرد (ص ۳۲۳)

آنچہ از عمر فانیم باقیست
صرف در اشک و آہ خواہم کرد (ص ۳۲۷)

آہ این قصہ دراز است چہ می باید کرد (ص ۳۳۶)

ردیف میم کا بھی ایک شعر دیکھ لیجئے :

ایام عمر گذراندم بہ اشک و آہ
امروز نالہ کردم و فردا گریستم (ص ۵۷۹)

گریہ و زاری واقف کا محبوب موضوع ہے۔ کئی ایک غزلیں ایسی ہیں جن کی ردیفیں گریہ کے اشتقاقات پر مبنی ہیں مثلاً : گریستم - می گریستم - گریست - گریہ - می گرید - می گریم وغیرہ -

بعض اشعار سے ظاہر ہوتا ہے کہ واقف کا محبوب محض طفل و پسر ہی نہیں بلکہ ایک بلند پایہ ذات بھی ہے جس کے حصول دیدار کے لیے وہ ساری زندگی جد و جہد کرتا رہا ہے۔ اگرچہ وہ بوڑھا بھی ہو گیا ہے پھر بھی اس نے ہمت کا دامن نہیں چھوڑا۔ آخری دم تک اس کے دیدار سے شرفیاب ہونے کا متمنی ہے۔ مثلاً اس کے یہ اشعار دیکھیے :

نفسم سوخت ولی ذوق دویدن باقیست
پایم از کار شد و سعی رمیدن باقیست
گر براہ تو زمین گیر شدم باکی نیست
نوبت پای ز سر کردہ دویدن باقیست
واقف از رعشۂ پیری شدہ دستم بیکار
ہوس دامن دیدار کشیدن باقیست

واقف نے زندگی کے آخری تیس سالوں میں خاص طور پر خوب زمانہ دیکھا۔ سفر کی صعوبتیں برداشت کیں۔ رہزنوں کے ہاتھوں لٹ

گئے ۔ لوگوں کو دیکھا ، سمجھا ، پرکھا ۔ تغیرات زمانہ دیکھے ۔ غربت و افلاس کے ہاتھوں بیزار ہوئے ۔ اہل دنیا ، اہل ثروت اور اہل دانش کا مطالعہ کیا ۔ ان کی غزلیات میں کہیں کہیں اپنے زمانے کے احوال و کوائف پر تبصرہ نظر آتا ہے ، جن سے معاشرے کی کیفیت سمجھنے میں مدد ملتی ہے مثلاً یہ اشعار دیکھیے :

دل آمد از سیاحت و آورد این خبر
کاسودگی بہیچ ولایت نماندہ است

سگ گزیدہ علاجہا دارد
من آدم گزیدہ را چہ علاج
ساید از کبر کہ گوشہ بگردون چو ہلال
ناقصی را کہ در این عہد لب نانی ہست

از سختہای حکیمانہ مزن دم واقف
روزگاریست کہ ہر موش شدہ فارابی

زمانے کے ہاتھوں اپنا یہ حال بنا لیا تھا :

بہ بیم سنگدلانست کار ما واقف
نہان گریستن و آشکار خندیدن (ص ٦٥٣)

کہیں کہیں اپنے تجارب و افکار سے بھی ہمارے شعور کو آگہی بخشی ہے اور اپنے تأثرات سے ہماری آگہی کو بیدار کیا ہے مثلاً

طائر قدسی دل عرش نشیمن بود است
واہ چہ گردید کہ گردید گرفتار شما

فقر است اکسیر خاک آدم
این نسخۂ مجرب فقیر است
داغم کہ چراغ زندگی
مانند شرار زود میر است (ص ۱۲۸)

اسلوب فن

واقف کے زمانے میں لاہور شعرا کا مرکز تھا۔ طرحی مشاعرے ہوتے تھے۔ واقف، حاکم، آفرین اور ان کے شاگرد، سامی، عاشق، وارستہ، تجرد وغیرہ ہم طرحی غزلیں کہتے تھے اور اپنا زور بیان و قلم دکھاتے تھے۔ واقف کی غزلیات سے ظاہر ہے کہ انھوں نے اکثر ردیف کا التزام کیا ہے۔ معینہ ردیف کے لئے با معنی شعر نکالنا کمال فن سمجھا جاتا ہے۔ واقف کی ردیفیں دقیق، سخت اکھڑ اور پر تصنع نہیں بلکہ ہلکی پھلکی اور نرم ہیں۔ واقف نے ان میں اچھے اچھے رواں دواں بامزہ شعر نکالے ہیں اور اس طرح انھیں مشق سخن میں خوب مہارت ہوئی ہے۔ اس لیے معاصرین اور متاخرین اس کے فن کی داد دیتے ہیں۔

واقف نے متقدمین شعرا میں سے سعدی، حافظ اور مولوی رومی کی غزلوں کا تتبع کیا ہے۔ برِصغیر پاک و ہند میں مقیم ایرانی شعرا میں سے ظہوری، نظیری، عرفی، حزیں اور دانش کی غزلوں کو سامنے رکھا ہے اور اپنے اشعار میں ان کے مصرعوں کو اپنا لیا ہے۔ مثال کے طور پر یہ اشعار ملاحظہ کیجیے:

کباب شد دل من واقف از غم عرفی
"کہ توبہ کردہ و بھر شراب می سوزد" (ص ۳۵۳)

واقف مپرس حسرت مارا کہ چون حزین
"پیش از ظہور جلوۂ جانان سوختیم (ص ۵۳۲)

شعر دانش چون بیاد آید مرا واقف بباغ
"جابجا از گریہ آب تازہ در جو میکنم (ص ۷۸۱)

ندارم ہیچ واقف چون ظہوری
دل دارم بہ دلبر بگزرانم (ص ۵۳۷)

اشعار میں محاورے کا جچا تلا استعمال بھی فنی مہارت کا ایک جزو سمجھا جاتا تھا اور یہ مشکل کام تھا ۔ کیونکہ یہ خدشہ اپنی جگہ قائم رہتا ہے کہ شعر محض لفظوں کا ہیر پھیر ہی نہ رہ جائے اور مفہوم و مطلب الجھاؤ کی نظر ہو جائے ۔ واقف نے شعر کی اس تکنیک کو بھی خوب استعمال کیا ہے یعنی الفاظ کا انتخاب اور ان کا موزوں استعمال بھی ہوجائے اور مفہوم و مطلب کے ابلاغ میں بھی کوتاہی نہ رہے ۔ مثال کے لیے یہ چند اشعار دیکھیے :

ازین کہ بی تو دمی آب در گلویم رفت
چہ گریہ‌ها کہ گلوگیر کردہ اند مرا

بر سرم پا گذاشتی از لطف
آسمان ساختی زمین را

چند کاهیده ای ای دل از بار عصیان
کہ فردا ببخشند کوهی بہ کاهی

تابکی از بزم می باشیم واقف بر کنار
ہر چہ بادا باد ما کشتی در آب انداختیم

نقد و جنس خویش کردم در سر زلفش زیاں
وای من سودی ندیدم عمر در سودا گذشت

واقف کے ہاں بھی ایسے اشعار کم نہ ہوں گے جہاں تجنیس یا رعایت لفظی کا استعمال کھٹکتا ہے۔ تکلف یا تصنع صاف ظاہر ہوتا ہے۔ محاورے کا التزام بھی شگفتہ نہیں مثلاً:

روز و شب قطرہ می زند دریا   کہ رسد در قطار گریہ ما

شدہ مشہور شور پنہانم   بہ زبانِ زمانہ افتاد است

غزل میں شاعر محبوب کو بھی مخاطب کرتا ہے۔ گلے شکوے کرتا ہے۔ راز و نیاز کی باتیں بھی کرتا ہے۔ اسی طرح کشمکش اور آویزش کی بھی کئی صورتیں پیدا ہوتی ہیں۔ شاعر ان کو بعض ایسے محاکاتی انداز میں بیان کرتا ہے کہ لطف آ جاتا ہے۔ اچھی غزل لکھنے والوں نے کبھی کبھی بڑے خوبصورت اشعار نکالے ہیں۔ واقف کے ہاں بھی ایسے اشعار کی کمی نہیں۔ مثلاً:

نہ شد درمیان ما و او راہ سخن واقف
نہ گفتم از ادب حرفی نہ پرسد از حیا حرفی

برش افسانہ ای از شکوۂ آن زلف سر کردم
شنیدہ گفت۔ "تو خواب پریشان دیدہ ای گویا"

نخواندی سطر از غمنامہ ام صد پارہ اش کردی
تو ای مہ پارہ حیرانم چہ فہمیدی چہ فہمیدی

ردیف 'ی' کی اکثر غزلیں گویا محبوب کو مخاطب کرکے لکھی گئی ہیں ان میں مذکورہ بالا تمام احساسات و افکار موجود ہیں۔ چونکہ اس قسم کے اشعار گفتگو کے انداز میں ہیں اس لیے ان میں سادگی و روانی و بے تکلفی موجود ہے۔ ان کے ہاں بہت سے ایسے اشعار مل سکتے ہیں جو سہل ممتنع کا درجہ رکھتے ہیں۔ مثلاً

واقف چہ دہم شرح پریشانی خود را
بسیار پریشانم و بسیار پریشانم

جفا کن جور کن بیداد کن یا مہربانی کن
گرفتارم اسیرم ہرچہ خواہی ہر چہ دانی کن

گیارھویں صدی ہجری میں اسلوب بیان کا یہ انداز بھی رہا ہے کہ تجریدی و نظری افکار کو مثالوں کے ذریعے پیش کرتے تھے۔ جن میں منطقی لستدلال ہوتا تھا اور یہ مثالیں مشاہدات پر مبنی ہونے کی وجہ سے بہت مؤثر ہوتی تھیں۔ صائب، غنی، سیادت مثالیہ انداز کے ماہر تھے۔ بارھویں صدی میں بھی بات کہنے کا یہ ڈھنگ جاری رہا۔ واقف نے بھی اسے کہیں کہیں اپنایا ہے لیکن یہ اس کے کلام کی امتیازی خصوصیت نہیں۔ چند مثالیں یہ ہیں:

بصاحب مشربان یک بار نسبت کی شود پیدا
بدریا می توان شد آشنا آہستہ آہستہ

نقد جان دادم بہای دُرد می ساقی نداد
کیمیا گر کی فسروشد پیش کس اکسیر را

واقف کے بعض اشعار میں کہیں کہیں مقامی زبان کے الفاظ و محاورات

کا استعمال بھی نظر آتا ہے۔ بعد میں جس کی افراط اصالت زبان میں خلل انداز ہوئی۔ چند شعر یہ ہیں :

دل من ، غنچہ گل ، بیرۂ پان ، ہر سہ یکیست (ص ۱۸٦)

کزین گپھا حضور خاطر صاحبدلان گم شد (ص ۳۵۷)

در بغل دارم ولی چون کانگری
داغ کرد از بس بت کشمیریم (ص ٦۱۵)

خوب من رفتہ باغیار خدا خیر کند

(ص ۴۴۹)۔ (خدا خیر کرے)

خدا آن روز بنماید خدا آن روز بنماید

(ص ۴۵۴)۔ (خدا وہ روز دکھلائے)

اردو شعراء کے دو قدیم تذکروں یعنی چمنستان شعرا اور گل عجائب میں مذکور ہے کہ واقف اردو کے شعر بھی کہتے تھے۔ چنانچہ دونوں تذکروں میں ان کے پانچ شعر منقول ہیں[1]۔

غالب سرزمین پاک و ہند میں خسرو اور فیضی کے سوا کسی کو خاطر میں نہیں لاتے تھے۔ واقف و قتیل کو تو وہ غیر فصیح سمجھتے تھے۔ لیکن واقف کے بعض اشعار پڑھتے ہوئے مجھے ان کے مقابل غالب کے

۱۔ چمنستان شعراء ، شفیق اورنگ آبادی ، اورنگ آباد دکن ، ص ۱۱۳۔
گل عجائب ، اسد علی خان تمنا۔ اورنگ آباد دکن ، ۱۹۳۰ ، ص ۱۵۹۔

ہم معنی اشعار یاد آئے ۔ دو تین شعر سے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ غالب نے ان کا اردو میں ترجمہ کر لیا ہے ۔ اگر یہ توارد ہے تو بڑا عجیب ہے ۔ مثلاً :

واقف : درد منت دوا نکشد

غالب : درد منت کش دوا نہ ہوا

واقف : رو بسوی کعبہ چون آرم نمیدانم
بسکہ کردم بت پرستی از خدا شرمندہ ام

غالب : کعبہ کس منہ سے جاؤ گے غالب
شرم تم کو مگر نہیں آتی

واقف : کس نخواہد مرا بہ صفحۂ دہر

غالب : یارب زمانہ مجھ کو مٹاتا ہے کس لیے

—:o:—

آفرین لاہوری

فقیراللہ نام تھا ۔ آفرین تخلص ۔ لاہور میں پیدا ہوئے ۔ یہیں نشو و نما پائی ۔ آزاد بلگرامی نے بتایا ہے[1] کہ وہ گوجر قوم کے قبیلہ جویہ سے تعلق رکھتے تھے ۔ چونکہ فقیرانہ اور آزادانہ زندگی بسر کرتے تھے اس لیے عوام کی زبان پر شاہ کے لقب سے بھی معروف ہوئے ۔ حاکم نے لکھا ہے[2] کہ وہ ۱۱۵۴ھ میں فوت ہوئے ۔ اس وقت اسی سال کے قریب عمر تھی ۔ اس لیے تقریباً ۱۰۷۴ھ سال ولادت ہوگا ۔ خوش گو نے لکھا ہے کہ در عین نود سالگی خضاب میکرد ، جو صحیح نہیں ۔ حاکم لاہوری مؤلف تذکرۂ مردم دیدہ ان کے شاگرد بھی تھے اور مقرب بھی ۔ انھی کا بیان معتبر سمجھنا چاہیے ۔ شاہ آفرین نے نوجوانی میں علم و فضل حاصل کیا ۔ وہ فاضل اور جید عالم تھے ۔ خوش گو نے لکھا ہے ۔ "در کبر سنی تحصیل علوم ظاہری کرد[3] ۔ رمل میں بھی دسترس حاصل تھی ۔ کتاب دانی میں ماہر و بے نظیر تھے ۔ مثنوی معنوی پڑھانے میں تو یکتا تھے ۔ اساتذہ کے اشعار کثرت سے یاد تھے ۔ با کمال ہونے کے باوجود شائبۂ غرور نہ تھا ۔ فقراء غرباء کے ساتھ تواضع و انکسار سے پیش آتے تھے اور امراء و اغنیاء سے الگ اور کنارہ کش رہتے تھے ۔ اسلاف کو نیکی سے یاد کرتے تھے ۔ سب کو استاد و مرشد جانتے تھے اور دوسروں کے اشعار پر اعتراض نہیں کرتے تھے ۔

آفرین بیس سال کے تھے کہ انہیں حاجی فریدون سابق شاگرد میرزا

---

۱ ۔ خزانۂ عامرہ ، غلام علی آزاد ، لولکشور پریس ، کانپور ص ۔
۲ ۔ تذکرۂ مردم دیدہ ، عبدالحکیم حاکم ، لاہور ، ۱۹۶۱ ، ص ۱۸ - ۲۳ ۔
۳ ۔ سفینۂ خوشگو ، بندرابن داس ، مرتبہ شاہ محمد عطاء الرحمٰن ، پٹنہ ، ۱۹۶۹ ص ۲۳۸

صائب کی ہم نشینی کا موقع ملا - فریدون صاحب نئے نئے ایران سے آئے تھے - چونکہ وہ نواب حفظاللہ خاں ناظم صوبہ کے استاد تھے - انھی کی معیت میں انھیں نواب صاحب کی محفل میں اشعار سنانے اور عزت و احترام پانے کا موقع ملا - حاکم بتاتے ہیں کہ شاہ صاحب نے خود بیان کیا کہ ایک مرتبہ میں نے غزل پڑھی جس کا مقطع یہ تھا :

آفرین تا دل ما گرد تعلق افشاند
مشت خاکی بہ سر مردم دنیا کردیم

نواب کو یہ خیال پسند نہ آیا تو انھوں نے فرمایا : "شما نیز داخل دنیا بودہ اید" - آفرین نے جواب دیا : "ہرگہ دل ما گرد تعلق افشاند از دنیا برآمدیم" - نواب خاموش رہ گئے -

نواب عبدالصمد خاں سیف الدولہ ناظم لاہور آفرین سے ملاقات کے آرزو مند تھے لیکن آفرین تھے کہ جانے سے انکار کرتے تھے - آخر ایک عزیز کی ترغیب سے نواب صاحب سے ملاقات کی - وہ بڑے احترام سے پیش آئے اور مسند کے پاس بٹھایا اور ان کے لئے ایک روپیہ روزینہ مقرر کر دیا

علی قلی خان والہ داغستانی جو ایک صاحب منصب امیر بھی تھے اور شاعر بھی ، اپنے مؤلفہ تذکرہ ریاض الشعراء میں لکھتے ہیں[۱] - کہ میں ۱۱۴۷ھ میں لاہور پہنچا اور میں نے آفرین کو بلا بھیجا - اس نے ایک قصیدہ - چند غزلیں اور رقعہ لکھ کر بھیجا اور حاضر ہونے سے معذرت کی اور لکھا - 'دیدن من وحشت افزاید - بیاد من بساز' - لیکن جب اسے مجھ شکستہ بال کا حال معلوم ہوا تو اس نے حاضر نہ ہونے سے معذرت کی - بعد میں کئی روز فقیر کی کٹیا میں رہا - والہ لکھتے ہیں :

---

۱ - ریاض الشعراء ، علی قلی خان والہ ، مخطوطہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری ، شمارہ S ۱۶۸۳ ، ص ۵۲ الف -

"چون سراپا آلودهٔ درد بود از ملاقات و مکالماتش کیفیت عجیبی بردم ۔ الحق باین درد مندی کم کسی دیده شد ۔ غرض کہ تا در لاہور بودم اکثر قدم رنجہ می نمود و اثر صحبتش بر ولولہ شورم می افزود"[1]

غلام ربانی عزیز نے مندرجہ بالا بیان کو غلام ہمدانی مصحفی سے منسوب کیا ہے اور اس کے تذکرہ ریاض الفصحا کا حوالہ دیا ہے ۔ محترم پروفیسر صاحب کو اشتباہ ہوا ہے ۔ یہ ۱۱۴۷ء کا واقعہ ہے اور مصحفی ۱۱۴۱ھ اور ۱۱۵۲ء کے درمیان کسی سال پیدا ہوئے تھے ۔ ریاض الفصحا تذکرۂ ہندی گویان ہے ۔ اس میں آفرین کا ذکر ہی نہیں[2] ۔

آفرین کو بر محل اور بر موقع شعر کہنے یا پڑھنے کا خوب ملکہ حاصل تھا ۔ تذکروں میں اس کی دو ایک مثالیں درج ہیں :

ایک دفعہ کا ذکر ہے نصیرت خان پسر خانجہان بہادر ناظم لاہور ، لاہور میں حویلی دارا شکوہ دیکھنے گیا ۔ شاہ آفرین کو بھی وہاں بلوایا مطلع ابر آلود تھا اور پھوار پڑ رہی تھی ۔ نصیرت خان نے موسم کی تعریف کی ۔ آفرین نے زلالی خوانساری کے یہ دو شعر بر محل پڑھے :

خوشا ابری و ابری کم ستیزہ
کہ باران ریزد از وی ریزہ ریزہ

زنم نقش قدم زائل نمی شد
زمین تر می شد رہِ گل نمی شد

نصیرت خان نے اشرفی زر جیب سے نکالی اور مناسب وقت شعر پڑھنے

---

۱ ۔ ریاض الشعراء ، مذکورہ ، ص ۵۲ الف ۔

۲ ۔ مجلہ اردو نامہ ، کراچی ، جنوری ۱۹۶۲ ،مقالہ آفرین لاہوری از غلام ربانی عزیز ۔

پر انعام دیا[1]،

ایک مرتبہ عہد عالمگیری میں شعر گو اور شعر فہم دوست اکھٹے ہو کر شالا مار باغ لاہور گئے تھے۔ ایک عجیب و غریب اجتماع تھا۔ ایک شاعر سید محمد برق نے بے تکلفی میں شاہ آفرین کا ہاتھ پکڑا اور ان کو دوڑنے کے لئے مجبور کیا۔ آفرین نے فی الفور صائب کا یہ شعر پڑھا:

ای برق بی مروت پا را شمردہ بگذار
ہر خار این بیابان رزق برہنہ پائیست

حضار ایسا بر محل شعر سن کر تڑپ اٹھے۔ "برق کہ سرگرم جولان شدہ بود یکایک چون سیخ افسرد"[2]

آفرین بڑے شعردان تھے۔ اساتذہ کے کلام پر ان کی نظر تھی۔ شعر کی خوبی و خامی کو سمجھتے تھے۔ ایک مرتبہ لاہور کی ایک بزم شعراء میں میر محمد زمان راسخ کا مندرجہ ذیل شعر پڑھا گیا:

جامۂ صبر بیالای جنون تنگ آمد
آنچہ از دست بر آمد بگریبان کردیم

ایک صاحب نے اعتراض کیا کہ "جامہ بر بالا کوتاہ می باشد نہ تنگ"۔ راسخ بھی اس محفل میں موجود تھے۔ شاہ آفرین نے کہا کہ یہ درست ہے اور تیمور نامہ ہاتفی سے ذیل کا شعر پڑھا:

نہ ہندی عنان تافت از راہ جنگ
نہ بر قامت ترک شد جامہ تنگ

---

۱ - تذکرۂ مردم دیدہ، ص ۲۱ -
۲ - خزانۂ عامرہ، مذکورہ -

سب احباب یہ جواب سن کر خاموش ہو گئے ۔

حاکم نے ایک واقعہ بیان کیا ہے کہ لاہور میں مسجد وزیر خان کے صحن میں محفل شعر و سخن آراستہ تھی ۔ ملا محمد سعید اعجاز جہان آبادی بھی موجود تھے ۔ انھوں نے ناصر علی سرہندی کے مندرجہ شعر کے معانی پر اعتراض کیا :

صریر خامہ می دانم کہ باطبعت نمی سازد
دریدی نامہ ، دل صدپارہ شد ، قاصدرسید اینجا

اور کہا : ہرگاہ صریر خامہ کہ عاشق از راہ دور و دراز مکتوب می نویسد بطبعش نمی سازد ، صدای دریدن نامہ کہ شوخ تر از صریر نامہ است چہ قسم باو ساخت'' ۔

آفرین نے جواب دیا ۔ ''صریر خامہ خود معشوق است کہ دماغ نوشتن ندارد'' ۔ اعجاز یہ جواب سن کر خاموش ہو گئے ۔ حاکم لکھتے ہیں کہ جب میں نے یہ اعتراض و جواب میر آزاد کو بتایا تو انھوں نے فرمایا : ''جواب شاہ آفرین مسلم و بیت متحمل آن ۔ لاکن بخاطر حقیر می رسد کہ نامہ نوشتن عاشق مخالف طبع معشوق است و دریدن او نامۂ عاشق را موافق طبع ۔ لہٰذا صریر خامۂ عاشق با طبعش نساخت و صدای دریدن نامہ ساخت'' ۔

آفرین کو اہل بیت اور ائمہؑ اطہار سے والہانہ محبت تھی ۔ اپنے اشعار میں جا بجا اپنی شیفتگی کا اظہار کرتے ہیں ان سے مدد مانگتے ہیں ۔ شہدائے کربلا کے لیے ان کے آنسو نہیں تھمتے :

ع گریہ مانند عرق میجو شد از اعضا مرا

ع گریہ طوفان میکند امشب بیاد کربلا

ایک طویل ترکیب بند حسن و حسین کی ماتم گساری میں لکھا ہے ۔ (ص ۵۹۷-۶۱۱)

دل سوخت در ہوای حسین و حسن مرا

ممکن ہے ان کے غمناک دل کا ایک سبب یہ بھی ہو ۔ وہ کہتے ہیں :

ہمچو آن ہیزم کہ ریزد نم بقدر سوختن
گریہ باشد شاہد سوز دل محزون ما

آفرین اپنے آپ کو عشق کی برکتوں سے مالا مال سمجھتے ہیں ۔ اس کی جمالی اور جلالی صفات سے اپنے آپ کو بہرہ‌ور جانتے ہیں ۔

فضائل نیست جز نقد محبت در دوکان ما (ص ۵)

از محبت اثری یافتہ ام جست برق و شرری یافتہ ام

اور پھر عاشق ہونے کا دعویٰ او ولولہ :

عاشقم عاشقم بہر صورت کہ خواہی جلوہ کن
شاخ گل شو عندلیبم ، شمع شو پروانہ ام (ص ۴۰۰)

فقر و تصوف

آفرین نے اپنا ظاہر فقیرانہ اور درویشانہ بنا رکھا تھا ۔ لیکن وہ کسی خاص سلسلۂ تصوف سے منسلک نہیں تھے ۔ لیکن روش تصوف سے آگاہ تھے ۔ محبوبِ حقیقی کو ہر جگہ جلوہ گر سمجھتے تھے ۔ قطرہ میں دریا اور جزو میں کل کا تماشا دیکھنے کے آرزو مند تھے ۔ جلوۂ محبوب حاصل کرنے کے لئے ضروری تھا کہ ترک ہوس کیا جائے ۔ اپنے آپ کو اس کے سامنے نیست و ناچیز تصور کیا جائے ۔ محبوب کو پانے کے لئے سچی تڑپ ہو ۔

دل آلودگیوں سے مصفا اور صدق و صفا سے مالا مال ہو :

بی صدق و صفا طاقت نظارہ کہ دارد
عینک بکف آوردم و دیدار تو دیدم

چو دل روشن شود از قطرہ دریا می توان دیدن
بخاطر این سخن ما آفرین از جام جم داریم (ص ۱۵م)

دوئی کو مٹانا اور من و مائی کا خیال ختم کرنا جلوۂ محبوب کے لیے ضروری ہے :

پاک از مگس سایہ بود خلوت خورشید
آنجا کہ تو باشی نتوان گفت کہ من ہم (ص ۱۶م)

آفرین کہتے ہیں کہ میں دنیا سے الگ تھلگ اپنے سود و زیاں سے بے پروا زندگی گزار رہا ہوں :

تجرد پیشہ ام ، رم خوردہ از سود و زیان خود
ھمای همتم چون شمع رزقم استخوان خود

آفرین نے تصوف کی معروف کتابوں کا مطالعہ کیا تھا اور اس کے اسرار و رموز کو سمجھتے تھے ۔ انھوں نے جابجا اپنے کلام میں انھی خیالات کا اظہار کیا ہے ، چنانچہ وہ کہتے ہیں میرا کلام سمجھنے کے لیے گہری توجہ و نظر کی ضرورت ہے :

بجز فکر محقق کس نمی فہمد کلامم را
فصوص عشقم و لمعات شوقم و گلشن رازم (ص ۲۸م)

کلیات

پنجابی ادبی اکادمی نے کلیاتِ آفرین کی پہلی جلد شائع کی ہے جو ۶۱۵ صفحات پر مشتمل ہے ۔ اس میں تمام غزلیات شامل ہیں۔ اشعار کی تعداد چھ ہزار ہے ۔ ان کے علاوہ ۱۴ رباعیات ، حافظ ، صائب ، خسرو ، فغانی اور دوسرے شعراء کے اشعار پر تیرہ تضمینیں ۔ ایک مخمس ۔ نعت رسول میں ایک ترکیبِ بند ۔ منقبت امام حسن و حسین میں ایک طویل ترجیع بند ۔ ایک مستزاد اور دو تین قطعات تاریخ بھی جزو کلیات ہیں ۔

کلیات کی دوسری جلد جو زیر تدوین ہے ۔ اس میں ۳۸ قصائد اور درج ذیل تین مثنویاں شامل ہوں گی :

۳ ۔ ناز و نیاز	(ہیر و رانجھا)	در عہد فرخ سیر
۲ ۔ انبان معرفت		در عہد بہادر شاہ
۱ ۔ ابجد فکر		نوشتہ در عہد عالمگیر

شاعری

آفرین کے زمانے میں لاہور شعر گوئی ، شعر فہمی اور شعر دانی کا اچھا خاصا مرکز تھا ۔ بہت سے مقامی شعراء بھی موجود تھے اور باہر سے بھی آتے تھے اور یہاں کی محافل سخن میں شریک ہوتے تھے ۔ رؤسا اور خود شعراء کے ہاں بھی مشاعرے ہوتے تھے ۔ مسجد وزیر خاں کے صحن میں بھی بزمِ مشاعرہ جمتی تھی ۔ شعراء ہم طرحی غزلیات کہتے اور فنی مہارت کا مظاہرہ کرتے اور اس طرح باہمی رقابت اور جذبۂ مسابقت سے شعر کے نقد و نظر کا خوب چرچا ہوتا ۔

آفرین کے ہم عصر شعراء میں سے میرزا بیدل ، ناصر علی سرہندی ، میر محمد زمان راسخ ، میر احمد فائق ، خواجہ عبداللہ سامی ، محمد علی رائج ،

تنہا ، یکتا کے نام سربرآوردہ ہیں ۔ آفرین کے شاگردوں میں سے ذیل کے نام تذکرۂ مردم دیدہ میں مذکور ہیں :

۱ - حکیم بیگ حاکم	۲ - عنقا

۳ - میرمعصوم وجدان	۴ - ملا فصاحت

۵ - محمد زمان مفتون	۶ - حاجی بیگ ہنر

۷ - نصراللہ بیگ یتیم	۸ - عبدالعظیم تحسین (سفینۂ خوشگو میں مذکور ص ۲۶۷)

۹ - صوفی مستانہ	۱۰ - سر آمد کشمیری (مذکورہ تذکرہ شمع انجمن ص ۲۱۴)

۱۱ - مشتاق لاہوری (مذکورہ صبح گلشن ، ص ۴۱۲) ۔

آرزو نے آفرین کے متعلق لکھا ہے :

بسیار خوش زبان و تازہ خیال بودہ ۔ طور و طرزِ بیان ناصر علی منظور او بود[1]

حاکم نے لکھا ہے کہ میرزا بیدل غائبانہ ان کی تعریف و توصیف کرتے تھے اور ان کا یہ شعر اکثر پڑھتے تھے :

حجاب عشقم نداد رخصت سوال بوس از دہان تنگش
ازو نمی آید این مروت ز من نمی آید این تقاضا

---

۱ - مجمع النفایس ، سراج الدین علی خان آرزو ، نسخۂ خطی ، پنجاب یونیورسٹی لائبریری ، مجموعہ شیرانی ، شمارہ ۴۸۹ ، برگ ۳۶ ۔

ناصر علی کو ان کا یہ شعر پسند تھا :

نسیمی میکند نیلوفری صبح بناگوشت
فغان های شبِ ہجراں شنیدنہا چہ میدانی

خوشگو نے لکھا ہے کہ "از استادان لاہور است" اور بتایا ہے کہ میں اپنی کم فرصتی کی وجہ سے ان کی خدمت میں حاضر تو نہ ہو سکا البتہ میں نے ان کی تعریف میں مندرجہ ذیل غزل ان کی خدمت میں بھیجی جس کو پڑھ کر وہ بہت خوش ہوئے :

بر کمال آفرین باد از دو عالم آفرین
آفرین صد آفرین بل صد ہزاران آفرین
شاہ لاہور سخن مالک رکاب ملک نظم
کز سپاہ لفظ و معنی کوس زد در روم و چین
قہرمان طبع او بر فکر شد ہرگہ سوار
ہمچو نام خود جہان آورد در زیر نگین
نکتہ های طبع او پیچیدہ تر از زلف یار
نقطہای خامۂ او خال بر روی زمین
بکر فکرش ہر کجا برقع بر اندازد ز رخ
آب حیوان آبریزی خواہد از درثمین
در ریاض خاطر او دانہ چینی میکند
خیل معنی ہمچو طاؤوسان بفردوس برین
ای زشاگردان درگاہ تو استادان وقت
کرد استاد جہان شاگرد رب العالمین
بندہ خوشگو کارزو از مدت سی سالہ داشت
آمدہ در خدمتت شاید کہ گردد بہ ازین

سایهات بر خاکساران زمین شعر باد
مستظل چون سایهٔ افلاک بر فرق زمین (۱)

خوشگو نے پہلے تو ان کی تعریف کی ۔ بعد میں لکھا ہے کہ بٹالہ میں واقف کے ہاں آفرین کا دیوان دیکھا ۔

''حظی بر نداشتم ۔ اکثر پالغز نمایاں دارد ۔ بنا بر آنست کہ

صحبت بہ از خودی درنیافتہ ۔ شاعر خانہ نشین است (۱) والہ داغستانی نے بتایا ہے کہ آفرین کو فارسی پر کامل عبور نہ ہونے کا احساس تھا ، چنانچہ آفرین کا قول نقل کیا ہے :

''مردم ہندوستان بفارسی بتکلف تمام تکلم می نمایند تا بشعر گفتن چہ رسد''

والہ نے یہ بھی اشارہ کیا ہے کہ آفرین کے کلام میں روز مرہ و محاورہ کی غلطیاں موجود ہیں ۔ وہ لکھتا ہے :

''اگر آن مغفور در ایران نشو و نما میکرد از سلاطین سخنوران زمان می شد ۔ چون متبع این زمان بوده لہذا گاہی کمیت فکرش در میدان فصاحت و بلاغت لغزش یافتہ ۔ در ادای لغات و اصطلاحات غلط و اشتباہ می نمود'' ۔ (۲)

آفرین کو گلہ ہے کہ شعر فہم لوگ موجود نہیں ، اس لیے میرے اشعار کی قدر نہیں اور میری نادر فکر خود بخود ضائع ہو رہی ہے :

طپد در خاک ذلت معنی از نا فہمی سامع
چو شمعم آب گشتن حاصل از آتش زبانی شد (ص ۴۰۳)

آفرین کے مرغوب شعراء صائب ، مولوی ، سعدی ، حافظ ، خسرو ،

فغانی ، نظیری ، عرفی ، بیدل علی اور فصیحی تھے ۔ وہ اکثر ان کی غزلوں کے تتبع میں غزلیں لکھتے ہیں ۔ ان کی تعریف کرتے ہیں اور ان کے اشعار کی تضمینیں کرتے ہیں ۔ مثلاً :

قبول دل چو صائب آفرین ہم از تو میخواہم

گل افشان درودم آفرین بر مصرع صائب
شکوہ جبہتِ شیران بود لوح مزارش را

ما را چون آفرین می شیراز دادہ اند
ای بیخبر زلذت شرب مدام ما

خاک درِ مولوی است آفرین
آب رخ و دانش و فرہنگ من

نظریۂ شعر

آفرین شعر کی تاثیر ، فیض رسانی اور حکمت پر اعتقاد رکھتے تھے ۔ وہ کہتے ہیں :

درد سر نہان را ما صندلیم صندل
ما شاعریم و عارف ما حکمت خدایسیم

(کلیات ص ۴۲۴)

وہ حسن بیان و حسن معنی کو سمجھتے تھے اور اس پر انھیں ناز بھی تھا :

حسن و ادای معنی از طبع آفرین پرس
قدر عروس رعنا ، داماد می شناسد (ص ۲۱۲)

ندارد لفظ و معنی آفرین چون من ادا فہمی
سخن آئینہ ای میخواست معنی پیدا شد پیدا

وہ اس بات کے قائل ہیں کہ سوز درون اور گداز نفس کے بغیر زبان و بیان میں چمک اور معانی و مطالب میں تڑپ پیدا نہیں ہوتی - وہ کہتے ہیں :

گداز سعی خوردم یافتم فیض بیانی را
چو آتش سوختم پیدا نمودم تا زبانی را (ص ۴۴)

ز ہر مصرع چو برقم آفرین از فیض سوز دل
دو صد برجستہ معنی چوں شرر در گوش می‌آید (ص ۲۰۵)

بود دود جگر الفاظ و چشم خونفشاں معنی (ص ۵۳۱)

وہ دعا مانگتے ہیں :

بآتش کاری دل پختہ گردان فکر خامم را

سوز دل کے ساتھ تازگی فکر اور جدت مضمون بھی حسن و کمال شعر کے لیے ضروری ہے - معنی و بیان میں موزونیت ہی کلام میں لطف و تاثیر پیدا کرتی ہے - آفرین کہتے ہیں :

کسب دولت نکتۂ موزون بدست آوردنست (ص ۱۹۰)

بسکہ دارد نشۂ شوقش چو می مضمون ما
گردہ مینا بود بر مصرع موزون ما (ص ۱۷)

نظریۂ عشق

آفرین جانتے ہیں کہ عشق کے دم قدم سے کائنات میں رونق ہے۔ اگر عشق نہ ہو تو حسن کی بھی قدر نہ ہو:

رونق زعشق باشد حسنِ بلند شان را (ص ۴۸)

زعشق ذوق وجود و عدم بود ورنہ
خمار و خواب بود نیستی و ہستی ما (ص ۱۰)

آفرین صوفیہ کے نظریۂ عشق سے ہم نوا ہیں جو کہتے ہیں کہ خدا نے خود چاہا کہ جلوہ نما ہو تو انسان کے دل میں جذبۂ عشق پیدا کر دیا تا کہ وہ چاہا جائے۔ کنت کنزا مخفیا فاحببت ان اعرف۔ آفرین کہتے ہیں:

جلوہ مشتاق ابد آینہ پیدا کرد عشق
ہرچہ پنہان داشت عرضِ سینۂ ما کرد عشق (ص ۳۷۹)

ذات خدا وندی کی ایک حیثیت محبوب کی ہے۔ وہ سب کا مقصود محبت و مطمح نظر ہے۔ وہ خود ہی اپنے چاہنے والے کو بھی اپنی طرف راغب کرتا ہے اور اسے توفیق دیتا ہے کہ وہ اسے پہچانے اور اپنی توجہ کا مرکز بنائے یعنی وہ خود ہی قبلہ ہے اور خود ہی قبلہ نما بھی ہے۔ طبع انسان کی ایک حیثیت یہ ہے کہ جب وہ اپنی ذات میں خدا کی محبت سمجھ لیتا ہے تو وہ خود محبوب بن جاتا ہے۔ گویا محب و محبوب ایک جا ہو جاتے ہیں۔ انسان کو خدا کی ایسی معرفت حاصل

ہوتی ہے کہ وہ دوسروں کو بھی اس کی طرف راہنمائی کر سکتا ہے۔ گویا انسان خود اس وقت قبلہ بھی ہوتا ہے اور قبلہ نما بھی۔ آفرین اپنی اس حیثیت کو پہچانتے ہیں جب وہ کہتے ہیں :

قبلہ و قبلہ نمای خویشم
از خود خبری یافتہ ام (ص ۲۱۲)

مناظر فطرت

سچے احساسات کا شاعر ہر حسین چیز سے متاثر ہوتا ہے۔ حسین چیز کو دیکھ کر آدمی پر ایک کپکپی سی طاری ہوتی ہے۔ اس کے اثر سے یا چہرہ تمتما اٹھتا ہے یا چہرہ زرد پڑ جاتا ہے یا وجد و کیف کی کیفیت پیدا ہوتی ہے۔ آفرین پر بھی حسین اشیاء کو دیکھ کر یہی کیفیات طاری ہوتی ہیں۔ انسانی حسن کے سامنے تو وہ گویا مرعوب ہوجاتے ہیں اس لیے ان کا رنگ زرد پڑ جاتا ہے۔ وہ کہتے ہیں :

برنگ کھربا جسمم نہ زرد از ناتوانی شد
بسنتی جامہ ای دیدم کہ رنگم زعفرانی شد

برصغیر میں مناظر فطرت کی دلکشی بہار ، بسنت اور برسات میں ہوتی ہے۔ آفرین چشم بینا کو دعوت جلوہ دیتے ہیں :

بہار جلوہ در جوش است کو چشم تماشائی
کہ باہر ذرہ گلبازی است خورشید جالش را

بہار کی آمد پر ان کا خون جوش مارتا ہے۔ گل و لالہ خود سیراب و سرشار ہوتے ہیں :

لالہ آتش افروز است باز خون بجوش آمد (ص ۲۲۴)
یا خار و گل قدح پیما شد نوبہار است این

مست جلوۂ گلشن ، محو نالۂ بلبل
آفرین زبان گم کرد محض چشم و گوش آمد (ص ۲۲۴)

آفرین رعنا بہاری را کہ ما دیوانہ ایم

بسنت کے موقع پر بھی ان کا دل جذبات سے امنڈ آتا ہے :

بنوش نوش ندیمان و نغمہ و گل و مل
کند تلافی یکسالہ انتظار بسنت

تمام دل شوم و آفرین بوجد آیم
مزار شاہ حسین است یادگار بسنت

برسات کے دوران میں بھی وہ نظاروں کی تابناکی سے بے خود ہوئے جاتے ہیں ۔

می برد ز جا شوقم اتفاق باران ہم
تا شگوفہ چشمک زد برق صبر و ہوش آمد

محاسن کلام

آفرین نے اپنے کلام کی زیبائش و آرائش کا خیال رکھا ہے ۔ الفاظ کی بندش میں فصاحت کا خیال انھیں دامن گیر ہے ۔ وہ دعا کرتے ہیں :

بجدی از فصاحت پر نزاکت کن کلامم را
کہ معنی لفظ باشد از لطافت در بر لفظم (ص ۳۳۷)

وہ مراعات النظیر سے اکثر کام لیتے ہیں ۔ ایہام بھی ان کو مرغوب ہے ۔ تمثیل تو اس زمانے کا خاص شعری اسلوب تھا ۔ آفریں نے بھی بعض اچھی اور دل پسند تمثیلیں بیان کی ہیں ۔ مثلاً :

با درشتان در نگیرد صحبت افتادگان
در زمین سخت کی صورت پذیرد نقش پا (ص ۱۱)

فسخ گردد جوہر قابل درین بد گوہران
تخم چون در شوره زار افتد دمیدن مشکل است

مبالغہ کا استعمال بھی شیوۂ سخن شعار ہوتا رہا ہے - آفرین نے بھی کہیں کہیں تعجب پیدا کرنے اور دلی کیفیت کو زیادہ نمایاں کرنے کے لیے مبالغہ سے کام لیا ہے - مثلاً یہ شعر :

توان ز سایۂ ما آفرین چراغ افروخت
بود ز آتش دلہا خمیر مایۂ ما (ص ۱۴)

جو شخص آہنگ سے نا آشنا ہو وہ شاعر نہیں ہو سکتا کیونکہ غزل غنائیت کے بغیر سپاٹ ہوکر رہ جاتی ہے - آفرین کا دل تو صدائے ساز سن کر تڑپ اٹھتا ہے - چنانچہ وہ کہتے ہیں :

کہ از ہر زخمہ نشتر می زنی تار رگ جان را

معلوم ہوتا ہے وہ سر اور لے کو پہنچانتے تھے اور آوازوں کے آہنگ کو سمجھتے تھے جیسا کہ ایک مرصع غزل کی ایک ردیف کی آوازوں سے ظاہر ہے :

بگسستۂ کونینم دل بستۂ زلفینش
پیچیدۂ این سودا ترلایلہ لا لا لا (ص ۲۱)

دقیق معانی کے اظہار کے لیے مردہ الفاظ کام نہیں دیتے تو شاعر نئی نئی بلیغ تراکیب سوچتا ہے - آفرین نے بھی کہیں کہیں معنی آفرین تراکیب وضع کی ہیں مثلاً :

سمندر سوز آتش دیدہ ای ، پنبہ جانان را
موسی نگاہان ، عرفان پناہان ، جلوہ سامان ۔ (ص ۳۶)

موی آتش دیدہ (ص ۱۵۹) ۔ خندۂ دندان نما (ص ۱۹۲)
دو مؤخر الذکر تراکیب تو غالب جیسے زیرک شاعر نے بھی استعمال کی ہیں ۔

قصائد

ابھی تک قصائد نہیں چھپے ۔ پروفیسر غلام ربانی عزیز نے ان کو مرتب کر رکھا ہے ۔ انھوں نے مجلہ اردو نامہ کراچی ، شمارہ ۳۶ میں قصائد کا تعارف کرایا اور ان کا تجزیہ کرکے ان کے محاسن پر روشنی ڈالی ہے ۔[1]
کل اڑتیس قصائد ہیں جن کی تفصیل حسب ذیل ہے :

نعت رسول	۱۰ قصائد
چار یار کبار	۱ قصیدہ
سہ خلفائے راشدین	۳ "
حضرت علیؓ	۶ "
حضرت فاطمہ ، امام حسن ، امام حسین	
امام جعفر صادق ، امام موسی کاظم ، امام تقی	
امام نقی ، حسن عسکری ، امام مہدی	۹ "
امام زین العابدین	۲ "

---

۱ ۔ آفرین بحیثیت قصیدہ نگار ، غلام ربانی عزیز ، مقالہ مطبوعہ اردو نامہ کراچی شمارہ ، ۳۶ ۔

امام باقر ۲ "

امام علی موسی رضا ۲ "

غوث الاعظم ۱ "

نواب مظفر خان ۱ "

نواب عبدالصمد خان ۱ "

اس تفصیل سے ظاہر ہے کہ ان کے ممدوح درباری قصیدہ سراؤں کی طرح شنہشاہ ، شاہزادگان ، حکام و رؤسا نہیں ۔ انھوں نے یہ قصائد انعام و اکرام کے لالچ میں نہیں لکھے ۔ بے جا خوشامد نہیں کی ۔ مدح میں محض تکلف و تصنع سے کام نہیں لیا ۔ دنیاوی نقطہٗ نظر سے صرف انھوں نے دو صاحبان اقتدار کو موضوع قصیدہ بنایا ہے ۔ وہ بھی ایسے مقتدر ، شجاع ، فیاض اور مربی علم و فن تھے ۔ اسی لیے آفرین نے ان کی تعریف میں دیانت و خلوص سے چند کلمات کہے ہوں گے ۔ باقی قصائد میں عنوان سخن تو سب ان کے مرکز عقیدت و ارادت ہیں جن کی تعریف و توصیف کرنے میں اخلاص و شدت جذبہ شامل ہے ۔

آفرین نے ان قصائد میں قدرت کلام اور فنی مہارت دکھانے کے لیے سارا زور صرف کر دیا ہے اور عرفی جیسے بلند اور دقیق شاعر کے مقابلے میں قصائد لکھ کر اپنا زور بیان دکھانے کی کوشش کی ہے ۔ آفرین نے عرفی کے مندرجہ ذیل بلند قصائد کا تتبع کیا ہے :

جہاں بگشتم و دردا بہ ہیچ شہر و دیار (در منقبت امیر[۴]

دل من باغبان عشق و حیرانی گلستانش (در نعت رسول[۵])

از در دوست چگویم بچہ عنوان رفتم (در شکایت روزگار)

بیا کہ با دلم آن میکند پریشانی (در مدح خانخانان)

صباح عید کہ در تکیہ گاہ ناز و نعیم (در مدح شاہزادہ سلیم

ز خود گردیدہ بربندی چہ گویم کام جان بینی (در مدح خانخانان)

اب آفرین کے مرقومہ قصائد کے مطلعے دیکھ لیجیے :

کتاب جزو و کل رمزی کہ میخوانند انسانش
وجودش جنت و آدم دل و نفس است شیطانش
(نعت رسول اکرمؐ

دلی است یا گل رعناست از ریاض قدیم
کہ ہم بہشت امید است و ہم جہنم بیم (نعت رسولؐ)

سموم در چمن از بسکہ گشت آتشبار
ز غنچہ ہای سمن جوش می زند گلنار (در منقبت امیرؑ

چون صبا تا چمن وصل نہ آسان رفتم
آب گشتم کہ چو شبنم بہ گلستان رفتم (" " ")

برآ از پردۂ پندار تا سر نہان بینی
نگارستان معنی ، بزم عیش آباد جان بینی

قصیدہ میں کسی ردیف کا التزام اور وہ بھی طویل قصیدے میں کسی سخت لفظ کی ردیف میں مضمون پر مضمون نکالنا بڑا دشوار کام ہے آفرین نے 'گرد' اور 'گل' جیسے الفاظ ردیف لا کر اپنی ہنر مندی اور کمال فن کا ثبوت دیا ہے ۔ ان دو قصیدوں کے پہلے دو شعر یہ ہیں :

بسکہ بی روی تو شد در چشم بلبل خوار گل
جوہر آئینہ شد در رخنۂ دیوار گل

روزیکہ خورد رشتہ امید ما گرہ
با زلف او نہ بود ہنوز آشنا گرہ

ناز و نیاز

آفرین نے ہیر و رانجھا کا عشقیہ قصہ منظوم کیا اور اس کا نام ناز و نیاز رکھا ۔ نظامی و خسرو کی مثنویوں کے تتبع میں آفرین نے بھی داستان شروع کرنے سے پہلے ابتدا میں توحید و تمجید حضرت کبریا، مناجات حضرت باری، نعت سرور کونین، سرگزشت معراج، مدح شنہشاہ عصر یعنی فرخ سیر اور سخن و عشق کی تعریف میں اشعار لکھے ہیں ۔ اس کے بعد اصل قصہ شروع کیا ہے ۔

قصے کا خاکہ وہی ہے جو عام پنجابی کی منظوم داستانوں میں ملتا ہے ۔ آفرین نے ہیر اور رانجھن کے سوا دوسرے افراد قصہ کے نام نہیں لکھے ۔ ہم قصے کا خلاصہ یہاں بیان کرتے ہیں تاکہ اس موضوع پر دوسری مثنویوں کے ساتھ تقابلی مطالعہ کرنے میں آسانی ہو ۔

ہزارہ کا ایک رئیس تھا جس کے چار بیٹے تھے ۔ ایک کا نام رانجھن تھا ۔ رانجھن اکثر مسافروں سے دوسرے شہروں کا حال پوچھتا رہتا ۔ ایک مرتبہ ایک شخص نے حسن آباد کی ایک حسینہ ہیر نامی کی تعریف کی ۔ اتفاق سے اپنے بھائیوں کے ساتھ باپ کی میراث پر رانجھن کا جھگڑا ہو گیا اور وہ ہیر کی تلاش میں گھر سے نکل پڑا ۔ وہ بانسری بجاتا ہوا چناب کے کنارے جا پہنچا ۔ وہاں وہ تھکا ماندہ چارپائی پر جا لیٹا ۔ دراصل وہ ہیر کی آرام گاہ تھی ۔ ہیر نے اسے سویا دیکھا تو فریفتہ ہو گئی ۔ ماں سے کہہ کر رانجھن کو بھینسوں کی نگرانی کے لیے ملازم رکھوا لیا ۔

وہ اس کے لیے روٹی لے جاتی اور اسے کھلاتی ۔ دونوں ایک دوسرے سے پیار کرنے لگے ۔ ہیر کے چچا نے یہ ماجرا دیکھ کر ماں سے شکایت کی ۔ اس طرح ہیر کو گھر میں مقید کر دیا گیا ۔ ہیر نے ایک دن قید سے بھاگ کر چچا کی کٹیا کو آگ لگا دی ۔ ہیر کو دوبارہ مقید کر دیا گیا ۔ ہیر کے بھائی ، رانجھن کو قتل کرنے کے درپے ہوئے ۔ وہ جنگل میں چھپ گیا ۔ ہیر کی شادی رنگپور کے ایک شخص کے ساتھ کر دی گئی اور وہ معذور و مجبور ہو کر چلی گئی ۔ ہیر نے رنگپور سے رانجھن کو پیغام بھیجا رانجھن جوگی کے لباس میں آیا اور گاؤں والوں کا علاج معالجہ کرنے لگا ۔ ہیر نے ایک دن کھیت میں سانپ ڈس جانے کا بہانہ کیا ۔ آخر کار جوگی کو علاج کے لیے بلایا گیا ۔ ان دونوں کو تنہا چھوڑ دیا گیا ۔ وہ موقع پا کر بھاگ گئے ۔ آخر پکڑ لیے گئے اور قاضی کے سامنے پیش ہوئے قاضی نے ہیر کو شوہر کے سپرد کیا اور رانجھن کو تپتے ہوئے صحرا میں نکال دیا ۔ ہیر رانجھن کے غم میں گھل گھل کر قریب مرگ ہو گئی ۔ آخر مجبور ہو کر ہیر کو بھی رانجھن کے پاس چھوڑ آئے ۔ وہ دونوں صحرا میں آوارہ اور بے چارہ پڑے رہے ۔ ایک مرد پیر نے انھیں دیکھ کر لسی اور روٹی دی ۔ بعد میں وہ بغداد و حرمین بھی گئے ۔ سیر و سیاحت کے بعد وہ راہی ملک عدم ہوئے ۔ رانجھن کی قبر ہزارہ میں ہے اور ہیر کی جھنگ میں ۔

کہانی کے ایک رخ سے واضح ہے کہ مسلم معاشرہ گوارا نہیں کرتا کہ ایک عورت غیر محرم کے ساتھ چھپے چوری محبت کی پینگیں بڑھاتی رہے ۔ اس لیے چچا ، ماں باپ اور قاضی نے ہیر کو سمجھایا اور اس کو گھر میں مقید کرکے ازدواج کے بندھن میں جکڑ دیا ۔ اگرچہ ہیر نے معاشرہ کے سامنے سر جھکا دیا لیکن اس کے دل میں عشق کی بغاوت فرو نہ ہو سکی ۔ وہ رانجھن کے ساتھ بھاگ گئی ، پکڑی گئی اور آزاد کر دی گئی ۔ کہانی میں یہ بیان نہیں کیا گیا کہ ہیر کی ضد کے سامنے مجبور ہو کر اس کے شوہر نے طلاق دے دی اور اس کو اپنے محبوب کے پاس

جانے دیا - کیا ہیر ازدواج کے بغیر رانجھن کے ساتھ طواف حرم کرتی رہی - کہانی کا انجام مروجہ قصے سے مختلف ہے -

اس مثنوی میں بھی جہاں جہاں موقع ملا ہے آفرین نے اپنے کمال سخنوری کا نمونہ پیش کیا ہے اور شاعری ، محبت اور موسیقی کے متعلق اپنے نظریات کا اظہار کیا ہے - آفرین کے دل و دماغ کی کیفیات اور اس کے علم و شعور سے آگہی کی خاطر ہم ان کو یہاں نقل کرتے ہیں -

در تعریف سخن

مسلم به تسخیر عالم توئی
جم و خاتم و اسم اعظم توئی
بقاء نهاد جهان بی تو نیست
صلاح و فساد جهان بی تو نیست
انیس دم رنج و راحت توئی
توئی میر سامان قدرت توئی
بهر مصرع از فیض سوز التهاب
کنم سیخ یک دشت آهو کباب
زلطف تو صاحب زبان گشته ام
زبان دان سر نهان گشته ام

(ص ۹ الف ، ۹ ب)

در تعریف محبت :

محبت بود رابط یکدیگر
در اجزای عالم نظر کن نظر

محبت فروزان کن ممکنات
چو روغن بود در چراغ حیات (ص ۱۱)

موسیقی :

نوا ساز صد بوسلیک امید
حجازی پرست و حسینی شہید
قدم بر قدم نغمۂ اشتیاق
گہی در صفاہان گہی در عراق
رہا و سرودی بصد پیچ و تاب
کہ باشد دعای سحر مستجاب
چو آواز زنگولہ کردی بلند
زجا کوہ جستی چون آتش سپند
دلش مستی گربہ کردی ہوس
بم و زیر بودش سی نیم رس
جلاجل دل چاکش از بس شغف
کف پا بنقش قدم دست و دف
باہنگ دل مست بودی مدام
نہاں شعبہ ای داشت در ہر مقام

(ص ۱۷-۱۸)

آفرین کے دل میں مناظر فطرت سے لطف اندوز ہونے کا جذبہ موجزن ہے ۔ خاص طور پر بہار میں سبزہ و گل و نسیم سے لطف اٹھانے کے لیے اس کے اندر تڑپ موجود ہے ۔ چند اشعار ملاحظہ کیجیئے ،

ہوای جنون شبنم افشان نسیم
زچشم پری سبحہ گردان نسیم

عنان بردی از دست بی اختیار
نوای چکاوک صدای ہزار

چمن سبز و گل مست و ساقی ہوا
جنون خانہ پرداز و باقی ہوا

در نیم باز از بہشت سرور
بصد دلکشائی شکر خند حور

لب غنچہ در مرحبا سی فروش
شگفتن بگلبانگ می برد ہوش

واقعات قصہ میں جہاں کہیں ڈرامائی عناصر بیدا ہوتے ہیں۔ وہاں آفرین نے کردار قصہ پر تاثرات بیان کرنے کی کوشش کی ہے لیکن ان کی تشبیہیں اور مثالیں احساساتی نہیں بلکہ ماوراٹی فضا سے تعلق رکھتی ہیں اس لیے قاری کے دل پر براہ راست اثر انداز نہیں ہوتیں۔ مثال کے طور پر ہم ان کے چند اشعار نقل کرتے ہیں جو انھوں نے ہیر کی اس کیفیت کو ظاہر کرنے کے لیے لکھے ہیں جب اس کی شادی کی تیاریاں ہو رہی ہیں۔ بناؤ سنگھار ہو رہا ہے اور شادیانے بج رہے ہیں لیکن وہ اندر اندر فراقِ یار میں سلگ رہی ہے:

طپان ہیر ہم با دل جلوہ گاہ   کشیدند نالان تر از برق آہ
قیامت نسب شعلۂ نا صبور   جگر گوشۂ برق رعنای طور

بہر لحظہ اش فتنہ میکرد گل   چو ہول قیامت ز بانگ دہل
صدای دفش شورش افزا شدی   نمکپاش داغ تمنا شدی

چراغان شدی ظلمت افزای او   بدندان حسرت جگر خای او
عتاب فلک بودش آواز چنگ   کہ می آید از یک کمان صد خدنگ
ز بس دست حسرت بسر می زدی   حنا موج خون جگر می زدی

ہیر رانجھے کا قصہ بیان کرنے والے عموماً ہیر کے چچا کو برے کردار کے روپ میں پیش کرتے ہیں کیونکہ وہ دو محبت کرنے والوں کے درمیان جدائی کا باعث بنا ۔ اس نے ماں باپ کے پاس شکایت کی اور عزت و ناموس کی پاس داری کا واسطہ دیا ۔ لیکن آفرین نے اس میں قہرمان بد کی خصوصیات نہیں بتائیں ، صرف اس میں "جہالت کا عنصر" بتایا ہے اور باقی اس کی عزلت گزینی اور درویشی کی تعریف کی ہے ، ان کے اپنے الفاظ یہ ہیں :

یکی از قضا ہیر را بود عم
کہ در دعوی فقر می زد قدم

بنور ورع شمع دانش فروز
ولی ظلمت جہل باقی ہنوز

عبث کردہ معمورۂ عشق تنگ
ہوس روستازادۂ نام و ننگ

دل از فکر معمورہ پرداختہ
بویرانہ ای تکیہ ای ساختہ

نبودش ز بس التجا سوی غیر
نمی رفت از جا مگر بہر سیر

اس مثنوی کی بدولت ہمارے ذخیرۂ ادب میں لاہور کی تعریف میں ایک اور اچھی نظم کا اضافہ ہوگیا ہے ۔ آفرین کی یہ نظم اس زمانے کے لاہور کی جھلکیاں پیش کرتی ہے ۔ ہم اپنی کتاب کی ادبی فضیلت کے لیے اسے یہاں محفوظ کیے لیتے ہیں :

دران ملک لاہور عین السرور
بہشتی است لبریز حور و قصور

ز بس حافظ مصحف از هر مزار
توان خواند قرآن بخط غبار

ز ارباب فضل اندرو هر طرف
چو اوراق مصحف سراپا شرف

چه لاهور نزهتگه روم و چین
چو بیتی بود زیب روی زمین

ز رعنا غزالان زرین کفش
چو قوس قزح جاده سرخ و بنفش

جواهر رقم کلک هر کوچه‌اش
مرصع بود سلک هر کوچه‌اش

تهی از ریا چو دل صادقان
پر از عشق چون سینهٔ عارفان

مسیحا هوادار دبرین اوست
خضر تشنهٔ آب شیرین اوست

ز آئین بازار و برزن مپرس
بیان عمارت خود از من مپرس

بهر پای دیوار دیوانه‌ای
بهر سایهٔ شمع پروانه‌ای

جوان سیرت و پیر کامل همه
کهن گشته و تازه بسمل همه

ز بس باورع هر یکی کرده خوست
برات بهشت از مقیمان اوست

ز خونین دلان نیز ہم عالمیست
بہر گوشہ بیمار عیسی دمیست
بر آراستہ انجمن ہر کسی
بافسانۂ ہیر و رانجھن بسی[۱]

۱ ناز و نیاز ، نسخۂ خطی پنجاب یونیورسٹی لائبریری ، مجموعہ آزر ، شمارہ ، O - 163 ، برگ ۱۲ ب -

حکیم بیگ حاکم لاہوری

حکیم بیگ نام تھا۔ حاکم تخلص کرتے تھے۔ باپ کا نام شادمان خان تھا۔ ننھیال کی طرف سے سید تھے۔ باپ کی جانب سے اوزبک۔ ان کے والد شادمان خان عہد عالمگیری میں بلخ سے ہندوستان آئے اور ہفصدی پنجاہ سوار منصب پایا۔ فرخ سیر کے عہد میں سہ ہزاری اور محمد شاہ کے عہد میں پنج ہزاری منصب پر سرفراز ہوئے۔ عالمگیر کی وفات پر انھوں نے مراد آباد میں سکونت اختیار کر لی تھی۔ شادمان فرخ سیر کے پہلے سال جلوس (۱۱۲۴ھ) میں نواب دلیر جنگ سے مخلصانہ روابط کی وجہ سے لاہور میں مقیم ہو گئے اور آخر وہیں ۱۱۳۵ھ میں فوت ہوئے۔

حاکم ۱۱۲۰ھ میں پیدا ہوئے۔ لاہور میں تعلیم و تربیت حاصل کی۔ شروع سے اشعار پڑھنے کا شوق تھا۔ کبھی کبھی شعر موزوں کر لیتے تھے۔ پھر شاہ آفرین لاہوری سے اصلاح لینے لگے۔

لاہور ہی میں حضرت حاجی محمد شریف خلیفہ شیخ سعدی لاہوری کی خدمت میں سلسلۂ قادریہ میں بیعت کی۔ ملازمت کے سلسلے میں دہلی بھی آتے جاتے تھے۔ خواجہ محمد صادق خان بہادر پسر خواجہ محمد رزاق خان سے دوستانہ روابط تھے اور ان کے ساتھ بے تکلفی سے رہا کرتے تھے۔ انھوں نے حاکم کا دیوان نہایت عمدہ خط میں لکھا تھا۔

حاکم محمد شاہ کے اوائل حکومت میں منصب و خطاب خان سے سرفراز ہوئے۔ اپنی ملازمت کے سلسلے میں نواب صفدر جنگ وزیر الممالک کے ہمراہ دہلی سے صوبہ اودھ میں گئے۔ پھر وزیر موصوف کے ساتھ دہلی میں لوٹ آئے۔ کچھ عرصہ کے لیے شجاع الدولہ کے لشکر میں بھی شامل رہے۔

نواب عبدالصمد خاں بہادر صوبیدار لاہور و ملتان (م - ۱۱۵۰ھ) شادمان خان والد حاکم کے مخلص دوست تھے - شادمان کی وفات کے بعد وہ حاکم کے ساتھ بھی مشفقانہ سلوک کرتے تھے - ایک مرتبہ دیوانِ زکریا خان بہادر نے حاکم کی جاگیر ضبط کر لی - حاکم کی درخواست پر نواب نے خود زکریا خان کو چند سطریں سفارش کے لیے لکھیں - خط پہنچتے ہی متصرفہ جاگیر واپس مل گئی[1] -

۱۱۷۱ھ میں حاکم نے فقیری اختیار کر لی - کشمیر میں اخوند عبدالسلام نقشبندی کی خدمت میں حاضر ہوئے - لیکن وہ بیمار تھے اور کچھ مدت کے بعد وفات پا گئے - حاکم ڈیڑھ سال تک کشمیر میں ٹھہرے - غازی بیگ خاں بخشی اعتماد الدولہ نے ان کے ساتھ بڑا اچھا سلوک کیا - ایک رات ایسا خواب دیکھا کہ دل مضطرب ہوگیا - فوراً اللہ پر توکل کر کے حرمین شریفین کی زیارت کا ارادہ کر لیا - غازی بیگ نے راجہ سکھ جیون سے راہداری لے دی - جموں کے راستے ربیع الثانی کے وسط میں ہوشیار پور پہنچے - سکھوں کے ہنگاموں کی وجہ سے ایک سال تک اپنے عزیزوں کے پاس ٹھہرے رہے - ایک دن ان کے مخلص دوست خواجہ میر کو ان کے حج پر جانے کا ارادہ معلوم ہوا تو اس نے خواجہ عبداللہ خاں بہادر سے سفارش کرکے ان کے مقربین کے گزارے کے لیے یومیہ رقم مقرر کرا دی اور وہ ۱۴ ربیع الثانی کو منزلِ مقصود کی طرف روانہ ہوگئے، اس سفر میں ان کے ساتھ نورالعین واقف اور دو اشخاص کریم اللہ اور حسن شریک ہوئے - حاکم نے اپنے سفر اور زیارتِ حرمین کا حال ایک مثنوی میں بیان کیا ہے جو تذکرہ مردم دیدہ مطبوعہ میں صفحہ ۳ سے ۱۳ تک درج ہے -

حاکم اور واقف ۱۱۷۴ھ کو اورنگ آباد پہنچے اور میر غلام علی آزاد کے ہاں ٹھہرے - آزاد نے ان کی خاطر داری کی - سفارشی چھٹی دی

---

۱ - گلِ رعنا ، شفیق اورنگ آبادی ، قلمی پنجاب یونیورسٹی لائبریری ، مجموعہ شیرانی ، شمارہ ۱۳۹۰ -

اور سورت روانہ کیا۔ واقف تو اپنے عوارض کی وجہ سے سفر سے معذور رہے اور حاکم نے سعادت حج حاصل کی۔ واپسی پر آزاد نے ان کے ساتھ مربیانہ سلوک کیا اور وطن کی طرف مراجعت کے لیے زادراہ مہیا کیا۔ واقف بٹالوی کے تذکرے میں ہم اسی سفر کی صعوبتوں کی تفصیل لکھ آئے ہیں آزاد نے خود خزانۂ عامرہ میں ، واقف اور حاکم کے تذکرہ میں ان دونوں کے ساتھ ملاقاتوں کی روداد درج کی ہے۔

حاکم نے اسی سال یعنی ١١٧٥ھ میں گھر پہنچ کر آزاد کو خط لکھا:

"دوم شوال سال حال بخانپور و ہوشیار پور در موضع بجواره از توابع لاہور نزد اہل و عیال خود رسیدم"[1]

١١٨٢ھ میں واقف نے میر غلام علی آزاد کو ملتان سے خط لکھا اور اپنے احوال و کوائف سے آگاہ کیا اور بتایا کہ وہ اور حاکم دونوں ١١٧٨ھ میں نواب بلند خان بہادر ناظم کشمیر کے پاس کشمیر میں گئے۔ واپسی پر منزل تھٹہ پر حاکم عارضۂ اسہال میں مبتلا ہو کر راہی عدم ہوئے[2]۔

حاکم کو اولیائے کرام کی خدمت میں حاضر ہونے کا بڑا شوق تھا۔ انھوں نے ان بزرگوں کے نام بتائے ہیں جن کی خدمت میں وہ حاضر ہوئے یہ صاحبِ حال بزرگ علوم ظاہری و باطنی سے آراستہ تھے۔ ان میں سے چند کے نام یہ ہیں: شیخ عبدالنبی نقشبندی (شیام چوراسی والے) ، حاجی محمد امین نقشبندی ، حضرت میاں محمد ہاشم ، حاجی عبدالفتاح ، میاں سعداللہ واعظ ، میر حسینی نقشبندی ، حضرت غلام معصوم نبیرہ حضرت مجددالف ثانی ، شیخ عبدالقادر (مدرسہ غازی الدین میں مدرس تھے) ، سید غلام حسن ، حضرت شاہ محمود ، حضرت شاہ غلام نور اور دیگر[3]۔

---

١ - خزانۂ عامرہ ، ص ٢٠٠ ، ٢٠٣ -
٢ - گلِ رعنا ، قلمی ، ص ١١١ -
٣ - مردمِ دیدہ ، ص ٢١٥ ، ٢١٦ -

حاکم بڑے مہذب ، خوش اخلاق ، متواضع اور بہادر و غمگسار تھے - خان آرزو کی خدمت میں وہ کئی مرتبہ حاضر ہوئے - آرزو نے لکھا ہے :

"در عالم اخلاص و پاس آشنائی و حسن اخلاق و تمامی وفاق یکۂ روزگار است -"[1]

میر غلام علی آزاد نے اپنا تأثر بیان کرتے ہوئے بتایا ہے :

عزیز خوش طبع شوخ مزاج است - تاریخ ختنۂ پسر ملا حامد نامی ، "ختنۂ ملا زادہ ، یافتہ" -

ایک مرتبہ حاکم اپنا دیوان بڑے اصرار سے آرزو کے پاس چھوڑ آئے کہ اس پر نظرثانی کر دیں - انھوں نے حاشیے پر بعض جگہ اعتراضات کیے اور اصلاحیں بھی دیں - جب یہ دیوان واپس لاہور پہنچا اور وارستہ سیالکوٹی نے دیکھا جو حاکم کے دوست تھے تو اس نے اعتراضات کے جواب میں 'جواب شافی' کے نام سے ایک رسالہ لکھ ڈالا - اگرچہ حاکم کو یہ اعتراضات ناگوار گزرے اور آرزو کے متعلق بدگمانی کا پیدا ہونا انسانی کمزوری سمجھا جا سکتا تھا لیکن حاکم نے اپنے دل میں ان کے متعلق جذبۂ انتقام نہیں رکھا - ان کی وفات کے بعد ان کے متعلق لکھا :

"فقیر را بآرزو ربط و اخلاص زیادہ از حد بود"

خان آرزو سالار جنگ کے ہمراہ لکھنؤ گئے - علی قلی خان والہ داغستانی اور حاکم وہاں موجود تھے - خوب صحبتیں رہیں - آرزو بھی حاکم کے متعلق اچھی رائے رکھتے تھے - ایک دفعہ حاکم نے محمد یحییٰ خاں خرد کی غزل اصلاح کے لیے پیش کی - خان آرزو نے کہا :

---

۱ - مجمع النفایس ، بحوالہ مردم دیدہ ، ص ۷۰ -

"خود تو چرا اصلاح نمی کنی کہ بمن می نمائی - در تتبع کتب و معلومات کم از من نیستی و این سخن بہزل نمیگویم - بیان واقع است"[۱] -

ایک دفعہ حاکم نے آرزو کے تتبع میں غزل لکھی اور مقطع میں کہا :

گر چنین از فیض خان آرزو گیرد نمک
طرفہ شوری زین غزل حاکم بلاہور افگند

آرزو نے یہ شعر سن کر فوراً کہا :

نیست شعر آرزو را رتبہ ای
گر تو با این ہم پسندی حاکمی[۲]

خان آرزو نے حاکم کی شاعری کے متعلق لکھا ہے :

"کسب فن شعر در خدمت شاہ آفرین نمود - خیلی مشقش رسیدہ و تلاش معنی تازہ دارد - بسیار مضبوط و مربوط گفتہ - عاشق سخن است"[۳] -

حاکم کے اشعار کا انتخاب آرزو نے بھی دیا ہے اور خود حاکم نے بھی مزید اپنے منتخبہ اشعار درج کئے ہیں - اپنے زمانے کی روش کے مطابق اشعار میں نیا سے نیا مضمون پیدا کرنا کمال سمجھا جاتا تھا - حاکم نے بھی کہیں کہیں اپنی نازک خیالی کا ثبوت دیا ہے - مثالیہ اور تجسیم کاری میں بھی اس کی قدرتِ مشاہدہ ظاہر ہے - بیان میں مراعات النظیر اور ایہام کا التزام بھی اکثر موجود ہے - ضرب المثل اور محاورہ کا استعمال بھی نظر

---

۱ - مردمِ دیدہ ، ص ۵۸ -
۲ - ایضاً ص ۵۷ -
۳ - مردمِ دیدہ ، ص ۷۰ -

آتا ہے ۔ حاکم کے مندرجہ ذیل اشعار میں ان تمام خصوصیات کو نمایاں دیکھا جا سکتا ہے[۱] ۔

در خموشی گفتگو ای شوخ مستی در خمار
نیست کار ہیچکس این کار کار چشم تست

نیست معلوم کہ جان داد ز ما دل شدگان
این قدر ہست کہ در کوی تو غوغای ہست

تا نگردد کہنہ داغ عشق کی بخشد فروغ
شمع کم پرتو دہد چون تازہ روشن می شود

بی تعلق تر بود چالاک تر در راہ دوست
پا برہنہ ہر کہ گردیدہ است بہتر می دود

دست از جہان نشستہ بحق در نیاز بود
زاہد وضو نکردہ بفکر نماز بود

بکن ملاحظہ در چاک کردن دل من
کہ این قماش اگر پارہ شد رفو نشود

زندہ در گور بی تو می سوزیم
ہمچو اخگر بزیر خاکستر

---

۱ ۔ تذکرۂ مردم دیدہ ، مجمع النفایس مذکورہ ، سفینۂ ہندی ، بھگوان داس ، پٹنہ ، ۱۹۵۸ ، ص ۵۶ ، ۵۷ ۔

اهل دولت نیز اظهار پریشانی کنند
باوجود زر لباس پاره در بر داشت گل

جز من که کار خویش بدلی وا گذاشتم
نگذاشت کس بدشمن خود کار خویش را

رنجور را ز نقل مکان نیست چاره ای
در کوی او برم دل بیمار خویش را

شیخ در عزلت و نظر بر خلق
لنگ گردید لیک کور نشد

محتسب زد دوش در میخانه مینا بر زمین
شد قیامت ، آسمان افتاد گویا بر زمین

گیرم که زنم بروی گردون خرگاه
یا آنکه فرود بر زمین آرم ماه

من کیستم و چه می کشاید از من
لا حول و لا قوة الا بالله

ز ابلهی مکن اشعار را وسیلهٔ رزق
ببین زمین سخن قابل زراعت نیست

بگذرد از ساق عرشم سر ز فخر
ہر شبی بالیں کنم زانوی تو

در خامشی ہزار سخن می کند ادا
صد آفریں بچشم سخن آفرین تو

تذکرہ مردم دیدہ

یہ تذکرہ حاکم کی تالیف ہے۔ دیباچے میں خود بتاتے ہیں کہ میرے دل میں یہ بات تھی کہ میں شعرائے ماضی و حال کے متعلق تذکرہ مرتب کروں ۔ چنانچہ میں نے اس سلسلے میں دو سو دیوانوں کا مطالعہ کیا ہوگا اور تین ہزار شعراء کے پچاس ہزار اشعار کا انتخاب کیا ہوگا ۔ اشعار کے اس مجموعے کا نام میں نے "انتخاب حاکم" رکھا اور اس فکر میں تھا کہ شعراء کے حالات جمع کروں مگر طبیعت کا ایسا رخ بدلا کہ جذبۂ فقیری غالب ہو گیا اور یہ کام وہیں کا وہیں ادھورا رہ گیا ۔

حج کے بعد وہ ۱۱۷۵ھ میں سورت سے خجستہ بنیاد پہنچے اور تکیہ شاہ محمود میں قیام کیا ۔ وہاں میر غلام علی آزاد بلگرامی سے ملاقات ہوئی ۔ وہاں انھوں نے سراج الدین علی خاں آرزو کا تذکرۂ شعراء مجمع النفایس دیکھا تو ان کا پرانا ذوق پھر تازہ ہوا ۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ میں نے ارادہ کیا کہ جن شعراء کو میں نے دیکھا ہے ان کے احوال و کوائف مجمع النفایس سے لفظ بلفظ لے لوں اور خود ان کے متعلق سال وفات ، جائے بود و باش اور کیفیت معاش کے متعلق مزید معلومات کا اضافہ کروں اور جن شعراء کا تذکرہ آرزو نے عمداً نہیں لکھا یا ان کے متعلق ان کے پاس اطلاعات نہیں تھیں ، ان کے حالات کا اضافہ کروں ۔ چنانچہ آزاد کے ارشاد کے مطابق اس تذکرے کا نام 'مردم دیدہ' رکھا اور اسے دو ابواب میں تقسیم کیا ۔ آزاد نے اس تذکرے کی تاریخ و توصیف

میں مندرجہ ذیل رباعیاں لکھیں :

سخن پرداز خوش تحریر حاکم
مرتب ساخت تالیف گزیدہ
بذکر شاعران دیدہ پرداخت
شنیدہ کی بود مانند دیدہ

حاکم خطہ معنی حاکم
کرد نو تذکرہ ای را تصنیف

سال تاریخ رقم کرد آزاد
تازہ تالیف ہمایون لطیف

حاکم اس تذکرے کی تالیف میں آزاد کے مرہون منت نظر آتے ہیں چنانچہ وہ تذکرے کے اختتامیے میں لکھتے ہیں :

" این نسخہ محض بتوجہات باطنی و ظاہری حقائق و معارف آگاہ فضیلت و کمالات پناہ ، مشفق سراپا کرم صاحب ذہن وقاد سید غلام علی آزاد بلگرامی سلمہ اللہ تعالیٰ باتمام رسید وگرنہ از من ہیچ مدان بی زبان چہ شود"

باب اول میں ۸ شاعر ہیں جن کے متعلق آرزو نے مجمع النفایس میں لکھا ہے اور حاکم نے مجمع النفایس سے نقل کرنے کے بعد ان شعراء کے متعلق نئی معلومات کا اضافہ کیا ہے اور ان کے کلام پر تبصرہ پیش کیا ہے ۔ باب دوم میں ان ۵۸ شعراء کا ذکر ہے جن کو آرزو نے اپنے تذکرے میں شامل نہیں کیا ۔ یہ سب وہ شعراء ہیں جنھیں حاکم نے خود دیکھا اور ان سے ملاقات کی ۔

اس تذکرے میں وہ شعراء شامل ہیں جن کا تعلق پنجاب خاص

طور پر لاہور ، کشمیر ، ملتان ، دہلی ، اورنگ آباد ، سورت اور لکھنؤ سے تھا ۔ ان شعراء میں امراء ، رؤسا ، عالی منصب حکام ، علماء اور فقرا شامل ہیں ۔ تذکرے میں صرف شعراء کے احوال و سوانح اور کلام کا انتخاب ہی پیش نہیں کیا گیا بلکہ اس میں اس دور کی علمی و ادبی مجالس اور اہل ادب و اہل سخن اور اہل ثروت کے ادبی و شعری ذوق کے متعلق بھی اشارات ملتے ہیں اور ادبی فضا کی جھلک نمایاں ہوتی ہے ۔

مؤلف کے زمانے میں مشاعروں کی محفلیں جمتی تھیں ۔ طرحی غزلیں کہی جاتی تھیں ۔ شعراء ایک دوسرے سے مسابقت میں اشعار پڑھ کر سناتے تھے ۔ اشعار کے محاسن و معایب پر گفتگو ہوتی تھی ۔ مربیان سخن خود شاعر و نقاد تھے، اس لیے عالی پایہ اشعار ہی تحسین و آفرین کے لائق قرار پاتے تھے ۔ لاہور میں آفرین ، رائج اور واقف استاد مانے جاتے تھے ۔ دہلی میں بیدل اور آرزو کا سکہ چلتا تھا اور دکن میں آزاد نامو استاد مانے جاتے تھے۔ ان اساتذہ کے بے شمار شاگرد تھے جن کے دم قدم سے محافل سخن میں رونق تھی ۔

حاکم عاشق سخن تھے۔ اشعار کا دقیق مطالعہ کیا تھا ۔ شعر کہنے میں خود بھی مشق کی تھی ۔ اساتذہ کی صحبت میں بیٹھے تھے۔ مشاعروں میں نقد و نظر کے مسائل سے بھی آشنا تھے ، اس لیے ان کا حاسہ انتقاد بھی گہرا شعور لیے ہوئے تھا ۔ شعراء کے کلام کے متعلق بڑی متوازن رائے دیتے ہیں ۔ اشعار کے استحسان میں بعض بہت اچھے نکات سامنے لائے ہیں ۔

کتاب میں تاریخی واقعات کا بھی ذکر ملتا ہے ۔ بہادر شاہ سے لے کر محمد شاہ کے دورِ حکومت تک سلاطین تیموری کے نسب و عزل کے واقعات مندرج ہیں ۔ وزراء اور ناظمانِ صوبہ کے کارہائے نمایاں کا بھی ذکر ہے ۔ سیاسی رقابتوں کے متعلق اشارات بھی اخذ کیے جا سکتے ہیں ۔ بعض معاصر سیاسی شخصیتوں کے خد و خال بھی نمایاں نظر آتے ہیں ۔ حملہ

نادر شاہ اور سکھوں کے تاخت و تاراج کی طرف بھی اشارات ہیں ۔ صوبوں کے نظم و نسق کی کیفیت پر بھی روشنی پڑتی ہے ۔ اس زمانے میں سفر کی دشواریوں اور راستے میں چوری اور رہزنی کے واقعات کا بھی علم ہوتا ہے ۔

اگرچہ علم و فضل کی قدر و منزلت تھی لیکن شاعر عموماً اقتصادی بدحالی کا شکار تھے ۔ صرف وہ شاعر فکر معاش سے قدرے مطمئن تھے جن کو بادشاہ ، امراء ، رؤسا اور حاکم کی سرپرستی حاصل تھی ۔

یہ تذکرہ ادبی اہمیت کا بھی حامل ہے ۔ اس کے توسط سے بعض ایسے شعراء کے نام و کلام کا تعارف ہو گیا ہے جن کا ذکر دوسرے تذکروں میں نہیں ۔ اس کتاب کی وساطت سے تقریباً پچاس سال کے عرصے میں ادبی رجحانات اور شعری اسالیب کا اندازہ کرنے میں مدد مل سکتی ہے ۔ اس تذکرے کا اسلوبِ نگارش بھی تذکرہ نگاری کے لیے موزوں ہے مصنف نے شعراء کے وطن و منشا اور سالہائے وفات لکھنے کا بھی التزام کیا ہے ۔ زبان پرتکلف و مصنوع نہیں ۔ طرزِ انشا محکم اور مستقیم ہے ۔

——:o:——

دلشاد پسروری

دل محمد نام تھا - دلشاد تخلص - پسرور میں پیدا ہوئے - پسرور کا نام ان کے زمانے میں پرسرور تھا ، جیساکہ دلشاد کے اشعار میں مذکور ہے ، مثلاً :

شہر ما پرسرور می گویند
کان علم و شعور می گویند

اس کی نجی زندگی کے متعلق بہت کم معلومات حاصل ہو سکی ہیں - بعض اطلاعات اس کے کلام سے اخذ ہوئی ہیں مثلاً اس کا اور کوئی بھائی نہیں تھا :

چہ کشید از برادران یوسف
شکر للہ مرا برادر نیست

اس کے ہاں ایک بیٹا ضرور تھا جس کا نام اس نے اخلاص رکھا :

در جہان بسکہ باولاد مرا دوستی است
نام فرزند نہادیم بدوران اخلاص

اس نے متداولہ علوم حاصل کیے ، اُس کے متعلق لکھا ہے :

از علم شعر و منطق و فقہ و سلوک و اخلاق
دارد تمام لیکن دلشاد زر ندارد

اس کے سال ولادت اور سال وفات کے متعلق مستند معلومات حاصل نہیں روزنامہ امروز مورخہ ۱۷ اپریل ۱۹۶۹ء میں دلشاد کے مزار کا فوٹو

شائع ہوا تھا۔ اس کے تعارف کے ساتھ دلشاد کا سال وفات ۱۷۷۶/۱۱۹۰ھ درج تھا[1]۔ ہمیں اتنا ضرور معلوم ہے کہ اس نے لمبی عمر پائی۔ وہ اپنے بڑھاپے کا ذکر کرتے ہیں اور اس سے تنگ ہیں۔ ایک جگہ لکھا ہے۔

میرم از پیری بیا دلشاد من، نام خدا (ص ۳۴)

اس کے کلام میں معاصر واقعات کی طرف اشارے ملتے ہیں۔ اس نے ہم‌عصر سلاطین، وزرا، امراء اور دیگر اشخاص کی مدح میں اشعار کہے ہیں ان سے اتنا تو یقینی طور پر معلوم ہوتا ہے کہ وہ ۱۱۵۱ھ ۱۱۸۳ھ تک کے عرصے میں زندہ تھا۔ ۱۱۵۱ھ میں نادر شاہ نے دہلی میں قتلِ عام کیا۔ دلشاد اس طرف یوں اشارہ کرتا ہے:

قتل عام است در جہان آباد
آخر این غمزہ تو نادر نیست

خرم خان، احمد شاہ درانی کی طرف سے ۱۱۸۳ھ میں دوسری مرتبہ کشمیر کا صوبیدار مقرر ہوا۔ دلشاد نے اس کی آمد کے متعلق لکھا:

چون گل از باد صبا کشمیریان خرم شوند
بانشان سبز رنگین فوچ خرم خان رسید (ص ۱۵۷)

دلشاد کے کلام سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا شاعری ان کا پیشہ تھا۔ وہ ہر حاکم، صوبیدار، دیوان کی آمد پر اشعار لکھتا ہے۔ اسے خوش آمدید کہتا ہے۔ ممکن ہے اسی طرح انعام و اکرام کے طور پر مدد معاش کے لیے کچھ مل جاتا ہو۔ چودھری ایزد بخش کے ہاں بچہ پیدا ہونے پر اس نے غزل میں ہدیۂ تبریک پیش کیا تو اسے گھوڑی اور بچھڑا انعام میں ملا۔

۱۔ دیوان دلشاد پسروری، مرتبہ غلام ربانی عزیز، لاہور، ۱۹۷۰، مقدمہ ص ب۔

مرا چو مادیۂ کرہ دار بخشیدی
بہ پشت زین و بمادر پسر مبارکباد (ص ۱۵۰)

دلشاد شیخ عبدالقادر جیلانی سے گہری عقیدت رکھتے تھے۔ جابجا اپنے اشعار میں ان کی منقبت بیان کی ہے اور ان سے رفع حاجات کے لیے مدد مانگی ہے۔ حضرت علی ، حضرت حسین اور پنج تن پاک کے ساتھ اپنی ارادت و محبت کا اظہار بھی کیا ہے۔

ذکر مدح پنجتن داریم ورد پنج وقت (ص ۳۳)

لیکن ساتھ ہی خلفائے راشدہ کی مدح میں بھی اشعار کہے ہیں۔ مثلاً یہ مصراع دیکھیے :

شگفتہ شد ز دم چار یار غنچۂ دل (ص ۱۳۹)

چونکہ اکثر حضرت علی اور اہلِ بیت کی مدح میں اشعار کہے ہیں۔ اس لیے گمان گزرتا ہے کہ ان کا مسلک اہل تشیع کا ہوگا۔ وہ مہدی زمان کا بھی انتظار کرتے ہیں جو آشوبِ زمانہ سے نجات دلائیں گے :

جز مہدی زمان کہ رہاند ازین عذاب (ص ۹۰)

دلشاد کو صوفی بزرگوں سے بھی عقیدت تھی۔ گجرات کے بزرگ درویش شاہ دولہ اور پسرور کے شاہ برخودار کی تعریف و توصیف میں ہدیۂ عقیدت پیش کیا ہے۔

دلشاد نے ایک شعر میں اشارہ کیا ہے کہ اس نے علم سلوک بھی حاصل کیا ہے لیکن ان کے موجودہ غیر مکمل دیوان میں تصوف و سلوک کی بہت کم باتیں ہیں۔ شروع کی غزلیات میں ایک شعر ایسا ملا ہے جس میں وہ اپنی فنا فی الہی کی طرف اشارہ کرتے ہیں اور اپنی نیستی اور خود شکستگی کا ذکر کرتے ہیں :

وای دلشاد ، ای فنا نی الله یحیی لایموت
چون نسازی مردہ جسم ناتوان خویش را (ص ۱۷)

دلشاد نیک دل اور درد مند نظر آتے ہیں ۔ وہ دوسرں کو ایسے اخلاق ذمیمہ سے بچنے کی تلقین کرتے ہیں جن سے معاشرے میں فساد پیدا ہوتا ہے ۔ ایک پوری غزل میں انھوں نے نصیحت کی ہے کہ جھوٹ نہ بولو ، دوسروں کے عیب نہ نکالو ، زبان پر قابو رکھو ، غیبت نہ کرو ، شراب ، بھنگ ، پوست اور حقہ پینے سے پرہیز کرو :

عیب کسی چو آئینہ ہرگز برو میار (ص ۱۹۳)
غیبت مکن کہ ذلت و خواری است حاصلش (ص ۱۹۳)

وہ قرآنی آیات کے فیض و برکت کے قائل تھے چنانچہ اسی متذکرہ صدر غزل میں انھوں نے اس عقیدہ کے اظہار میں دو اشعار کہے ہیں :

ع گرد تو من ز آیت کرسی کشم حصار

خوانم ہمیشہ سورۂ یاسین برای خویش
تاچند دارم از ملک الموت انتظار (ص ۱۹۳)

تصانیف

۱ ، **دیوان** : دلشاد کے دیوان کا ایک نامکمل نسخہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں موجود ہے ۔ اس میں ردیف عین تک کی غزلیات موجود ہے ۔ اس نسخے کی بنا پر ادارۂ تحقیقات پاکستان دانشگاہ پنجاب ، لاہور کی طرف سے پروفیسر غلام ربانی عزیز نے ترتیب و تصحیح کے بعد ۱۹۷۰ء میں اسے شائع کیا ہے ۔

محمود نامہ : دیوان کے ساتھ ہی نسخہ خطی میں محمود نامہ کے

عنوان سے پینتیس غزلیں موجود ہیں - ہر حرف تہجی کے تحت ایک ایک غزل ہے - ج ، س اور گ کے تحت دو دو غزلیں ہیں ،

دیوان کے مرتب نے ایک نعتیہ غزل پروفیسر احمد حسین قلعداری کے توسط سے حاصل کرکے آخر میں شامل کر دی ہے -

۳ - **انتخاب خلاصۃ التواریخ** : دلشاد نے خلاصۃ التواریخ مؤلفہ سجان رای بھنڈاری کا انتخاب کرکے اس میں دیباچے کا اضافہ کیا ہے - اس کا ایک نامکمل نسخہ ڈاکٹر محمد باقر سابق پرنسپل یونیورسٹی اورئینٹل کالج لاہور کے پاس موجود ہے - اس پر تفصیلی نوٹ الگ لکھا گیا ہے -

۴ - **اشعار ہندی (اردو)** : دلشاد نے اردو میں بھی شعر کہے ہیں جیسا کہ اس نے خود اس کی طرف اشارہ کیا ہے :

ع گذاشتیم بہر گوش شعر ہندی خویش (ص ۳)

حافظ محمود شیرانی نے اس کی دو اردو غزلیں تلاش کرکے محفوظ کی ہیں[1] -

شاعری

دلشاد کی شاعری کی کل کائنات غزلیات ہیں - غزلیات روائتی انداز لیے ہوئے ہیں - قدیم شعرا میں سے اس نے اپنے اشعار میں حافظ (ص ۳ ، ۴ ، ۱۴ ، ۵۰) ، سعدی ، (۴) فغانی (۲۹) ، صائب (۳۳) ، اوحدی (۹۲) ، عرفی (۱۹۶) ، جلال اسیر (۶۹) اور معاصرین میں سے واقف (۲۶ ، ۳۰ ، ۳۷ ، ۵۳) اور آفرین (۱۰۱) کا احترام سے ذکر کیا ہے اور ان میں سے بعض کے مصرعوں کو اپنا لیا ہے - کتابوں میں سے گلستان ، بوستان اور مثنوی معنوی کی تعریف کی ہے - مثنوی کے متعلق لکھا ہے :

---

۱ - پنجاب میں اردو ، محمود شیرانی ، مرتبہ وحید قریشی ، لاہور ۱۹۶۳ ، ص ۳۷۸ ، ۳۷۹ -

خالق شش جہات را خواہی اگر نشان عیان
دفتر مثنوی بخوان ، یک دوسہ چہار پنج و شش (ص ۲۰۳)

غزل کا اسلوب عموماً سادہ و رواں ہے لیکن کہیں کہیں مراعات النظیر ، تجانیس اور ایہام سے بھی کام لیا ہے مثلاً

سودۂ سنبل زلف است علاج دل ما
کہ بسودای بتان درد کند شانۂ ما (ص ۵)
سیہ دلان چو نمودند چین پیشانی
ز دم بخاک ز غیرت دواست چینی را (ص ۸)

روائتی مضامین میں کمر و دہن کی باریکی کو عدم و ہیچ و راز کہا ہے ، محبوب کی بے اعتنائی ، بے رخی اور سخت دلی کا اکثر جگہ ذکر ہے ۔ تلمیحات میں یوسف و زلیخا اور یعقوب کا جا بجا استعمال ہے ۔ کہیں کہیں لیلی و مجنون کے حوالے بھی موجود ہیں ۔ دلشاد کے کلام میں یہ چیز دوسرے شعراء کے مقابل میں مابہ الامتیاز ہے کہ وہ اپنے زمانے کے واقعات و کوائف کو تمثیل و تشبیہ کے طور پر استعمال کرتا ہے ، مثلاً

اشک چشم خود بدست خود ہمی سازیم پاک
صوبۂ پنجاب زیر آستین داریم ما
عالم از شیرین کلامیہا مسخر کردہ ایم
دردرانیم از قندھار می آئیم ما

دلشاد کا دیوان فارسی اس لحاظ سے منفرد ہے کہ اس میں اس زمانے کے سیاسی واقعات کی طرف واضح اشارے ملتے ہیں ۔ حکامِ سلطنت کے نظم و نسق پر تبصرہ اور شہروں ، بستیوں اور صوبوں کی سیاسی ، معاشی مذہبی اور معاشرتی زندگی کی جھلکیاں دکھائی دیتی ہیں ۔ مثلاً اس عہد میں سکھوں کی طاقت آزمائی ، غارت گری اور ظلم و تشدد کے خلاف جو

خوف و ہراس پایا جاتا تھا ، دلشاد نے اس کے متعلق اپنے نفرت آمیز تاثرات کا اظہار کیا ہے اور سکھوں کی تباہی و بربادی کے لیے بد دعا کی ہے :

الٰہی قطع ہستی کن سکان گرگ تازان را
زلا مقراض سیگردان سراین مو درازان را (ص ۷)

ع موذیان کردہ ہجوم ای شہ دولہ فریاد

ع بکن بیرون ز پنجاب این شرار فتنہ سامان را

اس دور کا دوسرا اہم سیاسی واقعہ احمد شاہ درانی کے حملے تھے جن سے سارے پنجاب کا امن تہ و بالا ہوا اور امن پسند شہری آئے دن کی فوج کشیوں سے روندے گئے ۔ دلشاد کہتا ہے :

امن در پنجاب وقت دُر دران ، یا نصیب (ص ۳۶)

حق نگہدارد جہان از لشکر درانیان (ص ۲۰۹)

فغان از آمد و رفت قشون افغانی

شد چو پرتاب از غم درانیان مارا حواس
آخر ابن پنجاب ز افغان یاد کابل کرد و ریخت (ص ۹۸)

راجہ جموں (رنجیت دیو) کی سنگدلی اور ظلم و تشدد کے متعلق اظہار خیال کیا ہے۔

گریہ را نیست اثر در دل راجہ جموں
سبزہ برسنگ نروید چہ گنہ یاران را (ص ۱۹)

ایک اور غزل میں راجہ کی ہوس مال گیری پر طنزیہ دعا دیتے ہوئے لکھتا ہے:

عاقبت دولت سرای راجۂ رنجیت دیو
خانہ آبادان! نمیگردد پُر از افلاس ما

اس کے عہد میں مسلمانوں کو مذہبی آزادی نہیں تھی:
خانۂ مذہب پنجاب خرابست اینجا (ص ۳٦)

بسکہ منع است درین شہر اذان جمعہ
نکند گوش کسی نالۂ بیکاران را (ص ۱۷)

عمال کی سخت گیری کے متعلق تنقید کی ہے اور بتایا ہے کہ انھوں نے عبادت گاہوں اور خانقاہوں تک کو ضبط کر لیا ہے:

ضابطانت در پی ضبط فقیران تاختند
ضبط کردہ دھرمسال و تکیۂ ومداس ما

در تقاضای چہارم ھای ، این قصاب ھا
وضع میخواہند پای چارمین از راس ما (ص ۴۳)

دلشاد نے ایک اور غزل میں اپنے وقت کی معاشرتی ابتری ، نسلی برتری اور مذہبی افراتفری کا پورا نقشہ کھینچا ہے۔ اس کے چند اشعار قابلِ یادداشت ہیں:

ہر خان کہ بہ پنجاب درین دور زمان است
خوان است بگفتن ، نہ درو گردۂ نان است

ز اولاد علی گوید و الله اعلم
ہر کو ھکر ہند کہ در ذات عوان است

از درد فروشان کہ بہر پیشہ عیارند
شیخی کہ بود ککہ زهی ، پیر فغان است

ہر بشتہ و ہر شہر دو صد غول بیابان
از نوشہیان ، پشت زمین پر ز شہان است

در مذہب عدلی ہمہ نانک مشرب
ہر خانہ ازین مزدکیان صاحب خان است

سر رفت مغل را بگو صورت غل ماند
در ملک ہزارا نہ سری از مغلان است

سید کہ بہند آلِ نبی خواند خود را
سب ، از پی اصحاب جد خود ، بزبان است

دلشاد کے وہ اشعار بھی قابلِ اہمیت ہیں جن میں اس نے تاریخی و جغرافیائی معلومات کی طرف اشارے کیے ہیں خاص طور پر اپنے شہر پسرور ، سیالکوٹ اور نواحی شہروں کی خصوصیات کا ذکر کیا ہے۔ پسرور کے متعلق اس نے بتایا ہے کہ وہاں دو تالاب ہیں (ص ۲۷) ۔ تال آب شش پہلو ہے (ص ۱۷) ۔ اس کا پانی نمکین ہے :

دلشاد ، پر سرور تو دارد نمک در آب (ص ۵۳)

پر سرور میں سید جلال اور امام برخوردار کے مزار ہیں ۔ ماکھو وال کی آب و ہوا سخت خراب ہے ۔ ڈیرہ نانک ، مدن خیل کی آب و ہوا خوشگوار ہے :

براوی آب خوش میکشد دل مارا
ہوای دیرۂ نانک ، سر مدن خیل است

سیالکوٹ کو سالکوت لکھا ہے (ص ۱۰۶) - حاجی نوشہ کے مزار کے متعلق لکھا ہے :

مزار حاجی نوشاہ مظہر نور است
کہ بر کنارۂ چیناب کعبہ معمور است (ص ۸۸)

پرسرور کے متعلق اس کی غزل کے یہ اشعار قابل یادداشت ہیں :

شہر ما پرسرور میگویند کان علم و شعور میگویند
بی تکلف سواد آبادیش تا لب آب شور میگویند
اہل اخبار ہند تاریخش اول از لاہوور میگویند
شکر فیاضی دو تالابش مردم و مرغ و مور میگویند
تیغ مردانش دیدہ بد خواہاں موجۂ آب شور میگویند
بر مزار امام برخوردار طرفہ بزم حضور میگویند
زین ولایت کجا روم دلشاد شہر دہلی است دور میگویند

دلشاد نے اپنے کلام میں کسی جھجھک کے بغیر مقامی (ہندی یا اردو) الفاظ استعمال کیے ہیں - مقامی اصطلاحات کے متعلق تو معذرت پیش کی جا سکتی ہے کہ ان کے مقابل میں فارسی لغات موجود نہیں - لیکن دوسرے محاورات کے متعاق کوئی توجیہ نہیں کی جا سکتی - مثلاً یہ الفاظ و محاورات دیکھیے :

کشت دادن (ص ۷) ، شامیانہ (ص ۲۳) ، تالاب (ص ۶۲) ، پرکارہ (ص ۹۷) ، صاحب سلامت (ص ۱۰۵) ، مغروری (ص ۱۰۵) ، خدا خیر کند (ص ۱۳۳) ، حقہ (۱۵۵) دوسرے الفاظ کی مثالیں بھی دیکھ لیجیے -

دھرم سال ، تکیہ ، ارداس (ص ۳۴) ، آنہ (ص ۱۲۳) بیرۂ پان (۱۲۵)

اشنان (۱۰۳) ، جگجگ (محمود نامہ ، ص ۲۲) ۔ وغیرہ

دلشاد نے نادر شاہ کا قتل عام ، سکھوں کی غارت گری ، احمد شاہ ابدالی کی تاخت و تاراج و خونریزی دیکھی ۔ حکام و عمال کی سخت گیری و زبردستی برداشت کی ۔ امن و سکون کی بربادی سے اس کا دل متاثر ہوا ۔ اس لیے بھی اس کے کلام میں سوز دروں کا اظہار آشکار ملتا ہے ۔ محبوب کے فراق میں جو اس نے غزل لکھی ہے اس میں اس کے دل کا گداز واضح ہے ۔ زمانے کے حالات پر تبصرہ کرتے ہوئے اس نے جس غزل میں اپنے افکار و تاثرات کا اظہار کیا ہے ، وہاں بھی اس کا اخلاص جھلکتا ہے ۔ اس قسم کے اشعار کے متعلق وہ کہتا ہے :

دو سہ مصراع کز دلشاد سر زد
همین بود از جگر باقی دو سہ لخت (ص ۱۰)

اپنے متعلق کہتا ہے :

ما شاعریم حالی و آشفتہ حال ماست

ہم ذیل میں دو غزلوں کے چند اشعار نقل کرتے ہیں جو اس کی نمائندہ غزلیں شمار ہونے کے قابل ہیں ۔ سوز دروں کے ساتھ کلام پر اس کی گرفت بھی واضح ہے :

بی تو ویران شدم ، ای خانہ ات آباد ، بیا
گر رہ داد نیابی سر بیداد بیا
سرگران گشتہ سبک بهرچہ برخاستہ ای
ای کہ چون بوی زگل رفتی و چون باد بیا
جا توان کرد زگرمی بدل سخت دلان
چون شرر در رگ سنگ و دل فولاد بیا

بی تو ام از در و دیوار فغان می جوشد
ہمی بیا، ہای بیا ، نالہ و فریاد بیا
بی تو از شیشہ دل خون جگر می ریزد
می پر زور بیا ، شوخ پریزاد بیا
کشور و ملت و دین بی تو خراب افتادہ است
پیر دلشاد بیا ، قبلۂ دلشاد بیا

ای عزیزان مرا خبر گیرید دل ز دستم فتاد ، بر گیرید
از تپش مردم آہ سخت دلان یک زمانم ز بال و پر بگیرید
یار تیغی کشیدہ می گوید گر ندارید دل بسر گیرید
سوختم چون سپند پیش شما ہای ہم صحبتان اثر گیرید
آہ دنیا بکس نکرد وفا این سخن را باب زر گیرید
عشقبازی ز شمع آموزید تن گدازید و ترک سرگیرید
خبر از راز بر و بحر جہان از لب خشک و چشم ترگیرید
زاہدان ریش و شملہ چون دلشاد
ہرچہ گیرید مختصر گیرید

دلشاد کے بعض اشعار و مصرعے سہل ممتنع کا درجہ رکھتے ہیں۔ مثلاً :

گر در آبی بپرسشم وقت است
بندہ امروز سخت بیمار است (ص ۷۵)
بندہ پرور جانب بالا نگاہ (ص ۷۸)

انتخاب خلاصہ التواریخ

اس کتاب کا ایک قلمی نسخہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں شمارہ ، Pe I پر موجود ہے۔ اسے بشریٰ شفیع ایم۔ اے نے تصحیح متن

و تعلیقات کے ساتھ مرتب کیا تھا ۔ اس نسخے کا متن اس منفرد نسخے پر مبنی ہے جو ڈاکٹر محمد باقر سابق پرنسپل اورینٹل کالج لاہور کے شخصی کتاب خانے میں موجود تھا ۔ یہ نسخہ استاد محترم نے خود اپنی نگرانی میں اپنی شاگرد سے مرتب کروایا تھا ۔ مرتب نے مقدمہ میں لکھا ہے کہ جب ڈاکٹر محمد باقر امریکہ چلے گئے تو بقیہ کام ڈاکٹر محمد اکرم کی نگرانی میں مکمل ہوا ۔

اس نسخے کے کل ۶۳ برگ ہیں ۔ ۶۲ سے ۶۳ میں شہاب الدین غوری سے لے کر عزیزالدین بن معز الدین تک کے تیموری بادشاہوں کے نام اور مدت حکومت درج کر کے ان کے سکوں پر مندرجہ اشعار لکھے ہیں ۔ یہ کتاب دلشاد پسروری کی تالیف نہیں کہی جا سکتی ۔ اس نے خلاصۃ التواریخ مؤلفہ سجان رائے کی پوری پوری عبارات نقل کی ہیں ۔ وہ اسے انتخاب کہتا ہے ۔ اس کے اپنے الفاظ یہ ہیں ۔

"للہ الحمدکہ انتخاب این نسخہ خلاصۃ التواریخ کہ اصلش تاھمین جا بود بسر انجام رسید" ۔ (ص ۳۴۷)

دلشاد نے اس کتاب کے شروع میں دیباچے کا اضافہ کیا ہے جس میں انبیاء کے حالات اور کائنات ، تخلیق کائنات اور مسلمانوں اور ہندوؤں کے نقطۂ نظر سے مدت کائنات کے متعلق معلومات درج کی ہیں ۔ اس دیباچے کا اہم حصہ وہ ہے جس میں دلشاد نے اپنے وطن پرسرور اور نواحی قصبوں کی وجہ تسمیہ ۔ جغرافیائی اور تاریخی معلومات درج کی ہیں ۔ وہ بتاتا ہے کہ چونڈۂ اصل میں چاروانڈہ تھا ۔ کیونکہ اس میں چار قوموں کی سرداری قائم تھی ۔ غالب دلاور کے تین بیٹوں یعنی ظفر نے ظفر وال ، سدھاری نے سودھرہ اور نارسنگھ نے نارووال آباد کیا ۔

دلشاد دیباچے میں خود لکھتا ہے کہ میں نے ہندو کی لکھی ہوئی کتاب میں نعت رسول اور ذکر انبیا کا اضافہ کر کے گویا اسے مسلمان کیا

ہے - اس کے اپنے الفاظ یہ ہیں :

"نعت مبارک محمدی صلی اللہ علیہ و آلہ و سلم و برخی بتواریخ بعض انبیاء علیہم الصلوۃ و السلام بطریق اجمال در سنہ ۱۱۸۲ھ بطریق خطبہ لا حق این کتاب ساخت و مزین بمسلمانی گردانید" -
(ص ۹)

دلشاد نے اگر خلاصۃ التواریخ کو کسی مقصد کے لیے نقل کیا تو اس نے سجان رای کا دیباچہ بھی نقل کیا جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ اپنی کوئی کتاب تالیف نہیں کر رہا بلکہ خلاصۃ التواریخ نقل کر رہا ہے - دیکھیے صفحہ ۱۸ ، ۱۹ جہاں سجان رائے نے لکھا ہے کہ اس کا نام خلاصۃ التواریخ رکھا - دو سال میں مکمل کی - عالمگیر کے چالیسویں سال حکومت یعنی ۱۱۱۲ھ سال تکمیل ہے" - یہاں دلشاد نے سال ہجری غلط لکھا ہے - اصل میں ۱۱۰۷ھ بنتا ہے -

اس کتاب کے مرتب و مصحح نے مطبوعہ خلاصۃ التواریخ سے بھی متن کی تصحیح میں استفادہ کیا ہے - لیکن دونوں کی عبارات یکساں ہونے کے باوجود مرتب کو شک نہیں ہوا کہ یہ کتاب خلاصۃ التواریخ کی نقل ہے اور وہ اسے دلشاد کی کوئی تالیف سمجھتے رہے اور انھوں نے پاورق میں نسخہ بدل لکھنے اور تعلیقات اضافہ کرنے کی زحمت گوارا کی -

دلشاد نے کتاب نقل کرتے کرتے دو ایک جگہ اپنے اشعار داخل کیے ہیں - مثلاً صفحہ ۱۳۷ پر وہ لکھتا ہے :

"چنانچہ بیت دلشاد پسروری کاتب این تواریخ شاہد است" -

شنیدم مخرجش ازکوہ چین است - ازان چناب نامش بر زمین است (؟)

ایک جگہ مقامی زبان کے دو شعر نقل کیے ہیں :

انب کے گر پیڑ کوں مولا کہوں تو ہے بجا
جس کی شاخاں میں لٹکتے ہیں ہزاروں انبیا

یاد حق کی سوں نہ دل پھولا کرے
انبیا سوں انب جب مولا کرے

—:o:—

انند رام مخلص[1]

انند رام سیالکوٹ کے گاؤں سودھرہ میں ۱۱۱۱ھ میں پیدا ہوئے۔ ان کے آباء و اجداد سلاطین تیموری کے درباروں میں جلیل القدر وزراء و حکام کے وکیل اور منصبدار تھے۔ ان کے دادا گج پت رائے، اسد خان وزیر اور میر یحیی ذوالفقار خان بہادر کے وکیل تھے۔ ان کے والد راجہ ہردے رام، اعتماد الدولہ محمد امین خان بہادر نصرت جنگ وزیر اعظم محمد شاہ کے وکیل تھے۔ ان کے چچا راجہ دیا رام محمد شاہ کے معتمد امرا میں شمار ہوتے تھے۔

انند رام نے رواج کے مطابق مناسب تعلیم حاصل کی۔ زمانۂ طالب علمی سے ہی الفاظ و محاورات زبان کی تحقیق کا شوق تھا۔ شعر گوئی اور شعر فہمی کا ذوق خدا داد تھا۔ ادبی ماحول نے اسے اور بھی جگمگایا۔ ان کی تربیت رئیسانہ خاندانی ماحول میں ہوئی۔ ٹھاٹھ باٹھ مغلیہ امرا کی طرح تھی۔

وہ ۱۱۳۲ھ میں اعتماد الدولہ کے وکیل مقرر ہوئے اور اس کے دمِ واپسیں تک یعنی ۱۱۶۱ھ تک اس عہدے پر فائز رہے۔ ۱۱۵۳ھ میں انھیں رای رایاں کا خطاب ملا اور یک ہزار پانصدی ذات اور دو صد سوار کا منصب عطا ہوا۔ وہ سیف الدولہ زکریا خان (م - ۱۱۵۸ھ)

۱۔ ہمیشہ بہار، ریاض الشعرا، قلمی برگ ۴۷۳، تذکرہ نتائج الافکار ص ۲۶۰، نشتر عشق، عقدِ ثریا، انیس العاشقین، سفینۂ خوشگو، ص ۳۲۱ مقالات الشعرا، مؤلفہ قیام الدین حیرت، ص ۸۰، سفینۂ ہندی، بھگوان داس ص ۱۹۶، ۱۹۷، مجمع النفایس قلمی برگ ۳۵۱، خزانۂ عامرہ، ص ۴۲۵ گلِ رعنا، قلمی برگ ۱۲۰۔

صوبیدار لاہور کے بھی وکیل تھے ۔ اعتمادالدولہ کی وفات یعنی ۱۱۶۱ھ کے بعد معلوم نہیں کہ وہ کس امیر و حاکم کے ساتھ وابستہ رہے ۔ ۱۱۶۴ھ میں دمے کے مرض سے ان کا انتقال ہوا ۔ تذکرۂ نتائج الافکار میں سالِ وفات ۱۱۴۰ھ لکھا ہے جو غلط ہے ۔ انیس العاشقین میں مندرج ہے کہ "درفتنہ قہرمان ایرانی در دہلی کشتہ شد ۔" یہ بھی غلط ہے ۔

ان کا جسم بھاری بھرکم تھا ۔ بینگن کا بھرتہ ، دو پیازہ ، کھچڑی ان کی پسندیدہ غذائیں تھیں ۔ قہوہ مرغوب تھا ۔ پان و حقہ ان کے دائمی رفیق تھے ۔ وہ آم و اچار کے رسیا تھے ۔ نفاست پسند تھے ۔ دوپہر کا قیلولہ ان کی عادت تھی ۔ لیکن سفر میں تکلیف برداشت کرنے اور روز مرہ کے معمولات درہم ہونے سے نہیں گھبراتے تھے ۔ چونکہ دربار اور امرائے دربار و حکام سے ان کے مراسم تھے اس لیے اکثر لوگوں کی حاجت برآری کے لیے سفارش کرتے ۔ اپنے استاد سراج الدین علی خان آرزو کو دربار سے خطاب اور جاگیر دلوائی ۔ دوستوں کے دوست تھے ۔ اپنے تخلص کی مناسبت سے واقعی مخلص تھے ۔ اپنے بھائیوں اور اپنے بیٹوں سے بہت محبت تھی ۔ انھیں عزیز از جان ، کہتے تھے اور ان کی خوشی کے لیے سب کچھ کرتے تھے ۔ کبھی کبھی نوکروں پر برہم ہوتے تھے اور سزا بھی دیتے تھے ۔ لیکن بعد میں اپنے کیے پر متاسف ہوتے تھے ۔ عام طور پر نرم دل اور حساس تھے ۔ ستی کا ہنگامہ سن کر اس قدر مغموم اور اداس ہوئے کہ خواجہ بختیار کاکی کے مزار پر جا کر سکون حاصل کیا ۔ دوسروں کی خطا در گزر کرنے میں بھی انھیں انسانیت کا احساس ہوتا تھا ۔

وہ شگفتہ طبع اور بذلہ سنج تھے ۔ ان کے بعض لطائف ان کی تالیف چمنستان میں مندرج ہیں ۔ مخلص اچھے خوش نویس تھے ۔ انھیں خطاطین کے قطعات دستی جمع کرنے کا شوق تھا ۔ تصاویر کی بھی لگن تھی ۔ ان کی البم نوادر کا مرقع تھی ۔ کتاب خانہ اچھا خاصا تھا ۔ مصنفین کے خود نوشتہ مسودات ان کے پاس محفوظ تھے ۔ انھوں نے چمنستان میں مآثر

رحیمی اور دیوان سالک قزوینی کا ذکر کیا ہے -

وہ مشفق باپ اور سعادت مند فرزند تھے - جوانی میں گنجفہ بازی کی لت تھی اور کنجباز بھی تھے - باپ نے ٹوکا اور روکا تو ایسا ہاتھ کھینچا کہ پھر ساری عمر پتوں کو ہاتھ نہ لگایا -

مخلص کی تالیفات مندرجہ ذیل ہیں :

۱ - چمنستان	۲ - رقعات انند رام	۳ - کارنامۂ عشق
۴ - ہنگامۂ عشق	۵ - مرآۃ الاصطلاح	۶ - بدایع وقایع
۷ - رباعیات مخلص	۸ - دیوان مخلص	۹ - گلدستۂ اسرار

سفر نامہ یا احوال سفر بن گڑھ

اصل میں یہ سفر نامہ 'بدایع وقایع' کے مشمولات میں سے ہے - ڈاکٹر اظہر علی نے ۱۹۴۶ء میں اسے الگ کتابی صورت میں مرتب کرکے شائع کیا - اس سفر کا حال ۲۳ محرم ۱۱۵۸ھ سے شروع کرکے آخر جمادی الاول ۱۱۵۸ھ تک لکھا گیا ہے - یعنی پیش خانہ شاہی روانہ ہونے سے شاہجہان آباد میں بادشاہ کی واپسی تک - آخری تاریخ ۱۲ رمضان لکھی ہے جب یہ سفر نامہ پایۂ تکمیل کو پہنچا - اس سفر میں مصنف کے تین مہینے صرف ہوئے - چودہ اشرفیاں ، چھ ہزار دو سو انچاس روپے بارہ آنے خرچ ہوئے - ایک نوعیت سے یہ سیر و سیاحت نہ تھی بلکہ یہ مجبوری کا سفر تھا - بادشاہ ، وزراء ، سالارانِ سپہ تمام لاؤ لشکر لے کر بادشاہ کے ساتھ فوج کشی کے لیے روانہ ہوئے تھے - یہ لشکر کشی سید علی محمد خان روہیلہ کے خلاف تھی جس کا مرکز حکومت آنولہ تھا اور جس کی پناہ بن گڑھ کا قلعہ تھا -

اس سفر نامے سے اس زمانے کی مشکلات اور دشواریوں کا نقشہ سامنے آتا ہے - جب سفر گھوڑوں ، ہاتھیوں ، بہلیوں اور رتھوں میں ہوتا تھا اور

اونٹوں پر سامان لد کر جاتا تھا۔ خیمے لگا کر راتیں بسر کی جاتی تھیں۔ کبھی رات کو چاندنی رات کو سفر کرنا پڑتا تھا۔ بھوکوں بھی رہنا پڑتا تھا۔ بارشوں میں گھٹنوں گھٹنوں پانی جمع ہو جاتا۔ تیز آندھی سے خیمے اکھڑ جاتے۔ دریاؤں میں طغیانی آ جاتی۔ اس سفر میں دریائے جمنا پر ۳۵ کشتیوں سے اور دریائے گنگا پر ۹۰ کشتیوں سے پل بنایا گیا لیکن چونکہ بھیر بنگاہ ساتھ ہوتا تھا، نوکر چاکر ہمراہ ہوتے تھے، اس لیے آرام کے بھی سامان ہو جاتے تھے۔ مصنف نے خاص خاص حوادث اور سوانح کا بھی ذکر کیا ہے۔

تاریخی نقطۂ نظر سے بھی سفر نامے کی اہمیت ہے کہ اس میں اس جنگ کا حال بیان کیا گیا ہے جس میں مصنف خود موجود تھا۔ اس نے مورچے بنائے، توپیں چلنے، گولے لگنے اور بان چلنے کا سب حال لکھا ہے۔ شبخون کے خطرات اور انتشار و ہراس کی کیفیت بھی بیان کی ہے۔ چند دن کے بعد حریف نے ہتھیار ڈال دیے اور صلح کے لیے درخواست کی۔ شرائط قبول کیں اور عاجز ہو کر بادشاہ کے سامنے پیش ہوا۔ قلعہ مسمار کر دیا گیا اور ساز و سامان قبضے میں کر لیا گیا۔

انند رام کے علاوہ اللہ یار خان مؤلف حدیقۃ الاقالیم اور خوش حال چند نے بھی اس محاصرے کا حال لکھا ہے۔ لیکن وہ مختصر ہے۔ انند رام نے ایک جگہ حکومت کے کارکنوں کی غفلت اور بے شعوری پر ملامت کرتے ہوئے سلطنت کی کمزوری اور کم ظرفی کی طرف اشارہ کیا ہے۔ اس نے لکھا ہے:

"ای خانہ خرابان۔ جای کہ مثل شما احمقی چند در جواب و سوال باہند، چرا نوبت سلطنت باین حد نرسد کہ فرمانروای ہندوستان با یک لک سوار از عہدۂ تعلقہ دار مفلوکی برنیاید"۔ (ص ۷۶)

مصنف نے اپنی تحریر کو ادبی چاشنی سے دلچسپ بنایا ہے۔ جابجا

اشعار، فرد اور ہندی امثال اور کبت لکھے ہیں۔ سر راہ لکھی ہوئی غزلیں اور قطعاتِ تاریخ بھی درج کیے ہیں۔ مصنف کی اپنی شخصیت کی چھاپ تو ہر جگہ نظر آتی ہے۔ اس کے اپنے عادات و اطوار پر بھر پور روشنی پڑتی ہے۔ اس کا سلیقہ و ذوق ظاہر ہوتا ہے۔ چونکہ وہ شاعر ہے قدرتی مناظر اس کے دل و دماغ کو شگفتہ کرتے ہیں۔ وہ برسات کی آفتوں کے ساتھ بہاروں کے نظاروں کو نہیں بھولتا۔ ایک جگہ لکھتا ہے:

"چون کوہ و صحرا از سبزۂ زنگاری و آب ها ہرطرف جاری و ہر جانب کوکلا و پپیہا در آواز و طاؤس و فاختہ در پرواز بود۔ در سایۂ ابر خیلی بمزہ و آسودگی راہ قطع شد"۔ (ص ۸۹)

وہ اگرچہ سن کہولت کو پہنچا ہوا تھا اور پوتوں اور نواسوں والا ہو چکا تھا لیکن دل ابھی تک جوان تھا۔ حسینوں کے نظاروں کی تانک جھانک میں رہتا تھا۔ حسن پور کے بازاروں میں سیر و گردش کے لیے نکلا تو ایک دو جگہ حسین صورتیں نظر آئیں تو لکھتا ہے کہ کلفتِ سفر کامیاب ہوئی۔ اس کے الفاظ یہ ہیں۔

"یک دو سادہ رو نیز سر از دریچۂ عمارت برون کشیدہ بنظر رسید یعنی الحمدللہ کہ محنت کوچہ گردیہا ضایع نگردید"۔ (ص ۳۷)

انند رام چونکہ مسلمان بادشاہ کے دربار سے وابستہ تھا اور مسلمان امراء کا ملازم تھا اس لیے وہ متعصب نہیں تھا۔ اس نے سنبھل میں ہر منڈل کو دیکھا جسے بابر نے تبدیل کرکے مسجد بنا دیا تھا اور کوئی ہندو مؤرخ ہوتا تو اس کیفیت کو دیکھ کر اسے تلخ لہجے میں بیان کرتا۔ اس نے اس زبردستی کو محسوس ضرور کیا ہوگا لیکن بڑے ہی نفیس اور نرم انداز میں بات کہی ہے۔

"بابر آن عمارت قدیم (ہرمنڈل) بااسلوب مسجد درست کردند و حالا مسجد جامع این شہر ہمان گنبند است غرضکہ پیش ازین ہم

عبادتکدہ بود و حالا ہم عبادتکدہ است"۔ (ض ٤٧ - ٤٨)

اس سفر نامہ کی اہمیت اس لحاظ سے بھی ہے کہ اس میں عسکری، دیوانی، انتظامی اور درباری اصطلاحات کا استعمال بھی ہوا ہے جن سے اس زمانے کے مختلف نظامہائے زندگی پر روشنی پڑتی ہے۔ مثلاً توب خانہ جنسی۔ جزائر، بان، منگباشی، ڈھلیت، کمی، گلالبار، دارائی، غراب، بساول وغیرہ۔

سفر نامہ کی زبان پر تکلف نہیں۔ صنایع و بدایع سے بھی کام نہیں لیا گیا۔ جملے عموماً سادہ و رواں ہیں مثلاً یہ ٹکڑا دیکھیے۔

"نوکران فقیر شمع را کہ درخیمہ روشن بود، خاموش کردند۔ یقین شد کہ فوج مخالف شبخون زد۔ مردم راگفتم۔ سواری ھا تیارکردہ و کمر ھا بستہ جابجا مستعد و خبردار باشند"۔ (ض ٦٤)

انند رام فارسی محاورے کے ساتھ ہندی روزمرہ اور محاورہ کا استعمال کر جاتا ہے اور جھجھک محسوس نہیں کرتا۔ حالانکہ شاعر اپنے کلام میں اساتذہ کے مستند کلام کو سامنے رکھتا تھا۔ لیکن انند رام نے نثر میں اس کی دقیق پابندی نہیں کی۔ بعض خاص ہندی الفاظ یہ ہیں جو اس نے استعمال کیے ہیں۔

بھنگی، پکوان، چھکڑا، کوٹھی، گل، اکھاڑہ، ترکاری، سالن۔ ہندی اور فارسی کی تراکیب بھی استعمال کرتا ہے جو طبع سلیم پر گراں گزرتی ہیں مثلاً:

بھرتۂ بادنجان۔ چارپائی چوب۔ وقفہ یک گھڑی۔ چھپربندی درست۔

چمنستان

مؤلف کتاب کی وجہ تسمیہ کے متعلق بتاتے ہیں : چونکہ اس کتاب میں رنگین احوال و نکات بیان ہوئے ہیں اس لیے اس کا نام چمنستان رکھا گیا ہے ۔ اس میں چار چمن ہیں اور ہر چمن میں دو دو گلدستے ہیں ۔ ان کی تفصیل حسب ذیل ہے :

چمن اول : حصہ اول ۔ نقلہای شیرین و شور انگیز و غریب
دوم ۔ نقل ہزل آمیز

چمن دوم : ,, اول ۔ احوال مسموعی و وقوعی
دوم ۔ درخت اور پھل

چمن سوم : ,, اول ۔ چند فوائد
دوم ۔ نکات و حکمت (فرمودات جدِ امجد و والد ماجد)

چمن چہارم : ,, اول ۔ لطائف بعضی مردم
دوم ۔ لطائف راقم کتاب

یہ کتاب کئی لحاظ سے اہم ہے ۔ پہلی اہمیت اس کی تاریخی اہمیت ہے ۔ سلاطین و حکام و امراء کی بعض ایسی باتوں کا بیان ہوا ہے کہ شاید عمومی تاریخوں میں ان کا ذکر نہ ہو ۔ سلاطین شاہ عباس صفوی ، اورنگزیب ، امراء میں سعداللہ خان ، جمدۃ الملک اور امیرالامراء کی زندگی کے واقعات کا ذکر ہے ۔ جہان آرا بیگم کے احوال میں بتایا ہے کہ اس کا مزار خواجہ نظام الدین اولیا کے صحن میں ہے اور اس کے مزار پر امیر خسرو کا یہ شعر کندہ ہے :

بغیر سبزہ نپوشد کسی مزار مرا
کہ قبر پوش غریبان ہمین گیاہ بس است

شعراء میں سے غنی کشمیری ، نعمت خان عالی ، مرزا صائب کی زندگی کا ایک نہ ایک دلچسپ واقعہ لکھا ہے ۔ مخلص خان جو کبھی کبھار شعر کہتا تھا ، اس کی غزل کا مندرجہ ذیل مطلع نقل کیا ہے جو بہت کم لوگوں کو معلوم ہے :

زنہار بمحفل ندہی رہ چومنی را آزردہ دل آزردہ کند انجمنی را

دوسری اہمیت یہ ہے کہ مؤلف نے بعض مشاہدات و چشم دید واقعات کا ذکر کیا ہے ۔ ایک عورت کی ستی کا حال بیان کیا ہے اور پھر اپنا تبصرہ کرکے شعراء کے اور اپنے موزوں اشعار نقل کیے ہیں جن میں سے خسرو اور صائب کے اشعار قابل یاد داشت ہیں :

خسروا در عشقبازی کم ز ہندو زن مباش
کز برای مردہ سوزد زندہ جان خویش را
ہمچو ہندو زن کسی در عاشقی مردانہ نیست
سوختن بر شمع مردہ کار ہر پروانہ نیست

تیسری اہمیت یہ ہے کہ مؤلف بعض واقعات کا ذکر کرتا ہے جس سے اس زمانے کے شاہجہان آباد کی معاشرتی جھلکیاں سامنے آتی ہیں ۔ مثلاً چاندنی چوک میں قہوہ خانے تھے جہاں شعراء اور بذلہ سنج اکھٹے ہوتے اور شعری محفلیں جاتے ۔ حویلیوں میں باغ تھے جن میں نہر گزرتی تھی ۔ اولیاء کے مزارات پر میلے لگتے تھے ۔ بعض جگہ لباس اور وضع قطع کا ذکر کیا ہے ۔ سر پر کھڑکی دار پگڑی رکھتے ۔ دو پلیا اوڑھتے تھے ۔ نادر شاہ کی تقلید میں ہاتھ کھنڈی رکھنے کا رواج ہوا ۔ بعض جگہ دربار کے لوازم پر بھی روشنی پڑتی ہے مثلاً خلعت کی نوعیت اور اس کے اجزا کی تفصیل بتائی ہے (ص ۵۷ - ۵۸) ۔

چوتھی - ہمیت یہ ہے کہ مؤلف نے اپنی زندگی کے بعض نجی گوشوں پر روشنی ڈالی ہے - اپنے اقرباء دادا ، باپ ، چچا اور اپنے بیٹوں کے نام بتائے ہیں - دادا اور باپ کے تجربات زندگی اور زمانہ داری اور زمانہ شناسی کے متعلق نصیحتیں نقل کی ہیں - وہ حصہ بھی اہم ہے جس میں مصنف نے فارسی زبان میں کلمات ہندی کے استعمال کے متعلق اپنا نقطۂ نظر بیان کیا ہے - وہی نقطۂ نظر اس کے استاد سراج الدین علی خاں آرزو کا بھی تھا - اس نے لکھا ہے :

"بعض کا خیال ہے کہ فارسی میں تصرف جائز نہیں لیکن یہ ناپختہ اشخاص کے متعلق ہے - حکیم شفائی ، طالب آملی اور میرزا رضی دانش جیسے اساتذۂ سخن نے نئی تراکیب و الفاظ ایجاد کیے ہیں - اس لیے جو شخص پایۂ استادی پر پہنچا ہو اس کے لیے تصرف جائز ہے - اسی طرح فارسی میں ہندی الفاظ کے متعلق رائے دی ہے کہ یہ ناپختہ اور مبتدیوں کے لیے درست نہیں - اہل قدرت و استعداد کے لیے ایسا استعمال جائز ہے - (ص ۵۶ ، ۵۷)'[1] -

مخلص نے بیان کے ضمن میں بعض جگہ الفاظ کی توضیح و تشریح کی ہے جو زبان سیکھنے والوں کے لیے مفید ہے مثلاً گل اور گلاب کے معانی اور ان کا استعمال (ص ۵۷) -

لطایف میں سے صرف وہ علمی و ادبی اہمیت کے حامل ہیں جن میں بر محل اور فی البدیہہ مصرعے اور اشعار کا بیان ہے -

احوال و واقعات کے ضمن میں اپنے زمانے کی بعض نادر اور ماہر فن شخصیتوں کا بھی تعارف کرایا ہے مثلاً راجہ ہری سنگھ تیرانداز

---

۱ - چمنستان مطبوعہ لکھنؤ ۱۸۷۷ -

(ص ۳۰) - خیاط گل برگ تراش (ص ۴۰) -

اگرچہ ہندوستان کے پھلوں پھولوں کا حال شیخ ابوالفضل کی آئین اکبری سے ماخوذ ہے لیکن مؤلف نے اکثر جگہ اپنی طرف سے اضافات بھی کیے ہیں اور ابوالفضل کے بیانات میں ترمیم بھی کی ہے -

اس کتاب کی ادبی اہمیت بھی مسلم ہے - اکثر مقامات پر اساتذہ کے موزوں اور شگفتہ اشعار نقل کیے گئے ہیں - بعض الفاظ کی تعیین میں اشعار پیش کیے گئے ہیں جن سے اس کتاب کو مستند فرہنگ کی حیثیت حاصل ہے -

رقعات انند رام

یہ کتاب انشاء انند رام مخلص کے نام سے دہلی میں ۱۸۵۲ء میں شائع ہو چکی ہے - مکتوبات کی کل تعداد ۳۳ ہے - مخلص نے تمہید میں بتایا ہے کہ اس نے ۱۱۴۹ھ میں متفرق مسودات میں سے رقعات کو یکجا کر کے کتابی صورت دے دی - اس تاریخ سے ظاہر ہے کہ ۱۱۴۹ھ یا اس تاریخ سے پہلے کے خطوط اس مجموعے میں شامل ہوں گے لیکن ایسا نہیں - اس میں بعد کے سنین کے حوالے بھی موجود ہیں - سید لطف اللہ کے نام خط میں ۱۱۵۷ھ (ص ۴۲) کا ذکر ہے - اسی کے نام دوسرے خط میں ۱۱۵۳ھ (ص ۴۵) کا حوالہ موجود ہے - پنکھے بھیجنے کے لیے ایک دوست کو ۱۱۵۵ھ میں (ص ۴۹) شکریے کا خط لکھا ہے -

یہ خطوط احباب و امراء اور وزیرالممالک کے نام ہیں - سب سے زیادہ اپنے استاد فاضل سراج الدین علی خان آرزو کے نام یعنی چھ رقعات ہیں - اس سے کم اپنے آقا ممدوح نواب وزیر الممالک اعتمادالدولہ کے نام یعنی تین خط ہیں - سید لطف اللہ - شرف الدین پیام اور راجہ بخت مل کے نام دو دو خط ہیں - شعراء میں سے دو متذکرہ صدر کے علاوہ فقیراللہ آفرین لاہوری -

قزلباش خان امید اور محمد جواد سرآمد کے نام ایک ایک خط موجود ہے۔

عام خطوں میں نجی قسم کی باتیں ہیں۔ خط نہ لکھنے کے شکوے ہیں۔ یاد فرمائی کا شکریہ ہے۔ تحایف بھیجنے کی سپاس گزاری ہے۔ وزیر الممالک کے نام تولد فرزند اور فتح مہم پر مبارک باد کہی ہے۔ اکثر خطوط میں اپنے استاد اور دوسرے شعرا کو اپنی تازہ غزلیات ارسال کی ہیں۔

میر لطف اللہ کے نام خط سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۱۵۱ھ میں نادر شاہی یلغار کے زمانے میں مخلص نے بعض مصیبت زدوں کی مدد کی ہے۔ مخلص نے انکسار سے لکھا ہے کہ:

"برخلاف راہ و رسم ابنای روزگار کہ زمانہ سازی و نیرنگ پردازی را دستایہ کمال میدانند، معروف یکرنگی و وفا داریست"۔

ان خطوط کی کوئی خاص تاریخی اہمیت نہیں۔ صرف دو تین خطوں سے کچھ واقعات کا پس منظر سمجھنے میں مدد مل سکتی ہے۔ خدا یار خاں حاکم سندھ اور لطف اللہ متصدی خدا یار خاں کے نام خطوط میں کچھ سیاسی کشمکش کا ذکر ہے اور نواب وزیرالممالک کے نام باجی راؤ مرہٹہ کے خلاف اس کی جنگ کا ذکر ہے۔

گلدستۂ اسرار

اس کتاب کے متعلق سید اظہر علی صاحب[1] نے تعارف کرایا ہے۔ لیکن انھوں نے اس بات کا ذکر نہیں کیا کہ ان کی اطلاعات کا مآخذ کیا ہے۔

گلدستۂ اسرار کا نسخہ نایاب ہے۔ یہ ان خطوط کا مجموعہ تھا جو

۱۔ سفر نامۂ مخلص، مرتبہ سید اظہر علی، رامپور، ۱۹۴۶، ص ۳۰ =

نادر شاہ صوبیدار کابل کو لکھتا تھا ۔ صوبیدار کابل وہ خطوط جن کا تعلق ہندوستان کے معاملات سے ہوتا ، انند رام کے پاس بھیج دیتا تاکہ وہ وزیر اعظم کا وکیل ہونے کی وجہ سے وزیراعظم کے سامنے پیش کرے اور وزیر اعظم بادشاہ کے حضور پیش کرکے ان پر مناسب احکام لے۔ یہ خطوط تعمیل کے لیے متعلقہ محکموں کو بھیج دیے جاتے تھے ۔ انند رام اپنے پاس ان کی نقول رکھتے جاتے تھے ۔ آخر میں انھیں یکجا کرکے ایک دیباچہ لکھا اور کتاب کی صورت دے دی ۔ نام سے ظاہر ہے کہ ان مراسلات میں کافی اہم سیاسی ، تاریخی اور انتظامی معلومات مخفی ہوں گی ۔ ان میں سے ماخوذ اصطلاحات کا ذکر مخلص نے مرآۃ الاصطلاح میں کیا ہے ۔

کارنامۂ عشق

یہ ایک فرضی داستان ہے جس میں عشق و رومان بھی ہے اور جنّوں پریوں کا بھی دخل ہے ۔ عموماً لوک کہانیوں میں اس قسم کے قصے بچوں کو بھی سنائے جاتے تھے جن میں ایک شاہزادہ شاہزادی سے بیاہ کرنے کے لیے اس کی شرائط پوری کرتا ہے ۔ جان جوکھوں میں ڈالتا ہے ۔ دیووں کی قید میں رہتا ہے اور پھر فقیر کی دعا سے آزاد ہو کر کامیاب و کامران واپس آتا ہے ۔

انند رام مخلص نے اس قسم کا ایک قصہ سن کر اس کو رنگین ادیبانہ فارسی میں لکھا ۔ وہ اس کتاب کی تمہید میں لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ ۱۱۴۴ھ میں محمد حنیف خاں یار ، سراج الدین علی خاں آرزو ، شرف الدین علی خاں پیام ، محمد خان دیوانہ ، برادر گرامی لالہ سکھ رام یکدل ، فرزندان ارجمند رای کرپا رام اور رای فتح سنگھ کی معیت میں خواجہ قطب الدین بختیار کی درگاہ پر حاضری کے لیے روانہ ہوئے ۔ بڑا اچھا موسم تھا ۔ قہوہ و قلیان سے سرشار ہو کر طرحی غزلیں کہیں ۔ سفر میں تھے کہ بارش آ گئی ۔ جل تھل ہو گیا ۔ رتھ پانی میں ڈوبنے لگے ۔ آخر بھلیوں

کو کنارے پر لے گئے ۔ ایک تکیۂ درویش میں پناہ لی ۔ آخر بارش تھمی اور حضرت نظام الدین اولیاء کے جوار میں تربت میاں ناصر علی مغفور پر پہنچے ۔ تالاب کے کنارے عنایت اللہ خان مرحوم کی تعمیر کردہ خانقاہ میں رات گزارنے کا موقع ملا ۔ اس رات ایک دوست نے یہ حیرت افزا قصہ سنایا جس کو میں نے فارسی میں لکھا اور اس کا نام کارنامۂ عشق رکھا ۔

اس قصے کا خلاصہ یہ ہے :

چین کا ایک حاکم تھا شہر یار نام ۔ اس کے ہاں اولاد نہ تھی ۔ وہ غمگین اور اداس رہتا تھا ۔ ایک مرتبہ وہ تخت و تاج چھوڑ کر انتظام سلطنت وزیر کے سپرد کرکے جنگلوں کی طرف نکل گیا ۔ ایک دن سایۂ درخت میں بیٹھا تھا ۔ درخت پر طوطی و شارک بیٹھے تھے ۔ طوطی نے شارک سے کہا ۔ تو کیوں غمگین ہے ۔ اس نے کہا کہ میں اس لیے غمگین ہوں کہ وہ بادشاہ جس کے سایۂ عاطفت میں ہم زندگی بسر کر رہے تھے تخت و تاج چھوڑ کر بن باس ہوگیا ہے کیونکہ اس کے ہاں تخت کا وارث بیٹا پیدا نہیں ہوا ۔ طوطی نے شارک سے کہا ۔ تو اسرار غیب جانتا ہے ۔ بتا کہ بادشاہ اپنی آرزو میں کامیاب ہوگا یا اس دنیا سے نامراد جائے گا ۔ شارک نے کہا ۔ شہر چگل میں ملک التجار کی ایک لڑکی ہے ۔ اگر بادشاہ اس سے شادی کرے تو شاید اس کی مراد پوری ہو ۔ شہر یار شارک کی یہ بات سن کر خوش ہوا اور دارالسلطنت واپس آ گیا ۔ ملک التجار کو بلا کر اپنی بات کہی ۔ ملک التجار نے کہا ۔ لڑکی بالغ ہے ۔ اس لیے میں اس سے پوچھ کر بتاؤں گا ۔ لڑکی نے کہا ۔ میں اس شرط پر شادی کرنے کو تیار ہوں کہ ہفتہ میں ایک دن والدین کے گھر رہا کروں گی ۔ بادشاہ نے شرط منظور کر لی ۔ بادشاہ کی مراد بر آئی ۔ لڑکا پیدا ہوا ۔ منجمین نے طالع تیار کیا اور بتایا کہ شاہزادہ خوش بخت ہوگا لیکن چودہ سال کی عمر میں ایک تصویر دیکھ کر کسی حسینہ کے عشق میں گرفتار ہوگا اور اسے

مصائب و آلام کا سامنا ہوگا ۔ اس لیے احتیاط کرنی چاہیے کہ شاہزادے کے سامنے عورت کی تصویر نہ گزرے ۔ شاہزادے کا نام گوہر رکھا گیا ۔ وہ جوان ہوا ۔ ضروری تعلیم و تربیت سے مستفید ہوا ۔ ایک مرتبہ شکار کرتا ہوا ہرن کے تعاقب میں دور نکل گیا اور خیل و چشم سے الگ ہو گیا ۔

اتفاق سے ایک باغ میں پہنچا ۔ وہاں ایک جوان سے ملاقات ہوئی جو پر سوز آواز میں عاشقانہ اشعار پڑھ رہا تھا ۔ گوہر نے اس کا حال پوچھا ۔ اس نے بتایا ۔ "میں سوداگر کا بیٹا ہوں ۔ سفر کے لیے نکلا تھا ۔ ایک شہر حسن آباد میں پہنچا ، دیکھا ، شاہی محل کے سامنے سائبان لگا ہے اور وہاں چوب اور نقارہ رکھا ہے ۔ معلوم ہوا ملکۂ مملکت نے شادی کے لیے شرط رکھی ہے ۔ جو شرط پوری کرے گا ملکہ اس سے شادی کرے گی ۔" میں نے نقارہ بجایا اور ملکہ کے سامنے پیش ہوا ۔ ملکہ نے کہا : "دنیا میں ایک مرصع درخت ہے جس کے پتے زمرد کے اور پھول یاقوت رمانی کے ہیں ۔ وہ تحفہ پیش کرو ورنہ اپنی جرأت کی سزا پاؤ ۔" ہر ممکن کوشش کے باوجود مجھے اس درخت کا نشان نہیں ملا ۔ سفر میں میرا تجارتی جہاز تباہ ہو گیا ہے ۔ میرے رفقاء لقمۂ اجل ہو چکے ہیں اور میں اس محبوبہ کی تصویر حرز جان بنائے ہوئے آوارہ ہوں ۔ شہزادے کے اصرار پر تاجر نے ملکہ کی تصویر دکھائی جسے دیکھ کر وہ دل و جان سے فریفتہ ہو گیا ۔ اتنے میں شہزادے کے ہمراہی آ پہنچے ۔ شہزادے کی حالت غیر ہو رہی تھی ۔ خردمند پسر وزیر شہزادے کا ہمدم اسے پالکی میں بٹھا کر شہر لے آیا ۔ شہزادہ نحیف و نزار ہوتا گیا ۔ اطباء نے غلبۂ سودا کا علاج کیا ۔ آخر پسر وزیر نے اس کے دل کا حال جانا ۔ بادشاہ سے اجازت لی اور لاؤ لشکر لے کر ملکۂ مملکت کے شہر کی طرف شہزادے کے ہمراہ روانہ ہوا ۔ راستے میں جہاز طوفان کی زد میں آ گیا ۔ صرف شہزادہ اور پسر وزیر تختۂ کشتی پر بچے ۔ پھر تختہ ٹوٹ گیا اور وہ الگ الگ ہو گئے ۔

شہزادہ بچ کر ساحل پر پہنچا ۔ وہاں ایک باغ میں خوبصورت عمارت

دیکھی۔ تھکا ہارا پلنگ پر سو گیا۔ یہ لال پری کا محل تھا۔ پریاں اسے پکڑ کر لال پری کے پاس لے گئیں۔ شہزادے نے اپنا حال سنایا۔ لال پری نے کہا: ”میرے ساتھ داد عیش دو۔ تمھیں حسن آباد پہنچا دوں گی۔“ جگدیو شاہ دیوان کو جب شہزادے کی اطلاع ملی تو اس نے دو جنوں کو بھیجا اور وہ شہزادے کو پلنگ سمیت اٹھا کر لے آئے اور قید کر دیا۔ اس زنداں میں وزیر زادہ بھی تھا۔ اس نے اپنا قصہ سنایا۔ وہ طوفان سے بچ کر ایک جزیرے میں پہنچا۔ درخت کے نیچے لیٹا تھا کہ اسے شاخوں میں سانپ نظر آیا جسے اس نے ہلاک کیا۔ سیمرغ نے اپنے دشمن یعنی سانپ کے قاتل کے ساتھ ہمدردی ظاہر کی۔ اس پر سایہ کیا اور پھر اپنے پروں پر بٹھا کر سمندر پار ساحل پر پہنچا دیا۔ لیکن وہاں سے ایک کالا دیو اٹھا کر جگدیو کے سامنے لے گیا اور زندان میں ڈال دیا۔ شہزادہ اور وزیر زادہ اکٹھے ہو گئے۔

وزیر زادے کے پاس سیمرغ کا پر تھا۔ اس نے جلایا تو سیمرغ حاضر ہوا اور اسے اور شہزادے کو پروں پر بٹھا کر دیووں کی دسترس سے دور لے گیا۔ وہ دونوں شہر حسن آباد میں پہنچے۔ وزیر زادے نے لعل بیش بہا بیچ کر گھر بار درست کیا۔ شہزادے کو وہاں چھوڑ کر خود اس کی مہم سر کرنے کے لیے مشغول ہوا۔ چوک میں گل فروش عورت کے پاس پہنچا جو ملکہ مملکت کے لیے پھولوں کے ہار لے جاتی تھی۔ اس نے اپنے آپ کو مسافر ظاہر کیا۔ کچھ رقم دی اور اس کے پاس رہنے لگا۔ ایک دن اس نے گلدستہ بنایا۔ جذباتِ محبت لکھ کر کاغذ پتوں کے اندر چھپا دیا۔ ملکہ نے کاغذ دیکھ کر اصل حال کو جان لیا۔ بڑھیا سے پوچھا: ”آج ہار کسی اور ہاتھ کا بنا ہوا تھا؟“ بڑھیا نے بات بنائی اور کہا: ”میری لڑکی آئی ہوئی تھی۔ اس نے بنایا ہے۔“ ملکہ نے معمول سے زیادہ رقم دی اور کہا: ”کل لڑکی کو اپنے ساتھ لاؤ۔“ اس طرح وزیر زادہ زنانہ لباس پہن کر ملکہ کے سامنے پیش ہوا۔ ملکہ پہچان گئی اور بڑھیا سے کہا: ”آج لڑکی

کو یہاں چھوڑ جاؤ۔"

ملکہ نے وزیر زادے سے کہا: "تمھاری اس گستاخی کی کیا سزا ہے۔" اس نے کہا: "شہزادے کی پریشان حالی کی وجہ سے مجھے ایسا کرنے کی جرأت ہوئی۔" پھر اس کی سرگزشت سنائی۔ ملکہ نے کہا: "شرط پوری ہونے کے بغیر میں شادی نہیں کر سکتی۔" اس نے بتایا: "مغرب کی جانب ایک جزیرے میں درویش ہے جو اس نخل ہمیشہ بہار سے واقف ہے۔" آخر شہزادہ اور وزیر زادہ درویش کے پاس پہنچے۔ اس نے بتایا کہ وہ درخت کوہ قاف میں سلطان پری کے باغ میں ہے جہاں ہزاروں عفریت اس کے خدمت گزار ہیں۔ درویش نے ایک کھال دی جس پر سوار ہو کر وہ سلطان پری کے باغ میں پہنچے۔ دونوں گرفتار ہوئے۔ صنوبر پری زاد نے رحم کھا کر ان کی رہائی کے لیے کوشش کی۔

ادھر سلطان پری کا قصہ یہ تھا کہ ایک دن وہ تخت ہوا پر سوار جا رہی تھی کہ ملک التجار کی لڑکی پر فدا ہوئی۔ اسے بہن بنایا۔ اسے ایک افسوں سکھایا تاکہ وہ ہفتے میں ایک مرتبہ سلطان پری کے پاس آتی رہے۔ یہ وہی لڑکی تھی جو بادشاہ چین شہریار کی ملکہ بنی اور شہزادہ گوہر کی ماں ہوئی۔ اس واقعے کی بنا پر اس نے شادی کے موقع پر ہفتہ میں ایک دن والدین کے گھر رہنے کی شرط منظور کرائی تھی۔ اس ہفتے جب وہ سلطان پری سے ملنے آئی تو صنوبر نے دو جوانوں کی گرفتاری کا حال بتایا اور ان کی رہائی کی تدبیر کرنے کو کہا۔ دختر تاجر شہزادے کو دیکھ کر بغل گیر ہوئی۔ وہ دونوں کچھ عرصے کے لیے وہاں ٹھہرے۔ آخر سلطان پری نے نخل ہمیشہ بہار دو عفریتوں کی نگرانی میں شہزادے کے حوالے کیا اور وہ درویش کے باغ میں پہنچے۔ درویش نے سنگ پارس دے کر ان کو رخصت کیا۔ وہ ایک شہر میں اترے۔ سونا بنا کر شاہی ساز و سامان مہیا کیا۔ اس ملک کے وزیر نے ان کی شاہانہ وضع قطع دیکھ کر خطرے کا اظہار کیا اور بادشاہ کے پاس شکایت کی۔ بادشاہ نے فوج متعین کی جس

نے ان کے مکان و سامان پر قبضہ کر لیا ۔ دو عفریت جو نخل ہمیشہ بہار کی نگرانی کے لیے آئے تھے ، انھوں نے اجازت پا کر فوج کو تہس نہس کر دیا ۔ بادشاہ شکست کی خبر سن کر بھاگا لیکن اسیر ہوا ۔ شہزادہ تخت پر بیٹھا اور اپنے دوست کو وزیر بنایا ۔ لشکر اور ساز و سامان مہیا ہوا ۔ آخر حسن آباد فتح کرنے کا ارادہ کیا ۔ دونوں فوجیں مقابل ہوئیں ۔ ملکہ کی فوج کو کچھ فتح بھی ہوئی ۔ ایک رات شہزادہ اور وزیر بھیس بدل کر ملکہ کے خیمے میں گئے ۔ پان کھایا ۔ شراب پی ۔ اپنی انگوٹھی ملکہ کو پہنائی ۔ اسے شال اڑھائی اور چلے آئے ۔ دوسری رات پھر ملکہ کے خیمے میں گئے ۔ وہ بیدار ہو گئی اور راز کھل گیا ۔ آخر طے پایا کہ ملکہ صلح کے لیے درخواست کرے ۔ اور شرط پوری ہونے پر شادی کرنا قبول کرے ۔ شہزادے نے اپنے باپ کو خط لکھ کر بلایا ۔ شادی ہوئی اور جشن منایا گیا ۔ شہزادے کے والدین رخصت ہوئے ۔ اس جشن میں سلطان پری نے بھی شرکت کی ۔ اس نے وزیر زادے اور صنوبر کی شادی کے لیے اجازت دے دی ۔

یہ تمام قصہ بڑے سائز کے پچپن اوراق پر پھیلا ہوا ہے لیکن قصے کے ضمن میں قدرتی مناظر ، کردار قصہ کا سراپا کا بیان ہے اور بیان کی تزئین کے لیے اشعار لائے گئے ہیں ۔ ورق ۴۴ سے ۵۵ تک شادی کی تیاریوں میں جو آرایشات کی گئیں اور شاہی ضیافت کے لیے جو ساز و سامان کیے گئے ، تفصیل سے بیان کیے گئے ہیں ۔ پھر بارات کی آمد ، حرم سرا میں دلہن کی تزئین ، ہمجولی سہیلیوں کے ناز نخرے ، چہلیں اور دوسرے رسوم کا ذکر ہے ۔ آخر میں شب زفاف کو بھی استعاروں کنایوں سے لطف لے لے کر بیان کیا گیا ہے ۔

قصہ تو ایک فرضی زمانے سے متعلق ہے لیکن مؤلف نے واقعات تو اساطیری اور ماورائی دور سے متعلق بیان کیے ہیں لیکن اس کی فضا مغلیہ دور کے تمدن کی دکھائی ہے ۔ رسوم و رواج ہندوستانی معاشرے سے متعلق ہیں ۔

مخلص نے یہ قصہ ۱۱۴۴ھ میں لکھا ۔ خود ہی اس کی تاریخ لکھی :

چو مخلص آنکہ رنگین گفتگو بش   زبان طعن بر بلبل کشودہ
پی تاریخ پیش دل شبی خواند   بآن دردی کہ بر دردش فزودہ
شنیـد و گفت سالِ اختتامش   چہ شور انگیز رنگین قصہ بودہ ۔
۱۱۴۴ھ

مخلص کی نثر شعری خوبیوں کی حامل ہے ۔ کہیں کہیں مقفی بھی ہے ۔ مؤلف کیونکہ شاعر ہیں اس لیے جملے کے جملے مرجز ہیں ۔ آرایشات لفظی اور مراعات النظیر کا بھی خیال رکھا ہے ۔ ہم نمونے کے لیے کارنامۂ عشق میں سے ایک ٹکڑا نقل کرتے ہیں :

"عمریست کہ فلک بی انصاف ہمگی ہمت بر آوارگیم مصروف دارد و آتشی در دلم از داغ عشق زدہ شب و روز می آزارد ۔ نمیدانم چہ از جان من تیرہ بخت میخواہد کہ این ہمہ دلم را بسان شمع می کاہد اکنون کہ شور سودا عنان گسستہ بدماغم تاختہ و ولولۂ محبت در قلمرو دل ہنگامہ بلند ساختہ است ، خدا را بفریادم برس کہ رنگ شکستہ بر دو متاب رفتہ باز بجو آید" ۔   (ص ۳۵)

اس کتاب کا ایک قلمی نسخہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں شمارہ KPi IX, 2 پر موجود ہے ۔

ہنگامۂ عشق

یہ بھی کارنامۂ عشق کی طرح ایک فرضی اساطیری قصہ ہے ۔ اس میں پریوں کا دخل تو نہیں البتہ جنّون کا دخل ہے ۔ ماورائی طاقتوں کا بھی استعمال ہے ۔ اس میں طوطا فعال کارکن اور حلال مشکلات ہے ۔ مخلص نے یہ قصہ بھی کسی کی زبانی سنا اور پھر اسے فارسی میں منتقل

کیا ۔ وہ تمہید میں سبب تالیف بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ وہ ایک مرتبہ اپنے احباب سراج الدین علی خان آرزو ، محمد قلی خاں ، معنی یاب خان شاعر اور اپنے فرزندوں رائے کرپا رام اور رائے فتح سنگھ کے ہمراہ چھڑی مدار کی سیر کے لیے نکلے ۔ راستے میں ایک سرائے میں ٹھہرے ۔ دکنی خدمت گار نے وہ کہانی سنائی جو ملک محمد جائسی نے پدمادت کے نام سے پوربی میں لکھی تھی ۔ مخلص کہتے ہیں کہ میں نے اسے ایک ہفتے میں 'قلمکار فارسی' میں لکھ دیا ۔ قصے کا خلاصہ یہ ہے :

کرناٹک کے راجا کے ہاں بیٹا نہیں تھا ۔ اس کی رانی پرجاوتی مغموم رہتی تھی ۔ ایک رات اس نے خواب میں دیکھا کہ آفتاب آسمان سے الگ ہو کر اس کے کندھوں پر جلوہ آرا ہوا ۔ تعبیر یہ ہوئی کہ بچہ ہوگا جو روئے زمین پر حکومت کرے گا ۔ آخر بیٹا پیدا ہوا ۔ جشن مسرت منایا گیا ۔ لڑکے کا نام سندر سین رکھا گیا ۔ چھ سال کی عمر میں تعلیم و تربیت شروع ہوئی ۔ بدھ سین وزیر زادے کے ساتھ ناز و نعمت میں زندگی گزاری ۔ آداب حکومت بھی سیکھے ۔

ایک دن شکار کھیلتے ہوئے سندر سین اور بدھ سین دور نکل گئے ۔ ایسی جگہ پہنچے جو عفاریت کا مسکن تھا ۔ ایک باغ میں تالاب کے کنارے بیٹھے ۔ وہاں ایک کشتی آئی جس میں جوگی بیٹھے تھے ۔ ان کے گرو برہمناتھ نے سندر کو دیکھ کر کہا کہ ایسا حسین شہزادہ راجہ سون کی لڑکی چندر پربھا کے لیے موزوں ہے ۔ سندر پربھا کے حسن کی تعریف سن کر والہ و شیدا ہو گیا ۔ وہ گرو کا مرید بنا ۔ قلندرانہ وضع اختیار کی ۔ گرو سے تعلیم حاصل کی اور اس کی دعائیں لے کر شہر سون کی طرف چل دیا ۔ بدھ سین بھی اس کے ہمراہ نکلا ۔ ایک صحرا میں پہنچے اور معلوم ہوا کہ یہ بھی عفاریت کا مسکن ہے ۔ سندر نے برہمناتھ کا سکھایا ہوا منتر پڑھا اور چکر پھینکا جس سے اکثر دیو نیست و نابود ہو گئے ۔ دو ایک بچ کر دیووں کے سردار کے پاس پہنچے ۔ چنانچہ وہ دونوں کو گرفتار کرنے

کے لیے موقع کی تلاش میں رہا ۔ یہ دونوں گرو کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق حصار کھینچ کر سوئے ۔ ایک مرتبہ سندر کو پیاس لگی ۔ دیو نے مصنوعی حوض دکھا کر وزیر زادے کو اپنی طرف کھینچا اور گرفتار کرکے کوئیں میں ڈال کر پتھر رکھ دیا ۔ سندر نے گرو کے ہمراہ شاہ دیواں کو شکست دی اور وزیر زادے کو رہا کرایا ۔

دوسری طرف دیو نے چندر پربھا کو سندر سین کے ساتھ شادی کرنے کی بشارت دی ۔ وہ بھی شہزادے کے خیال میں بےقرار رہنے لگی ۔ پربھا کے ماں باپ نے اس کی حرکات دیکھ کر اسے کام سین پسر کامروپ راجہ کا نورودیس سے منسوب کر دیا ۔ اتنے میں شہزادہ اور بدھ سین سون میں پہنچے ۔ وزیر زادہ زن گلفروشی کی وساطت سے چندر پربھا کے پاس پہنچا اور سندر سین کا حال بتایا ۔ سندر بھی حرم سرا میں پہنچا اور رانی سے ملاقات کی اور طے کیا کہ وہ شادی کے روز خود گھوڑے پر سوار کرکے اسے لے جائے گا اور وزیر زادہ رانی کا لباس پہن کر کام سین کے ساتھ چلا جائے گا ۔

چنانچہ وزیر زادہ شادی کرکے کام سین کے ساتھ چلا گیا ۔ اس نے کام سین کو اپنے پاس نہ آنے دیا ۔ حرم کی ایک خاتون لیلاوتی کو بتایا کہ دیوی نے خواب میں بتایا ہے کہ چھ مہینے تک زن و شوہر کا ملاپ ضرر کا باعث ہوگا ۔ کام سین کے ہاں خردمند طوطا تھا ۔ اس نے یہ بات سن کر کام سین کو بتائی ۔ دوسری طرف وزیر زادے نے رانی کے روپ میں لیلاوتی سے دوستی پیدا کی اور اس کو فریب دیا اور کہا کہ دعا مانگو تاکہ میں نسائیت سے نکل کر مرد بن جاؤں ۔ چنانچہ وہ مرد بن گیا ۔ لیلاوتی کے ساتھ اس نے داد عیش دی ۔ پھر کہا کہ مردانہ حالت میں میرا محل میں ٹھہرنا مناسب نہیں ، چنانچہ وہ دونوں خفیہ محل سے باہر نکل سندر سین کی تلاش کرنے لگے ۔

سندر سین گھوڑے لیے مندر کی دیوار کے پاس کھڑا تھا ۔ اسے نیند

نے غلبہ کیا اور وہ سو گیا ۔ اتنے میں ایک کالا چور وہاں آ نکلا ۔ اس نے گھوڑوں پر قبضہ کر لیا ۔ رانی پربھا وہاں پہنچی اور اسے سندر سین سمجھ کر گھوڑے پر سوار ہوئی اور اس کے ساتھ چلی گئی ۔ صبح کے وقت رانی نے دیکھا کہ وہ ایک سیاہ ڈاکو کے تصرف میں ہے ۔ ڈاکو نے کہا : ”مجھے شوہر قبول کرو ۔“ رانی نے کہا : ”میرے شاہانہ لباس اور زیورات کو دیکھ کر لوگ شک کریں گے اور راز افشا ہو جائے گا ۔ اس لیے تو اپنے قبیلے کی عورتوں کا لباس لا اور پہنا کرلے جا ۔“ چور فریب میں آ گیا ۔ رانی وہاں سے بھاگ کر کسی اور سرزمین میں پہنچی اور سایۂ درخت میں تھک کر آرام کرنے لگی ۔

سندر سین نیند سے اٹھا ۔ گھوڑوں اور رانی کو غائب پایا ۔ آوارۂ دشت و بیابان ہو کر جنگلوں کے بیچ ایک چشمے کے نزدیک پہنچا ۔

جب محل سے لیلاوتی اور رانی (وزیر زادہ) کے غائب ہونے کا علم ہوا تو ہنگامہ برپا ہوا ۔ کام سین سلطنت چھوڑ جوگی بن کر رانی کی تلاش میں نکلا ۔ کام سین کے طوطے نے کہا کہ مجھے آزاد کر دو تاکہ میں بھی رانی کی تلاش کر سکوں ۔

طوطا اڑتا اڑتا چور کے پاس پہنچا جو رانی کو چرا کر لایا تھا ۔ وہ فریب خوردہ غم زدہ بیٹھا تھا ۔ اس نے اپنا واقعہ سنایا ۔ طوطے نے کہا : ”بنارس چلو ۔ یہ معما وہاں حل ہوگا ۔“

طوطا وہاں سے اڑ کر ایک شہر میں ایسی جگہ پہنچا جہاں سنیاسی رہتے تھے ۔ لیلاوتی اور وزیر زادہ بھی وہاں آئے تھے ۔ طوطا درخت پر بیٹھا ان کی باتیں سن رہا تھا ۔ طوطے نے لیلاوتی کی آواز پہچان لی اور پوچھا : ”تو کہاں اور تیرا ساتھی کون ۔“ لیلاوتی پہچان گئی کہ یہ کام سین کا طوطا ہے ۔ طوطے کی زبانی رانی کا حال سن کر وزیر زادہ پریشان ہوا ۔ طوطے نے کہا کہ بنارس چلنا چاہیے تاکہ کنور سندر سین اور رانی کا حال معلوم

ہو سکے ۔

طوطا وہاں سے ایک شہر میں پہنچا جہاں بت خانۂ مہادیو تھا ۔ ایک جوگی ویدانت کے نکات بیان کر رہا تھا ۔ صبح کے وقت وہ دعا مانگ رہا تھا ۔ جب سے میں نے سنا ہے لیلاوتی غائب ہو گئی ہے ، میں پریشان ہوں ۔ کاش مل جائے تو میں وطن واپس چلا جاؤں ۔ معلوم ہوا کہ یہ لیلاوتی کا شوہر اندر سین فرمانروائے آسام ہے جو لیلاوتی کی تلاش میں فقیر بنا ہوا تھا ۔ طوطے نے پس پردہ آواز دی : "اے اندر سین ! لیلاوتی اس قابل نہیں رہی کہ تیری ہم بستر ہو سکے ۔ تو اپنے ملک چلا جا ۔ چنانچہ وہ چلا گیا ۔

طوطا اڑتا اڑتا درخت پر پہنچا جس کے سائے میں سندر سین بیٹھا تھا ۔ طوطے کو معلوم ہوا کہ یہ سندر سین ہے ، طوطے نے کام سین ، بدھ سین ، لیلاوتی ، اندر سین اور چور کا قصہ بیان کیا ۔ رانی اور وزیر زادے کا حال سن کر سندر سین کی جان میں جان آئی ۔ طوطے نے کہا : "اگرچہ میں کام سین کی طرف سے رانی کی تلاش پر مامور ہوں لیکن میں نے تمھیں جذبۂ عشق میں سچا پایا ہے اس لیے عالم قدس کے ارشاد کے مطابق رانی آپ کو ملنی چاہیے ۔ میں کام سین کا ارادہ فسخ کراؤں گا ۔"

طوطا اڑتا ہوا ایک درخت پر اپنے ہم نواؤں کے پاس پہنچا ۔ اس نے اپنی داستان سنائی : "میں شکاری کے ہاتھوں گرفتار ہو کر برہمن کے پاس فروخت ہوا ۔ اس نے مجھے چار ویدوں کی تعلیم دی ۔ برہمن لالچ کی خاطر مجھے راجہ کام سین کے پاس بیچنے پر مجبور ہوا ۔ ایک مرتبہ میں باغ میں پہنچا ۔ وہاں ایک عمارت تھی جس میں سنیاسی عورت بیٹھی تھی ۔ میں نے اس سے کہا : "مجھے اپنی کہانی سناؤ ۔" اس نے کہا : "میں راجہ اودھے رام کی بیٹی ہوں ۔ ۔ عیش و آرام سے زندگی گزر رہی تھی ۔ ایک دن میں نہا دھو کر چشمے سے دور درخت کے قریب گئی ۔ وہاں ایک جوان سنیاسی دیکھا ۔ میرے دل میں اس کی محبت جاگزیں ہو گئی ۔ میں نے کہا : "میں

جاہ و تجمل چھوڑ کر تمھاری خدمت میں زندگی گزار دوں گی ۔" اس نے کہا : "یہ ترک لذات کی دنیا تمھارے بس کا روگ نہیں ۔" اتنا کہا اور غائب ہو گیا ۔ میں بے ہوش ہو گئی ۔ سہیلیوں نے آ کر اٹھایا ۔ میں اس کے فراق میں کمزور ہوتی جا رہی تھی ۔ آخر باپ کو میرے دل کا حال معلوم ہوا ۔ وہ مجھے نیم جان حالت میں اسی نوجوان کے پاس لے آئے لیکن وہ پھر نظروں سے غائب ہو گیا ۔ طوطے نے اپنا بیان جاری رکھتے ہوئے کہا : "میں طوطے کے روپ سے پہلے برہمن تھا ۔ میں نے رانی کو جذبۂ عشق میں سچا جانا اور اپنے آپ کو جوگی کے روپ میں متمثل کیا ۔ کچھ مدت کے بعد دختر راجہ کو معلوم ہوا کہ میں وہ سنیاسی جوان نہیں ہوں بلکہ برہمن ہوں جو ماجرا سن کر اس شکل میں نمودار ہو گیا ہے ۔ اس نے بددعا کی : تو نے میرے متاع حسن پر ڈاکہ ڈالا ہے ۔ اس کی سزا میں تو طوطے کی صورت میں آئے اور تب تک اسی حالت میں رہے جب تک تیری کوشش سے چندر پربھا اور سندر سین کا ملاپ نہ ہو جائے ۔ پس میں وہ برہمن زادہ ہوں ۔" اس کے بعد طوطے نے کام سین ، چندر پربھا ، وزیرزادہ اور لیلاوتی کے متعلق گذشتہ احوال و واقعات سنائے ۔

رانی چندر پربھا اس درخت کے نیچے بیٹھی یہ سب ماجرا سن رہی تھی ۔ وہ نالہ و فغان کرنے لگی ۔ اس نے طوطے سے کہا : "میں چندر پربھا سندر سین کے عشق میں آوارہ و فقیر ہوں ۔ تو میری مدد کر ۔" طوطے نے کہا : "عنقریب سندر سین سے ملاقات ہوگی ۔ تم کسی نہ کسی طرح بنارس میں پہنچو ۔" طوطا اڑ کر سندر سین کے پاس پہنچا اور اسے رانی کا حال بتایا اور اسے بھی کہا کہ وہ شہر بنارس پہنچے ۔

چندر پربھا بنارس میں جوگیانہ مردانہ لباس میں پہنچی ۔ بنارس کا راجہ اپنے اندھے بیٹے کے علاج کے لیے اس کے پاس آیا ۔ اس نے وہ پھول دیا جو اسے طوطے نے دیا تھا تاکہ وہ اسے پیس کر آنکھوں میں لگائے بیٹا بینا ہو گیا ۔ راجہ نے عہد کیا تھا جو شخص بیٹے کا علاج کرے گا ،

میں اپنی بیٹی اس سے منسوب کروں گا ۔ رانی نے کہا : "چھ مہینے فقیری کا دور ختم ہونے پر یہ کام ہو سکے گا ۔" راجہ نے قبول کیا اور اسے علیحدہ مکان میں ٹھہرایا اور آرام و راحت کے سامان مہیا کیے ۔ دوسرے حاجت مند اس کے پاس آتے اور اپنی مراد پاتے ۔

طوطے کی ہدایت کے مطابق کردار واقعہ ایک ایک کر کے بنارس پہنچنے لگے ۔ سب سے پہلے وہ کالا چور پہنچا جو رانی کو سندر کے گھوڑے پر بٹھا کر لے گیا تھا ۔ اپنی حاجت برآوری کے لیے جوگی (رانی) کے پاس گیا ۔ رانی نے پہچان لیا اور اسے مراد یابی کا وعدہ دے کر محفوظ مکان میں ٹھہرایا ۔

بدھ سین یعنی وزیر زادہ اور لیلاوتی جوگی کا چرچا سن کر بنارس پہنچے اور جوگی سے سندر سین اور چندر پربھا پانے کے لیے دعا کی درخواست کی ۔ رانی نے کہا : "کچھ دن ہمارے مہمان رہو ، تمھیں ضرور کامیابی ہوگی ۔"

کام سین بھی اپنی ملکہ چندر پربھا کے فراق میں مارا مارا بنارس پہنچا اور جوگی (رانی) سے اپنی مراد پانے کے لیے درخواست کی ۔ رانی نے اس کو بھی الگ مکان میں ٹھہرایا ۔

سندر سین جب بنارس پہنچا تو اس کے حسن کو دیکھ کر سب حیران ہوئے ۔ رانی اس کو دیکھ کر گھبرا اٹھی لیکن سنبھل کر اسے بھی صاحب عزت مہمان کی طرح ٹھہرایا ۔

طوطا رانی کے پاس بیٹھا یہ سب ماجرا دیکھ رہا تھا ۔ اس کی کوشش بارآور ہونے والی تھی ۔ رانی نے اپنا تمام قصہ لکھ کر طوطے کے حوالے کیا تاکہ وہ اس کے والدین کے پاس لے جائے تاکہ اس کی عصمت ثابت ہو اور رسمی طور پر سندر سین سے اس کی شادی ہو ۔ چندر پربھا کا باپ فوج لے کر بنارس پہنچا ۔ بنارس کا راجہ خوفزدہ ہوا اور مدد کے لیے جوگی (رانی)

کے پاس گیا - اس نے راجہ کو اطمینان دلایا اور خود باپ کے استقبال کو گئی - باپ کو سارا قصہ بتا کر دیوی اور برہمناتھ کو اپنی عصمت پر گواہ پیش کیا اور واپس آ گئی - راجہ نے بنارس سے کہا : "مصالحت ہو گئی ہے اب تم جا کر استقبال کرو -"

رانی نے مجلس منعقد کی - اپنے باپ ، راجہ بنارس اور سندر سین کو دعوت دی - دیوی اور برہمناتھ کو حاضر کیا - پھر وزیر زادہ ، کام سین اور چور کو بلایا اور کہا - "جو شخص اصل حقیقت بتائے گا اس کی دعا قبول ہوگی -" وزیر زادے نے لیلاوتی کا قصہ بیان نہ کیا تاکہ سندر سین شرمندہ نہ ہو - دیوی اور برہمناتھ نے کہا : "کیونکہ چندر پربھا کے والدین نے چندر پربھا کی مرضی کے خلاف سندر سین کے بجائے کسی اور سے شادی کر دی ، اس لیے یہ تمام واقعات و حوادث پیش آئے -"

رانی نے دیوی اور برہمناتھ سے کہا کہ میرے والدین سے کہو کہ یہ جوگی درحقیقت رانی چندر پربھا ہے - اس کی شادی سندر سین سے کر دو اور راجہ بنارس کی لڑکی کی شادی کام سین سے کر دو جسے وہ اپنے بیٹے کی بینائی واپس آنے پر جوگی سے بیاہنا چاہتا تھا - چور کو زر و جواہر کے ساتھ ایک کنیز دے کر رخصت کیا -

طوطا اپنی خدمات انجام دے کر انسانی صورت میں آ گیا اور دوسرے متعلقین اپنے اپنے شہروں کی طرف چلے گئے - قصے کے اختتام پر مؤلف نے سندر سین اور چندر پربھا کے جشن مناکحت کی تفصیل بیان کی ہے اور آخر میں بزم زفاف کا حال بیان کیا ہے -

مخلص نے یہ قصہ ۱۱۵۲ھ میں لکھا اور خود ہی اس کی تاریخ لکھی -

چون این نغمہ چند نقاش شوق   بہ این رنگ گلدستہ تصویر کرد

بتحریک دل سال اتمام آن قلم 'نغمۂ چند' تحریر کرد
۱۱۵۲ھ

بعد میں اس نے ۱۱۵۵ھ میں مسودہ کی ترمیم و تصحیح کی ۔

ہنگامۂ عشق کا ایک نسخۂ خطی پنجاب یونیورسٹی میں شمارہ ، KPi Ix 2 پر موجود ہے ۔ کل اوراق ۱۱۵ ہیں ۔ کارنامۂ عشق سے یہ قصہ طویل تر ہے اور اس میں واقعات کے زیادہ پیچ ہیں ۔

مؤلف نے محض قصے کے واقعات نقل نہیں کیے بلکہ بیان کی رنگینی اور دلچسپی کے لیے اضافات بھی کیے ہیں ، مثلاً : قصے کے ضمن میں رانی چندر پربھا کے سراپا اور حسن و جمال کی تعریف ، شہر سون کی تعریف ، عشق کی کارگزاریوں پر تبصرہ ، چندر پربھا کا خط باپ کے نام اور آخر میں شب عقد و زفاف کی تفاصیل بیان کی ہیں ۔ ایک جگہ مرزا محمود نے چرخ انداز کی کہانی نقل کی ہے جو چمنستان میں بھی منقول ہے سندر سین کے دل کی کیفیت بیان کرنے کے لیے اپنی ایک غزل نقل کی ہے جو اس سے پہلے چمنستان میں لکھ چکے ہیں ۔ اس کا مطلع یہ ہے :

جور گردون کشیدہ را مانم بلبل دام دیدہ را مانم

اکثر جگہ بیان کی توضیح کے لیے اپنے اشعار اور غزلیں درج کی ہیں ۔

مخلص نے تمہید میں لکھا ہے کہ یہ وہی قصہ ہے جو محمد جائسی نے پوربی ہندی میں پدماوت کے نام سے لکھا ہے ۔ معلوم ہوتا ہے کہ اسے مغالطہ ہوا ہے ۔ یہ قصہ اپنی جزئیات میں اس سے مطابقت نہیں رکھتا ۔ اس کا مختصر قصہ یوں ہے :

"پدماوتی راجہ سنگدیپ کی حسین بیٹی تھی ۔ اس نے اپنے پالتو طوطے ہیرا من سے شوہر تلاش کرنے کی درخواست کی ۔ کسی چغل خور نے باپ سے یہ راز بیان کیا ۔ اس نے طوطے کو مار ڈالنے کا

حکم دیا لیکن پدماوتی نے اس کی جان بچا لی ۔ ایک دفعہ طوطے پر بلی جھپٹی ۔ وہ جنگل کی طرف اڑا ۔ ایک شکاری نے پکڑ کر برہمن کے پاس بیچ دیا ۔ برہمن نے اسے چتوڑ گڑھ کے راجا رتن سین کے پاس بیچ دیا ۔ ایک دن اس کی رانی ناگمتی نے طوطے سے پوچھا : "مجھ سے بھی کوئی زیادہ حسین ہے ۔" اس نے پدماوتی کے حسن کی تعریف کی ۔ رانی نے طوطے کو مارنے کا حکم دیا لیکن دایہ نے اسے چھپا لیا ۔ راجہ طوطے کی ہلاکت کا سن کر رانی کی جان لینے پر آمادہ ہوا ۔ دایہ نے طوطا حاضر کیا ۔ راجہ پدماوتی کا حال سن کر فریفتہ ہوا ۔ وہ سولہ ہزار راجکماروں سمیت سنگدیپ گیا اور پدماوتی کو بیاہ کر چتوڑ لایا ۔ ایک مرتبہ علاء الدین خلجی چتوڑ آیا ۔ اس نے پدماوتی کو آئینے میں دیکھا اور اسے حاصل کرنے کے لیے راجا کو گرفتار کر لیا ۔ پدماوتی کو ورغلانے کی بہت کوشش کی گئی مگر وہ اپنی عفت پر قائم رہی ۔ آخر سولہ سو نقاب پوش راجپوت سردار محافوں میں سوار ہو گئے ۔ ایک سنہری محافہ میں لوہار بیٹھا ۔ وہ بادشاہ کے سامنے گئے ۔ عرض کیا گیا کہ پدماوتی سہیلیوں کے ہمراہ حاضرِ خدمت ہے ۔ شوہر سے آخری ملاقات کر کے محل سرا میں داخل ہو جائے گی ۔ اجازت پا کر سنہری پالکی قید خانے کے اندر گئی ۔ لوہار نے راجہ کی بیڑیاں کاٹ کر رہا کرایا ۔ بعد میں بڑے زور کا معرکہ ہوا ۔ رتن سین مارا گیا ۔ پدماوتی اور ناگمتی شوہر کے ساتھ ستی ہو گئیں ۔

بدایع وقایع

اس کتاب کی تمہید میں مخلص نے بتایا ہے کہ علم تاریخ کے اساتذہ نے لوگوں کے احوال و کوائف تو لکھے ہیں لیکن انھوں نے اپنے احوال لکھنا پسند نہیں کیے ۔ میں نے اپنے احوال لکھنے پر توجہ دی ہے ۔ امید

ہے اہل کمال کے لیے اس میں لطف و تفریح کا سامان بھی ملے گا ۔

اس کتاب میں ۱۱۴۱ھ سے ۱۱۶۱ھ تک کے واقعات کا ذکر کیا گیا ہے ۔ چونکہ بیان شدہ احوال و واقعات مؤلف کے اپنے زمانے سے متعلق ہیں اور مؤلف ان میں سے اکثر معاملات کا شاہد عینی بھی ہے ۔ اس لیے اس کتاب کی تاریخی اہمیت مسلم ہے ۔ دوسرے مؤرخین و مؤلفین کے بیانات کی تحقیق کے لیے بھی اس کا تقابلی مطالعہ مفید ہو سکتا ہے ۔

اس کتاب میں ذیل کے تاریخی واقعات مذکور ہیں :

۱ ۔ ۱۱۴۱ھ سے ۱۱۵۰ھ تک ان مہمات کا ذکر ہے جو وزیر الممالک کی سرکردگی میں مرہٹوں کے خلاف عمل میں آئیں ۔

۲ ۔ نادر شاہ کے متعلق مندرجہ ذیل تفاصیل بتائی ہیں :

۱ ۔ لاہور پر حملہ ، اعزالدولہ کی تدبیر سے لاہور اور اس کے ساکنین محفوظ رہے ۔

۲ ۔ وزیر آباد ، امن آباد ، گجرات اور دوسرے نیم شہری قصبوں کی بربادی ۔

۳ ۔ محمد شاہ کی شکست ، نادر شاہ کی دہلی میں آمد ، قتلِ عام ، مال غنیمت کی جمع آوری ۔

۴ ۔ امراء و رؤسا سے تاوان کے طور پر اموال کی فراہمی ۔

۵ ۔ نادر شاہ کی واپسی ۔

۶ ۔ نادر شاہ کی سندھ میں آمد ، خدا یار خان حاکم سندھ کی صلح اور نادر شاہ کی واپسی ۔

۴ - سید علی محمد خان روہیلہ کے خلاف لشکر کشی اور اس کی شکست -

۵ - سیف الدولہ صوبیدار لاہور و ملتان کی وفات پر پنجاب کے حالات - اس کے بیٹوں میں اقتدار کے لیے کشمکش ، احمد شاہ کا لاہور پر حملہ ، حیات اللہ خان کا فرار -

٦ - احمد شاہ اور محمد شاہ کے درمیان سہرند کے مقام پر صف آرائی ، احمد شاہ کی شکست -

ان مذکورہ تاریخی واقعات کے علاوہ مؤلف نے 'سوانح دربار' (ص ۲۲ - ۴۲) اور 'اخبار دربار معلی' (ص ۴۳ - ۴۴) کے عنوان سے بھی اعطائے منصب اور اسباب حرب و آلات جنگ اور دوسرے احوال و کوائف بیان کیے ہیں -

بیانات کے ضمن میں مؤلف نے بعض مراسلات اور سرکاری مکتوبات کو بھی نقل کیا ہے جو تاریخ کے ایک طالب علم کے لیے دستاویزی مآخذ کی حیثیت رکھتے ہیں - مثلاً :

نقل نامہ عبدالباقی خان وزیر والی ایران (ص ۱۲۲) -

نقل عہد نامہ میاں محمد شاہ و نادر شاہ (ص ۱۴٦) -

نقل نامہ شاہی بہ زکریا خان ناظم صوبہ لاہور اور اس کا جواب (ص ۱۰۰) -

مؤلف نے اپنے سفروں کا حال بھی لکھا ہے - مثلاً :

۱ - بادشاہ اور چین بہادر کے ساتھ شکار کے لیے مسعود آباد کا سفر -

۲ - احوال سیر دارالعشق بندرابن -

۳ - احوال سیزدہ روز مکتیسر ۱۱۵۶ھ -

۴ - گڑھ مکتیسر پر لشکر کشی کے دوران سفر ۱۱۵۸ھ -

۵ - سفر برائے زیارت درگاہ خواجہ قطب -

ان سفر ناموں میں جغرافیائی معلومات کے علاوہ معاشی ، معاشرتی اور جنگی نوعیت کی اطلاعات بھی فراہم ہوتی ہیں جن سے کسی ملک اور اہل ملک کی تاریخ مرتب کرنے میں مدد ملتی ہے - گڑھ مکتیسر کے سلسلے میں مخلص کے سفر نامے پر ہندو ، مسلم معاشرے کے رسم و رواج جاننے کے لیے مخلص کے وہ احوال و کوائف بہت مفید ہیں جو اس نے اپنے بیٹے کی شادی ، تولد نبیرہ ، جشن ہولی اور بزم رقص سے متعلق بیان کیے ہیں - شادی کے لیے بٹالہ کی طرف برات کی روانگی ، زیورات و لباس ، سواری ، سفر میں محافظ فوج کی ہمراہی ، شادی کی رسوم ، دعوت طعام اور اور جہیز وغیرہ کی تفاصیل پڑھ کر اس زمانے کا نقشہ آنکھوں کے سامنے پھر جاتا ہے -

بدایع وقایع لکھتے ہوئے مخلص نے اپنے نزدیکی دوستوں اور دوسرے بعض اشخاص کے احوال زندگی بھی لکھ دیے ہیں جو کسی دوسرے ماخذ سے ہمیں معلوم نہیں ہو سکتے - ان اشخاص میں سے میر شرف الدین علی پیام ، محمد قلی خان ، لالہ سیوک رام ، معنی یاب خان شاعر ، محمد مرزا اور طہماسپ مرزا کے نام خصوصیت سے قابلِ ذکر ہیں -

سب سے زیادہ مستند معلومات تو مخلص کی اپنی زندگی کے متعلق میسر آتی ہیں - اس نے اپنے آباء و اجداد ، بھائیوں ، بیٹوں کا ذکر کیا ہے اور ان کے مناصب اور مغلیہ درباروں سے ان کے تعلقات پر روشنی ڈالی ہے - مخلص کی اپنی بود و باش ، عادات و خصائل اور ضمناً دہلی کی معاشرتی اور انتظامی امور کی کیفیت کا حال معلوم ہوتا ہے - غرض بدایع وقایع تاریخی نقطۂ نظر سے مفید معلومات کی حامل کتاب ہے -

مرآۃ الاصطلاح

عام معنوں میں یہ ایک لغت یا فرہنگ ہے ۔ لیکن عام فرہنگوں کی طرح اس میں مفردات یا الفاظ درج نہیں کہ ان کا تلفظ بنا کر ان کے مختلف معانی بتائے گئے ہوں ۔ اس میں زیادہ محاورات و امثال مندرج ہیں یا مرکبات ہیں جن کو شعراء نے استعمال کیا ہے اور ان کا ذکر ان قدیم فرہنگوں میں نہیں ، خاص طور پر ان مستند لغات میں جو مخلص کے زمانے تک لکھی جا چکی تھیں ۔ مثلاً فرہنگ سروری ، فرہنگ جہانگیری اور فرہنگ رشیدی ۔ یہ فرہنگ دقیق ہجائی ترتیب سے مرتب نہیں ہوئی ۔ اس میں زیادہ تر باب اور فصل کا خیال رکھا گیا ہے ۔ مثلاً باب الف ہے اور فصل ب ہے ۔ اس طرح جو الفاظ الف اور ب کے ساتھ آتے ہیں ان کو باری باری لکھ دیا گیا ہے ۔ مثلاً ابر رحمت ، ابر بہاران ، آب شیرازی ، آب بدست کس ریختن ، ابریشیم اس ترتیب سے مندرج ہیں ۔ مؤلف کا ادعا ہے کہ فرہنگ نویسوں نے فارسی گویانِ تازہ کی طرف توجہ نہیں دی ۔ میں نے نئے محاورات و اصطلاحات کو اِس فرہنگ میں داخل کیا ہے اور ان کے معانی و مطالب زبان دانان معتبر سے تحقیق کرکے لکھے ہیں ۔ یہ کتاب ۱۱۵۸ھ میں مکمل ہوئی ۔ مؤلف نے خود اس کی تاریخ لکھی :

این نسخہ را کہ نامش مرآۃ اصطلاح است
تالیف چون نمودم در بہترین ساعات
ملک سخن طرازم تحریر کرد مخلص
تاریخ اختتامش تحقیق اصطلاحات ۱۱۵۸ھ

لیکن تکمیل کے بعد اس میں ترمیم و اضافہ ہوتا رہا ۔ جیسا کہ مرآۃ اصطلاح کے اس نسخے سے واضح ہے جو پروفیسر سید اظہر علی کے پاس موجود تھا ۔ اس کے حاشیے پر انند رام نے اپنے قلم سے خود اضافے کیے تھے ۔ کہیں کہیں سراج الدین علی خان آرزو نے بھی اضافے کیے تھے ۔ یہ نسخہ

مؤلف نے اپنے استاد آرزو کے پاس نظرثانی کے لیے بھیجا تھا ۔ بھیجنے کے دس ماہ بعد مخلص وفات پا گئے ۔ آرزو نے سرورق پر اس کا ذکر کرکے ذیل کے دو شعر درج کیے ہیں[1] :

افسردگی مرا می پرسند اکنون نبود بشهر شوقم
دل بود انند رام مخلص از مردن او نماند ذوقم

اس سے ظاہر ہے کہ ۱۱۶۴ھ یعنی مخلص کے سال وفات تک اس میں اضافات ہوتے رہے ۔

مؤلف نے محاورات و مرکبات کی توضیح کے لیے معاصر اور قریب‌العصر شعراء میں سے آرزو ۔ فصاحت علی خان راضی ، صائب ، حزیں ، رضی‌دانش ، سعید اشرف وغیرہ کے اشعار سند کے طور پر پیش کیے ہیں ۔ بعض جگہ ظفر خان احسن اور عنایت خان آشنا کے اشعار بھی لکھے ہیں ۔ معلوم ہوتا ہے بعضوں نے ان اشعار کے استناد پر اعتراض کیا ہے ۔ اس کے جواب میں لکھتے ہیں :

"معلوم باد کہ ہر یکی ازینہا اہل ایرانند و زبان دان هستند ۔ دوم آن کسانند کہ مثل مرزا صائب و طالب کلیم و قدسی و سلیم رفیق شان بودند"[2] ۔

مؤلف نے عام محاورات کے علاوہ وہ خصوصی محاورات بھی درج کیے ہیں جو بعض الفاظ کے ساتھ وابستہ ہیں مثلاً آب ، آتش ، خط ، دست ، دل ، سر ، شب کے ساتھ مخصوص محاورات ۔ مؤلف نے خاص اہتمام سے ہر باب کے اختتام پر وہ تمام ضرب الامثال درج کر دی ہیں جو اس حرف کے

---

۱ - سفر نامۂ مخلص ، مرتبہ سید اظہر علی ، رامپور ، ۱۹۴۶ ، ص ۴۸ -
۲ - مرآة‌الاصطلاح ، نسخۂ خطی پنجاب یونیورسٹی لائبریری ، برگ ۳۳ -

ساتھ شروع ہوتی ہیں لیکن ان کی تشریح و توضیح نہیں لکھی ۔

اس فرہنگ میں محاورات و مرکبات کے معانی و مطالب کے علاوہ اور بہت سی مفید مطلب باتیں مندرج ہیں جو صرف اس کی مخصوص حیثیت کو منفرد کرتی ہیں ۔ مثلاً بعض الفاظ کے ضمن میں تاریخی کہانیاں یا واقعات و حوادث کا ذکر کیا گیا ہے ۔ بعض جگہ اپنے گھر کے واقعات کا حال بھی بیان کیا ہے مثلاً ایک رات چور آنے کا واقعہ لکھا ہے جس سے اس کی حویلی کے محل وقوع ، خواب گاہ اور حدود اربعہ کا تعین ہوتا ہے ۔ اس کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے کہ رات کے وقت قلماقنیاں پہرہ دیتی تھیں ۔ اس قسم کے خطرات کے پیش نظر کوتوال کی پرسش ہوتی تھی اور پہرہ چوکی اور مضبوط کیا جاتا تھا ۔ ورق ۱۸ ب سے ۱۹ تک ضوابط ہندوستان کے تحت ، مصاحب دربار ، تفصیل سواران منصب ، احوال تنخواہ ، احوال دستور اعظم ، القاب نواب وزیرالملک ، احوال وکیل مطق ، القاب آصف جاہ بہادر وغیرہ قسم کی تفاصیل درج ہیں جن سے اس زمانے کے سیاسی ، انتظامی ، عسکری اور اقتصادی نظم و نسق پر روشنی پڑتی ہے ۔ ایک جگہ تخت طاؤس کا تفصیلی ذکر ہے جو مؤلف کی زندگی میں نادر شاہ اپنے ہمراہ ایران لے گیا ۔ بعض جگہ کتابوں کا ذکر ہے مثلاً جواہر التفسیر اور جواہر القرآن ۔ بعض جگہ جغرافیائی نام کی تفصیل بتائی ہے مثلاً خاتون آباد (ص ۹۲) اس فرہنگ میں ایک اہم اور مفید عنصر معاصر یا قریب العصر شعراء اور اشخاص کا ذکر ہے ۔ کیونکہ ان کے احوال سے ایک چشم دیدگواہ کی شہادت میسر آتی ہے ۔ شعرا میں محمد یوسف نکہت (۸ ب) مرزا ذکی (۴) آرزو (۹ ب) قزلباش خان امید (۱۹ ، ۲۰) ۔ مرزا صائب (۷۰) احسن و آشنا (۱۱۸ ، ۱۱۹) ارادت خان واضح (۱۲۲) مرزا ہاشم محزون (۱۳۲) ، عبدالغنی قبول ، مرزا کرامی ، شرف الدین پیام ، محمد خان دیوانہ وغیرہ ۔ دوسرے اشخاص میں سے رای زادہ ہرکرن (منشی) (۱۰۷ ب) ، راجہ ہری سنگھ تیر انداز (۷۱) ، ہدایت اللہ خوشنویس اور گھنشام خدمتگار (۱۴۳ ب) کا ذکر موجود ہے ۔

اس فرہنگ کے مشمولات میں سے عصر مؤلف میں ہندو مسلم اور دیگر مذاہب والوں کے رسم و رواج پر بھی روشنی پڑتی ہے مثلاً شرب الیہود ، بام مارگی ، ستی ، سوئمبر اور بیڑہ پان کے متعلق معلومات حاصل ہوتی ہیں ۔

مخلص نے اپنے ماخذ میں سراج اللغات ، چراغ ہدایت ، حجت ساطع ، امثال مرزا محمد قزوینی ، فرہنگ جہانگیری ، تحفہ سامی ، تذکرۂ نصر آبادی کا ذکر کیا ہے ۔ اسی زمانے میں ٹیک چند بہار ، آرزو کے شاگرد اور مخلص کے ہم مسلک بھی ۱۱۵۲ھ میں بہار عجم مرتب کر چکے تھے جو محاورات و مصطلحات کے متعلق ایک مفصل لغت ہے لیکن انھوں نے اس کا ذکر نہیں کیا ۔

مخلص کی کلیات نثر کا ایک مجموعہ اوریئنٹل پبلک لائبریری ، بانکی پور میں منشورات انند رام کے عنوان سے موجود ہے ۔ متذکرۂ صدر نگارشات کے علاوہ مندرجہ ذیل دو اور نگارشات بھی موجود ہیں ۔

پری خانہ

یہ ایک البم کا نام ہے جس میں مخلص نے میر عماد اور میر علی جیسے ماہر خطاطین اور دوسرے نقاشوں اور مصوروں کی تصویروں کے نمونے جمع کیے تھے اور اس پر ایک طویل مقدمہ لکھا تھا جو کلیات کے برگ ۳۷ ب سے ۵۵ الف تک مکتوب ہے ۔ یہ مقدمہ ۱۱۴۴ھ میں لکھا گیا ۔ مخلص نے خود تاریخ لکھی :

زہی مرقع تصویر ہا یا بی بہا مرقع از تصویر

۲ ۔ محمد شاہ کی طرف صفوی بادشاہ کی تخت نشینی پر ایک طویل خط جس کا آغاز یوں ہے :

”سرنامہ بنام بادشاہیست کہ پیشش جبہہ سا ہر کج کلاہیست ۔

شاعر

مخلص کا شعری ذوق اچھا تھا۔ وہ نکتہ رس اور نکتہ فہم تھا۔ شعرا کی محفلیں میسر تھیں۔ باکمال استاد حاضر تھے اس لیے ذوق کی جلا ہوتی رہی۔ اس نے اکثر غزلیں لکھی ہیں۔ دیوان مرتب کیا تھا۔ آرزو اور خوش‌گو نے اپنے تذکروں میں اس کا انتخاب دیا ہے۔ ان منتخب اشعار سے ظاہر ہے کہ اس کا دل عشق کی کسک سے آشنا تھا۔ وہ کہتا ہے:

تاجر عشقیم مخلص می رسم از شہر دل
ہر کجا جنس وفا باشد خریداریم ما

ساکنان شہر خوش آب و ہوای الفتیم
عشق می بارد چو کنعان از در و دیوار ما

جذبۂ عشق کے ساتھ ساتھ وہ اپنے آپ کو دیوانہ، مجنون اور قلندر کہنے میں بھی مزہ لیتا ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ محبت میں دیوانگی اور وارستگی بھی ہو تو صحیح معنوں میں عشق کا لطف آتا ہے۔ اس نے لکھا ہے:

اعتباری پیش او دنیا و ما فیہا نداشت
مخلص از حالش خبردارم قلندر بودہ است

——— ———

میدہد این خاک وحشت خیز خیلی بوی درد
غالبا آسودہ اینجا مخلص دیوانہ است

——— ———

چون منجم دید طالع نامہ ام خندید گفت
این پسر قایم مقام حضرت مجنون شود

بے بسی و بے چارگی بھی عاشق کا خاصہ ہے ۔ مخلص نے اپنے آپ کو بڑے عجز و انکسار سے بے کس و دردمند کہا ہے :

میازار ای محبت باز چون من ناتوانی را
غریبی دردمندی بیکسی آزردہ جانی را
ز حال بلبل مسکین ندارم اطلاع اما
بپای گلبنی دیدم مشت استخوانی را

عشق ، دردمندی اور دیوانگی جس شخص میں اکھٹے ہو جائیں اس کی دل آزاری مناسب نہیں ۔ اس کی آہ و فغاں سے ڈرنا چاہیے ۔ اس لیے وہ تنبیہ کرتا ہے :

رحم کن بر خود میار آزردہ جانی را بشور
شعلۂ آواز بلبل خانۂ صیاد سوخت

مخلص کی غزل میں عموماً محب و محبوب کی باتیں ہیں ۔ جن اشعار میں محبوب کو مخاطب کیا ہے ۔ ان میں عاشق کے دل کی ہلکی سی فریاد شامل ہے اور یہی اصل میں غزل کی معنویت میں نمایاں عنصر ہے ۔ ذیل کے اشعار اس قسم کی معنویت کی عمدہ مثالیں ہیں :

ہر کجا ہست دل زار سلامت باشد
یا رب آن یار وفادار سلامت باشد
گر مناسب نبود آمدنم در کویت
بندہ پرور سر بازار سلامت باشد

نہ پیامی نہ قاصدی نہ خطی
از چہ رنجیدہ ای ازین مخلص

گفتم نگہی بسوی مخلص فرمود امیدوار باشد

اس کے دیوان کا ایک نسخہ خطی انڈیا آفس لائبریری شمارہ ۱۷۰۷ پر موجود ہے - جس میں برگ ۱۴۵ سے ۲۶۰ پر دیوان مخلص منقول ہے اس میں ۱۴۵ سے ۲۵۵ تک غزلیات ہیں اور ۲۵۵ سے ۲۶۰ تک رباعیات - رقعات میں اس نے اپنی چند غزلیں نقل کی ہیں - ان میں سے ہم تین یہاں نقل کرتے ہیں جن کو اس کے اسلوب کی نمائندہ غزلیں کہا جا سکتا ہے - چھوٹی بحروں کی غزلوں میں تغزل کی جھلک زیادہ نمایاں ہے :

جور گردوں کشیدہ را مانم　　بلبل دام دیدہ را مانم
خون چکان است ہر سر مژہ ام　　رگ تاک بریدہ را مانم
ہیچ لذت نیافتم ز حیات　　پیر ساغر کشیدہ را مانم
شرم آید بعرض احوالم　　الکن خواب دیدہ را مانم
نتوانم بضبط خود پرداخت　　حرف بر لب رسیدہ را مانم
بمزاجم سفر نمی سازد　　گل از شاخ چیدہ را مانم
جوہرم نیست بر کسی ظاہر　　بندۂ نو خریدہ را مانم
پر غریبم بعصر خود مخلص　　خاطر آرمیدہ را مانم
(رقعات ، ص ۱۴)

ہر سرشک مرا ز خون رنگ است　　ظاہرا عرصہ بر دلم تنگ است
ہمچو آبی کہ در چمن گردد　　در تلاش تو دل بصد رنگ است
تا کجا صبر ہرچہ بادا باد　　دل بآن شوخ بر سر جنگ است
نتوان بود غافل از مخلص　　بندۂ خیرخواہ یکرنگ است
(رقعات ، ص ۵۳ - ۵۴)

ہمگی رنگ و بو بیان من است　　تو گلی باعث فغان من است
بندہ تنہا نیم غلام بتان　　عاشقی رسم دودمان من است

بسکہ خون از برم چکد گویا برگ گل فرش آشیان من است
همچو فواره از کمال صفا در دل است آنچہ بر زبان من است
دست و تیغی بروی کار بیار اگرت ذوق امتحان من است
بلبل رنج دیدهٔ قفسم شور انگیز داستان من است
مخلص آن یار محرم اسرار زنده باشد کہ قدردان من است
(رقعات ، ص ۱۳)

اس قسم کے اشعار کو دیکھ کر قیام الدین نے اپنی یا کسی دوسرے کی رائے کا یوں اظہار کیا ہے :

"فصاحت سخن و خوبی تلاش و رنگینی معانی از اشعارش مانند بو از گل در جوش است و لطافت کلام و سلاست الفاظ و نوی طرز از ابیاتش بسان آب در گہر هم آغوش[۱] ۔"

انداز بیان میں سلاست اور لطافت واضح ہے لیکن مخلص کو شور محبت سے لبریز اپنا کلام پسند ہے ۔ وہ کہتا ہے :

لبریز از ترانهٔ شور محبت است دیوان شعر مخلص شیرین کلام ما

آرزو نے صرف اتنا کہا ہے کہ "اشعارش نہایت مرغوب است ۔"[۲]

مصحفی نے لکھا ہے : "او شعرهای رنگین و آبدار دارد ۔"[۳]
خوشگو اس کے دوست ، ہم کیش و ہم مشرب نے اس کی بہت تعریف کی ہے

---

۱ ۔ مقالات الشعرا ، قیام الدین حیرت ، مرتبہ نثار احمد فاروقی ، دہلی ، ۱۹۶۸ع ص ۸۰ ۔
۲ ۔ مجمع النفایس ، مخطوطہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری ، شمارہ ۱۳۸۹ ، برگ ۳۵۱ ۔
۳ ۔ عقد ثریا ، غلام ہمدانی مصحفی ۔

اور کہا ہے :

"شاعر معنی تلاش خوش زبانی مثل او درین جزو زمان کمیاب است ۔"[۱]

والہ داغستانی نے کسی اور نقطۂ نظر سے مخلص کی استعداد کا اعتراف کیا ہے ۔ اس نے لکھا ہے :

"از جماعہ ہنود درین زمان کسی بخوش محاورگی او نیست ۔"[۲]

مخلص نے زمانے کے رواج کے مطابق قدرتِ کلام دکھانے کے لیے محاورے کا استعمال کیا ہے اور مراعات النظیر سے کام لیا ہے ۔ مثلاً یہ دو اشعار دیکھیے :

گذشتی از نظر و بی تو زندہ ایم ہنوز
بشرم آب نگشتیم خاک برسر ما

سیاحت پیشہ ام از بیستون عشق می آیم
حکایتہای شیرینی ز حال کوہکن دارد

رباعیات مخلص

مخلص نے اپنی چیدہ چیدہ رباعیات کا ایک مجموعہ مرتب کیا تھا ۔ اس کے ہاتھ کا لکھا ہوا نسخہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری ، مجموعہ شیرانی میں شمارہ PiVI 110 پر موجود ہے ۔ نسخہ کرم خوردہ ہونے کی وجہ سے متن کا بہت سا حصہ قابل استفادہ نہیں رہا ۔ اس نسخے میں ۲۵ برگ ہیں ۔ کل ساٹھ

---

۱ ۔ سفینۂ خوشگو ۔
۲ ۔ ریاض الشعرا ، نسخۂ خطی پنجاب یونیورسٹی لائبریری ، برگ ۳۷۳ ۔

ستر رباعیاں ہوں گی ۔ یہ رباعیاں ۱۱۵۸ تک لکھی گئی ہیں کیونکہ ان میں ۱۱۵۱ ھ (آمد نادر شاہ) اور ۱۱۵۸ھ (سفر بن گڑھ) کا ذکر موجود ہے۔

رباعیات کا موضوع لطف بہار ، ستایش دلبر ، تعریف سرشف ، تعریف افیون ، مضمون لال ، مضمون لالہ ، جوش و مستی وغیرہ ہے ۔

شاعر کی روح سرشار ہے ۔ اس کے دل میں حسن فطرت سے لطف اندوز ہونے کا جذبہ موجزن ہے ۔ وہ کہتا ہے :

فصل گل و جوش ابری ہست ، برآ

———

یا کردیم چراغاں بکنار دریا

اس کا دل درد آشنا ہے وہ اپنے اشعار کی خصوصیت ہی سوز و درد بتاتا ہے :

بر خود نازد سخن ز نام مخلص
لبریز ز درد است کلام مخلص
نتوان از حق گذشتہ می بارد درد
از اشعار انند رام مخلص

وہ عشق کی کسک اور فراق کے سوز کو جانتا ہے ۔ اسی لیے وہ ان کیفیات کو بیان کرتا ہے :

مخلص ز فراق آن بت آفت ہوش
ہر مژہ ام خون جگر دارد جوش
دور از بزمش برنگ شمع تصویر
عمریست کہ می سوزم و ہستم خاموش

مخلص کو بظاہر جاہ و مرتبہ حاصل تھا ۔ ٹھاٹھ باٹھ بھی امیرانہ تھی لیکن حساس ہونے کی وجہ سے اسے حقیقی سکون حاصل نہیں تھا ۔ اس کیفیت سے زمانے کی نا سکونی کا بھی پتا چلتا ہے ۔ وہ چاہتا ہے کہ جاہ و منصب چھوڑ کر عزلت میں راحت پائے ۔

گفتم چکنم تا بیاساید دل
فرمود کہ ترک جاہ و حُب دنیا

—:o:—

شاکر اٹکی

شاکر اپنے تخلص سے ہی پہچانے جاتے ہیں ۔ نام نہیں معلوم ہو سکا۔ انھوں نے اپنے مرشد حضرت یحیٰی اٹکی کو دادا بھی کہا ہے :

غرقت الاثم یا جدی ترحم　　　واکشف من فواد فی الکسوف

موجودہ جانشین کے پاس حضرت جی کا جو نسب نامہ موجود ہے، اس میں ان کے دو پوتوں کے نام عبدالشکور اور عبداللہ مذکور ہیں ۔ یقینی طور پر نہیں کہا جا سکتا کہ ان میں سے شاکر کا نام انہی کا ہے ۔ شاکر اٹک کے رہنے والے تھے ۔ اپنے دادا کے مرید ہوئے ۔ وہیں تعلیم و تربیت حاصل کی ۔ ان کے دیوان سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ دینی علوم سے بہرہ ور تھے ۔ عربی میں بھی اشعار لکھ لیتے تھے ۔ انھوں نے ۱۱۳۲ھ میں مرشد کی وفات پر قطعۂ تاریخ کہا ۔ اس سے ظاہر ہے کہ پچیس تیس برس کی عمر کے تو ہوں گے ۔ ۱۱۸۶ھ میں تو وہ ضرور زندہ تھے کیونکہ اس سال ان کا بیٹا جسے وہ شہ پسر کہتے ہیں، وفات پا گیا ۔ ان کی بیوی کا بھی انتقال ہوگیا جب اس نے مردہ بچی کو جنم دیا ۔ آخر وہ جفا و جور کسان سے مجبور ہو کر اٹک چھوڑ کر نوشہرہ چلے گئے ۔ وہاں ۱۱۸۶ھ میں ان کا عزیز بیٹا انتقال کر گیا جس کا انھیں بڑا صدمہ ہوا ۔ وہ سنگ گردہ اور برص میں مبتلا رہے ۔ اپنے اشعار میں مرض سے نجات کے لیے دعا مانگی ہے :

"می شود در دم صحیح از برص و سنگ گردہ نیز"

شاکر نقشبندی سلسلۂ تصوف سے وابستہ تھے ۔ حضرت شیخ احمد

سرہندی تک ان کا سلسلۂ طریقت اس طرح تھا :

حضرت یحییٰ اٹکی ، سعیدی لاہوری (م - ۱۰۸۷ھ) آدم بنوری (م - ۱۰۵۳ء) - شیخ احمد سرہندی (م - ۱۰۳۵ھ) -

دیوان

شاکر نے اپنا دیوان خود مرتب کیا تھا - تاریخ ترتیب نہیں بتائی شروع میں دعا ، مناجات در جناب باری تعالیٰ ، مناجات در حضرت رسول ، در جناب پیر دستگیر ، در جناب حضرت نقشبند اور در جناب مرشد لکھنے کے بعد سلسلۂ مشایخ نقشبند کا شجرۂ طریقت منظوم کیا ہے - صفحۂ ۱۲ سے ۸۰ تک غزلیات ، ۸۱ سے ۹۱ تک مثنوی و قصیدہ میں پند و موعظت منظوم کی ہے - ۹۲ سے ۱۱۱ تک بیوی اور بیٹے کی وفات پر حسرت و یاس میں ڈوبے ہوئے اشعار لکھے ہیں - ۱۱۸ تک قطعات و معمات ، ۱۱۸ سے ۱۲۴ تک رباعیات ، ۱۲۸ تک مفردات ، ۱۲۹ سے ۱۳۲ تک اردو کلام مندرج ہے -

دیوان شاکر مجلس نوادرات علمیہ اٹک (کمیبلپور) کے توسط سے ۱۹۷۳ء میں شائع ہو چکا ہے - اس کی ترتیب و تصحیح کا کام نذر صابری اور سید رفیق بخاری نے سرانجام دیا ہے - سعداللہ کلیم نے شرح احوال اور اردو کلام پر تبصرہ لکھا ہے -

دیوان شاکر میں غزل کے لوازم موجود ہیں - شاعر کا دل درد و گداز سے مالا مال ہے ، اس لیے فراق یار میں اس کا تڑپنا دوسروں کو بھی تڑپاتا ہے - درد فراق میں اس کی کسک اور ٹیس محبوب کے دل کو بھی نرم کر سکتی ہے :

در آوردنم نگر کہ چونم بجز تو ای روی لالہ گونم
نماندہ در ہیچ عضو خونم چو سرو استادہ ام بیک پا

ای پری چهره خدا را کرمی کن رحمی
چند در بادیهٔ ہجر کنی خوار مرا

اس کا محبوب تجریدی پیکر کا حامل نہیں ۔ وہ سراپا عشوہ و ناز ہے ۔ ایک رباعی میں اس کی خصوصیات بیان کی ہیں :

دلبری سرو قدی شوخ وش بی باکی
خوش چمان در چمن ناز و حیا چالاکی
عشوہ و ناز کنان روح فزا طنازی
چہ پری چہرہ فرح بخش ہر غمناکی

شاعر کی محبت تجریدی نہیں اور صرف جذبات و احساسات کے اظہار تک محدود نہیں ۔ اس میں ہوس کا شائبہ بھی ہے ۔ وہ بوس و کنار اور جسمانی تماس سے بھی لطف اندوز ہونا چاہتا ہے :

تا بلب گیرم لب گلگون و در بر قامتت
آرزو دارم کہ باشم دائماً ہمدوش تو
آرزو دارم کہ دست اندازم اندر گردنت
بوسہ ها چینم گہ از لب گہ ز رخ گہ ز گوش تو
ای پری پیکر ببر شو تا نہم لب برلبت
سینہ با سینہ بمالم ، دوش خود یا دوش تو

آرزو دارم کہ قربانت شوم یک شب از شبہای ، مہمانت شوم
از کرم ہم بسترم سازی نگار ہم ببازی گوی و چوگانت شوم

محبوب سے لطف اندوز ہونے کے لیے پر بہار فضا کی ضرورت ہے ۔ اس کے ساتھ ہی شراب و رباب بھی لازم ہیں ۔ شاکر بھی اس جذبے سے سرشار ہیں ۔ باغ و بہار ، سرو و گل اور بلبل و قمری ان کے لیے فرح بخش ہیں ۔

وہ اکثر اس قسم کے مناظر کو صدق و اخلاص سے بیان کرتے ہیں :

ساقیا بہار آمد ساغر شراب کجاست
کو ترانۂ چنگ و نغمۂ رباب کجاست

شاکر شراب تو نہیں پیتے ہوں گے۔ می و مینا کی باتیں محض شعری روایت کی پابندی میں کہی ہیں۔ چنانچہ ہلال عید بھی نور جہاں کے مشہور مصرعے کے مطابق انھیں بھی کلید میخانہ ہی نظر آتا ہے :

بر سمند اوج جولان کرد امشب ماہِ عید
زاہدان را شد ہزیمت فتح میخواران رسید
ساقیا ساغر بگردان بزم مستان شاد کن
کین در میخانہ را گم گشتہ ، پیدا شد کلید

ممکن ہے بعض اشعار میں شراب سے مراد شراب معرفت ہو۔ مثلاً ذیل کے مصراع میں :

کو جام می کہ عاقل و بینا کند مرا

شاکر کے دیوان میں دوسرے بڑے صوفی شعراء کی طرح مسائل تصوف بیان نہیں ہوئے۔ لیکن کہیں کہیں عشق کی برکتوں کی طرف اشارات ہیں۔ راہِ عشق میں ترک خور و خواب اور ترکِ نفس کی تلقین کی ہے۔ وہ بھی مولانا روم کی طرح عشق کو اپنے مرض دروں کا علاج سمجھتے ہیں اور عشق کو بقائے دوام کا ذریعہ جانتے ہیں۔

گفتم صلاح چیست وجود سقیم را گفتا بدرد ساز و بشو بیقرار ما

ع گر بقای ابدی می طلبی عاشق شو

زندگی کا حاصل یہ ہے کہ انسان محبوب حقیقی یعنی خدا کی یاد سے

ایک لمحہ کے لیے غافل نہ رہے :

جز بیاد اسم اعظم دم مزن شاکر فقط
کی بود غفلت مرا چون ہر نفس محبوب شد

یک دم یادِ او بہ آگاہی ز افسر و تاج پادشاہی بہ

ان کا نظریہ یہ ہے کہ ظاہری علوم پڑھ کر روحانی امراض کی اصلاح نہیں ہو سکتی ۔ چنانچہ ایک قطعہ میں فرماتے ہیں کہ شفا و اشارات یا ملخص پڑھ کر باطن کا مرض دور نہیں ہوتا ۔

شاکر کے دل و دماغ کی تمام کیفیات ان نظموں میں ابھر کر سامنے آ گئی ہیں جو انھوں نے اپنے بیٹے کی وفات پر اور اٹک سے نوشہرہ کی طرف مہاجرت پر لکھی ہیں ۔ ان میں شاعر کا کمال درد و سوز عیاں ہے ۔ شاکر میں فریاد و فغاں کی تمام صورتیں ہیں ۔ وہ خدا ، رسول اور مرشد سے بھی گلہ کرتے ہیں کہ ان کی دعا قبول نہیں ہوئی لیکن آخر کار صبر و شکر سے خاموش ہو جاتے ہیں ۔

شاکر کے تمام اشعار میں پختگی اور فنی استحکام نہیں ۔ بعض جگہ عیوب قافیہ موجود ہیں ۔ عربی کے غریب اور نامانوس الفاظ بھی استعمال کیے ہیں ۔ مثلاً حمرة الخجل (ص ۲٦) تسویف و تعنیف (ص ٦) ۔

شاکر نے بعض جگہ حافظ کی غزل کا تتبع کیا ہے اور اس کے شعر پر تضمین بھی کی ہے ۔ دو جگہ معز کا نام آیا ہے ۔ مرتبین نے حاشیے میں معز کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ شاکر کا کوئی عزیز دوست ہوگا ۔ ممکن ہے معز سے مراد موسوی خان معز فطرت ہوں جو اپنے زمانے میں استاد شعراء سمجھے جاتے تھے ۔ اشعار یہ ہیں :

شاکر مرا معز شدہ جالب درین خیال
زان دور ماہ ، ریشۂ سنبل گرفتہ است (ص ۲٦)

شاکر مرا معز شدہ باعث وگرنہ کی
خواہم کہ تا سخن ز من و او شود بلند (ص ۴۱)

شاکر نے اپنے دیوان کی معنوی خوبیوں کی طرف ایک قطعہ میں خود اشارہ کیا ہے ۔ وہ اپنے کلام کو مخزن اشعار عشق ، دفتر عشق بتاں ، اشعار حزیں ، اشعار رنگین اور تسکین درد مند ان کہہ کر متعارف کراتے ہیں اور یہ خصوصیات ان کے دیوان پر صادق آتی ہیں ۔

——:o:——

بیرنگ لاہوری[1]

مرزا محمد یا مہدی نام - بیرنگ تخلص - بندرابن داس خوشگو نے لکھا ہے کہ اصلاً وہ پشاور کا تھا - لاہور میں سکونت پذیر ہوگیا - حاکم نے اس کی تعریف کی ہے اور لکھا ہے کہ وہ فاضل ، حکیم اور صاحب علم و حلم تھا - شروع میں وہ سعادت علی خان کے ساتھ منصب دار کی حیثیت سے ملازم تھا - بعد میں ناظم لاہور و ملتان نواب سیف الدولہ دلیر جنگ عبدالصمد خان کی ملازمت میں داخل ہوگیا - قصیدہ لکھ کر پیش کیا اور خلعت و انعام سے سرفراز ہوا - قصیدے کے چند اشعار یہ ہیں :

خامہ را ہر گاہ می پرسم کہ ممدوح تو کیست
نام سیف الدولہٴ عبدالصمد خان می برد

آن دلیر عرصہٴ جنگ آن بہادر روز رزم
آنکہ تیغش رنگ از روی ہزبران می برد

قدر دانا - قدر من نشناخت کس از ناکسان
حیف کس آئینہ را در شہر کوران می برد

بر امید قدر دانی آمدم در حضرتت
خود سخن صاحب سخن پیش سخندان می برد

وہ لاہور میں محمد نظام معجز اور عبدالصمد سخن کے ساتھ ہم طرح غزلیں کہتا تھا - محمد علی رائج اور فقیراللہ آفرین کو پیشرو استاد سخن مانتا

---

١ - تذکرۂ مردم دیدہ ، حکیم بیگ حاکم ، مرتبہ سید عبداللہ ، لاہور ، ١٩٦١ ص ١٥٤ - ١٥٦ - سفینہٴ خوشگو ، بندرابن داس خوشگو - مرتبہ شاہ محمد عطاءالرحمٰن ، پٹنہ ، ١٩٥٩ ، ص ٥٥ - ٥٦ -

تھا - حکیم کا خیال ہے کہ وہ جلال اسیر اور عبداللطیف تنہا کے تتبع میں طبع آزمائی کرتا تھا - اس کا دیوان تقریباً چار ہزار اشعار پر مشتمل تھا اور اس کے اصناف سخن میں سے قصیدہ ، مثنوی اور نعت و منقبت شامل تھے -

بقول حاکم محمد علی رائج اور بیرنگ ایک ہی دن چند گھنٹوں کے وقفے میں وفات پا گئے - خیراللہ فدا بیرنگ کے شاگرد نے ایک عدد کی زیادتی سے تاریخ نکالی :

''باقی باللہ شد بیرنگ در بزم بقا''

اس سے عدد ۱۱۲۴ھ نکلتا ہے یعنی سال وفات ۱۱۲۳ھ ہے - خوشگو نے بھی یہی لکھا ہے لیکن رائج ۱۱۵۰ھ میں فوت ہوئے - جیسا کہ حاکم نے خود تاریخ لکھی تھی - 'رفت رائج بعالم باقی' اور اس سے ۱۱۵۰ھ سال نکلتا ہے - اس لیے ظاہر ہے کہ بیرنگ اور رائج ایک دن فوت نہیں ہوئے - خیر اللہ کی اس تاریخ میں لطف ہے کہ بیرنگ حضرت باقی باللہ سے روحانی عقیدت رکھتا تھا اور انھی کے تتبع میں اپنا تخلص بیرنگ رکھا تھا -

خوشگو نے بیرنگ کو خوش خیال ، خوش سلیقہ اور خوب گو لکھا ہے اور حاکم کے خیال میں وہ پایۂ استادی پر پہنچ چکا تھا - صرف ان دونوں نے اپنے تذکروں میں اس کا ذکر کیا ہے اور ذیل کے اشعار درج کیے ہیں :

قطرہ قطرہ می بارد ابر تا چہ می خواہد
ساقی اند کی در یاب کین ہوا چہ می خواہد

بادام - از چشم او مزن دم ای جستہ ترا چہ در دماغت

این زندگی بلاست ز سر وا نمی شود
سر بارہا بہ تیغ بریدیم ہمچو شمع

الفت آموختی دل مارا سوختی سوختی دل مارا

دماغ دل دهی نیست آستین مرا
دگر بگریه میاور دل حزین مرا
(تذکرهٔ مردم دیده) ص ۱۵۵ - ۱۵۶ -

تراشهٔ جگرش می کند نثار عقیق
گرفته نام تو از رشک در کنار عقیق

بر خویش رفته رفته چه بر آرزو فتاد
آخر کمند رتبهٔ او در گلو فتاد

رفتم از خویش سوی یار سلامی گفتم
قاصد گریه روان بود پیامی گفتم

نشاه حسن به عشاق چه نیرنگی کرد
خال تریاکی و لب میکشی و خط بنگی کرد

توان به طاعت حق یافت رو سفیدی حشر
که سجده رنگ سیاهی برد ز روی نگین

بادام - به چشم او مزن دم
ای خسته چه در دماغ داری
(سفینهٔ خوشگو ، ص ۵٦)

اتفاق سے بیرنگ کا مختصر دیوان پنجاب یونیورسٹی لائبریری ، مجموعہ شیرانی میں مل گیا ۔ (شمارہ ۵۲۹۴/۲۲۸۸) کل ۱۰۱ برگ ہیں ۔ اس میں صرف غزلیات اور رباعیات ہیں ۔ قصیدہ اور مثنوی نہیں ۔ بیرنگ نے لکھا ہے کہ یہ میرا خود انتخاب کردہ ہے :

کم بیرنگ را زیادہ شمار　　کہ سخنہایش انتخاب خوداست

ایک جگہ کہا ہے کہ میرا ہر شعر ہی انتخاب ہے :

کدام شعر تو ناخن بدل نزد بیرنگ
سفینۂ غزلست انتخاب نشناسد

بیرنگ جلال اسیر سے متاثر تھا جیسا کہ اس نے خود کہا ہے :

ز خامہ فیض کلام اسیر می جوشد
بدیہہ آمدہ بیرنگ این غزل مارا

بیرنگ کو اپنے اشعار کی سحر انگیزی اور معجزہ کاری کا بھی گمان تھا :

مردہ طبعانرا تواند گفتگویت زندہ کرد
سحر بودہ است این سخن بیرنگ تا اعجاز بود

نماند مستمع را ہوش بیرنگ از سخنہایت
صریر خامہ ات از پردۂ اعجاز می آید

ہمارے پاس اطلاعات نہیں کہ ہم یقین سے کہہ سکیں کہ بیرنگ نے عملی طور پر فقیری درویشی اپنائی تھی ۔ فنا و بقا کی کشمکش سے دو چار ہوا تھا اور فراق محبوب میں تڑپا کیا تھا ۔ لیکن اس کے اشعار

سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ان تجربات سے آشنا ہے۔ مثلاً وہ اپنی فقیری کے متعلق کہتا ہے:

نہ شہ اقبال و نہ تدبیر وزیرم کردند
دل ز کونین غنی بود فقیرم کردند

اور پھر اصلی فقیری کے متعلق کہتا ہے:

از بحر فنا کسی کند سر بہ بقا
کز ہستی او اثر نماند اصلا

تا از نفس حزین باشد رمقی
ہرگز نہ تہ آب نیاید بالا

نی کفر شناسم و نہ ملت نی کیش
با یار مرا طرفہ سلوک آمد پیش

تا دیدہ کشایم او کند جلوہ نہان
چو چشم بپوشم او کشاید رخ خویش

اس نے بات تو ایسے کی ہے جیسے اس کی آپ بیتی ہو۔ اسی طرح وہ اپنے اندر جذبہ و جوش کو بیان کرتا ہے:

ہمہ تن آتشم و گریہ ز من می جوشد
گر تنوری شدہ‌ام جوشش طوفانی ہست

یا

بیرنگ آہ گرم ز سوز کہ میکشی
چون برق نالۂ تو پر افشان آتش است

کیا واقعی اس کے نالہ و آہ میں اتنا اثر تھا کہ آسمان اس کے سامنے نہیں ٹھہر سکتا یا ویسے ہی مجذوب کی بڑ کی طرح محض اس کا غوغا اور

شور ہے :

راز داری رخصت آہم نداد
ورنہ این گردوں حبابی بیش نیست

آسمان وسعت یک نالۂ دل خواہ نداشت
نیم آہی بکشیدیم و فضا تنگی کرد

اپنی فقیری اور خاک نشینی کے باوجود اس کی ہمت کی شان ملاحظہ ہو :

ندہد ہمت من در عوض کرسی چرخ
رتبۂ خاک نشینی کہ سریرم کردند

بیرنگ کی وہی غزلیں کامیاب کہی جا سکتی ہیں جن میں غم الفت، درد فراق اور داغ حسرت کی باتیں ہیں ۔ کیونکہ یہی باتیں دل کو لگتی ہیں ۔ ان غزلوں میں جہاں قافیہ ردیف کا تکلف ہے وہ بے لطف ہیں ۔ چھوٹی بحروں والی غزلوں میں تصنع کم ہوتا ہے اس لیے ان میں جذبات کا خلوص بھی جھلکتا ہے ۔ مثلاً مندرجہ ذیل دو غزلیں دیکھیے :

الفت آموختی دل مارا   سوختی سوختی دل مارا
روی شادی ندیدہ در عمرش   چہ غم اندوختی دل مارا
نمک پارہ اش زدی یکباب   زخم اگر دوختی دل مارا
داغ حسرت بسینہ می سوزد   آتش افروختی دل مارا
ای بقربان دلبری بیرنگ   الفت آموختی دل مارا

عاشقی درد نہان میباشد   دل طپیدن خفقان میباشد
زیستن بیتو محالست محال   دوستی دشمن جان میباشد

با قد خم شده ام گوشه نشین چله در خورد کمان میباشد

انتظارت ز گلستان گل کرد چشم نرگس نگران میباشد

نکهت پهلوی دل بنشیند تیر نزدیک نشان میباشد

گذرد از تربت ما بیگانه آشنائی نه چنان میباشد

دیده حالت بیرنگ مپرس که عیان را چه بیان میباشد

اسی انداز کی ایک اور غزل دیکھیے تغزل کے رنگ کی ہلکی ردیف کے ساتھ :

ز غمت بخون نشستم که نظر کنی ، نکردی
بره تو خاک گشتم که گزر کنی ، نکردی

ز تو ناله بود امیدم که بگوش یار راهی
بشب ار نکرده باشی بسحر کنی ، نکردی

چو کمان کشادم آغوش همه عمر و پیر گشتم
که قد خمیده دستش بکمر کنی ، نکردی

ز تو گریه داشتم چشم که نثار مقدم او
چو سحاب دامنم پر زگهر کنی ، نکردی

بیرنگ کو اگرچہ ناکامی کا احساس ہے اور وہ رنج و غم جھیل رہا ہے ۔ اس کا غنچۂ امید کھلتا نظر نہیں آتا لیکن وہ مایوس نہیں ۔ پر امید ہے ۔ وہ ایک نہ ایک دن ضرور کامیاب ہوگا ۔ رنج کے بعد ضرور راحت آئے گی ۔ مثلاً اس سلسلے میں وہ کہتا ہے :

ہر کہ تخمی کاشت از حسن عمل ضایع نہ شد
میدہد آخر ثمر روزی درخت باغبان

اور

نشوی سنگدل از گردش گردون کآخر
شام غم میرود و صبح طرب می آید

——:o:——

خیراللہ فدا[1]

خیراللہ نام تھا اور فدا تخلص۔ باپ کا نام عبداللہ تھا جو معین الدین احمد امانت خاں، منصب دار عالمگیری کی ملازمت کی وجہ سے امانت خانی کہلاتے تھے۔ ان کی زندگی کے متعلق بہت کم معلومات حاصل ہوئی ہیں۔ ان کی علمی و ادبی زندگی لاہور میں گزری۔ وہ لاہور کے مربی علم و ادب غلام محی الدین المعروف بہ خواجہ سنگین سے وابستہ رہے اور ان کے فیاضانہ سلوک سے مستفیض رہے۔ ان کی وفات کے بعد وہ گوشہ نشین ہو گئے۔ خوش گو نے لکھا ہے کہ وہ درویشان صاحب حال کی صحبت میں رہے تھے اور بے طمع تھے۔ وہ حنفیہ مسلک تھے اور تصوف میں قادری سلسلے سے وابستہ تھے جیسا کہ انھوں نے خود لکھا ہے:

قادری مشربم بصدق و یقین حنفی مذہبم بملت و دین

حاکم نے بتایا ہے کہ لاہور کے صوبیدار معین الملک کے دورۂ حکومت یعنی (۱۱۶۱-۱۱۶۷ھ) میں فدا ہمارے گھر آیا کرتے تھے اور شعر و سخن کی محفلیں برپا ہوتی تھیں۔ تذکرۂ مردم دیدہ سے معلوم ہوا ہے کہ ان کے استاد میرزا محمد بیگ بیرنگ تھے اور ان کے ایک شاگرد علی محمد تجرد تھے۔

۱۔ تذکرۂ مردم دیدہ حکیم بیگ حاکم، مرتبہ سید عبداللہ، لاہور، ۱۹۶۱، ص ۱۷۶-۱۷۸-۱۵۴-۱۵۷، سفینۂ خوشگو، مرتبہ شاہ محمد عطاء الرحمٰن پٹنہ، ۱۹۵۹، ص ۲۶۲- گلِ رعنا، شفیق اورنگ آبادی، نسخہ خطی پنجاب یونیورسٹی لائبریری، مجموعہ شیرانی، شمارہ ۱۳۹۰، برگ ۲۳۶- مرزا و صاحبہ مرتبہ خدیجہ طاہرہ، تصحیح و مقدمہ، نسخۂ خطی پنجاب یونیورسٹی لائبریری۔

فدا مثنوی نگار کی حیثیت سے معروف تھے ۔ حاکم کا خیال ہے :

"در عالم مثنوی گویی چون وی بنظر نیامد"

انھوں نے زلالی خوانساری کی سات مثنویوں کے مقابل مثنویاں لکھنے کا ارادہ کیا تھا ۔ وہ چار مثنوی لکھنے پائے تھے کہ اجل نے آ لیا ۔ شفیق نے گل رعنا میں ان کی تین مثنویوں کے چند اشعار درج کیے ہیں اور یہ بھی ذکر کیا ہے کہ کس کس مثنوی کے جواب میں یہ اشعار لکھے گئے ہیں ۔ مثنویوں کے نام نہیں بتائے ۔

در جواب مثنوی آذر و سمندر زلالی

تنگ آمدہ جامہ در بر او   از تکمہ زدہ گرہ بر ابرو
پایش ز حنا بنشاہ بنگ   خوابیدہ بگاھوارہ؟ رنگ
از شست حنا حدنگ می زد   راہ دل و دین برنگ می زد

در جواب مثنوی ذرہ و خورشید :

لب او می شکنند قیمت قند   نیشکر آہ بلند است کہ چند
از مسلسل بکمر بند زوش   بند شد شانہ بموی کمرش

در جواب مثنوی میخانہ

غنچہ لب چو در سبق وا شد   قفل ابجد بنام حق وا شد

ہمیں صرف دو مثنویوں کے نام معلوم ہو سکے ہیں ۔ لیلی و مجنون اور میرزا و صاحبہ اور صرف مؤخرالذکر کا نسخہ خطی دستیاب ہو سکا ہے ۔

مثنوی مرزا و صاحبہ کے علاوہ فدا کے مندرجہ ذیل اشعار تذکرۂ مردمِ دیدہ میں مذکور ہیں :

چین غیرت آن بت بیرحم بر ابرو شکست
تیغ را جوہر ز حسرت در گریبان مو شکست

عبدالحکیم حاکم کی تعریف میں یہ اشعار:

ای شدہ در ملک قدیم سخن حاکم باللہ و حکیم سخن
نبض شناس نگہ ناتوان محرم بیماری چشم بتان
درد دلم را کہ دوا میکنی کار بقانون شفا میکنی
مکتبی از درس تو درس خوان لیلی و مجنون بسواد روان

مثنوی مرزا و صاحبہ

مثنوی کا آغاز حمد و مناجات، نعت رسول سے ہوتا ہے۔ بعد میں اپنے پیر طریقت شیخ عبدالقادر جیلانی اور بابا فرید گنج شکر کی منقبت میں اشعار لکھے ہیں۔ سبب تالیف میں فدا نے لکھا ہے کہ میں نے دوستوں کی فرمائش پر اس عشقیہ داستان کو منظوم کیا تاکہ یہ اور دلکش و دلپذیر ہو جائے۔ انھوں نے اس کہانی کے ماخذ کا ذکر نہیں کیا۔ اس سے پہلے پیلو نے عہد اکبری یعنی ۱۵۶۳ع اور ۱۶۰۶ع کے درمیان اور حافظ برخوردار نے عہد عالمگیری میں اس داستان کو پنجابی میں منظوم کیا اور تسکین نامی شاعر نے ۱۱۴۵ھ میں اسے فارسی میں نظم کیا۔ فدا نے یہ مثنوی ۱۱۵۵ھ میں لکھی۔ کردار و واقعات قصہ سے معلوم ہوتا ہے کہ فدا نے پیلو کا قصہ نہیں سنا تھا۔ البتہ تسکین اور فدا کا بیان کردہ قصہ ایک دوسرے سے مماثل ہے۔ ہم یہاں فدا کی مثنوی کا خلاصہ پیش کرتے ہیں۔ بعد میں پیلو اور تسکین کے ساتھ اس کے اختلافات کا ذکر کریں گے۔

مرزا ایک مرتبہ اپنے گاؤں راوی سے اپنے ننھیال جھنگ سیال میں گیا۔ جب وہ اداس ہوا تو اسے بھی مدرسے بھیجا گیا جہاں صاحبہ پڑھا

کرتی تھی ۔ آہستہ آہستہ ان دونوں میں محبت پیدا ہوگئی ۔ ایک طالب علم کی شکایت پر استاد نے یہ کیفیت دیکھ کر صاحبہ کی ماں کو خبردار کیا ۔ صاحبہ کو مدرسے سے آٹھا لیا گیا اور مرزا بھی وطن واپس چلا گیا لیکن وہ دونوں ایک دوسرے کے لیے بیقرار رہنے لگے ۔ ایک مرتبہ ایک شاعر صاحبہ کو دیکھ کر راوی میں آیا اور اس نے صاحبہ کے حسن و جمال کی تعریف کی ۔ مرزا تاب فراق نہ لا کر جھنگ گیا لیکن ملاقات کی کوئی صورت پیدا نہ ہوئی ۔ مرزا کے باپ نے صاحبہ کا رشتہ مانگا لیکن والدین نے انکار کر دیا ۔ ادھر صاحبہ مرزا کی جدائی میں روز بروز پریشان حال رہتی تھی ۔ آخر صاحبہ کے گھر والوں نے طاہر خاں چدھڑ سے اس کی نسبت ٹھہرائی ۔ شادی کی تیاریاں ہوئیں اور برات آنے کا دن مقرر ہوا ۔ صاحبہ نے پھوپھی کی معرفت مرزا کو پیغام بھجوایا تاکہ وہ آئے اور اسے لے جائے ۔ مرزا آیا اور صاحبہ عروسی جوڑا اتار مردانہ لباس پہن مرزا کے ساتھ گھوڑی پر سوار بھاگ نکلی ۔ صبح کے وقت ایک سبزہ زار میں پہنچے مرزا سو گیا ۔ اتنے میں صاحبہ کے گھر والے تعاقب کرتے ہوئے آ پہنچے مرزا نے تلوار سے کئی آدمیوں کو زخمی کیا اور صاحبہ کو گھوڑی پر سوار کر کے بھاگ نکلا ۔ اتفاق سے ایک ندی پھلانگتے ہوئے صاحبہ گھوڑے سے گر پڑی ۔ تعاقب کرنے والوں نے صاحبہ کو پکڑ لیا ۔ مرزا پلٹا اور مقابلہ کرتا ہوا تیر سے زخمی ہوا اور گرفتار کر لیا گیا ۔ مرزا کو آگ میں جلا دیا گیا اور صاحبہ کے گلے میں رسی ڈال درخت سے لٹکا کر ہلاک کر دیا گیا ۔

پیلو کے ہاں اس قصے کے مندرجہ ذیل کردار مذکور ہیں :

بنجل	مرزا کا باپ
چھتی	مرزا کی بہن
بکی	مرزا کی گھوڑی

کھرل	مرزا کا قبیلہ
دانا آباد	مرزا کا گاؤں
کھیوا خاں	صاحبہ کا والد
شہمیر	صاحبہ کا بھائی
بیبو	صاحبہ کی پھوپھی
سیال	صاحبہ کا گاؤں
ماھنی اور چندھڑ	صاحبہ کے قبیلے

فدا کے ہاں یہ نام مذکور نہیں ۔ فدا نے مرزا کے گاؤں کا نام راوی اور صاحبہ کے وطن کا نام جھنگ سیال لکھا ہے ۔ مرزا کی گھوڑے کا نام نیلی بتایا ہے ۔ پیلو والے قصے میں بیان ہوا ہے کہ میرزا کے قبیلے والے یعنی کھرل آئے اور مرزا و صاحبہ کی لاشیں دانا آباد لے گئے اور انھیں وہاں دفن کیا ۔ تسکین اور فدا کے قصوں میں کوئی خاص اختلاف نہیں ۔ تمام نام اور جزئیات قصہ ایک جیسی ہیں ۔ صرف ایک اختلاف ہے شمع محافل مولفہ تسکین میں ایک سیاح اور فدا کے قصے میں ایک شاعر صاحبہ کے حسن و جمال کی تعریف کرتا ہے ۔

فدا کے اپنے زمانے میں مثنوی نگار کی حیثیت سے اس کا نام معروف تھا ۔ حاکم نے لکھا :

"در عالم مثنوی گوئی چون وی بنظر نیامد ۔ معنی ھای بلند و مضمون دل پسند در مثنویات خود بکار بردہ ۔ در تلاش و شوخی الفاظ ثانی ز لالی بود ۔"[1]

---

۱ ۔ تذکرۂ مردم دیدہ ، عبدالحکیم حاکم ، لاہور ، ۱۹۶۱ ، ص ۱۶۷ ۔

کردار نگاری

فدا کی نظر دقیق ہے ۔ اس کا مشاہدہ غائر ہے ۔ وہ اشخاص قصہ کی جزئیات تک بیان کرتا ہے ۔ اس نے صاحبہ کی جہالی صفات گنوائی ہیں اور مدرسے کے غماز کی بری صفات کا بھی تجزیہ کیا ہے ۔ مؤخرالذکر کا ایسا حلیہ بگاڑا ہے اور اس کا ایسا ناک نقشہ پیش کیا ہے کہ ہنسی بھی آتی ہے اور کردار سے نفرت بھی پیدا ہوتی ہے گویا اس میں ہجویہ اور ہزلیہ دونوں عناصر موجود ہیں ۔ ہم بیان کی توضیح کے لیے چند اشعار نقل کرتے ہیں :

بود طفلی چو خوی بد ناساز　　ناز بیجا بروی زشت انباز
کل چو پشت کشف سر پر شور　　گشته پر ز زہر مار بیضهٔ مور
گردن ہمچو بند انگشتی　　بلکه در رفته مهرهٔ پشتی
قامتی چون حباب بی سر و پا　　نیمه ای زیر و نیمه ای بالا
در تکلم زبان ز جوش لعاب　　بود چون موشکی فتاده در آب
شکمی ہمچون کرته تا کف پا　　چاک دامن سرینِ نازیبا
دیده چون زخم بخیه برجسته　　مژه باہم ز بسکه پیوسته
بسکه در غورگی مویز شده　　پخته و خام و تلخ و تیز شده
در تگ و تاز چون نفس می سوخت　　فتنه را شمع کشته می افروخت
چون زبانه زبان بغمازی　　خانه سوزی بموشک اندازی
در دبستان خلیفهٔ تدریس　　درمیان فرشته چون ابلیس
راز ہای نہفته را جاسوس　　خفتهٔ خواب وصل را کابوس
میرزا را بدشمنی مشہور　　صاحبه را ز دوستداری دور

جذبات و احساسات کی عکاسی

کردار قصہ پر فدا کی گہری نظر ہے ۔ وہ ان کے جذبات و احساسات کو سمجھتا ہے ۔ محب و محبوب کی کشمکش اور فراق و وصال کے اضطراب کو جانتا ہے ۔ اس لیے قصے میں ایسے مواقع پر وہ کردار قصہ کی دلی و دماغی کیفیات کا خوب اظہار کرتا ہے ۔ مثلاً انکشاف راز کے بعد جب صاحبہ کو مرزا سے الگ کر کے تنہا چھوڑ دیا گیا اور فراق کی تب و تاب میں اس پر جو گزری اس نے صاحبہ کی حرکات بیان کر کے اپنے مطالعۂ نفسیات کی شہادت پیش کی ہے ۔ اس نے لکھا ہے :

در جدائی بداغ مائل شد　　چون پری بر چراغ مائل شد
گاہ آئنہ بر زمین می زد　　در پسِ روزنی کمین می زد
گاہ دست حنائی آن گلفام　　بر کشیدی چو آفتاب از بام
سر ز جیب ہوس بدیدن یار　　می کشیدی چو سرو از دیوار
سر بزانوی غم فرو میکرد　　با خود آہستہ گفتگو میکرد
کہ دل میرزا غمین باشد　　حال او ہم اگر ہمین باشد

مناظر کی عکاسی

کہانی کے دوران میں جہاں کہیں مناظر آئے ہیں جن کے بیان سے قصے میں دلچسپی ہو سکتی تھی ، وہاں شاعر نے فائدہ اٹھایا ہے اور دل کش انداز میں ان کو بیان کیا ہے ۔ مناظر فطرت سے لطف اٹھانے کا جذبہ بھی اس میں کار فرما ہے ۔ وہ غم‌زدہ کو گردش باغ اور رنگ و بو سے لطف اندوز ہونے کی ترغیب دیتا ہے :

وسعت غم چو سینہ سازد تنگ　　دل بیاد چمن بیازد رنگ
خندۂ گل گرہ کشا گردد　　قفلِ خاطر ز غنچہ وا گردد

ایک مرتبہ صاحبہ اپنی ہمجولیوں کے ساتھ تالاب میں نہا رہی تھی۔ شاعر اس موقع سے نہیں چوکا۔ اس رومانی فضا میں کشش پیدا کرنے کے لیے صاحبہ کے نہانے کی کیفیت مشاہدہ اور جذبہ کی آمیزش سے بیان کی ہے:

سرو نازش ز جامہ عریان شد — شاخ گل شمع زیر دامان شد
لطف نازک تن تماشا خیز — موج روغن بر آب رنگ آمیز
چشم پوشیدہ غوطہ خوردہ در آب — چون کواکب بہ پرتو مہتاب
موی ژولیدہ چون سحاب افشاند — رگِ ابری فشرد آب افشاند
زد گرہ گیسوی پریشان را — دل نگہداشت سینہ ریشان را
زلف چون نسیم سنبل آلود — جامہ چون برگِ گل شمیم آلود
دست و رو تازہ کرد از دریا — در چمن شد چو گل قدح پیما

معاشرے کا انعکاس

فدا نے مثنوی میں مقامی فضا قائم رکھی ہے۔ چلتے پھرتے زندہ لوگ ہیں۔ گاؤں، نہریں، دریا اور جنگل اسی سر زمین سے متعلق ہیں۔ دیہی رسم و رواج کا بھی بیان ہے جو اس زمانے میں مروج تھے۔ بیاہ شادی کی تقریب پر دلہن کی آرائش کے لیے جو لوازم اختیار کیے جاتے ہیں ان کی پوری تفصیل بتائی ہے جس سے شاعر کی دقتِ مشاہدہ عیاں ہے:

کردہ مشاطہ کار فرمائی — نازنین را بجلوہ پیرائی
اول از موی سر کشاد گرہ — باز در کار نافہ داد گرہ
لوح پیشانیش زر افشان کرد — ماہ را در ستارہ پنہان کرد
سرمہ سا گشت چشم شہلایش — مغز بادام سوخت سودایش
بوی گل رنگ می جگر خون شد — کہ ز گلگونہ چہرہ گلگون شد

در سواد مسی لب میگون   لالہ از داغ رشک دل پر خون
از حنا دست در نگار نشست   دست در کار و دل بیمار نشست
نونهالش ز بار زیور خم   لعل و گوہر شگوفہ و شبنم
مقنعہ زرکش از رخش تاپید   چون خطوط شعاعی از خورشید
مجمر لالہ را زکال افروخت   بہر چشم بدش سپندی سوخت

در تعریف لاہور

فدا نے مثنوی کے اختتام پر لاہور کی تعریف میں اشعار لکھے ہیں ۔ جن سے اس زمانے کے لاہور پر روشنی پڑتی ہے ۔ مسعود سعد سلمان سے لے کر طالب آملی تک مختلف شعراء نے لاہور کی آب و ہوا ، حسن و جمال اور فکر و عرفان سے متاثر ہو کر نظمیں لکھی ہیں ۔ فدا کی یہ نظم بھی یادگار کے طور پر محفوظ رکھنے کے قابل ہے ۔ ہم اس میں سے چند اشعار نقل کرتے ہیں[1] ۔

نمک شہرتم کہ پر شور است   از نمکدان شہر لاہور است
گل زمینی بہشت آئین است   بر زمین گر بود بہشت این است
آتش آنجا بہای زر دارد   آب ہم قیمت گہر دارد
نیست در ہیچ کشوری مشہور   ہیچ شہری بخوبیی لاہور
زین بنا حسن و عشق مقصود است   بانی او ایاز محمود است
خاک این رہگذر چو آب زنند   بر خیابان گل گلاب زنند
پاکبازان بسر گذر گاہی   گوشہٴ خلوتی کمین گاہی

---

۱ ۔ مثنوی میرزا و صاحبہ ، خیراللہ فدا ، مخطوطہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری ، مجموعہ شیرانی ، شمارہ ۱۰۸۱ ، برگ ۸۳ - ۸۷ ۔

زاھدان زھد بیریا کردہ
فرش کاشانہ بوریا کردہ
برھمن دلبران الفت جو
دشمن دین و دل محبت خو
قشقہ ای بر جبین پر ماھست
لغزش پای دین بنا گاھست
وحشی را اگر بدام کنند
مہر ورزند و رام رام کنند

اسلوب بیاہ

معنی یابی اور مضمون آفرینی فدا کے ہم عصر شعراء کا شیوہ رہا ہے - نئے سے نیا مضمون پیدا کرنے کے لیے گھری سوچ کی ضرورت ہوتی ہے اور اس کے اظہار کے لیے تشبیہ ، استعارہ ، کنایہ ، مجاز جیسے آلات شعری کی بھی ضرورت ہوتی ہے - شاعر کی فنی مہارت کا کمال سمجھیے جو اپنے تخیل کو حسین پیکروں میں پیش کرے - فدا کی فکر دقیق ہے - وہ نادر سے نادر تشبیہ اور استعارہ لاتا ہے - اس کی تشابیہہ اور استعارات مرکب ہوتے ہیں - کبھی وہ متقابل اور متضاد الفاظ لا کر ایسا استعارہ پیدا کرتا ہے کہ اس کے کمال فن پر داد دینے کو جی چاہتا ہے - مثلاً یہ دو شعر دیکھیے :

زھرہ ام از خطاب می ریزد
شبنم از آفتاب می ریزد
حشر گل با شراب می کردند
زندہ آتش بآب می کردند

وہ اکثر استعارہ در استعارہ لاتا ہے اور توالی اضافات سے کام لیتا ہے۔ مثلاً:

شبِ چراغِ مزارِ تنہائی
روزِ داغِ شرابِ رسوائی

مثنوی کے بعض اشعار میں رعایات لفظی اور محاورات کے التزام کی وجہ سے ابہام اور پیچیدگی پیدا ہو جاتی ہے جس سے معانی کے سمجھنے میں دقت پیدا ہوتی ہے۔ مثلاً۔

جوش دریا ز دل بر آوردہ
پای طوفان ز گل بر آوردہ

کردہ چون حشر می بدرد کمین
در دل آب گشتہ خاک نشین

—— :o: ——

صادق ملتانی

شوق نامہ

مرزا صاحباں کی رومانی داستان۔

مثنوی شوق نامہ کا مصنف صادق ملتانی ہے۔ اس کے احوال و کوائف کسی تذکرے سے دستیاب نہیں ہوئے۔ پورا نام بھی معلوم نہیں ہوا۔ اس کا زمانہ بارھویں صدی کا آخری ربع اور تیرھویں صدی کا آغاز ہے۔ اس وقت افغان بادشاہ تیمور شاہ درانی (۱۱۸۴ - ۱۲۰۷ھ) ملتان پر قابض تھا اور ملتان کا صوبیدار نواب مظفر خاں تھا جو آٹھویں بار سکھوں کے حملے پر ۱۲۳۳ھ میں شہید ہوا۔ صادق نے اپنی مثنوی میں بڑی عقیدت سے ان دونوں حکمرانوں کا ذکر کیا ہے۔

صادق کو سید عبدالقادر جیلانی سے بڑی عقیدت تھی۔ وہ اُچہ کے اولیاء حضرت مخدوم جہانیاں اور ان کے اسلاف و اخلاف سے بھی ارادت ظاہر کرتا ہے۔ وہ متعصب نہیں۔ اس نے یکساں عقیدت سے خلفائے راشدین اور ائمۂ اثنا عشری کی مدح کی ہے۔

شوق نامہ : شہزادہ غلام علی کی فرمائش پر لکھا گیا۔ صادق نے لکھا ہے کہ فارسی میں یوسف زلیخا، خسرو شیریں اور وامق عذرا کی عشقیہ داستانیں موجود ہیں۔ ہند و پاک کی رومانی داستانوں میں سسی پنوں، ہیر رانجھا، سوہنی ماہیوال فارسی میں منظوم ہو چکی ہیں۔ اس لیے مرزا و صاحباں کا قصہ بھی منظوم ہونا چاہیے۔ چنانچہ اس نے ۱۲۰۱ھ میں یہ مثنوی لکھی

اور خود ہی تاریخ کہی :

سال تاریخ نطق تو ناطق بشمر 'آواز ناظم صادق'
(۱۲۰۱ھ)

مصنف نے مثنوی ممدوح کے سامنے پیش کی جو مقبول ہوئی ۔

مصنف نے بتایا ہے کہ مرزا و صاحباں کا قصہ پہلے ہندی میں موجود تھا ۔ ہندوی یا پنجابی میں دو منظوم قصے موجود تھے ۔

۱ ۔ مرزا صاحباں از پیلو ۔ زمانۂ تالیف ۱۵۶۳ اور ۱۶۰۶ع کا درمیانی عہد

۲ ۔ مرزا صاحباں از حافظ برخوردار ۔ زمانۂ تالیف عہد اورنگ زیب عالمگیر ۔

فارسی میں بھی یہ قصہ دو مرتبہ لکھا جا چکا تھا لیکن صادق کو اس کا علم نہیں تھا ۔

۱ شمع محافل از تسکین مؤلفہ ۱۱۴۵ھ

۲ ۔ مرزا صاحباں از خیراللہ فدا لاہوری ۔ مؤلفہ ۱۱۵۵ھ ۔

شوقنامہ کا قصہ یوں ہے :

دیکھ راوی کے قریب ایک شخص مرزا نامی رہتا تھا ۔ جوان ، بہادر ، تیرانداز ۔ ایک مطرب چھلا نے اسے شادی کا مشورہ دیا ۔ وہ اچہ کھیوا کے مدرسے میں ایک خوبصورت لڑکی صاحباں نامی دیکھ کر آیا ۔ مرزا اور چھلا تعلیم کے بہانے مولوی صاحب کے پاس پہنچے ۔ مولوی نے کہا کہ یہ لڑکیوں کا مدرسہ ہے ۔ چھلا نے اسے کہا کہ ہر سبق

کے لیے پانچ چاندی کے درم ملا کریں گے - چنانچہ اس نے لڑکوں کو الگ بٹھا کر پڑھانا شروع کیا - ایک مرتبہ صاحباں نے پردے کے پیچھے سے مرزا کو دیکھ لیا - دونوں ایک دوسرے پر فریفتہ ہوگئے۔ صاحباں کے باپ کھیوا خان کو جب یہ حال معلوم ہوا تو اس نے صاحباں کو گھر میں مقید کر لیا اور طاہر خان سے اس کی نسبت ٹھہرا دی - صاحباں نے اپنی مطربہ کے بیٹے واصل کو مرزا کے پاس بھیجا کہ وہ آ کر اسے لے جائے۔ مرزا واصل اور چھلا شکار کے بہانے گھوڑوں اور شکاری کتوں کے ساتھ اچھہ کھیوا پہنچے - صاحباں سے ملاقات ہوئی - ادھر شادی کی تیاریاں ہوئیں - برات آ گئی - رقص و سرود کی محفل گرم ہوئی - چھلا نے عورتوں کا لباس پہنا - پہرہ داروں سے کہا کہ میں صاحباں کی دایہ ہوں - انھیں شراب پلا کر بے ہوش کیا اور صاحباں کو لا کر مرزا کے حوالے کیا - وہ گھوڑی پر سوار بھاگ نکلے - صبح ہونے کو تھی کہ حوض کے کنارے پہنچے - ترکش درخت سے لٹکایا اور مرزا لیٹ گیا - ادھر جب صاحباں کے فرار ہونے کی خبر پھیلی تو صاحباں کے بھائی میر اور شہمیر اور دولھا اپنا لشکر لے کر اس کے تعاقب میں نکلے - مرزا مقابلے میں قتل ہوا - شہمیر نے صاحباں کا سر تن سے جدا کر دیا - ایک دوسری روایت بیان کی ہے کہ شہمیر نے مرزا کو دھوکے سے یہ قول دیا کہ ہم بدنامی سے بچنے کے لیے صاحباں کا نکاح تم سے کر دیں گے - بعد میں اسے لے جا کر کوٹھڑی میں بند کر کے آگ لگا دی - صاحباں نے محل سے گر کر جان دے دی - بعض کہتے ہیں کہ اس نے گلے میں رسی ڈال کر خودکشی کر لی -

اختلافات قصہ

پیلو کے قصے میں مندرجہ ذیل کرداروں کے نام آتے ہیں :

بی بی فاطمہ	مرزا کی ماں
بکی	مرزا کی گھوڑی کا نام

وھنجل	مرزا کا باپ
چھتی	مرزا کی بہن
شہمیر	صاحباں کا بھائی
جدھڑ	صاحباں کو بیاہ لے جانے والا قبیلہ
دانا آباد	مرزا کا گاؤں

صادق کی روایت میں صرف شہمیر کا نام وہی ہے۔ گھوڑی کا نام بکی کے بجائے نیلی ہے۔ دانا آباد کے بجائے دیکھ راوی ہے۔ صاحباں کے منگیتر کا نام وہی طاہر خاں ہے جو خیراللہ کی مثنوی میں مذکور ہے۔ فدا کی مثنوی میں لکھا ہے کہ ایک سیاح نے صاحباں کا حسن و جمال دیکھا اور واپسی پر مرزا کو اس کا حال بتایا۔ صادق کے ہاں چھلا خود بر کی تلاش میں گیا اور صاحباں کی خبر لایا۔ پہلی کہانیوں میں مذکور ہے کہ صاحباں کے والدین مرزا کی ننھیال تھے لیکن صادق نے اس روایت سے انحراف کیا ہے اور بتایا ہے کہ مرزا کھرل قبیلے سے تعلق رکھتا تھا اور صاحباں سیال قبیلے سے تعلق رکھتی تھی اور ان دونوں قبیلوں میں رقابت تھی۔ پہلی کہانیوں میں مذکور ہے کہ مرزا اپنے ننھیال گیا اور وہاں مکتب میں صاحباں کے ساتھ پڑھنے لگا اور جہاں ان کا عشق پروان چڑھا لیکن صادق نے اس روایت کو بالکل بدل دیا ہے۔ صادق نے لکھا ہے کہ صاحباں کی عمر سات سال تھی اور مرزا جوان تھا۔ یہ کچھ عجیب سا معلوم ہوتا ہے کہ دو نوجوان مدرسے میں سبق پڑھنے کے لیے بیٹھ گئے۔ عمروں کا تفاوت واقعیت کے خلاف ہے۔ پہلے قصوں میں بیان کیا گیا ہے کہ صاحباں نے اپنے دل کی بات پھوپھی سے بیان کی جس نے مرزا کو بلا کر خلوت کے مواقع مہیا کیے۔ صادق نے بیان کیا ہے کہ صاحباں کی دایہ نے اپنے بیٹے واصل کے ذریعے مرزا کو پیغام

بھجوایا ۔

ہیأت مثنوی

صادق کے پیش نظر خسرو اور جامی کی مثنویاں رہی ہوں گی ۔ چنانچہ اس نے مثنوی کی اس ہیئت کو اپنایا ہے ۔ شروع میں حمد کے ساتھ بسم اللہ ، سورۂ فاتحہ اور قرآن مجید کے اوصاف بیان کیے ہیں ۔ پھر مناجات ، نعت ، منقبت صحابہ و ائمہ اثنا عشریہ لکھنے کے بعد اپنے پیر و مرشد اور بادشاہ وقت تیمور شاہ درانی کی مدح میں اشعار لکھے ہیں ۔ اس کے بعد وجہ تالیف بیان کر کے نطق کی تعریف کی ہے ۔ ان ابتدائی عنوانات کے بعد مرزا و صاحباں کے خاندانوں کے کوائف بیان کر کے اصل قصہ شروع کیا ہے ۔ دو تین جگہ حکایت فی التمثیل کے زیر عنوان حکایات بیان کی ہیں اور کہانی کے ضمن میں بعض مقامات پر کردار قصہ کی زبانی غزلیات کا اضافہ کیا ہے ۔

کردار قصہ

مرزا یعنی کہانی کا ہیرو بہادر اور بے باک ہے ۔ اپنی محبوبہ کو حاصل کرنے کے لیے جان جوکھوں میں ڈالتا ہے ۔ رکاوٹوں کے باوجود ثابت قدم رہتا ہے ۔ ماں بہنیں اپنے قبیلے کی حسین لڑکی کے ساتھ شادی کرانے کی پیش کش کرتی ہیں لیکن وہ اپنے ارادے سے باز نہیں آتا ۔ آخر عشق کی راہ میں جان دے دیتا ہے ۔

صاحباں بھی فعال اور بے باک ہے ۔ وہ مکار بھی ہے ۔ سودا خریدنے کے بہانے بازار جاتی ہے تاکہ راستے میں اپنے محبوب کا دیدار کر سکے ۔ شب عروسی کو مرزا کے ساتھ بھاگ جانے کے لیے تیار ہو جاتی ہے ۔ آخر مرزا کے قتل کے بعد اپنی جان بھی دے دیتی ہے ۔

چھلا جہاندیدہ عیار آدمی ہے ۔ اس کی نظرِ انتخاب نے صاحباں کو تلاش کیا ۔ اس نے مولوی کو اشرفیاں دے کر صاحباں کے قرب کا راستہ

نکالا ۔ عورت کا بھیس بدل کر صاحباں کو محل سے باہر لایا ۔ مرزا چاہتا تھا کہ حملہ کر کے زبردستی صاحبان کو اٹھا لائے لیکن اس نے منع کیا اور خود چال چل کے صاحباں کو لے آیا ۔

باقی کردار ضمنی ہیں ۔ قدیمی معاشرے کی روایت کے مطابق باپ غیرت مند ہے ۔ اس نے عشق کی خبر سنی تو بیٹی کو گھر میں بٹھا کر اس کی شادی کا بندوبست کیا ۔ بھائی شمیر باپ کی طرح غیرت مند ہے ۔ اس نے بہن کو خود قتل کیا ۔

معاشرے کا انعکاس

اس داستان کا محلِ وقوع ایسی جگہ ہے جہاں جاگیرداری اور قبائلی نظام رائج ہے ۔ خاندان کے سربراہ محلوں اور قلعوں میں رہتے ہیں ۔ ان کے باغات اور حوض ہیں ۔ گھوڑے اور شکاری کتے ہیں ۔ ان کے مسلح آدمی ہیں ۔ عورتیں پردے میں رہتی ہیں ۔ مطرب یا مطربہ دایہ قاصد کا کام سرانجام دیتے تھے اور رشتہ کرانے یا نسبت ٹھہرانے کا واسطہ بنتے تھے ۔ مسجد کا ملا پیسے سے مرعوب ہوتا تھا ۔ لوگ جن ، پری کے آسیب پر اعتقاد رکھتے تھے اور جن کو قابو کرنے اور نکالنے کے لیے صاحبِ تسخیر کو بلواتے تھے ۔ تعلیم کو اشراف تک محدود رکھنا چاہتے تھے ۔

ع   علم اشراف را تعلم بہ

بد بود ہس کمینہ را تعلیم   خوب کردند عالمان تفہیم

شادی بیاہ کے موقع پر رقص و سرود کی محفلیں جمتی تھیں ۔ برات کے ساتھ مغنی اور رقاص جاتے تھے ۔ سازوں میں ڈھل ، گاؤدم ، بوق ، چنگ استعمال ہوتے تھے ۔

منظر کشی و سراپا نگاری

صادق کو جہاں ضرورت پڑی ہے جزو نگاری سے کام لیا ہے۔ شخص، چیز یا جگہ کی خصوصیات بیان کی ہے تاکہ قاری کے سامنے خاص کردار یا منظر کی عکاسی ہو جائے۔ مثلاً مرزا کی گھوڑی کی تفصیل یوں بتائی ہے:

مادیان سواری مرزا نیلگوں چہرہ ز سر تا پا
گرگ آسا ثمین کمر چون پلنگ تیزی گوش دم بزور پلنگ
سر طویل و چون آہوان گردن زیر حکم عنان نرم دہن
حبل زریفت در رکاب از زر بر ستامش مرصع از گوہر
با لباس اشہب ملوکانہ شد سوار آن جوان مردانہ

ایک شکار کی کیفیت بیان کی ہے۔ شکاریوں کے یکدم حملہ آور ہونے سے جانوروں کے ہراس کا حال لکھا ہے:

خان مرزا ہم از برای شکار صبحدم گشت بخواص سوار
شیر و یوز و پلنگ و گرگ و شغال گشت حیران ز غلغل چنگال
گورخر ہم گریخت با خرگوش کرد ضیق النفس تنش بیہوش
کوتہ پاچہ باہوان بگریخت زود لیک کلاب خونش ریخت
در پس گلہای نخچیران بس بسی تاختند بوگیران
گرم شد آفتاب وقت دو پاس تشنگی ہم بجان نمود ہراس

چھلا مرزا کے سامنے صاحباں کے حسن کا حال بیان کرتا ہے۔ مصنف نے اس کی زبانی صاحباں کے خد و خال نمایاں کرنے کی کوشش کی ہے۔ اگرچہ تشابیہہ پرانی ہیں لیکن بیان میں جوش و خلوص موجود ہے۔ اس

کی اوصاف نگاری میں جاذبیت ہے :

خم خمِ زلف او مثال کمند　　بکشیدی و داشتی در بند
داشت بسر چو گلِ لالہ　　گشت شرمندہ ماہ در ہالہ
ابروانش کمان ملتانی　　تیر مژگان دشمنِ جانی
نور افشان و شاد پیشانی　　پیش او مشکلات آسانی

جذبات و احسات کی عکاسی

عشقیہ داستانوں میں بہت سے ایسے مقامات آتے ہیں جہاں شاعر کو کردارِ قصہ کے احساسات و جذبات کے اظہار و ابلاغ کا موقع ملتا ہے - ایک اچھے مثنوی نگار کا یہ فرض ہے کہ وہ ایسے مقامات سے فائدہ اٹھائے اور جذبات کی عکاسی سے کہانی کو دلچسپ اور حرکت و جنبش میں رکھے - صادق نے بھی موقع و مقام پر احساسات کی ترجمانی کی ہے مثلاً جب صاحباں کو مسجد سے واپس بلا لیا جاتا ہے اور مرزا مایوس و نامراد اپنے وطن واپس آ جاتا ہے تو قصہ نگار، مرزا اور صاحباں تینوں اپنے احساسات کا اظہار کرتے ہیں، مصنف آسمان سے گلہ گزار ہے :

ای ستمگر فلک چہ خو داری　　میکنی کار مردم آزاری
دوستان از دوستان جدا کردن　　دور انداختن دل آزردن
میدھی وعدۂ وصال نخست　　باز نیاید وفا بقول درست
دادی اول تو گنج مرزا را　　بعد ازاں درد و رنج مرزا را

مرزا اپنے دل کی کیفیت بیان کرتا ہوا عشق سے گلہ گزار ہے :

شاید ابن بود میوہ ات ای عشق　　تلخ تر بود میوہ ات ای عشق

صاحبان حسن سے شکوہ گزار ہے :

داشتم بر تو باوری ای حسن　　کہ دھی یار یاوری ای حسن
اول از شہرتت کنم فریاد　　کہ روم پیش داوری ای حسن
در دمی پیش دلبری برسم　　گر بیابم تگاوری ای حسن

مصنف واقعات کا جائزہ لیتا ہے اور دنیا میں مکر و فریب اور ناکامی اور بے وفائی دیکھتا ہے تو دنیا کی نیرنگی پر تبصرہ کرتا ہے :

بن بر و خون خور و برادر کش　　غیر دنیا ندیدم ای باہش
بشنو ای دوست ہست دنیا دون　　می زلد لکد ہمچون اسپ حرون

زبان کی خصوصیات

صادق کو زبان پر کامل عبور نہیں۔ مصرعوں کے در و بست میں سلاست و روانی نہیں۔ وزن میں بھی لغزش ہے۔ عیوب قافیہ کی مثالیں بھی عام ہیں۔ دستور زبان کا بھی خیال نہیں رکھا۔ اس نے اساتذہ کا کلام سامنے نہیں رکھا۔ وگرنہ روزمرہ محاورات میں غلطی نہ ہوتی۔ یہاں ہم زبان و بیان کی چند لغزشوں کی نشاندہی کرتے ہیں :

عیوب قافیہ

قول کے مقابل مأمول

سفید ۔ صید

جیب ۔ درید

کوراں ۔ لیلا

قلب اضافت اور فک اضافت عام ہے۔ مثلاً :

گل لالہ ۔ پاک سینہ ۔ دل زلیخا

جمع کی بجائے جمع الجمع کا استعمال بھی اکثر نظر آتا ہے ۔ مثلاً :

عوامہا ۔ شمائلہا ۔ بسیاراں ۔

اسم اور فعل میں مطابقت نہیں رکھی ۔

عالماں گفت ۔

فعل مضارع کی بجائے فعل ماضی ۔

یوسف رخ نماید اندر خواب دل زلیخا بخواب کرد خراب

الفاظ کا غلط اور غیر فصیح استعمال ۔ مثلاً :

ہر سطور ۔ دلْق کی بجائے دلَق ۔ اعلام کی بجائے علام

بر اور را کا اکٹھا استعمال ۔ پنجہ بر سر رقیب را بنمودی ۔

حرف زائد ۔ آبروی رخش نظر کردم ۔

مقامی الفاظ کا استعمال :

خدا یادی ۔ لاچار ۔ لنگی الاچہ ۔ چوکیدار ۔

—:o:—

خلیق لاہوری

منشی دیوان سنگھ کی زندگی کے بارے میں ابھی تک معلومات فراہم نہیں ہو سکیں۔ منشی کے لقب سے ظاہر ہے کہ امرا، وزرا کے دارالانشاء میں ملازم ہوں گے۔ خلیق تخلص کرتے تھے۔ ان کا ایک مختصر دیوان پنجاب یونیورسٹی لائبریری، مجموعہ شیرانی میں شمارہ ۵۱۶۴ پر موجود ہے۔ اس نسخۂ خطی میں برگ ۱ سے ۸۵ تک سیف الملوک اور برگ ۸۶ سے ۱۱۵ تک دیوان مرقوم ہے۔ خلیق کے اشعار سے ظاہر ہوتا ہے کہ انھوں نے بڑی اچھی طبیعت پائی تھی۔ عجز و انکسار شیوہ تھا۔ خوش مزاجی شعار۔ تخلص کی نسبت سے بھی اخلاق کے پاسدار تھے:

خلیق از خلق نیکو عالمی را رام خود کردم
بزرگی یافتم ہر جا ز بس عجز آشنا گشتم

اس کا دل درد سے آشنا ہے۔ درویشی مسلک ہے۔ نام و ننگ کی چنداں پروا نہیں:

در جناب حق پرستان چون خلیق در بندگی
رہ بخلوتخانۂ دل داشتم دارم ہنوز

بحمداللہ غم دنیا ندارم دل از درد محبت شاد دارم
خلیق از بند نام و ننگ رستم دل وارستۂ آزاد دارم

اس کا سینہ نور تجلی سے مالا مال ہے:

بیا در سینۂ چاکم بہ بین باغ و بہار نو
سحر مایل اگر طبعت بسیر گلستان گردد

وہ خدا کے عالمگیر وجود کا قائل ہے جو ہر جگہ موجود ہے۔ وہ کافر و مسلم کا خدا ہے۔ اسے حاصل کرنے کے لیے دیر و حرم کی قید نہیں۔

سوی دیر و حرم چرا بروم   من کہ حق در کنار می بینم

وہ اپنے آپ کو ذات خداوندی میں فنا کر کے اور خدا کو اپنی ذات میں پا کر نعرہ زنی نہیں کرنا چاہتا۔ منصور کی طرح اعلان نہیں کرنا چاہتا کیونکہ آداب عشق مانع ہیں۔

ادب آموخت بسکہ حضرت دل   نعرۂ ہو نمی توان کردن

وہ قائل ہے کہ شہید عشق کا نام زندۂ جاوداں رہتا ہے۔ حافظ نے کہا ہے:

ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

خلیق نے کہا ہے:

کشتگانش زندہ و جاوید و سرخوش بودہ اند
بیگمان کار سپر ہم میکند شمشیر عشق

اس کا دل عشق سے مالا مال ہے۔ تڑپ بھی ہے اور سوز بھی۔ اس کے مجازی عشق میں بھی خلوص ہے۔ ظاہری حسن بھی دل آویز ہے اور اس کے دل کو تڑپاتا ہے۔ اس نے اپنے دل کی کیفیت اس طرح ظاہر کی ہے:

نہ آسان روشناس آن بت زرین قبا گشتم
طپیدم شمع گشتم تا بہ بزمش آشنا گشتم

سرخ پوشی دل من سوخت برقص
آتشی سرزده را بنشانید

اس کا جمالیاتی احساس بھی لطیف ہے - اسے سفیند چاندنی جیسی چیزیں اچھی لگتی ہیں :

در لباس سفید جلوہ کنان ہمہ تن ماهتاب می آئی

خلیق یقین رکھتے ہیں کہ شعر کہنا آسان کام نہیں ہے - بڑے غور و فکر کے بعد پیچیدہ مضمون ٹھیک طرح باندھا جا سکتا ہے - چنانچہ وہ اپنی دور رس طبیعت کے متعلق کہتے ہیں :

شب سحر گردد کہ فکر رسا آرد بدست
مصرع پیچیدۂ مضمون گیسوی سخن
این غزل گفتم خلیق از فیض طبع دور رس
آمد آب رفتہ اینک باز در جوی سخن

غزل میں سوز نہ ہو تو حقیقت میں وہ غزل ہی نہیں - خلیق خود شعر سوزناک کی جستجو میں رہتے ہیں :

یک شعر سوزناک بگوشم نمی رسد
زین بیشتر بگرمی ملتانم آرزوست

وہ غزل کے مضامین سے بھی آشنا ہیں اور غزل کے اسلوب بیان سے بھی آگاہ ہیں - بات جذبے اور اخلاص سے کہتے ہیں - زبان بھی سہل و سادہ استعمال کرتے ہیں - ان کی مندرجہ ذیل غزل ان کی نمائندہ غزل کہی جا سکتی ہے :

آشنا را بر ما بنشانید آنکہ غیر است جدا بنشانید

جای مجنون بہ بیابان خالیست گر بشانید مرا بنشانید
یار برخاست ز محفل بشتاب ساعتی بہر خدا بنشانید
سرخ پوشی دل من سوخت برقص آتش سرزدہ را بنشانید
کارم از کار گذشت آخرکار خوش بمیخانہ مرا بنشانید
گر خلیق است طبیبِ یاران درد را ہست دوا بنشانید

اپنے معاصرین میں سے خلیق کو استاد سخن آفرین لاہوری پسند ہیں۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں :

دیگر دلم خلیق بلاہور میکند دیدار آفرین سخندانم آرزوست

متقدمین میں سے مضامین کے نقطۂ نظر سے ان کو صائب اور مغربی مرغوب خاطر ہیں۔ ان کے مضامین سے انہوں نے استفادہ کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں :

مصرعِ صائب مرا بخشید آب زندگی
آنکہ می بخشد حیاتِ جاودان پیداست کیست

رہنمایم شد خلیق ارشادِ شیخ مغربی
مخفی اندر پیر و پیدا در جوانی پیداست کیست

سیف الملوک

پاکستان کے مختلف علاقوں کی رومانی داستانیں مثلاً ہیر رانجھا، مرزا و صاحبہ اور سسی پنوں علاقائی زبانوں میں بھی لکھی گئی اور فارسی نثر و نظم میں بھی قلمبند کی گئی ہیں۔ اس طرح بعض الف لیلائی داستانیں بھی علاقائی زبانوں میں رائج تھیں جن میں جنوں، پریوں اور شہزادوں کے قصے بیان ہوئے ہیں۔ ان میں جادو اور ماورائی عناصر شامل ہیں مثلاً اس

قسم کی کہانیوں میں گل بکاؤلی ، قصہ صنوبر و گل اور سیف الملوک و بدیع الجمال معروف ہیں - یہ کہانیاں بھی فارسی نثر و نظم میں لکھی گئی ہیں - سیف الملوک کے متعلق جو معلومات فراہم ہو سکی ہیں - ان سے پتہ چلتا ہے کہ یہ قصہ بدیع الجمال و سیف الملوک کے عنوان سے ابوالمکارم شہود (م - ۱۰۷۳ھ) نے فارسی نظم میں لکھا لیکن وہ ناتمام رہا - دوسری مرتبہ دیوان سنگ خلیق نے ۱۱۹۲ھ میں اسے مثنوی میں لکھا - مثنوی سیف الملوک و بدیع الجمال کا ایک اور نسخہٗ خطی کتب خانہ آصفیہ سرکار عالی میں موجود ہے - دیکھیے فہرست مخطوطات جلد چہارم صفحہ ۸۸۳ - اس کے مصنف محمد بن محمد بن کاظم المعروف بہ مرزا ببر علی لکھنوی ہیں - سال تالیف معلوم نہیں -

بہت سے لوگوں نے اسے نثر میں لکھا ہے - ہر ایک کا اپنا اپنا انداز بیان ہے - ممکن ہے کہانی کے واقعات میں بھی اختلاف ہو - مختلف کتاب خانوں کی مطبوعہ فہرستوں میں درج ذیل مخطوطات کا اندراج موجود ہے :

1. India office No. 788-792
2. British Museum P. 764
3. British Museum Hand list P. 45
4. Bodelien Library No. 460-462
5. Berlim (Pertsch) 996
6. Germany (Flugcl) Vol. 11-27
7. Grundriss Iranisehen 320-321
8. Asiatic Society of Bengal (Curzon Collection) No. 115

۹ - مخطوطات انجمن ترقی اردو - شمارہ ۷۳ ق ف ۲۵۴ -

۱۰ - سنٹرل ریکارڈ آفس پبلک لائبریری پشاور - شمارہ ۱۲۹ پر ایک جلد میں دو نسخے محفوظ ہیں - پہلا نسخہ ۲۲۸ صفحات پر مشتمل ہے - دوسرا نسخہ ۳۲۳ صفحات پر مشتمل ہے اور

ناقص الآخر ہے۔

۱۱ - اسلامیہ کالج لائبریری پشاور، شمارہ ۱۵۴۸، داستان سیف الملوک شاہزادہ مؤلفہ میرزا محمد غفران۔

۱۲ - داستان سیف الملوک از محمد عثمان المعروف بہ بلبل جلال آباد (منظوم مطبوعہ)۔

ان نسخوں کی ابتدائی سطور کے اختلاف سے ظاہر ہے کہ مؤلفین مختلف ہیں۔ انڈیا آفس کے نسخۂ خطی شمارہ ۹۲ے سے ظاہر ہے کہ یہ کہانی سلطان محمود غزنوی کے عہد میں لکھی گئی ہے۔ سلطان کے وزیر حسن میمندی نے بادشاہ کو خوش کرنے کے لیے اسے شاہان دمشق کے خزانے سے حاصل کیا۔

خلیق کی مثنوی کے مطابق کہانی کا خلاصہ اس طرح ہے:

مصر کا ایک عظیم الشان بادشاہ تھا جس کا نام اعظم تھا۔ وہ بوڑھا ہوگیا لیکن اس کے ہاں اولاد نہ ہوئی اور وہ عزلت نشیں ہوگیا۔ آخر ارکان سلطنت کے اصرار پر والی یمن کی بیٹی سے دوسری شادی کی۔ چنانچہ اس ملکہ کے بطن سے سیف الملوک پیدا ہوا۔ انھی دنوں وزیر صالح کے ہاں لڑکا پیدا ہوا، جس کا نام صاعد رکھا گیا۔ سیف الملوک اور صاعد دونوں اکٹھے پلے، بڑھے اور پڑھے۔ سیف الملوک جوان ہوا تو ایک روز بدیع الجمال کی تصویر دیکھ کر فریفتہ ہوگیا اور مضطرب و پریشان رہنے لگا۔ بادشاہ نے بیٹے کی خوشی کے لیے مختلف ممالک میں بدیعہ کی تلاش میں آدمی بھیجے لیکن کامیابی نہ ہوئی۔ سیف الملوک اور صاعد خود تلاش میں نکلے۔ سیف الملوک کا جہاز طوفان کی زد میں آگیا۔ وہ چند رفقاء کے ساتھ فرنگیوں کی قید میں آگیا۔ انھوں نے اسے ایک سیاہ رو لڑکی کے سپرد کیا۔ سیف الملوک اور اس کے ساتھی چکی پیستے اور ایندھن اکٹھا

کرتے ۔ ایک دن وہ قید سے بھاگ کر سمندر کے کنارے جا پہنچے ۔ لکڑیاں باندھ کر کشتی بنائی اور اس میں سوار ہو کر ایک جزیرے میں پہنچے ۔ وہاں سے سیف الملوک کشتی میں سے باہر نکلا اور ایک شہر کے قریب پہنچا ۔ وہاں ایک سوداگر سے ملاقات ہوئی ۔ جس کا جہاز تباہ ہو گیا تھا اور وہ ساحل پر پڑا تھا ۔ سیف الملوک نے اسے اپنے عشق کا قصہ سنایا ۔ ایک دن وہ سیر کرتا ہوا ایک باغ میں پہنچا ، جہاں اسے ایک لڑکی ملی جو شاہ سراندیپ کی بیٹی تھی اور پریزاد کے چنگل میں گرفتار تھی ۔ سیف الملوک نے اس شاہزادی کی تدبیر سے پریزاد کو قتل کیا اور اس کو جادو کے اثر سے آزاد کرایا ۔ وہ انگوٹھی لے کر پانی میں گیا جہاں سے اسے ایک صندوق ملا ۔ اسے کھولا تو اس میں سے کبوتر اڑا ۔ سیف الملوک نے خنجر مار کر کبوتر کو ہلاک کر دیا ۔ زمین خون سے لالہ زار ہو گئی اور اس طرح لڑکی جادو کے اثر سے نکل گئی ۔ دونوں نے لکڑیوں سے ایک کشتی بنائی ۔ سوار ہو کر ایک شہر میں پہنچے جس کا نام واسط تھا ۔ تاج الملوک اس کا حکمران تھا ۔ اس شہر سے سراندیپ سو فرسنگ کے فاصلے پر تھا ۔ دونوں سراندیپ گئے ۔ شاہزادی اپنے باپ سے جا ملی ۔ سراندیپ میں ہی صاعد اور اس کے ساتھیوں سے ملاقات ہوئی جو جہاز کے تباہ ہونے کے بعد بچ بچا کر وہاں پہنچ گئے تھے ۔ صاعد نے سیف الملوک کو اپنے بچنے کا قصہ سنایا ۔ اس نے بتایا کہ وہ زنگیوں کے ہاتھ گرفتار ہوا تو انھوں نے ایک بڑے مٹکے میں بند کر دیا ۔ پھر کشتی میں سوار کر کے لے گئے ۔ طوفان آیا تو کشتی عمان پہنچ گئی ۔ وہاں کے لوگوں نے مجھے زنگیوں کے پنجے سے رہائی دلائی ۔ وہاں سے میں تمھاری تلاش میں مشرق سے مغرب پھرتا پھراتا آخر یہاں آ پہنچا ۔

بدیع الجمال بھی سراندیپ کی رہنے والی تھی ۔ ایک دن وہ اپنی ہمجولیوں کے ساتھ باغ میں آئی ۔ شاہزادی نے اسے سیف الملوک کا حال بتایا کہ وہ شہزادۂ مصر ہے اور تمھارے لیے آوارہ و سرگرداں ہے ۔ آخر

ایک پری کے توسط سے سیف الملوک اور بدیع الجمال کی ملاقات کا اہتمام کیا گیا۔ پری نے سیف الملوک کو اپنی دادی سرو بانو کے ہاں پہنچایا۔ وہاں سیف الملوک ایک دیو کے ہتھے چڑھ گیا اور قید ہوا۔ پاسبان شاہبال نے شاہزادے کے اوصاف سن کر اسے دیو کی قید سے رہا کرایا۔ سیف الملوک اور بدیع الجمال کی شادی ہوئی۔ پھر ایک دن وہ بدیعہ کو ساتھ لے کر اپنے رفقاء کے ہمراہ اپنے وطن مصر کی طرف روانہ ہوگئے۔

اس مثنوی کا نسخۂ خطی دیوان خلیق کے ساتھ برگ ۱ سے ۸۵ تک مرقوم ہے۔ خلیق نے اسے ۱۱۹۶ھ میں مکمل کیا۔ اس نے خود اس کی تاریخ کہی:

چو از فیض سخن کردم تمامش
خرد جذب و رسا و بنہاد نامش
بر آمد طرفہ تاریخش بصد ذوق
"بگل زیبا بود میخانۂ شوق" (برگ ۸۵)
۱۱۹۶ھ

شروع میں حمد و مناجات لکھی ہے اور عشق و محبت سے لبریز دل کے لیے دعا کی ہے تا کہ عشقیہ داستان بیان کر سکے۔

دلی دردی کش پیمانۂ عشق چراغ افروز خلوتخانۂ عشق

پھر شہنشاہ کی مدح میں اشعار لکھے ہیں:

شہ منصور احمد شاہ غازی پناہ عدل و حفظ دلنوازی

احمد شاہ سے مراد افغان بادشاہ احمد شاہ درانی ہی ہوسکتا ہے لیکن اس کا عہد حکومت ۱۱۶۶ھ سے ۱۱۸۶ھ تک ہے اور یہ مثنوی ۱۱۹۶ھ میں تمام ہوئی۔ مدح شہنشاہ کے بعد بہار سخن اور مدح معنی ایجاد کے عنوان

سے اشعار لکھے ہیں - پھر لاہور کی صفت میں طویل نظم لکھی ہے اور اس کے بعد بڑے دھاکے سے قصے کا آغاز کیا ہے :

شرابم ده که هنگام سلوک است
سخن در قصهٔ سیف الملوک است

ملحشور قلم از موج خونناب
بشمشیر سخن داد این چنین آب

لاہور کے متعلق اشعار چونکہ یادگار کی حیثیت رکھتے ہیں اس لیے ہم انھیں یہاں محفوظ کیے لیتے ہیں :

رقم زد خامه ام چون وصف لاہور — فروزان شد برنگ شمع کافور
تعالی الله گل سرشاخهٔ طور — که باشد یک جهان آئینهٔ نور
در و دیوار از فیض الٰہی — بود پرگل بهار صبح گاهی
بهار بیخزان رنگین عمارت — سر هر کوچه و دلها بغارت
بتان هر سو ز روزن سر کشیده — نگاه سرمه سا خنجر کشیده
هوایش آ نقدر هنگامه ساز است — که دایم بالش ناز و نیاز است
بگلزارش یکی از خود نظر کن — بحسن جلوه اش یعنی نظر کن
فقیرانش سر اشک و آه دارند — جنون بیدماغ شاه دارند
بپای خم فتاده شیشهٔ هوش — بهر میخانه وحدت می زند جوش
ببازارش که طرح دل فریبی است — بسی ارزان متاع ناشکیبی است
بت عیار صراف نظر باز — زده بر قلبِ عاشق سکهٔ ناز
به نسیه حیلگی نقد آشنائی — فرامش وعده کافر ماجرائی
سرانگشت سره کن جان فدایش — زدست دل تجرد رونمایش

نگار جوهری سرمایهٔ حسن
نگه سوختگینش دایهٔ حسن

بلاگردان آن صبح بنا گوش
بود گوهر چو زلفش حلقه در گوش

بت بزاز حرفش با وقار است
بهای گلبدن کمتر هزار است

بسودا دل فریبیهاش کار است
سر دکان این هندو بهار است

به تنبولی پسر کت سر یاریست
بهای برگ پانش جان سپاریست

بسودا چون نه از کف دل رباید
ورق گردانیش صبر از ما رباید

بجنگ زرگری زرگر پسرها
دلی دزدیده از صلح نظرها

بت بقال سودا صد هزار است
بحسن سبز گندم گون بهار است

بت حلوائی و حسن گلو سوز
ازو عشاق شیرین کام هر روز

نگاهش کرده بیخطا تیر
مشبک زو دلها چو کفگیر

چو حلوا در سخن از چرب و نرمی
بعاشق می کند هر لحظه گرمی

بشیرین کاری آن گرم بازار
شده فرهاد سودایش خریدار

زهی خیاط و حسن شوخی آمیز
نگاهش ناز و مژگانش سوزن تیز

بسوزن کاری آن شوخ بیباک
زند بیخواست دل در پیرهن چاک

بت گازر بآب حسن جاوید
سحر شسته بدریا چادر دید

اقامت آشنای جوئبار است
بحسن شستهٔ سرمایه دار است

رفوگر زادگان هم خورده دان اند
بنقض وعده یکسر مهربان اند

ز سوزن کاری دزدیده دیدن
زند بخیه بچاک دل دریدن

بت دلال آن زلفِ چلیپا
سر سوداگرش در بند سودا

نگار راجپوت آن سرو قامت
تفنگ اندازی و دیگر اقامت

برهمن زادهای بیدار بر
زده از قشقه بر دل زخم خنجر

همه افغان پسر آشفته اطوار
ز شوخیها بسر کج بسته دستار

بت چابک سواران گرم مہمیز | ز مژگان سرہ ہر کف چشم خونریز
سرو کارش بمردم خانہ جنگی | نگاہ تند خو تیغ فرنگی
بت مطرب بشبخونست تر دست | مسی مالیدہ و پان خوردہ سرمست
خوشا لاہور و حسن لا تناہی | لب راوی و فیض صبح گاہی

سیف الملوک کی کہانی میں خاص ربط و ضبط نہیں یعنی قصے کی کڑیاں ، کارنامۂ عشق یا ہنگامۂ عشق کی طرح پیوستہ نہیں ۔ اس لیے قصے میں دلچسپی کم ہے ۔ اس کے باوجود خلیق نے کہانی کو محض نظم نہیں کر دیا بلکہ قدرت بیان اور فنی مہارت کے ساتھ منظر نگاری سے کام لیا ہے اور رنگینی پیدا کرنے کی کوشش کی ہے ۔ ایک جگہ بدیع الجمال کا سراپا بیان کیا ہے ۔ اگرچہ تشابیہ روایتی اور فرسودہ ہیں لیکن تخیل و ایمائیت کی آمیزش سے مضمون فکر انگیز ہو گیا ہے ۔ چند اشعار ہم یہاں نقل کرتے ہیں تاکہ اس کا اسلوبِ بیان واضح ہو جائے :

سراپایش بہار ناز دیدم | گلی از گلشن دیدار چیدم
گل اندامی سمن بو ماہ روی | ز حسنش در ملائک ہاوہوی
چو او ظالم کمانداری کہ دیدہ | بسی سر گوشۂ ابرو کشیدہ
شب یلدا ز زلفش در درازی | بسر ناید سرموی نیازی
بفرق ناز پیرا سلک گوہر | چو گرد کہکشان در جلوہ اختر
جبینش مطلع مہر آفرینی | عرق ہم آبروی نازنینی
عتابی موج گرم از چین ابرو | تبسم باعتابش ہم ترازو
زابرو مطلع شوخی ہلالی | ز عارض خواندہ دیوان جمالی
اجل پیمانۂ چشم سیاہش | قیامت خانہ بردوش نگاہش
در آویزہ از تاب بنا گوش | بزلفش شب چراغی دیدہام دوش
ز رخسارش فروزان شعلۂ طور | فروغ بینی‌اش نور علی النور

لبش را چشمهٔ کوثر حواله تبسم آب حیوان در پیاله
بلورین ساعدش جان نزاکت نہان در آستین شان نزاکت

شادی کی تقریب پر جو جشن منایا گیا ۔ اس محفل کی بھی چند جھلکیاں دیکھیے :

سخن فرصت بسنجد درمیانه مرتب کرد جشن خسروانه
پریزادان ببزم عشق ایجاد ہمه حیران جشن آدمی زاد
ترنم سر خوش و از باده سدہوش برعنا جلوگیہا دوش بردوش
صدای چنگ و بربط رنگ بسته طرب گل کرده و نی دسته دسته
دماغِ نغمه مست زیر و بم شد گلستانِ ارم رشکِ ارم شد

خلیق نے اپنے اسلوب بیان کے متعلق خود ہی کہا ہے کہ مضمون آفرینی سے کہانی کو دلچسپ بنایا ہے اور درد دل سے اسے لکھا ہے ۔ اس نے اپنے انداز بیان کو "اندازِ بلند" کہا ہے :

سخن گفتم بانداز بلندی چو کاکل از پی دلہا کمندی
بزانوی خیالی سر نہادم چو کاکل نافهٔ مضمون کشادم
ز چاک دل ادا افسانه کردم سر زلف سخن را شانه کردم
دل من شمع در فانوس دارد خیالم جلوهٔ طاؤس دارد

مثنوی کے الفاظ کی بندش استوار ہے اور ترکیبیں بھی خیال افروز ہیں ۔ اس نے اپنے کلام کی کامیابی اور دل نشینی کے لیے جو دعا کی ہے ، اس سے شعر کے متعلق اس کے نقطهٔ نظر کی ترجمانی ہوتی ہے :

که حرفم یک قلم پر نور گردان گریبان خیالم طور گردان
بود ہر مصرعم شمع دل و جان قبول خاطر موسی نگاهان

—:o:—

دیوان ملرای

پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں شمارہ ۲۴۷۶/۵۷۹۳ پر گلشن بیخزاں کے نام سے نسخۂ خطی موجود ہے۔ یہ دیوان ملرای کا مجموعۂ کلام ہے۔ دیباچے سے ظاہر ہے کہ اسے دیوان ملرای کے بیٹے منشی جوت پرکاش نے ۱۱۳۶ھ میں مرتب کیا ہے اور "ہین گلشن بیخزان" سے تاریخ نکالی ہے۔ ملرای نواب حفظ اللہ خاں سے مدت العمر وابستہ رہے اور دیوانی کے فرائض انجام دیتے رہے۔ حفظ اللہ ۱۰۹۷ھ سے ۱۱۰۲ھ تک صوبیدار کشمیر اور ۱۱۰۸ھ سے ۱۱۱۱ھ تک لاہور کے صوبیدار رہے۔ نواب کی وفات کے بعد ملرای کا دل اچاٹ ہو گیا اور وہ گوشہ انزوا میں بیٹھ گئے کسی اور کی ملازمت کو کفران نعمت سمجھا اور باقی عمر رفاہ عامہ کے کاموں میں گذار دی۔ ۱۱۱۹ھ میں وفات پا گئے۔ بیٹے نے 'بخلد پیوستہ' سے تاریخ نکالی:

سالک فیض چون ز دار فنا   سوی ملک بقا کمر بستہ
از وصولش بمنزل مقصود   گفت ہاتف "بخلد پیوستہ"

ملرای کا دیوان چھوٹی تقطیع کے ۹۶ اوراق پر مشتمل ہے۔ اس میں قصائد، غزلیات، مثنویات، قطعات اور رباعیات موجود ہیں۔ برگ ۵۸ تک قصائد، ۷۹ تک غزلیات، ۹۱ تک مثنویات، ترکیب بند اور مخمسات ہیں۔ ۹۲ پر قطعات اور ۹۵ پر رباعیات ہیں۔

ملرای شوق تخلص کرتے تھے جیسا کہ غزل کے مقطع سے ظاہر ہے۔ قصائد تاریخی اہمیت کے حامل ہیں۔ معاصر واقعات کی طرف اشارات ملتے ہیں۔ طویل قصیدہ 'فتح الباب' کے نام سے ہے جس میں خان جہاں بہادر

صوبیدار لاہور (۱۱۰۲ - ۱۱۰۵ھ) کے دور حکومت میں نظامی ابتری کے متعلق اورنگزیب عالمگیر کی خدمت میں شکایت نامہ ہے - یہ انوری کے مشہور قصیدے "اشکہای خراسان" نامۂ اہل خراسان ببر خاقان بر کے تتبع میں لکھا گیا ہے - ابتدائی دو شعر یہ ہیں :

گر باردوی معلی بروی ای باد سحر
نامۂ صوبہ پنجاب ببر خاقان بر

نامہ ای کز رقمش دود دل آید بیرون
نامہ ای کز شکنش جوش زند خاکستر

قصائد کی زیادہ تعداد اپنے ممدوح نواب حفظ اللہ کی مدح میں ہے - قصائد کی اٹھان سے پتہ چلتا ہے کہ بڑے جوش اور ولولے سے لکھ رہے ہیں - مثلاً :

سحر کز طارم مینا صفیر قدسیاں خیزد
ہزاراں نغمۂ شادی در اطراف جہاں خیزد

نشاط عام بحدیست در چمن ز بہار
کہ میرسد ز گلِ داغ نکہتِ گلزار

دوسرے صوبیداران لاہور میں سے ابراہیم خاں (۱۰۷۲ھ) ، امانت خاں (۱۰۸۲ھ) ، قوام الدین خاں (۱۰۸۹ھ) ، مکرم خان (۱۱۰۸) اور عنایت خاں کی مدح میں بھی قصائد ہیں - عنایت خان کی مدح ہیں ایک کا نام قصیدۂ عشقیہ ہے یعنی اس کی ردیف عشق ہے :

تا سر زلف تو شد سلسلہ جنبان عشق
این دل دیوانہ را کرد پریشان عشق

عقل دگر با دلم معرکہ آرا شدہ
تا چہ شود بعد ازیں جان من جان عشق

قصیدے کی ابیات میں بعض مختصر قطعات ہیں مثلاً تہنیتِ عروسی یا تفویض صوبیداری یا تفویض قضائی لاہور کے مواقع پر قطعات تاریخ ہیں ۔ ایک بنای حویلی نواب زبردست خان اور دوسری بنای دلکشای منعم خاں کے موقع پر کہے ہیں ۔

غزل کے اشعار سے ظاہر ہے کہ ملرای کا دل درد و غم سے آشنا ہے اور وہ سچی تڑپ رکھتا ہے اس لیے خواہ مخواہ کے روایتی شعر نہیں کہتا ۔ غزلیں مختصر ہیں ۔ معلوم ہوتا ہے مرتب نے اشعار کا انتخاب کیا ہے ۔ اس کے دل کی کیفیت جاننے کے لیے دو شعر کافی ہیں :

زار میگریم و گویم سخن عشق بدل
کیست شوق کہ کنون بر سخنم می خندید

تابعشقش آشنا گشتم ز خود بیگانہ ام
با غریبی ہمدم و با بیکسی ہم خانہ ام

ہندوؤں پر مسلمانوں کی صحبت کا کتنا اثر ہوتا تھا ، وہ اس نعت سے ظاہر ہے جو ملرای نے لکھی ہے ۔ ذیل کے دو اشعار سے اس کے جذبۂ خلوص کی داد دیجیے :

ای در ضمیر پاک تو نور محمدی
دائم بسینۂ تو سرور محمدی

بر عنصر تو فیض سعادات سرمدی
در خاطر تو ذوق و ظہور محمدی

مثنویوں میں پند و نصایح ہیں یا حکایات منظوم کی ہیں ۔ قطعات و رباعیات میں تاریخیں کہی گئی ہیں یا بعض واقعات پر اظہار خیال کیا گیا ہے ۔ ان سے بعض ایسی عمارات کی ساخت کی نشاندہی ہوتی ہے جن کا آج کوئی وجود نہیں مثلاً مسجد خواجہ دالش ، منعم خاں نے لاہور میں بہت سی عمارات بنا کر اسے آباد کیا مثلاً اس رباعی میں اس امر کی طرف اشارہ ہے :

خان والا لقب نمود از سرِ نو آبادی شہر از عمارات نکو

توصیفی مثنویاں لکھنے کا رواج پاک و ہند کے شعرا میں کہیں کہیں نظر آتا ہے ۔ خسرو میں نمایاں ہے ۔ بعد میں منیر لاہوری کے ہاں کافی تعداد میں خاص اشیاء کی توصیف میں مختصر مثنویاں ہیں ۔ ملرای نے تنباکو کی تعریف میں زور قلم دکھایا ہے ۔ توصیفی نظموں میں یہ بھی محفوظ رکھنے کے لائق ہے :

بیا بشنو ز تنباکو بیانی
کہ نبود خوبتر زین داستانی
بخوشبوی چو اخلاق کریمان
بتلخی بہتر از پند حکیمان
مخمر گشتہ از خاک سمندر
کلاہ آتشین بنہادہ بر سر
بتلخی متہم گردد جہانش
بود "الحق مر" بر زبانش
بود از تربت مجنون گیاہی
شدہ دم ساز ہر لیلی نگاہی

چو با شیرین لبان گردید دم ساز
ببزم خسروان شد محرم راز

بترکیب عناصر گر به جان است
چرا هر نفس موقوف آن است

بعشق مهوشان و لعل خوبان
فگنده آتشی اندر گریبان

زنی بر دار منصوریست مطلق
که گوید هر نفس راز اناالحق

بهر موسم بود چو بلبلان مست
ز الفت مرغ دست آموز هر دست

فروغ شمع باشد پیشهٔ او
پر پروانه باشد ریشهٔ او

باعجاز مسیحا با کرامات
کند از هر نفس احیای اموات

پی دفع بلا دودش بسند است
یکی از خانه زادانش پسند است

بود حسنش درون حقه مستور
نماید گه گه از پی کاکل حور

نهال وادی ایمن نه آئینست
ولی گلچین مشائخ آتشین است

سمندر طینتی پروانه کیشی
ز ریشه مرهم پر سینه ریشی
برنگ صوفیئی از نعره مستی
رود هر لحظه از دستی بدستی

ز بس زہد و ریاضت شد خدا دوست
بمانده بر تنش غیر از رگ و پوست

چلم بر حقهٔ مینا گذاری
اگر خواہی پری در شیشه آری

انیسی مهر کوشی راز داری
رفیقی گرم جوشی غمگساری

بظاہر تند خوئی تلخ گوئی
بباطن دلکشی آزرم جوئی

قلندر مشربی آزاد مردی
گہی خلوت گزین گه کوچه گردی

قرنفل کسوتی مشکین ردائی
مزعفر صنعتی عنبر نمائی

ظریفی سحر سازی تن نوازی
حریفی تند طبعی حقه بازی

ز من بشنود گر محرم راز
که گفت اندر حق او شیخ شیراز

دمش گر شد فرو یار حیاتست
برون آید ازو فرحت بذاتست (برگ ۹۷)

—:o:—

اندر جیت منشی

نامہ عشق

نامہ عشق، سسی و پنوں کی منظوم داستان کا نام ہے۔ اس کے مصنف اندر جیت منشی ہیں۔ اندر جیت نام ہے اور منشی تخلص، جیسا کہ انھوں نے مثنوی کے اختتامیہ میں لکھا ہے:

مرا در عرف اندر جیت نام است   مرا منشی تخلص در کلام است

ان کا وطن قصبہ نکودر ہے۔ وہ خان محمد عالم المعروف بہ نیک عالم خان (م - ۱۱۲۸ھ) کی خدمت میں انیس سال تک رہے۔ ان کی وفات کے بعد اندر جیت نے سید شہامت خان کی ملازمت میں وقت گزارا۔ ۱۱۴۰ھ میں وہ عبدالصمد خان ناظم ملتان کے منشی تھے۔ اسی سال انھوں نے یہ مثنوی ملتان میں تالیف کی۔

یہ مثنوی پنجابی ادبی اکادمی لاہور کی طرف سے ۱۹۵۹ء میں شائع ہو چکی ہے۔ ڈاکٹر وحید قریشی نے سات قلمی نسخوں سے مقابلے کے بعد اسے تصحیح کرکے مرتب کیا۔ کتاب 18/8 × 22 کی تقطیع میں ۴۸ صفحات پر مشتمل ہے۔ اشعار کی تعداد ۱۹۸۲ ہے۔

اس مثنوی کے مطابق مثنوی کا قصہ یوں ہے۔ بھنبھور کے بادشاہ کے ہاں نرینہ اولاد نہیں تھی۔ منجمین نے بتایا کہ بادشاہ کے ہاں لڑکی پیدا ہوگی جو زوال سلطنت کا باعث ہوگی۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ لڑکی پیدا ہوتے ہی قتل کر دی جائے۔ دایہ نے بچی کو صندوق میں بند کرکے دریا میں بہا دیا۔ صندوق ایک دھوبی کے ہاتھ لگا۔ اس نے اپنی بیٹی بنا کر

پالا پوسا بڑا کیا - لڑکی اپنے نام سسی (یعنی ماہتاب) کی مناسبت سے چندے آفتاب چندے ماہتاب تھی - کیچ کے تاجر بھنبھور آئے تو انھوں نے واپس جا کر اپنے بادشاہ پنوں سے سسی کے کمال حسن کی تعریف کی - پنوں تاجروں کے بھیس میں سسی کو حاصل کرنے کے لیے بھنبھور گیا - سسی نے کہا "مجھے حاصل کرنے کے لیے دھوبی بنو تاکہ میرے والد اپنے ہم جنس سے میری شادی کریں -" چنانچہ پنوں دھوبی بنا اور اس کی شادی ہوگئی : اہل کیچ کو بادشاہ کی غیر حاضری اور دھوبی کی لڑکی سے شادی سخت ناگوار گزری - وہ اس کو واپس لانے کے لیے آئے - جب پنوں شراب میں مست پڑا تھا تو اس کے آدمی رات رات اسے کیچ لے گئے اور سسی وہیں سوتی رہی - جب صبح محبوب کو غائب دیکھا تو اس کی تلاش میں صحرا کی طرف نکل گئی - وہاں ایک جنگلی چوپان اس کی عصمت لوٹنے کے درپے ہوا - سسی نے دعا کی - زمین پھٹی اور وہ غائب ہوگئی - صرف اس کی چادر کا پلو باہر رہ گیا - پنوں کو جب اپنے ملک میں ہوش آیا تو سسی کے فراق میں بے قرار ہو کر صحرا کی طرف بھاگ نکلا اور اسی جگہ پہنچا جہاں سسی دفن تھی - چوپان نے اس کی کیفیت بتائی - چنانچہ اس نے پر سوز فریاد کی - زمین پھٹی اور وہ بھی اسی قبر میں جا گرا اور اپنی محبوب سے جا ملا -

منشی نے کہانی بیان کرتے ہوئے ایجاز کو مد نظر رکھا ہے - لیکن اتنا مختصر نہیں کیا کہ قصے کی تفصیل میں خامی رہ جائے اور دلکشی میں بھی کمی ہو جائے - مثنوی دعا سے شروع کی ہے - مناجات باری تعالیٰ کے بعد اپنے ممدوح نواب عبدالصمد خاں کی مدح و ستائش لکھ کر اصل قصہ شروع کر دیا ہے -

مصنف نے صرف سپاٹ قصہ ہی بیان نہیں کر دیا بلکہ اس میں حرکت و توانائی پیدا کرنے کے لیے جا بجا منظر کشی کی ہے - کرداران قصہ کے حسبِ حال پس منظر بھی تخلیق کیا ہے - مثلاً رات کی حالت و

کیفیت ، سسی کی پیدائش پر اور جشن عروسی کے موقع پر - سسی کے باغ کا حال بہار کے جوبن پر - اور پھر باغ کی بربادی کی کیفیت بلوچوں کے خیمہ زن ہونے پر - مصنف نے مختلف حالات میں سسی و پنوں کے جذبات و احساسات کی ترجمانی کی ہے اور نہایت حسین و دلپسند انداز میں تصویر کشی کی ہے - سسی کے نام پنوں کے خط میں اور پنوں کے نام سسی کے خط میں ، اس کے بعد پنوں اور سسی کی ملاقات کے بیان میں ذہنی اور قلبی کیفیات کو نفسیاتی مہارت سے بیان کیا ہے -

کہانی کے آخری واقعات کی معقولیت میں شبہ ہوتا ہے - جب پنوں کو رات کے وقت بادشاہ کے ملازم مستی کی حالت میں لے جاتے ہیں اور سسی صبح بیدار ہو کر اسے غائب دیکھتی ہے تو چاہیے تھا کہ وہ اس کے متعلق استفسار و تحقیق کرتی - اپنے والدین اور دوسرے احباب کو اس کی اطلاع دیتی - وہ تلاش کرتے - سسی کو معلوم تھا کہ پنوں کیچ کا بادشاہ ہے اور اس کے تمام ساتھی بھی غائب ہیں - صاف ظاہر ہوتا تھا کہ پنوں کے اغوا میں کسی کا ہاتھ ہے - اطلاع حاصل کرنے کے لیے کیچ میں آدمی بھیجے جاتے - یہ تو مناسب معلوم نہیں ہوتا کہ ایک دن کی دلہن بے قرار ہو کر صحرا میں اکیلی اس کی تلاش میں نکل جائے - اسی طرح پنوں کو دیکھنا چاہیے تھا کہ وہ پہلے بھنبھور پہنچتا اور وہاں سسی کو نہ پا کر رہنماؤں اور اونٹوں کے ساتھ صحرا میں اس کی تلاش میں نکلتا یہ تو نہیں کسی منزل کے بغیر کیچ سے سیدھا اس صحرا کی طرف نکل آتا اور سسی کی قبر پر پہنچ جاتا -

مصنف نے کہانی کے ضمن میں اس زمانے کے تمدن کی چند جھلکیاں دکھانے کی بھی کوشش کی ہے - خاص طور پر شادی بیاہ کے موقع پر دلہن کو آراستہ کرنے ، زیور پہنانے اور جہیز و ساچق دینے کے رسم و رواج کو بیان کیا ہے - لیکن بعض چیزوں کے ذکر سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے پیشِ نظر سسی پنوں کا زمانہ اور ان کا ملک پیشِ نظر نہیں رہا مثلاً

جہیز میں پاندان کا ذکر ہے۔ دوسرے یہ بات بھی درست معلوم نہیں ہوتی کہ ایک دھوبی اپنی بیٹی کو گھوڑے ، اونٹ ، غلام اور کنیزیں جہیز میں دے۔ یہ بات بھی مشکوک ہے کہ اس زمانے میں آتش بازی کا رواج تھا یا نہیں۔

مصنف نے دو ایک جگہ تعریف میں مبالغہ سے کام لیا ہے جس سے بیان میں تصنع آ گیا ہے اور بات بھی غیر فطری ہو گئی ہے۔ ایک جگہ نواب عبدالصمد کی تعریف میں اور دوسری جگہ سسی کے سراپا بیان کرنے میں۔ مثلاً سسی کی کمر و سرین کی تعریف میں لکھا ہے :

زفاف او جگر خون ناف آہو
سرین او دو کوہ آویخت از مو

ایک جگہ بیان میں تضاد پیدا ہو گیا ہے۔ سسی کے حسن کی تعریف دو موقعوں پر بیان ہوئی ہے۔ ایک جگہ اپنی زبانی۔ دوسری جگہ بلوچوں کی زبانی۔ ایک جگہ آنکھوں کے متعلق لکھا ہے :

نگاہ شرمگین و سرمہ سای (ص ۱۳)

دوسری جگہ لکھا ہے :

ندیدہ سرمہ چشم نیم خوابش (ص ۱۷)

ایک جگہ لکھا ہے :

چو بر رخسارہ رنگ غازہ میداد (ص ۱۲)

دوسری جگہ لکھا ہے کہ اس نے کبھی آئینہ نہیں دیکھا تھا۔

نماندہ پیش او آئینہ را راہ (ص ۱۷)

اندر جیت منشی انشا پرداز تھا ۔ جیسا کہ اس کے تخلص سے ظاہر ہے ۔ وہ منشی کی حیثیت سے ہی نواب عبدالصمد کا ملازم تھا ۔ اس نے اپنی شاعری کے متعلق کہا ہے :

مرا دعویٰ شعر و شاعری نیست
باستادان کامل ہمسری نیست

لیکن اس مثنوی سے ظاہر ہے کہ وہ اچھے خاصے پختہ شاعر تھے ۔ طبیعت میں اپچ تھی ، نکتہ رس تھے اور تخئیلی پیکر تراشنے کی کوشش کرتے تھے ۔ انھوں نے نئی معنی خیز تراکیب بھی وضع کی ہیں ۔ مثلاً یہ مرکبات دیکھیے :

اجابت آشنا ۔ (۱) جہان جوش ۔ (۲) آتش خس پوش ۔ (۱۰) گلدستہ داغ ۔ (۲۶) برق سہمیز ۔ (۴۳) ۔

ہندو ہونے کے باوجود ان کی ادبی فکر اسلامی ہے ۔ وہ تشبیہیں اور تمثیلیں اور تلمیحات عرب و عجم کی تاریخ سے لاتے ہیں ۔ ان کی بعض تشبیہیں اور تمثیلیں اچھوتی اور تعجب انگیز ہیں ۔ مثلاً انھوں نے بیان کیا ہے کہ سسی کے حسن میں سال بسال اضافہ ہوا ۔ دو سالوں کے متعلق مثالیں دیکھیے :

چہارم سال از رنگین بیانی رباعی شد ز دیوان فغانی
(ص ۱۲)

دھم سال آن فریب کج کلاھان شدہ عاشور قتل بی گیاھان
(ص ۱۳)

پیام او بلای جان من شد نزول وحی غم در شان من شد
(ص ۲۶)

منظر کشی اور سراپا نگاری میں بھی انھیں خوب مہارت ہے - بڑے متوازن اور متین انداز میں محکم ابیات لکھے ہیں - ہم اس مثنوی میں سے چند ایک ٹکڑے نمونے کے طور پر یہاں نقل کرتے ہیں :

در تعریف ملتان

چہ ملتان نوبہار کامرانی — دل افزا ہمچو شہر زندگانی
چہ ملتان جلوہ خیز تار خوبان — چہ ملتان روضۂ حوران و غلمان
ز رونق کوچہ و بازار لبریز — ہوایش چون نسیم صبح گل خیز
چہ ملتان در جہان دارالامانی — چہ ملتان راحت افزا بوستانی
بیک گنبد دو جسم و روح واحد — بہاء الحق و صدرالدین محمد
جوارش رکن عالم شاہ شاہان — اجنابش سجدہ گاہ کج کلاہان
در آن جا خانقاہ پاک دامن — ز خاکش دیدۂ خورشید روشن
دگر بسیار مردان طریقت — گہر سنجان اسرار حقیقت
دران دارالامان آرام دارند — نظر بر حال خاص و عام دارند
ز یمن فیض ارواح بزرگان — بود این شہر رشک ہشت بستان

(ص ٦)

شب عروسی کی تعریف

شبی چون خال جانان عنبر آمیز
شبی چون طرۂ خوبان دل آویز
شبی آبستن صبح امانی
شبی ظلمات آب زندگانی
شبی صد روز نوروزش در آغوش
شبی شب قدر زو خواب فراموش

شبی آئینه دار روی خورشید
شبی وسمه کش ابروی ناهید
شبی سرمه کش در چشم بینش
گزین لفظ کتاب آفرینش
دران فرخنده شب از روشنایی
فلک کرد از جهان ظلمت زدایی
دران شب مهر در بیت الشرف بود
فروغ خرمی در هر طرف بود (ص ۳۷)

باغ کی تعریف

برای سیر او باغی بنا کرد
ارم بر روی گیتی رونما کرد
بهار افروز باغ دلکشایی
چه باغ آئینهٔ جنت نمایی
بهر سو لاله و گل صد چمن جوش
بهر سو چشم نرگس عبرت آغوش
دل افزا سبزه اش بر گرد ریحان
چو خط سبز بر رخسار خوبان
بهر سو قامت آرا سرو آزاد
برنگ قد خوبان پری زاد
نسیمش مغز عالم را توان بخش
چو انفاس مسیحا بود جان بخش
بت رنگین ادا و یاسمن فام
دران گلشن شدی هر صبح و هر شام (ص ۱۴)

ایک دو جگہ فنی نقائص نظر آتے ہیں ۔ مثلاً :

مرصع اور لامع ۔ (ص ۳۵) سہر اور شہر کو ہم قافیہ باندھا ہے ۔
(ص ۴۲) ۔ ایک جگہ کلمہ 'پانی' استعمال کیا ہے ۔ (ص ۴۴)

لبالب کی بجائے خلاف قاعدہ ملبب لکھا ہے ۔

ایک جگہ باد کی بجائے ہوا استعمال کیا ہے :

دہان غنچہ گردد از ہوا باز

دوسری جگہ 'سر یا مغز' کی بجائے 'دماغ' استعمال کیا ہے :

دماغم چون شود از بادہ سرشار

اندر جیت منشی کا دیوان کتب خانۂ شاہان اودھ میں موجود تھا ۔
دیکھیے سپرنگ ۔ شمارہ ۳۹۹ ۔

حکایت صنوبر و گل

یہ قصہ بھی اندرجیت دھر کا لکھا ہوا ہے ۔ وجہ تالیف میں اس نے بتایا ہے کہ میں نیک عالم خاں کے پاس منشی کی حیثیت سے مدت العمر ملازم رہا ۔ ۱۱۲۸ھ میں وہ انتقال کر گئے ۔ کچھ عرصہ کے لیے مجھے لاہور قیام کرنا پڑا ۔ میں نے اپنے بیٹے وزیر مل کی فرمائش پر یہ قصہ لکھا اور اس کا نام نسخہ صنوبر و گل رکھا ۔ قصہ ۱۱۲۹ھ میں تحریر ہوا ۔ قطعہ تاریخ یہ ہے :

در چنین موسم ہمیشہ بہار
گشتہ ام نغمہ سنج چون بلبل
دہ فزودم برای تاریخش
خواندمش نسخہ صنوبر و گل (۱۱۲۹ھ)

تمہید میں فرخ سیر بادشاہ کی مدح میں قصیدہ لکھا ہے جس کا مطلع یہ ہے :

نوبہار آمد زمین را رنگ و بوی دیگر است
نخل امید جہاں در جلوۂ بار و بر است

کہانی کا خلاصہ یہ ہے :

زمانۂ قدیم میں ایک بادشاہ تھا سمن شاہ لعل پوش۔ اس کے تین بیٹے تھے - طہماس ، فہماس اور الماس روح بخش۔ ایک مرتبہ طہماس شکار کھیلتا ہوا دور ویرانے میں نکل گیا۔ ایک چشمے کے کنارے تخت پر دیوانہ نظر آیا - دریافت پر اس نے بتایا : میں جہانگیر جوان مرد اس سرزمین کا بادشاہ تھا - میرے سات بیٹے تھے - ترکستان میں چین ما چین کی حد پر قیموس نامی بادشاہ ہے - اس کی بیٹی مہر افروز ہے - اس نے یہ اعلان کر رکھا ہے کہ وہ اس شخص کے ساتھ شادی کرے گی جو میرے اس سوال کا جواب دے گا "گل با صنوبر و صنوبر با گل چہ کرد"۔ جو شخص اس بات کا جواب نہیں دے سکتا اس کا سر تن سے جدا کرکے محل کے کنگورے پر لٹکا دیتے ہیں - میرے چھ بیٹے ضائع ہوگئے ہیں اور میں ترک سلطنت کرکے یہاں ویرانے میں آ بیٹھا ہوں - طہماس کے دل میں مہر افروز کو حاصل کرنے کا جذبہ ابھرا - باپ کو اس کے دل کی کیفیت معلوم ہوئی تو اس نے سمجھایا اور کہا کہ اس کے ملک پر حملہ کر کے مہر افروز کو زبردستی حاصل کریں گے لیکن طہماس نے قبول نہ کیا۔ آخر طہماس قیموس میں گیا۔ نوبت بجائی - بادشاہ اور ملکہ گلرخ مادر مہر افروز نے نوجوان شاہزادے کو دیکھ کر مہر افروز کو شادی پر رضامند ہونے کے لیے سمجھایا اور نا حق خون بہانے سے روکا - لیکن وہ اپنے ارادے سے باز نہ آئی - طہماس بازی ہار گیا اور قتل ہوا - اس کا دوسرا بھائی فہماس انتقام کی غرض سے وہاں گیا اور ناکام ہوا - آخر چھوٹا بھائی الماس روح بخش وہاں گیا - منزل پر پہنچ کر وہ ایک دہقان کے ہاں ٹھہرا - حقیقت حال سے آگاہ

ہونے اور اپنی کامیابی کے لیے راہ ہموار کرنے کے لیے وہ ایک باغ میں گیا۔ چمن میں پہنچا جہاں نازنینوں کا ہجوم تھا۔ تخت پر مہرافروز جلوہ افروز تھی۔ ایک لڑکی جام بدست وہاں سے گزری جس نے پانی میں الماس کا عکس دیکھا۔ مہر افروز اسے دیکھنے آئی۔ الماس دیوانوں کی طرح اس کے سوالوں کے الٹے سیدھے جواب دیتا۔ آخر مہر افروز نے اسے دیوانہ سمجھ کر اس کے آرام و آسائش کا سامان مہیا کرنے کا حکم دیا اور دلآرام اس کام کے لیے مقرر ہوئی جو خود شہزادے پر فریفتہ ہوگئی۔ آخر دونوں میں رشتۂ محبت استوار ہوا۔ شہزادے نے دلارام کو دل کی بات بتائی اور کہا کہ مہر افروز سے بھائیوں کے خون کا بدلہ لے کر تمھیں ہمدم و دمساز بناؤں گا۔ دلآرام نے بتایا کہ "گل با صنوبر و صنوبر با گل چہ کرد" کا مطلب مہر افروز نے دیو سیرت حبشی سے سیکھا جس کو اس نے شہر فاق واق سے گرفتار کر کے ایک کنوئیں میں بند کر رکھا ہے۔ شہزادہ شہر فاق کی تلاش میں چل نکلا۔ ایک بوڑھے نے رہنمائی کی اور نزدیک کے ایک شہر میں تین راستوں میں سے درمیانی راستہ اختیار کرنے کو کہا۔ اس نے بتایا کہ ایک رات دن کے سفر کے بعد ستون نظر آئے گا جس پر سنگ مرمر کی تختی پر کوفی خط میں جو کچھ لکھا ہوا ملے گا، اس پر عمل کرنا چاہیے۔ تختی پر شہر فاق کی طرف جانے کا راستہ بتایا گیا تھا۔ شہر میں پہنچ کر ایک باغ نظر آیا جس کے باہر پتھر پر ایک حبشی بیٹھا تھا۔ باغ میں ہرن محو خرام تھے۔ قریب ہی سونے چاندی کی اینٹوں سے بنا ہوا محل تھا۔ ایک سنگ مرمر کا حوض تھا۔ ایک لڑکی نے دریچے سے سر باہر نکالا جسے دیکھ کر شہزادہ فریفتہ ہوگیا۔ لڑکی لطیفہ بانو تھی۔ شہزادے نے اسے اپنے دل کا مدعا بتایا۔ اس نے کہا: "میں شاہ قیموس اور مہر افروز کو یہاں حاضر کروں گی تو اس راز کو معلوم کرنے کا خیال ترک کر دے" لیکن اس نے کہا: "میں شہر فاق واق جا کر اصلی حقیقت معلوم کیے بغیر نہیں رک سکتا۔ میں اپنا مقصد حاصل کر کے تمھارے ساتھ شادی کروں گا۔" لطیفہ بانو نے اسے شراب پلائی۔ پھر ایسی

گولی کھلائی جس سے وہ ہرن کی صورت میں تبدیل ہو گیا۔ اس کے سینگوں کو مرصع کر کے اسے بھی دوسرے ہرنوں کے ساتھ باغ میں چھوڑ دیا۔ ایک دن وہ دیوار پھاند کر دوسری طرف باغ میں چلا گیا۔ اس طرح سات باغ عبور کر کے آٹھویں میں پہنچا۔ وہاں محل کے صحن میں ایک حور شمائل دیکھی۔ وہ جمیلہ بانو تھی۔ اس نے ہرن کو قابو میں لانے کے لیے عمدہ غذائیں پیش کیں جن کو کھا کر وہ سو گیا۔ ہرن کی آنکھوں میں آنسو دیکھ کر اسے رحم آیا۔ اسے معلوم ہوا کہ وہ جادو کا شکار ہوا ہے۔ اس نے مفرح یاقوتی اس کے منہ میں ڈالی اور وہ انسانی صورت میں آ گیا۔ شاہزادے نے اپنا ماجرا بیان کیا۔ جمیلہ بانو نے بتایا کہ ابھی شہر فاق واق کی طرف سفر کا چوتھا حصہ بھی ختم نہیں ہوا۔ اس خیال سے باز آ جاؤ۔ لقمۂ دیو و دد ہو جاؤ گے۔ یہاں رہو اور میرے ساتھ داد عیش دو۔ شاہزادے نے کہا: ”میں آپ کا احسان مند ہوں۔ مجھے شہر فاق کا راستہ بتاؤ۔ میں نے اپنے خدا سے جو عہد کیا ہے اسے پورا کرنے دو۔ بامراد لوٹنے کے بعد تمھیں اپنی ملکہ بنا لوں گا۔“ جمیلہ نے اسے ترکش و کمان صالح پیغمبر، عقرب سلیمانی (تلوار) اور خنجر طہمورث اور براق دیے اور منزل کی طرف رہنمائی کی اور بتایا کہ مقام مرغاں پہنچ کر سیمرغ سے آشنائی کرو جو تمھیں سات سمندر پار لے جائے گا۔ جنگل میں ایک جگہ 'غیطاسہ' پر تمھارا گزر ہوگا۔ وہاں شیر نر سے ملاقات ہوگی۔ وہ بدسرشت حبشیوں کے خلاف تمھاری مدد کرے گا۔ قلعۂ زنگیاں سے گزر کر تم مقام سیمرغ پہنچو گے۔ شاہزادے نے قلعہ زنگیاں کے باہر ہیبت ناک پاسبان کو عقرب سلیمانی کے ایک وار سے دو ٹکڑے کر دیا۔ ایک دیو زنگی قلماق نامی شاہزادے کو بغل میں لے کر چل پڑا۔ شاہزادے نے خنجر مار کر اس کو بھی ہلاک کر دیا۔ اس کے بعد طرمطاق دیو جانوروں کا لشکر لے کر پہنچا۔ وہ بھی تہ تیغ ہوا۔ آخر شاہزادہ قلعے کے اندر داخل ہوا۔ وہاں بھی ایک حسینہ سے ملاقات ہوئی۔ اس کے ساتھ بھی رفیقِ زندگی بنانے کا وعدہ کیا اور شیر نر کو حفاظت کے لیے مامور کیا۔ خود وہ آگے بڑھا

اور مرغزار میں مقام سیمرغ پر پہنچا۔ وہاں ایک اژدہا نمودار ہوا جو سیمرغ کے بچے کھا جاتا تھا۔ شاہزادے نے اسے تیر مارا اور پھر تلوار سے اس کا کام تمام کیا۔ سیمرغ شکار سے واپس آیا اور بچوں سے اپنے دشمن کی ہلاکت کا حال سن کر خوش ہوا۔ سیمرغ نے خوش ہو کر شاہزادے کو اپنے پروں پر بٹھایا اور سات سمندر پار کر کے شہر قاق واق میں پہنچا دیا۔ ایک ہفتے کے بعد شاہزادے نے ایک جوان کو دوست بنایا اور اس سے اپنے سوال کا جواب دریافت کیا۔ اس نے بتایا کہ یہاں کے بادشاہ کا نام صنوبر ہے اور گل اس کی ملکہ کا نام ہے۔ تمھارے سوال کا جواب وہی بتا سکتے ہیں۔ شاہزادے نے بادشاہ کے سامنے جا کر ایک الماس پیش کیا۔ بادشاہ مہربان ہوا اور اسے اپنا مہمان بنایا۔ ایک دن شاہزادے نے موقع پا کر اپنا سوال پوچھا۔ بادشاہ ناراض ہوا اور شاہزادہ خاموش ہو گیا۔ ایک دن محفل نشاط گرم ہوئی۔ شاہزادے نے بربط پر ایک دل پذیر نغمہ چھیڑا۔ بادشاہ خوش ہوا اور کہا۔ مجھ سے جو چاہو مانگ لو۔ شاہزادے نے اپنا پہلا سوال دہرایا۔ بادشاہ نے کہا کہ یہ راز بتا کر تیرا سر تن سے جدا کر دوں گا۔ شاہزادہ راضی ہو گیا۔ دوسرے دن خلوت میں بادشاہ کے سامنے مرصع پٹے کے ساتھ ایک کتے کو لائے۔ اس کے سامنے چند نوجوان دست بستہ کھڑے تھے۔ پھر زنجیروں میں جکڑی ہوئی ایک دلہن لائے۔ اس پر کوڑے برسائے گئے اور وہ نالہ و فریاد کرتی تھی۔ پھر ایک حبشی کا سر طشت میں رکھ کر لائے۔ دسترخوان بچھایا۔ کتے کو اس پر چھوڑا۔ اس نے سر کھا لیا۔ جو باقی بچا وہ حسینہ کو دیا۔ اس نے چند لقمے کھائے۔ بادشاہ یعنی صنوبر نے لکڑی سے اس حسینہ کو مارنا شروع کیا۔ اس کے آنسوؤں کا جو قطرہ گرتا وہ در شاہوار بن جاتا۔ جب وہ ہنستی تو زمین پر پھول گرتے۔ شاہزادے نے بادشاہ سے کہا۔ اس کا راز بتاؤ اور میری گردن اڑا دو۔ بادشاہ نے کہا۔ ”میں صنوبر اس ملک کا بادشاہ ہوں۔ گل یہ عروس نابکار ہے۔ ’کاسۂ سر‘ اس حبشی کا ہے جس کے ساتھ اس کا ناجائز تعلق تھا۔ کتا میرا وفادار یار غار ہے۔

یہ عورت رات کو بستر سے الگ ہو کر باہر غار میں اس حبشی کے پاس جاتی تھی ۔ ایک رات میں چوری چھپے اس کے تعاقب میں گیا ۔ حبشی مجھے قتل کرنا چاہتا تھا لیکن میرے کتے نے اسے خصیوں سے پکڑ کر نیچے گرا دیا ۔ میں نے حبشی اور اس کے ساتھیوں کو قتل کر دیا ۔ ایک حبشی بھاگ کر مہر افروز دختر قیموس کے پاس پہنچ گیا اور اس نے یہ راز اسے بتایا ۔"

شاہزادہ بہانہ بنا کر چھت پر گیا ۔ سیمرغ کا پر چقماق سے جلایا ۔ سیمرغ فوراً حاضر ہوا اور شہزادے کو لے کر اڑ گیا ۔ وہ قلعہ زنگیان میں پہنچے ۔ شیر نر سے ملاقات کی ۔ دختر زنگی کو مال و متاع کے ساتھ ہمراہ لیا ۔ باغ جمیلہ بانو میں پہنچے ۔ اس سے شادی کی ۔ پھر باغ لطیفہ بانو میں گئے ۔ شاہزادہ اس جادوگر عورت کو قتل کرنا چاہتا تھا لیکن جمیلہ کی سفارش پر اسے معاف کر دیا گیا ۔ وہ شاہزادے کے حکم سے تمام ہرنوں کو اصل انسانی صورتوں میں لے آئی ۔ آخر وہ شہر قیموس میں پہنچا ۔ نوبت بجائی ۔ بادشاہ کو بتایا کہ میں تیری بیٹی کے سوال کا جواب لایا ہوں ۔ شاہزادے کو مہر افروز کے سامنے لے گئے ۔ شاہزادے نے کہا : "اس حبشی کو لاؤ جو تخت کے نیچے کوئیں میں قید ہے ۔" حبشی آیا تو شاہزادے نے قصہ بیان کیا اور حبشی سے پوچھا : "بتاؤ تم اس وقت وہاں موجود تھے ۔" اس نے کہا : "ہاں میں وہاں موجود تھا ۔" مہر افروز سے شادی ہوئی ۔ بادشاہ نے جواہر و متاع کے ساتھ دولہا و دلہن کو رخصت کیا ۔ شاہزادہ شاد و کامران اپنے ملک میں پہنچا ۔ باپ سمن شاہ بیٹوں کے غم میں اندھا ہو چکا تھا ۔ شاہزادے نے سیمرغ کا دیا ہوا سرمہ اس کی آنکھوں میں ڈالا جس سے اس کی بینائی لوٹ آئی ۔ بادشاہ شاہزادے کو تخت پر بٹھا کر خود گوشہ نشین ہو گیا ۔ بھائیوں کا انتقام لینے کے لیے شاہزادہ الیاس روح بخش نے مہرافروز اور حبشی کو رسیوں سے جکڑا اور تیز گھوڑے کی کمر سے باندھ کر ان کو چھوڑ دیا اور وہ ریزہ ریزہ

ہو گئے - جمیلہ بانو کو ملکہ ، دختر حبشی کو خدمت گار اور دلآرام کو جس نے اس منزل کی طرف رہنمائی کی تھی ، حرم خاص بنایا اور عدل و انصاف سے حکومت کرنے لگا -

کہانی میں قوت متخیلہ کی خوب کارفرمائی ہے - پلاٹ کی کڑیاں اچھی طرح ایک دوسرے سے پیوستہ ہیں اور واقعات میں تعطل اور دلچسپی کے سامان موجود ہیں - ابھی تک تحقیق نہیں ہو سکا کہ اس کہانی کو سب سے پہلے کس نے فارسی میں لکھا - جن قصوں کا سراغ ملا ہے اور ان میں تاریخ تالیف درج ہے - ان میں سے اندرجیت یعنی موجودہ نسخہ ہی قدیم تر ہے جو ۱۱۲۹ھ میں لکھا گیا ہے :

گل صنوبر کی کہانی کے اجزاء دوسری داستانوں سے ماخوذ ہیں [1] - مثلاً عقرب سلیمانی ، تلوار کا نام ، داستان امیر حمزہ سے ماخوذ ہے -

سیمرغ کا شاہزادے کی امداد کو آنا -	شاہنامہ فردوسی سے ماخوذ ہے -
سوالات کے جواب میں شاہزادی کا عقد -	بوستان خیال ، آرائش محفل اور باغ و بہار میں بھی مذکور ہے -
شاہزادی کا رات کے وقت حبشی کے پاس جانا -	الف لیلی ، شک سپتی اور سنگھاسن بتیسی میں مذکور ہے -
صنوبر گل کو کتے کا جھوٹا کھلاتا ہے -	قصہ چہار درویش میں خواجہ سگ پرست کی کہانی میں مذکور ہے -

اس کہانی کو دوسروں نے بھی لکھا ہے - چنانچہ مندرجہ ذیل

---

۱ - اردو کی نثری داستانیں ، گیان چند ، کراچی ، ۱۹۲۹ ، ص ۳۷۲ - ۳۷۴ -

دوسرے نسخوں کی موجودگی کا علم ہو سکا ہے :

انڈیا آفس لائبریری میں شمارہ ٨١٩ ، اس کا آغاز اس طرح ہے :

"راویان با اعتبار و ناقلان آثار چنین روایت کنندکہ در خاور زمیں پادشاهی بود کہ آنرا سمن شاہ لعل پوش میگویند ۔

انڈیا آفس لائبریری شمارہ ٨٢٠ اور برٹش میوزیم ، مذکورہ فہرست مخطوطات فارسی ج ٢ ، ص ٧٦٣ ب ۔ دونوں نسخے ایک دوسرے کے مماثل ہیں ، آغاز یوں ہے :

"خردمندان رموز بیان و نقشبندان معانی چنین روایت کنند ۔ روزی سلطان السلاطین شاہ ابوالعباس در محفل فردوس مشاکل‌ستمکن ۔ ۔

تاریخ تصنیف معلوم نہیں ۔

کتب خانۂ انجمن شعیب محمدیہ آگرہ ۔ قصہ گل صنوبر تصنیف سید ناصر علی مکتوبہ ۹ سمت ١٨٧٥ ۔

سٹیٹ لائبریری رام پور ، نسخہ مکتوبہ ١٢٦٠ھ ۔ اس قصے میں بادشاہ کے چار بیٹے بتائے گئے ہیں ۔ شہزادی کا نام حسن بانو ہے ۔ وہ پہلے چار بیضوں کی اصل پوچھتی ہے ۔ بعد میں گل صنوبر کا سوال کرتی ہے ۔ سٹیٹ لائبریری رامپور میں دوسرا نسخہ مؤلفہ ناصر علی خاں ولد سید قدرت اللہ بلگرامی ہے ۔

موجودہ نسخہ پنجاب پبلک لائبریری لاہور میں شمارہ ۹ ، ٥٧٣ اند پر موجود ہے ۔ کل ١٧ ورق ہیں ۔ آغاز اس طرح ہوتا ہے :

"بہار گلشن الفاظ و معانی حمد و سپاس بہار پیرای گلستان کائنات است کہ عارضی دلفریب گلعذاران پری رخسار مضمون رنگین از نسخہ تکوین و ایجاد ویست" ۔

—:o:—

منشی جوت پرکاش

دستور عشق

سسی پنوں کی معروف عشقیہ داستان کا نام دستور عشق ہے۔ اس مثنوی کے مصنف منشی جوت پرکاش ہیں۔ یہ داستان ۱۱۳۶ھ میں منظوم ہوئی۔ اشعار کی کل تعداد ۲۳۴۸ ہے۔ مصنف نے خود تاریخ کہی ہے:

بعشق آغاز او انجام کردم
ازان دستور عشقش نام کردم

ز کثرت وحدت اینجا چون غرض شد
دوئی باعین یکتائی عوض شد

خرد زین اسم تاریخش طرازد
ولی دال دوئی را وضع سازد

دستور عشق کے اعداد میں سے د کا عدد کم کرنے سے ۱۱۳۶ھ سال تالیف نکلتا ہے۔

مصنف منشی جوت پرکاش فاضل منشی تھے۔ ان کے والد کا نام دیوان ملرای تھا (م - ۱۱۱۹ھ) جو نواب حفظ اللہ خاں حاکم کشمیر (۱۰۹۵ھ - ۱۱۰۶ھ) کے دیوان تھے۔ وہ بھی اعلی پائے کے منشی اور شاعر تھے اور شوق تخلص کرتے تھے۔ جوت پرکاش نے ہی ان کی نگارشات کا مجموعہ مرتب کیا تھا جس کا نام گلدستۂ سخن تھا۔ اس میں دو طبقات تھے:

طبقہ اول ۔ قصائد معروف و اشعار مختلف ملزوم

طبقہ دوم ۔ منثور۔ یہ تین حصوں میں منقسم تھا ۔

۱ ۔ عرایض بہ بعضی خوانین والا شان و تمکین

۲ ۔ مکاتبات بارباب دول و اصحاب اتحاد

۳ ۔ رقعات کہ در شہر بہ بعض عزیزان نوشتہ ۔

جوت پرکاش کے اپنے کوائف زندگی معلوم نہیں ۔

دستور عشق کے واقعات قصہ وہی ہیں جو ہم نے نامۂ عشق مصنفہ اندر جیت کے ضمن میں بیان کیے ہیں ۔ صرف آخر میں کچھ اضافات ہیں ۔ سسی و پنوں کے قبر میں دفن ہو جانے کے بعد سسی کے والد عطا اور پنوں کے والد علی اپنے ساتھیوں کے ہمراہ قبر پر پہنچے اور فریاد و فغاں بلند کی ۔ وہاں غیب سے ندا آئی کہ یہ عاشق زندہ ہیں ۔ ان پر ماتم روا نہیں ۔

بہر ارباب بقا ماتم روا نیست
کہ حسرت جز پی اہل فنا نیست
فنای عشق را ماتم نباشد
اگر پروانہ سوزد غم نباشد

قصہ شروع کرنے سے پہلے مصنف نے توحید ایزد ، مناجات ، مناقب عشق اور سبب تالیف پر اظہار خیال کیا ہے ۔ اس کے بعد قصہ شروع کیا ہے ۔ مثنوی کا آغاز اس شعر سے ہوتا ہے :

بنام آنکہ حسن آئینۂ اوست
تعشق خازن گنجینۂ اوست

قصہ بیان کرنے کے ضمن میں مصنف نے اپنے تخیل کا پورا زور دکھایا

ہے - بہت سی توصیفی نظموں کا اضافہ کیا ہے - سراپای سسی ، تعریف اشتر ، تعریف ویرانہ ، تعریف کشتی ، تعریف پرند زر نگار اور تعریف ہودج پر طبع آزمائی کی ہے اور قصے کو محسنات شعری سے مالا مال کیا ہے - ہم ان توصیفی نظموں میں سے ایک ایک دو دو شعر نقل کرتے ہیں جن سے مصنف کے انداز بیان کی کیفیت منکشف ہوگی -

گلستان منظر نشان

بہار آئینۂ گل در نظر داشت
تماشا ہمچو طوطی بال و پر داشت
چراغاں کرد ہر سو جلوۂ گل
پری پروانہ اش منقار بلبل

شہر صفابہر

زلالش صاف چون طبع سخنور
گوارا چون لب شیرین دلبر
صفا مشرب ، صفاطینت ، صفا جوی
بہر بیگانہ خوئی آشنا روی

اشتر عشق مظہر

شتر ہم سالک بیدای عشقست
دلیل راہ ناپیدای عشقست
بود گردن فراز و دعوی عشق
خم ہر عضو آن از سیلی عشق

ہودج

چہ ہودج عاشق آسا خانہ بردوش

سسی و پنوں کے درمیان خط کتابت میں مصنف نے دونوں کے احساسات اور جذبات کی عکاسی کی ہے۔ خط سے پہلے جذبہ خلوص کی صداقت پر شہادت کے پیش نظر قسمیہ لکھا ہے۔ اس سے مصنف کی دروں بینی اور فنی لطافت کا اظہار ہوتا ہے۔ قسمیہ کے دو شعر یہ ہیں:

بحسن لازوال جلوہ مشتاق چراغ افروز بزم جان عشاق
بشمع آرائی حسن گلو سوز بساط گرمی پروانہ افروز

—:o:—

احمد نشاط پسروری

اعجاز عشق

یہ ایک عشقیہ مثنوی ہے۔ اس کے مصنف احمد نشاط پسروری ہیں۔ مصنف کے متعلق ابھی تک معلومات حاصل نہیں ہو سکیں۔ مثنوی کا نام اس نے خود ذیل کے شعر میں بتایا ہے :

زبس کین قصہ از اعجاز عشقست
ہمیں نامش تراز راہ صدقست

سال تالیف گلگشت گلستان معانی سے ظاہر ہے یعنی ۱۱۴۲ھ۔ اشعار کی کل تعداد ۱۰۶۳ ہے، جیسا کہ اس نے خود بتایا ہے۔

شمردم چون بیاض سحر کاری
کم آمد سی و ہفت از دو ہزاری

پنجاب یونیورسٹی لائبریری مجموعہ شیرانی میں اس کا ایک مخطوطہ شمارہ SPiVI, 78 پر موجود ہے۔ کل ۸۷ برگ ہیں اور ہر صفحے میں تقریباً ۱۳ شعر ہیں۔

روایت کے مطابق مثنوی حمد و نعت اور قصہ معراج نبوی کے بیان سے شروع ہوئی ہے۔ پھر تتمہ کے طور پر چند معجزات کا ذکر کیا ہے۔ سبب نظم بیان کرنے کے بعد عشق کے اوصاف بیان کیے ہیں کہ وہ شاہ فضل آرای ہستی و اقلیم کشای ممالک نیستی ہے۔ اس کے بعد سراسر سرور خطۂ جیپور کا حال بیان کیا ہے جہاں اس کا سراپا حسن محبوب رہتا تھا۔ وہاں کے ایک رنگین تالاب کا ذکر کیا ہے جہاں وہ محبوب شست و شو میں

مشغول ہوا کہ اچانک اس تالاب میں غرق ہو گیا اور صفحۂ ہستی سے نابود ہوگیا۔ باہر نکال کر اسے عود و عنبر کے ڈھیر میں جلا دیا گیا۔ آخر میں شاعر نے طلبِ شوق اور یادِ الٰہی کے لیے دعا مانگی ہے۔

مثنوی میں کوئی قصہ بیان نہیں ہوا اور نہ مربوط واقعات کا کوئی افسانہ بیان ہوا ہے۔ لیکن محبوب کی صفات، اس کے عشوہ و ناز اور حسینوں کی باہمی چھلوں کو بیان کرنے کے جو مواقع تھے وہاں مصنف نے نادر اور شگفت آور تشابیہ سے بیان کو دلچسپ بنایا ہے۔ شاعر کا تخیل مضمون آفرین ہے اور مثنوی کی یہی صفت اس کی دلچسپی کی ضامن ہے۔ اس کے انداز بیان کے مختلف نمونے دیکھیے جس سے لطافت طبع کا اندازہ ہوگا۔

نازکی محبوب کی کیفیت

بلی آئینہ دل بود آن پری رو
نفس میداد کلفت بر رخ او (۵۵ب)

نمی گویم نگہ را راہ بستند
کتانی پردہ ای بر ماہ بستند (۵۹)

چنان برخاست آن بیچارہ مضطر
چو مضمون خیزد از طبع سخنور (۶۱)

دو آتشیں نفسوں کا ملاپ

غرض در آتش آن ہر دو سمندر
کشیدہ یکدگر را نیک در بر

چنان با یک دگر چسبیدہ خفتند
تو گوئی ہر دو گل از شاخ رستند

مگر محفل طراز عشق شیدا
دو شمع افروخت در فانوس یکجا
مہ و خور در حمل منزل گزین شد
قران شان ببرج آتشین شد (٦۵ ب)

سوز عشق پیدا کرنے کے لیے ترکیب

وفا بوی گل گلزار عشق است وفا خال و خط رخسار عشق است
اگر شمعی سرشک از دیدها ریز وگر پروانہ ای رقصی بر انگیز
اگر شمعی فدائیی پروانہ شو پری گر نیستی دیوانہ شو (۷۹)

ہر موضوع کے اختتام پر ساقی نامہ کے دو شعر لائے گئے ہیں ۔

—:o:—

سیف اللہ سیفی

بہرام نامہ

یہ ایک رومانی مثنوی کا نام ہے۔ اس کے مصنف سیف اللہ سیفی ساکن امین آباد تھے۔ ممکن ہے اپنے وقت کے اچھے شاعر ہوں مگر اب ان کا حال کہیں مذکور نہیں۔ اتفاق سے ان کی یہ مصنفہ مثنوی دستبرد زمانہ سے محفوظ رہ کر پنجاب یونیورسٹی لائبریری مجموعۂ شیرانی میں شمارہ ۳۲۵۵ پر موجود ہے۔ مثنوی کے کل ۱۰۶۰ اشعار ہیں۔ شروع میں حمد و ثنا۔ نعت پیغمبرؐ۔ مناجات بدرگاہ رسول خدا اور بابا فرید گنج شکر کی مدح میں اشعار لکھے ہیں۔ اسکے بعد سبب تالیف میں بتایا ہے کہ میں نے اپنے بیٹے کی فرمائش پر زہرہ و بہرام کی داستان کو منظوم کیا ہے۔ بعد میں اصل قصہ شروع کیا ہے۔

قصے کا خلاصہ یہ ہے۔ بہرام بنگال کے ایک بادشاہ کا بیٹا تھا۔ اس کے وزیر کی بیٹی کا نام زہرہ تھا۔ دونوں ایک ہی مکتب میں پڑھتے تھے۔ ان دونوں میں آہستہ آہستہ شعلۂ عشق کی نمود ہوئی۔ وزیر کو معلوم ہوا تو اس نے زہرہ کو مکتب سے اٹھاکر زنجیریں پہنا کر محبوس کردیا۔ بادشاہ نے وزیر کو غم زدہ دیکھ کر اس کا حال پوچھا تو وزیر نے کہا: ”شاہزادہ نے حریم عصمت میں رخنہ ڈالنے کی جرأت کی ہے۔“ بادشاہ نے شاہزادہ کو ملک بدر کردیا۔ شاہزادہ نے دایہ کے ہاتھ زہرہ کو پیغام بھیجا کہ وہ فلاں درخت کے قریب آ کر ملے۔ شاہزادہ کے چلے جانے سے زہرہ کی زنجیریں کھول دی گئیں۔ اس لیے اس کی ملاقات کے لیے دایہ کو آسانی ہو گئی۔ زہرہ گھوڑے پر سوار ہو کر بہرام کے پاس پہنچ گئی اور وہ فرار ہو گئے۔ دور جاکر وہ ایک چشمے پر پہنچے۔ زہرہ سو گئی۔ بہرام ذرا کچھ دور

سیر کے لیے نکل گیا۔ اتنے میں وزیر کے سپاہی تلاش میں آپہنچے۔ ایک سپاہی نے بہرام کو پکڑ لیا اور زہرہ کا سراغ پوچھا۔ لڑائی میں بہرام نے سپاہی کو قتل کردیا۔ دوسری طرف زہرہ بیدار ہوئی۔ اس نے شاہزادہ کو اپنے پاس نہ دیکھا تو وہ دوسری طرف اس کی تلاش میں چل نکلی۔ تین دن رات کی آہ و زاری کے بعد ایک شہر کے قریب پہنچی۔ بہرام واپس چشمے پر پہنچا اور زہرہ کو نہ دیکھ کر آوارہ و سرگرداں ہوگیا۔ زہرہ نے مردانہ لباس پہن لیا تھا۔ اتفاق سے اس ملک کا شاہزادہ اپنے خواص کے ساتھ شکار کرتا ہوا ادھر آ نکلا۔ زہرہ نے بتایا کہ میں ہندوستانی ہوں۔ میرے والد سوداگر ہیں۔ میں سیر کو نکلا تھا کہ میرے گھوڑے ساز و سامان کے ساتھ مجھ سے جدا ہو گئے اور میں راستہ بھول گیا۔ شاہزادہ اس کو اپنے ہمراہ لے گیا۔ مجلس نشاط آراستہ کی۔ بعد میں کہا کہ محل کے اندر نہر میں غسل کیجیے۔ زہرہ نے کہا: "میں اپنے ساتھیوں کی جدائی میں پریشان ہوں اور جلد جانا چاہتا ہوں۔" شاہزادہ نے کہا: "کل صبح شیر کے شکار کو چلیں گے۔ شہر کے باہر جنگل میں ایک شیر ہماری گائیں بھینسوں کو چیر پھاڑ دیتا ہے۔" زہرہ نے وعدہ کرلیا۔ شیر کا شکار ہوا تو بادشاہ نے اس کارنامہ کی خوشی میں بزم ناؤ نوش برپا کی۔ زہرہ نے عیاری سے شراب نہ پی۔ بادشاہ اور مصاحب شراب پی کر مدہوش ہو گئے۔ زہرہ گھوڑے پر سوار ہو کر صبح دوسرے بادشاہ کی سرحد پر پہنچ گئی۔ بازاروں میں گھوم رہی تھی کہ ایک بڑھیا سے ملاقات ہوئی۔ اس سے کہا کہ میں مسافر ہوں۔ ساتھیوں سے بچھڑ گیا ہوں۔ رات گزارنے کے لیے پناہ چاہیے۔ آخر بڑھیا اپنے گھر لے گئی۔ اس نے بازار میں بزازی کی دوکان کھول لی اور اپنا نام خردمند رکھ لیا۔ ایک مرتبہ شاہزادی نے خردمند کو دیکھا تو وہ اس پر فریفتہ ہوگئی۔ ایک مرتبہ خردمند شکار کو گیا تو بادشاہ نے اسے دیکھ لیا اور اس کے حسن پر مجذوب ہوا اور اسے دربار میں بلایا۔ مجلس نشاط برپا کی۔ شاہزادی خردمند کو دربار میں دیکھ کر حیران ہوگئی اور بے خود ہو کر اپنا سر پیٹنے لگی۔ بادشاہ نے یہ حالت دیکھی تو

خردمند کو مجلس سے نکال دیا ۔ بادشاہ کے مصاحبین نے بادشاہ کو مشورہ دیا کہ یہی بہتر ہے کہ اس نجیب نوجوان سے شاہزادی کی شادی کر دی جائے ۔ خردمند کو پیغام بھجوایا گیا اور وہ راضی ہوگیا ۔ جہیز تیار ہوا اور شادی ہوگئی ۔ خلوت میں خردمند نے شاہزادی سے کہا کہ میں ایک سال تک عیش و نشاط میں مشغول نہیں ہوں گا کیونکہ میرے اعزا احباب مجھ سے بچھڑے ہوئے ہیں ۔ اتفاق سے بادشاہ مر گیا تو اہل دربار نے خردمند کو بادشاہ تسلیم کرلیا ۔ زہرہ (خردمند) راتوں کو اپنی نجات کے لیے دعائیں مانگتی رہی ۔ ایک دن بہرام قلندرانہ لباس پہنے ہوئے اس شہر میں آگیا ۔ بہرام نے زہرہ کو پہچان لیا ۔ آخر ایک رات زہرہ نے زنانہ لباس پہن کر شاہزادی کو سارا حال کہہ سنایا ۔ بہرام کو بادشاہ بنایا اور شاہزادی کے ساتھ اس کی شادی کردی ۔

یہ قصہ ۱۲۰۵ھ میں منظوم ہوا جیسا کہ مصنف نے خود بتایا ہے :

ساختم در ہزار دو صد و پنج این حکایت تمام باصد رنج
سال اتمام او ز دل جستم نسخۂ عشقبار پس گفتم
سال عمرم کہ شد ز شصت فزون پنبہ از گوشم اوفتاد کنون

کل ۱۰۶۰ بیت ہیں ۔ پہلا شعر یہ ہے :

ابتدا میکنم بنام خدا نام او شد کلید مشکلہا

آخر میں یہ غزل دی ہے :

پس از شوخی کہ میدارد چنان گرم عنانش را
چو بوی گل رود از من کجا جویم نشانش را
کشیدن در بغل قالب تہی کردن نمیدانم
کہ این چلہ کشی آموخت این طرز کمانش را

ز شیرینی لب چسپد لبم چون غنچہ میگردد
خیال بوسہ می بندم بدل نقش دہانش را
بترک چشم او نازم کہ با این تیز دستی ہا
زند شمشیر و پیداست خون زخم نہانش را
سخن باریک می باید ز اوصاف بیان سیفی
مبادا از سخن تا بر کران افتد میانش را ؟

کہانی بیان کرنے کے ضمن میں مصنف کو بزم و رزم کی محفلوں اور معرکوں کے احوال و کوائف بیان کرنے کے مواقع بھی سامنے آئے ہیں ۔ اس لیے اس نے موقع کی مناسبت سے ان کیفیات کو بھی اجاگر کیا ہے ۔ ہر عنوان کے خاتمے پر ساقی نامہ کے دو شعر لکھے ہیں ۔ ان سے بھی بیان کے تسلسل کو مہمیز لگتی ہے ۔ بزم و رزم کی دو کیفیتوں کے نمونے ملاحظہ کیجیے تاکہ شاعر کے تخیل اور توانائی کا اندازہ ہوسکے ۔ جنگ کا حال یوں بیان کیا ہے :

باش از تشنگی مزن فریاد　　کنمت غرق چشمۂ فولاد
پس عنان گرم کرد سوی عدو　　گشت چون شیر نر مقابل او
دست بر وی نمود از خنجر　　کز سرش در گذشت تا بکمر
شد دو نیمہ ز فرق تا بکفل　　گشت جوزا اگرچہ بود زحل
دید خالی چو اسپ خصم لعین　　از خداوند خانہ خانۂ دین
یار گردید ہمچو وحشی دشت　　مطلق البال بر طرف میگشت
غرق خون گشت خصم بد انجام　　یاوری کرد فتح با بہرام
(ص ۱۲ ب)

محفل نشاط کا نقشہ یوں کھینچا ہے :

شد چون ترتیب منزل زیبا　　شد ہوای نوا باہل غنا
نغمہ راکب بمرکب طنبور　　کرد مہماز در مقام سرور
مطریان از نوای باربدی　　بر کشیدند لحن داؤدی
بچہ مطربان خنیاگر　　کردہ گلگوں لباسہا در بر
چرخ شان در لباس گلناری　　شعلۂ جوالہ عین پنداری
نغمہ و بادہ خوشنما باشد　　ہمنشین یار دلربا باشد
(ص ۱۹)

'بہرام نامہ' کا نسخۂ خطی پنجاب یونیورسٹی لائبریری مجموعہ شیرانی شمارہ ۳۲۵۵ پر موجود ہے۔ تقطیع متن ۲۰ سم × ۱۲ سم ہے ترقیمہ حسب ذیل ہے:

تمام شد من تصنیف آن افضل الفضلا میاں سیف اللہ متخلص بہ سیفی ساکن امین آباد۔ دستخط نور الدین نبیرۂ آن مغفور بتاریخ ۱۵ ماہ پھاگن سمت ۱۹۲۶ مطابق ۱۳۹۷ ہجری تحریر یافت۔

—:o:—

محمد ماہ مروت

مخمس مجمل الفتح

اس مخمس کے مصنف محمد ماہ مروت ہیں ۔ اس کا ایک قلمی نسخہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری ، مجموعہ شیرانی میں شمارہ ۶۱۶۴ پر محفوظ ہے ۔ اس نسخے کا کاتب رضی الدین عرف غلام مرتضیٰ ولد خان جلالدین متوطن قصبۂ ابراہیم آباد المشہور سودھرہ من مضافات صوبۂ پنجاب ہے ۔ (ص ۴۲) ۔ اس نے لکھا ہے کہ یہ تصنیف ''اشعرالشعرا افصح الفصحا پیشوای سخن سنجاں صاحب تقریر ، مقتدای سخنوران روشن ضمیر ، برگزیدۂ شاعران ایام ، مخدوم الاسلام مشیخت پناہ ، شیخ محمد ماہ المتخلص بہ مروت کہ ہم وطن این راقم الحروف اند ۔'' اس سے ظاہر ہے کہ محمد ماہ مروت سودھرہ کے رہنے والے تھے ۔ مخمس میں انھوں نے خود بتایا ہے کہ میرے باپ کا نام محمد پناہ ہے :

چہ خوش گفت در خلوت صبح گاہ پدر قبلۂ من محمد پناہ

مخمس لکھنے کے وقت ان کی عمر چالیس سال تھی جیسا کہ انھوں نے خود لکھا ہے :

بسالی کہ از طالع کامیاب مرتب شد این تازہ آئین کتاب
ز عمر گذشتہ گرفتم حساب ندانم کہ گفتست از شیخ و شاب
بود دہ کم از نیمۂ نیم مر

نیم سے ۱۰۰ عدد بنتے ہیں ۔ نصف اس کا پچاس ہوئے اور اس میں دس کم چالیس ہوتے ہیں ۔ مخمس لکھنے کی تاریخ بھی خود رقم کی ہے :

جزاک اللہ ای کلک گلگون خرام بشیرین زبان کردہ کارم تمام
کہ در دور یک ہفتہ تا صبح و شام شدی با مروت بصد احترام
'سخن سنج فتح شہ بحر و بر'

لیکن یہ تاریخ درست نہیں ۔ فتح شہ بحر و بر سے تو سال ۱۲۱۱ نکلتا ہے ۔

مصنف نے فرخ سیر کے سال جلوس کی تاریخ بھی غلط نکالی ہے ۔ وہ لکھتا ہے :

ز تقویم تاریخ سالِ جلوس کنم ثبت "کیخسرو دادگر"

کیخسرو دادگر سے سال ۱۱۲۵ نکلتا ہے حالانکہ سال تخت نشینی ۱۱۲۴ھ ہے ۔

اس مخمس میں فرخ سیر کے ہاتھ پر جہاندار کی شکست کا حال بیان کیا گیا ہے ۔ مثلاً فتح کے بعد ایک شعر میں اس کا ذکر ہے :

نہیبی در آمد جہاندار را خزان رنگ بشکست گلزار را

اس جنگ میں حسین علی خان میر بخشی شاہ نے بھی حصہ لیا ہے ۔ اس کے متعلق لکھا ہے کہ وہ ہاتھی سے نیچے اتر کر میدان جنگ میں داخل ہوا اور اس نے اس مہم کو سر کیا :

پیادہ شد از پیل تمکین پناہ حسین علی خان لشکر شکر (ص ۱۴)

محمد ساہ مروت ایک گمنام شاعر ہیں ۔ کسی تذکرے میں ان کا نام نظر سے نہیں گزرا ۔ اس نام کے ایک اور شاعر گزرے ہیں لیکن ان کا تخلص صداقت ہے ۔ وہ بھی مضمون آفرینی اور ندرت فکر کے لیے مشہور ہیں ۔ مروت کے اس موجودہ مخمس سے ظاہر ہوتا ہے کہ ان کی سوچ میں گہرائی

اور تخیل میں وسعت ہے ۔ مخمس کا موضوع چونکہ رزمیہ ہے ۔ اس لیے بحر کابھی ایسا ہی انتخاب کیا ہے اور الفاظ میں ایک آہنگ و زور ہے ۔ مثلاً دوسرا بند یوں ہے :

سخن سر کنم بعد حمد اله   ز نعت محمد دو عالم پناہ
فلک تختگاہ   لامکانی کلاہ   شفا بخش درد عذابِ گناہ
شفاعت دعای اجابت اثر

اس بند کی تمام تراکیب میں اپج اور جدت و ندرت کے عناصر موجود ہیں ۔ تمام نظم میں مصنف نے اپنا کمال فن دکھانے کے لیے جنگ کے مختلف آلات سے نبرد آزما ہونے کے متعلق نقشے پیش کیے ہیں ۔ یعنی توپ و تفنگ ، تیغ و تبر ، تیر و سنان اور گھوڑوں ہاتھیوں کی جنگ آزمائی کا ذکر کیا ہے ۔ ہر بند میں نیا سے نیا خیال پیش کیا ہے ۔ نمونہ کے لیے یہ دو بند دیکھیے :

ز رعد دم توپ خارا گداز   شدہ درمیان صدف قطرہ باز
بریدہ دران حشر گاہ مجاز   ز معشوق ناز و ز عاشق نیاز
بہ نظارہ قتل چندین نفر   (ص ۱۴)

ز گرد سپہ روز شبگیر شد   سنان شمع و پروانہ اش تیر شد
دو شاخہ چگویم کہ گلگیر شد   تن خستہ فانوس تصویر شد
جہان گشتہ اعمی اجل رہبر   (ص ۱۲ ب)

نسخہ ۲۲ ورق پر مشتمل ہے اور ۱۱۹۰ھ کا مکتوبہ ہے ۔ کل ۱۲۳ بند ہیں ۔

—:o:—

ملا داؤد ملتانی

مثنوی شیر و شکر

یہ ایک مختصر سی مثنوی ہے جو مثنوی معنوی کی بحر میں اور اسی کے اسلوب میں لکھی گئی ہے۔ ایک جگہ مثنوی معنوی کا شعر بھی درج کیا ہے اور اس کی طرف یوں اشارہ کیا ہے:

یاد گیر آن بیت را از مثنوی

مثنوی شیر و شکر کا پہلا شعر یہ ہے۔

باز گو ای طوطی شکر شکن　　داستان عشق از یار کہن

یہ شعر مثنوی بوعلی قلندر کی یاد دلاتا ہے جو مثنوی معنوی کی پیروی میں لکھی گئی تھی۔

مثنوی کا نام عجیب سا ہے۔ شیر و شکر کے عام معنی تو گھل مل جانا ہے۔ مگر اصطلاحی معنوں میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ توجہ ذات یا معرفت خداوندی میں اپنی ذات کو فنا کر کے اس طرح محو ہو جانا جیسے شکر دودھ میں حل ہو کر دودھ کا جزو بن جاتی ہے۔ لیکن مصنف نے خود بہت سے مقامات پر شیر و شکر کی توجیہ کی ہے۔ ہم ان میں سے چند اشعار نقل کرتے ہیں تاکہ اس کے مطالب کی وضاحت ہو سکے:

ص ۲۔　　شیر و شکر چیست ای شیر زمان
　　　　خاک گشتن در رہ عشق بتان

ص ۳ - شیر و شکر چیست ناز دلبران
با فقیر عاشق بیخان و مان

ص ۳ - شیر و شکر چیست از یار ابتلا
عشق خود اما کند بر تو روا

ص ۴ - شیر و شکر چیست ای مردان راہ
سر نہ پچیدن ز فرمان الہ

ص ۸ - شیر و شکر چیست خود را گم زدن
کین نجاتست از بسی رنج و محن

ص ۱۰ شیر و شکر چیست نیکی با بدان
رام کردن با تحمل دشمنان

اس مختصر مثنوی کو بھی مصنف نے مندرجہ ذیل دس فصلوں میں تقسیم کیا ہے جن کے عنوان عربی میں یوں ہیں -

فصل فی البلایا وان کانت کثیرۃ لکنھا علی المحب یسیرۃ

فصل لابد للعاقل من الانتقال من الاثر الی المؤثر

فی ترغیب الایمان بالعمل و ترک العصیان و المعاصی بالحمل -

فصل ان رأس البلایا علی الخلایق ظن الکبریا فی حق نفسہ و التوطا فی العلایق -

فصل فی ان السخاوۃ من اکرم اوصاف الرجال معنی الاشارۃ الی معنی قول امیرالمومنین علی کرم اللہ وجہ النوال تم السؤال -

فصل فی الترغیب علی الاحسان اذ ھو مکافات العصیان ۔

فصل فی مذمت اہل التدریس التابعین للنفس الخسیس ۔

فصل فی ان الصحبۃ تؤثر ۔

فصل فی فضیلۃ الفقر ۔

فصل فی الترغیب السکوت ۔

فصل کے ضمن میں موضوع کی توجیہ کے لیے ایک ایک حکایت بھی بیان کی ہے ۔

مثنوی کے مصنف ملا داؤد ملتانی ہیں جیسا کہ نسخہ' خطی کے کاتب نے مثنوی کے آخر میں رقم کیا ہے :

"تمت بعون الملک الوہاب نسخہ' شیر و شکر از مصنفات ملا داؤد قادری ساکن ملتان از دست فقیر حقیر خادم الشرع حافظ عبدالنبی غفراللہ لہ ولوالدیہ و لاستاذیہ ۔"

ملا داؤد کی زندگی کے احوال و کوائف ابھی تک کسی ماخذ سے فراہم نہیں ہو سکے ۔ اتنا تو ظاہر ہے کہ وہ سلسلہ' قادریہ سے منسلک تھے اور فقیر منش تھے ۔ انھیں اپنی فقیری پر ناز بھی ہے :

بر فقیری میکند داؤد ناز　　زان نیارد پیش کس روی نیاز

یہ بھی ظاہر ہے کہ وہ عربی پر بھی قدرت رکھتے تھے اور اس میں شعر کہہ لیتے تھے ۔ مثلاً ان کا یہ شعر ملاحظہ کیجیے :

رب بیض وجہ داؤد النعیم　　کی یباھی باسمک البرّ الکریم

شیر و شکر کا ایک نسخہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری ، مجموعہ شیرانی شمارہ ۳۶۵۰ پر موجود ہے ۔

—:o:—

سندر داس آرام

مثنوی ہیر و رانجھن

اس مثنوی کے مصنف سندر داس آرام ہیں ۔ سال تالیف ۱۱۷۱ھ ۔ مصنف نے "گلشن راز عشق و وفا" سے تاریخ نکالی ہے ۔ سبب تالیف بتاتے ہوئے لکھا ہے کہ مجھے بخشندہ بیگ کے ہمراہ جھنگ سیال میں ٹھہرنے کا موقع ملا ۔ وہاں خواب میں ہیر و رانجھا نے مجھے مثنوی لکھنے کی فرمائش کی ۔ لاہور میں واپسی پر جب وہ نواب سید جمیل الدین خان بہادر کے پاس منشی کی حیثیت سے ملازم تھا ، اس نے یہ قصہ لکھنا شروع کیا اور یگانۂ آفاق قدوہ شعرا سید امیر بخش کی ترغیب و ارشاد سے چھ ماہ میں ختم کیا ۔ چند داستانیں حافظ آباد میں جمادی الاول ۱۱۷۱ھ کو ختم کیں ۔ کل ۶۹ داستانیں ہیں ۔

اس مثنوی کا ایک نسخہ خطی کتابخانۂ ریاست کپورتھلہ ۔ شمارہ ۱۸۸ پر موجود ہے ۔ کل ۱۷۳ ورق ہیں ۔ یہ مثنوی اس کے دیوان کا جزو ہے جس میں غزلیات ، رباعیات ، قطعات تاریخی اور دوسری مثنویاں شامل ہیں ۔ قطعات تاریخی میں ۱۱۴۴ سے ۱۱۷۴ تک کی تاریخیں موجود ہیں ۔ ان میں سے چند ایک یہ ہیں :

تاریخ رحلت نواب اعزالدولہ ولد میر یحییٰ خان بہادر (۱۱۵۶ھ) ۔

تشریف آوری خان صاحب محمد میرک خاں در برگنہ کلانور (۱۱۰۶ھ)

تاریخ احداث باغ میر غلام علی (۱۱۴۸ھ) ۔

واقعہ خان صاحب میر امان اللہ خان (۱۱۶۵ھ) -

۲ - قصہ سسی پنوں پنجابی تصنیف ۱۱۷۳ھ -

۳ - مثنوی گلشن آرام - اس میں دکن کے شاہزادہ کامران کا قصہ ہے - سال تصنیف ۱۱۶۲ھ -

مثنوی کا یہ نسخہ میں نہیں دیکھ سکا - ڈاکٹر مولوی محمد شفیع صاحب نے اورئینٹل کالج میگزین ، شمارہ اگست ۱۹۳۷ع میں اس کا تعارف پیش کیا تھا -

- :o: -

منسا رام

ہیر رانجھا

اس قصے کا مؤلف منسا رام خوشابی ہے ۔ جس نے کتاب کے دیباچے میں بتایا ہے کہ میں نے یہ قصہ راجہ رام کھتری ساکن بھیرہ سے سنا جو شاعر دمودر اروڑہ ساکن جھنگ کا منظوم قصہ خوشحالی سے پڑھتا تھا ۔ منسا رام نے اس قصے کو نثر و نظم میں لکھا ہے ۔ نثر لکھتے لکھتے وہ نظم میں لکھنا شروع کر دیتا ہے ۔ نظم عموماً مثنوی میں ہے ۔ مثلاً برگ ۸ ب اور ۹ پر وصف بہار میں ، ۱۱ ب اور ۱۲ پر لباس و آرائش ہیر کے متعلق اور ۳۹ ب سے لے کر ۴۲ ب تک راگ راگنیوں کے متعلق ہے ۔ اسی طرح مندرجہ ذیل صفحات پر اچھے خاصے منظوم ٹکڑے ہیں : ۵۰ ، ۵۱ ، ۵۹ ب ، ۶۰ ، ۶۵ ، ۶۶ اور ۷۶ ۔

ہیر رانجھا کا مروجہ قصہ وہی ہے جس کا خلاصہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں ۔ مؤلف نے قصہ شروع کرنے سے پہلے تین عنوان کے تحت مندرجہ ذیل واقعات بیان کیے ہیں :

۱ ۔ فرستادن چوچک خاں مطرب خود را بجہت انعقاد قرابت بجانب رنگ پور پیش علی خان و باز فرستادن او کس خود را پیش چوچک خاں ۔

۲ ۔ آوردن لڈن ملاح کشتی نورا زمیندار و نگاہ داشتن ہیر آنرا و استفسار حکایت ازان ۔

۳ ۔ در باب آمدن نورا زمیندار برای خلاص کردن کشتی و جنگ کرده برگشتن ۔

اس کے بعد دھیدو کی ولادت سے لے کر ہیر کی شادی تک قصہ بیان کیا ہے اور آخر میں لکھا ہے کہ ہیر نے رامو زنار دار کے ہاتھ رانجھا کو پیغام بھیجا اور رانجھا جوگیوں کے لباس میں آکر ہیر کو لے گیا اور بس۔

منسا رام نے بتایا ہے کہ میں محمد خوشحال خاں قاقشال کے ہاں منشی تھا، جو قادر آباد متصل پرگنہ ہزارہ میں مقیم تھا۔ اس کی فرمائش پر میں نے یہ قصہ عشق ہیر و رانجھا لکھا۔ خوشحال خاں قاقشال موسیقی میں مہارت رکھتے تھے۔ انھوں نے چھتیس راگ راگنیاں پیش کیں جو بانسری کے توسط سے گائی جاتی تھیں۔ منسا رام نے رانجھا کی بانسری کی تاثیر بیان کرتے ہوئے قاقشال کی اس ایجاد کا بھی حال بیان کیا ہے۔

قصہ ۱۱۵۷ھ میں تالیف ہوا۔ مؤلف نے خود تاریخ تالیف لکھی۔

سال تاریخ خود گواہی داد۔ "عشق رانجھہ و ہیر صادق بود" ۱۱۵۷ھ۔

قصہ پر تکلف و پر تصنع عبارت میں لکھا گیا ہے اور منشیانہ مہارت دکھانے کی کوشش کی گئی ہے۔

کتاب کا نسخۂ خطی پنجاب یونیورسٹی لائبریری مجموعۂ شیرانی میں شمارہ ۱۰۶۵ پر موجود ہے۔ کل ۸۸ برگ ہیں۔

—:o:—

دیگر شعراء

۱۹۶۷ء میں خواجہ عبدالرشید نے تذکرۂ شعرای پنجاب کے نام سے شعراء کا تذکرہ مرتب کیا ۔ اس تذکرے میں انھوں نے مختلف تذکروں سے شعراء کے احوال اور اشعار جمع کر کے یکجا لکھ دیے ہیں ۔ بعض تذکروں اور تاریخوں تک ان کی رسائی نہیں ہو سکی یا بعض شعراء کے متعلق وہ کمتر ماخذ کی طرف رجوع کر سکے ہیں ۔ ایسے شعراء کے متعلق ہم نے مزید ماخذ کی بناء پر تفصیل سے لکھا ہے یا پھر جن شعراء کے دیوان یا دوسری مصنفات دستیاب ہوئی ہیں ، ان کے متعلق بھی ہم نے مفصل لکھا ہے ۔ باقی شعراء کا ذکر اور تکرار مطالب کرنا ہم نے مناسب نہیں سمجھا ۔ ہماری اس جلد میں اس تذکرہ میں مذکور مندرجہ ذیل شعراء کا ذکر آ سکتا تھا ۔ شہروں کی نسبت سے ان کے نام یہ ہیں :

لاہور

آزاد ، غلام محمد ۔ افضل شاہ ۔ امانت ۔ امین ۔ ایجاد ۔ برہمن ، جگت رای ۔ تجرد ، عبداللہ ۔ تجرد ، علی محمد ۔ تجرید ، محمد علی ۔ تحسین ، عبدالعظیم ۔ تحسین ، عبدالعزیز ۔ تحسین ، عبداللہ ۔ جعفری ۔ جنون ، محمد امین ۔ حسام ۔ حیرت ۔ خبرت ۔ خرد ۔ خلیل ۔ خوشدل ۔ دانا ۔ دستور ، ابی چند ۔ رضوان ۔ روشن ۔ ساغر ۔ سلامت پنجابی ۔ سند ۔ سویدا ۔ شاعر ، گل محمد ۔ صافی ۔ صالح ۔ صوفی ۔ طالب ۔ عطار ، قمرالدین ۔ عاشق ، شیورام ۔ عنایت ، محمد حفیظ ۔ غازی ۔ غلام علی اوچہ ۔ فارغ ۔ فتوت ۔ فدائی ، عباس قلی ۔ فصاحت ۔ قدرت ۔ منور ، لائق ، میر محمد مراد ۔ لکنتی ۔ محمد جواد ۔ مخلص ، ابنای داس ۔ مشتاق ۔ معصوم ۔ متین ، ملا جیون ۔ مفتون ، محمد زمان ۔ محیط ، راجس ۔ مفتون ، عبدالرحیم ۔

منصف ، فاضل خاں ۔ میرزا ، قابل خاں ۔ وارث ۔ ناطق ، رحمت اللہ ۔
وارد بٹالوی ۔ وجدان ، میر معصوم ۔ وحشت ، بھوپت رائے ۔ یتیم ،
نصراللہ ۔ یحییٰ خاں ۔ یکتا ، محمد عاقل ۔

ملتان

اعجاز ، محمد سعید ۔ حضوری ۔ تحسین ۔ شفیع ۔ شہاب ۔ فاروق ۔
مفید ۔ نادر ۔

کلانور

الفت ، غلام محمد ۔

سیالکوٹ

جریدہ ۔ شبابی ۔ نادری ۔ نصرت ۔

سودھرہ

نعتی ، عبداللہ ۔ یگانہ ، محمد افضل ۔

خوشاب

جعفر علی ۔ عوض بیگ ۔

کنجاہ ، گجرات

محمد گجراتی ۔ محمد صالح ۔ خوف محمد یا محمد خوشی کنجاہی[1] ۔ (تذکرہ
شعرای پنجاب میں محمد خویش لکھا ہے) ۔

---

۱ ۔ کنزالرحمت مؤلفہ محمد اشرف ، لاہور ، ۱۹۱۱ع میں میاں خوشی محمد زیاران
خاص یا محمد خوشی نور بحر رسول ۔ (ص ۹۵) ۔

ایمن آباد

فرخ حسین ، عاطر ، زین العابدین ۔

بھیرہ

شہید ، میر غازی ۔

ملتان کے متذکرہ صدر شعراء کے علاوہ میر علی شیر قانع نے اپنے مرتبہ تذکرۂ بعنوان مقالات الشعراء میں ان شعراء کا بھی ذکر کیا ہے جن سے ان کی سر راہے گاہے ملاقات ہوئی ہے ۔ یا وہ اپنے دوران مسافرت میں کچھ مدت کے لیے ٹھٹھہ میں ٹھہرے ہیں ۔ اس طرح ہمیں ملتان کے رہنے والے چند مزید شعراء کے نام مل گئے ہیں ۔ ممکن ہے وہ اپنے زمانے میں صاحب استعداد سخنور ہوں ۔ بہرحال اس تذکرے کے توسط سے ان کا نام باقی رہ جانا بھی غنیمت ہے ۔ ممکن ہے بعد میں کسی چھپے گوشے سے ان کے متعلق مزید معلومات حاصل ہو سکیں ۔

مقالات الشعراء سے مندرجہ ذیل شعراء کے متعلق اطلاعات فراہم ہو سکی ہیں :

شیخ الہ داد

ولد شیخ احمد ملتانی ۔ جید فاضل تھا ۔ قانع نے اس کی ایک مثنوی بھی دیکھی تھی جس میں گل و بلبل اور شمع و پروانہ کے سوال و جواب کو بڑے اچھے انداز میں لکھا تھا ۔ اس کا ایک شعر یہ ہے :

بیکسی راست سرو برگ اگر ہمچو پروانہ چہ بندی بشرر

(ص ۴۹)

بیدل

نام محمد شفیع ملتانی ۔ نواب سیف الدولہ صوبیدار ٹھٹہ (۱۱۲۷ = ۱۱۴۳ھ) کے ہمراہ ٹھٹہ میں آیا ۔ کسی نے اس سے کہا : "بیدل تو مدت ہوئی اس دنیا سے چلا گیا ۔ تو کہاں سے پیدا ہو گیا ۔" اس نے کہا : "کیا دنیا میں بیدلوں کی کمی ہے ۔" وہ اپنے آپ کو محمد عاقل یکتا کا شاگرد کہتا تھا ۔ اس کا ایک شعر یہ ہے :

جسم مانع نیست پرواز دل وارستہ را
قطرہ از چندی مسافت خود بدریا می رسد

(ص ۱۰۵)

تحسین ملتانی

وہ حج کو گیا ہوا تھا ۔ واپسی پر ٹھٹہ میں ٹھہرا اور مخدوم رحمت اللہ کی خدمت میں فقہ کے چند رسائل پڑھے ۔ موزوں طبیعت پائی تھی ۔ اس کے دو شعر یہ ہیں :

نروم رهی کہ آنجا تو نباشی و رقیبان
بشماتت من و تو لب شکوہ باز دارند

قشقہ بر پیشانی آن مہر پر رنگ شفق
شام تحسین را مہ تاباں بود در آستین (ص ۱۳۱)

جان محمد ملتانی

قانع لکھتے ہیں کہ بھکر سے نصر پور تک میرے ایک عزیز کا ہم سفر تھا ۔ اس کی زبانی میں نے اس کا یہ شعر سنا :

خوش آرامگاهی ست ملک عدم را
کہ باز آمدن کس خیالی نہ بندد (ص ۳۱۱)

ضیاءاللہ ملتانی

تھٹہ میں کافی عرصہ مقیم رہا ۔ ممکن ہے یہیں انتقال کیا ہو ۔ اس کا ایک شعر یہ ہے :

در رہ عشق ندانم بچہ تدبیر روم
روح مجنون قرقی دارد در دشت ہنوز (ص ۳۱۱)

مقالات الشعراء میں ان اشخاص کا بھی ذکر ہے جو پنجاب کے شہروں کے رہنے والے تھے ۔ وہ مقامات مقدسہ کی زیارت کے لیے جا رہے تھے کہ ٹھٹہ میں ان کا عبور ہوا اور قانع سے ان کی ملاقات ہوئی یا وہ لوگ باہر سے آئے اور ٹھٹہ میں مقیم ہوگئے ۔ ان میں سے مندرجہ ذیل وہ ہیں جن کا ذکر تذکرۂ شعرای پنجاب میں نہیں ہوا ۔

امامی

میر امام دین نام تھا ۔ سادات بخارا میں سے تھے ۔ اچہ کے رہنے والے تھے ۔ ایک شعر یہ ہے :

خیال خال تو در سینہ تخم داغ دل است
خدا نہال کند تا گل مراد دہد (ص ٦٦)

جان علی

میر جان علی ساکن آوچہ ۔ حج کو جاتے ہوئے ٹھٹہ میں ٹھہرے ۔ ان کا ایک شعر یہ ہے :

گوهکن نوبت کاویدن دل بغلط تیشہ سر خویش زدہ است
(ص ۱۴۹)

حسین

میر حسین الدین ۔ سیالکوٹ وطن تھا ۔ اس علاقے میں فوت ہوئے ان کا شعر ہے :

در غم دوست محنت آبادم گر بمیرانندم فلک ، شادم
(ص ۱۹۲)

محمد صفا سیالکوٹی

ٹھٹہ میں باہر سے آیا تھا ، بیت :

خواب ملک عدم چہ راحت داشت
کہ کسی چشم زان کشاد نکرد (ص ۳۶۳)

فنافی اللہ جالندھری

موحد تھا ۔ محمد آباد میں اس سے ملاقات ہوئی ۔ شعر :

من و تو موجۂ بحریم کز سبک روحی
بظرف کون و مکان می نگنجد آب روانش (ص ۳۹۷)

محمد ارشد رسائی[1]

شاہ بھیک کے مرید تھے ۔ پنجاب کے نواح میں رہتے تھے ۔ فارسی

---

۱ ۔ سفینۂ ہندی ، بھگوان داس ، پٹنہ ، ۱۹۵۸ع ، ص ۲۸۹۔

متداولہ کتب سے خوب آگاہ تھے ۔ محمد شاہ کے معاصر تھے۔ تلاش سے شعر کہتے تھے ۔ ایک شعر یہ ہے :

با مخالف مشربان یکجا نشستن خوب نیست
این غلط مجموعہ را شیرازہ بستن خوب نیست

مندرجہ ذیل شعرا کے متعلق دوسرے ماخذ سے مزید معلومات حاصل ہوئی ہیں اور مزید اشعار مل سکے ہیں ۔

انصاف[۱] ، محمد ابراہیم ، لاہوری

میر معز موسوی کے شاگرد تھے ۔ اوائل ۱۲۰۰ھ جوانی میں رحلت کر گئے ۔ قدرت اللہ مؤلف تذکرۂ نتائج الافکار لکھتے ہیں کہ "شاعر نیکو طبع ، دقت پسند و کلامش خوش آیند" ہے ۔

مختلف تذکروں سے ان کے مندرجہ ذیل اشعار مل سکے ہیں :

بلای جان بود دردیکہ خاموش است دم سازش
خدا صبری دہد بیمار چشم سرمہ سایش را

حائل خورشید وحدت رنگ ہستی ہای ما است
چون زمین از پیش بردارند روز و شب یکیست

دلم را جلوۂ غیری نسازد غافل از یادش
بدست ہر کہ ہست آئینہ ام تمثال او دارد

باندازی زیارت میکند خاک شہیدان را
کہ پنداری گزر در خاطر ہر آرزو دارد

---

۱ ۔ کلمات الشعرا ، ص ۸ ، صبح گلشن ، شمع انجمن ، ص ۲۷ ۔ ریاض الشعراء ص ۲۹ ۔ ہمیشہ بہار ، انیس العاشقین ، روز روشن ، تذکرۂ نتائج الافکار ۔

ز تنگی آن دہن سازد سخن را از صدا عریان
رسد تا بر لب لعلش تبسم راز میگردد
(تذکرۂ نتائج الافکار)

نسازد غم بہ بیتاب محبت شادمانی ہم
گران باشد برین بیمار مردن زندگانی ہم
ازان چین جبین باخندۂ زیر لبی الم
عتاب آشکارم میکشد لطف نہانی ہم
(انیس العاشقین)

سوی پستی است در ہر پایۂ رفعت نہان راہی
بود این کوہ را ہر تختہ سنگی بر سر چاہی
(کلمات الشعراء)

امین الدین ملتانی

بن شیخ علی بن شیخ ضیاء الدین مسعود ملتانی بڑے پائے کے صوفی تھے ۔ شیخ اوحدالدین عبداللہ کی خدمت میں رہ کر مرتبۂ عالی حاصل کیا اور وفات کے بعد ان کے جانشین ہوئے - ۱۱۴۵ھ میں فوت ہوئے ۔ ملتان ہی مدفن ہے ۔ ان کے چند اشعار یہ ہیں :

فریاد کہ دل نماند و جان رفت   نقدی کہ نبود از میان رفت
در خواب شدیم و دزد بربود   سرمایۂ عمر و کاروان رفت
آن عہد کجا و آن طلب کو   آن عہدگذشت و آن زمان رفت
بیچارہ امین کہ با غم و درد   خوش دست تہی ازین جہان رفت

---

۱ - ریاض الشعرا ، علی قلی خان والہ داغستانی ، نسخۂ خطی پنجاب یونیورسٹی لائبریری ، مجموعہ شیرانی ، شمارہ ۴۸۳ ، برگ ۱۱ -

من خار غمت بمردم دیدہ کشم — جور و ستمت بر دل غم دیدہ کشم
وانگہ کہ بمیرم رقم بندگیت — بر ذرہ استخوان بوسیدہ کشم

مندرجہ ذیل رباعی اپنے خرقہ کے دامن پر لکھی ہوئی تھی :

ای دل پس زنجیر چو دیوانہ نشین
در دامن درد خویش مردانہ نشین
زاہد شدن بیہدۂ خود را پی کن
معشوقہ چو خانگیست در خانہ نشین

سامی ، عبداللہ لاہوری[1]

ملا عوض وجیہ کے خاندان سے منسوب تھے - اصل وطن قمپایہ (عراق) تھا - لاہور میں پیدا ہوئے - عربی میں کافی استعداد رکھتے تھے - عہد اورنگ زیب میں فوج میں محتسب کے عہدے پر مامور تھے - ایک مرتبہ لاہور سے شاہجہاں آباد بھی گئے اور مرزا بیدل سے صحبتیں رہیں - کشن چند اخلاص مؤلف ہمیشہ بہار نے بھی ان سے ملاقات کی - ان کی رائے ہے کہ "سخنش خالی از پختگی نیست - تلاشہا دارد۔" وہ اعظم شاہ بن اورنگزیب کے ملازم رہے - ۱۱۵۵ھ میں فوت ہوئے -

انڈیا آفس لائبریری میں ان کا دیوان شمارہ ۱۷۰۴ پر موجود ہے - جس کی تفصیل یہ ہے :

۱۳۲ برگ تک غزلیات ہیں - پہلا شعر یہ ہے :

---

۱ - صبح گلشن ، ص ۱۹۵ ، نشتر عشق ، ص ۲۳۷ ، سفینۂ خوشگو ، ص ۲۳۳ سفینۂ ہندی ، ص ۱۰۶ - مخزن الغرایب ، ص ۱۶۲ ، ہمیشہ بہار ، انیس العاشقین ، سفینۂ بیخبر ، گل رعنا -

چون ز بی برگی ندارد خامہ در دل آہ را
ساخت از خون جگر شنگرف بسم اللہ را

۱۳۳ سے ۱۴۵ تک ترجیع بند، مخمسات، قطعات اور چند رباعیات ہیں۔ ۱۴۶ سے ۱۴۸ تک مثنوی ہے۔ جس کا پہلا شعر یہ ہے:

چہل تن بحکم قضا و قدر   یکبار کردند عزم سفر

۱۴۹ ب پر ایک اور مثنوی کے سات ابیات ہیں۔ پہلا شعر یہ ہے:

الٰہی گریہ ام را تازگی دہ   فغانم را بلند آوازگی دہ

مختلف تذکروں سے ان کے مندرجہ ذیل اشعار مل سکے ہیں:

دل وا شود ز دست تو بی منت کلید
این قفل ابجد است بنام تو بستہ اند
یک قطرہ نصیبم نشد از مادر گیتی
دادند بدستم قدح شیر مشبنگ

اشکم ز سر ہر مژہ دارد گلہ بسیار
خار است درین راہ کم و آبلہ بسیار

شب کہ آن مہ نیم رخ در پردہ مست خواب بود
یک طرف در ہالہ ابر و یک طرف آفتاب بود

مددی کرد پس از مرگ سیہ بختی من
سرمہ گردیدم و در چشم سیاہش رفتم   (گل رعنا)

نسبتی نیست بہ پروانہ گلی را بچمن
زندگی لالہ بآن سوختہ مسی مانہ

(مخزن الغرایب)

بازم ای آئینہ رو زندہ نخواہی دیدن
نفسی است بسر وقت اگر می آئی

(مخزن الغرایب)

تسلیم ، سلام اللہ خان[1]

قصور کے افغان تھے ۔ مخزن الغرایب میں لکھا ہے کہ ان کے اجداد کا پیشہ نجاری تھا ۔ سلام اللہ نے نواب آصف الدولہ کی ملازمت میں زندگی گزاری ۔ اچھے شعر کہہ لیتے تھے ۔ ان کے شعر پڑھنے کا انداز بھی خوب تھا کہ فرحت حاصل ہوتی تھی ۔ اگرچہ تسلیم فن شعر میں ماہر نہیں تھے پھر بھی بر محل شعر کہنے کا بھی ملکہ حاصل تھا ۔ ایک دفعہ نواب صاحب چوکی پر بیٹھے پانی کے ساتھ اٹکھیلیاں کر رہے تھے ۔ پانی میں سایہ دیکھ کر ایک مصراع چست کیا :

ببین عجب صورتی مثل بت دارم

سلام اللہ نے آگے بڑھ کر فی الفور یہ شعر پڑھا :

اگرچہ نیست روا سجدۂ بتان کردن
تو آن بتی کہ ترا سجدہ می توان کردن

---

۱ ۔ مخزن الغرایب ، ص ۲۷ ۔ انیس العاشقین ۔ رتن سنگھ زخمی ، ۱۲۳۵ھ ، نسخۂ خطی پنجاب یونیورسٹی لائبریری ، شمارہ PFI-23 ۔ روز روشن ۔ ص ۱۳۱ ۔

نواب نے خوش ہو کر پانچ سو روپے انعام دیا ۔

تسلیم کے چند اشعار محفوظ رہ گئے ہیں :

دوش رفتم بر مزار کشتۀ تسلیم خویش
مینمود از دور صد شمع و چراغ حسرتی
چون شدم نزدیک دیدم در تفحصها بسی
یک دلی می سوخت با او چند داغ حسرتی

(مخزن الغرایب ، ص ۴۷)

دور ازان آستان چه می پرسی
آستین است و دیدۀ تر ما

بیا یکدم ای ہم نشین باش ہمدم
که این دم دم واپسین می نماید
دہد وصل اگر دست من زنده مانم
نه آن می نماید نه این می نماید

آنکه بامن دشمن و با خلق گرم دوستی است
دوستی او مرا با خلق دشمن می کند

دیوانه وار بیتو بشبهای بیکسی
ما را بغیر خویش بکس گفتگو بود

روز محشر شد و فردای قیامت آمد
ای شب هجر ترا هم سحری خواهد بود

کشید پرده چو از من بروی خویش از ناز
ز روی کار من بیقرار پرده کشید

تابکی سوی دیگران نگری
سوی من هم نگاه باید کرد

امروز باز بر سر آن کوچه میروم
لرزان و بیقرار ، بینم چه می شود

پی نثار تو آورده جان و دل تسلیم
قبول کن ز سر لطف کو همین دارد

بعالمی که دلی هر یکی غمی دارد
دران دلی که غم تست عالمی دارد

بو علی نبض مرا دید و بگفت افسوس
کسی ندیدم که شفا یافت ز بیماری دل

ادب نگذاشت تا مهر از لب اظهار بر گیرم
بدل ماند آنچه در دل بود شب جائیکه من بودم

(انیس العاشقین)

موہب

تذکرۂ شعرائے پنجاب میں ''مرہب'' لکھا گیا ہے اور اس کے دو شعر نقل کیے گئے ہیں۔ مؤلف کا ماخذ فرحت الناظرین مؤلفہ محمد اسلم پسروری ہے۔ محمد اسلم نے اپنی تاریخ کے منابع میں مرآۃالعالم مؤلفہ بختاور خان کا نام لکھا ہے۔ اس میں موہب کی وہ پوری غزل دی گئی ہے جس میں سے فرحت الناظرین میں صرف دو شعر منقول ہیں۔ مرآۃالعالم میں موہب کے متعلق تعارف بھی کچھ زیادہ ہے۔ اس لیے ہم وہاں سے اخذ کر کے یہاں درج کرتے ہیں:

موہب کا نام لطف اللہ تھا۔ کنجاہ کے رہنے والے تھے۔ وہ شیخ جیون کے نام سے معروف تھے اور محبت الٰہی میں سرشار۔ محمد خویش کنجاہی کے بھائی تھے۔ وہ متداولہ کتب درسی سے خوب آشنا تھے اور فن شعر و انشا و معما میں ماہر تھے۔ اورنگزیب عالمگیر کے ممتاز ملازمین میں ان کا شمار ہوتا تھا۔ وہ بختاور خان سے وابستہ تھے اور اپنے اکثر اشعار ان سے منسوب کرتے تھے۔ مرآۃالعالم میں ان کے مندرجہ ذیل اشعار منقول ہیں:

کاکل بفضیلت آرائش زنجیر کند
دل دیوانہ بدین سلسلہ شبگیر کند

پیچش خامہ بکف طرۂ سنبل گردد
تا پریشانی گیسوی تو تحریر کند

خاک بخت زر خورشید نماید موہب
کیمیای نظر فیض گر اکسیر کند

۱۔ مرآۃ العالم، بختاور خان، مرتبہ ساجدہ سلطانہ، مخطوطہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری، برگ ۸۵۳۔

ابر احسان و کرم ہمت بختاور خاں
کہ ز صدق نفسش صبح تباشیر کند

مایہ اختر اقبال شود عالم را
گر فلک خاک کف پایتو تخمیر کند

چون ہوس در دل تقدیر نگنجد یک دم
آنچہ در حوصلہ فکر تو تدبیر کند

کامگار از غم آشفتہ دلم ورنہ کجا
بندہ در خدمت عالی تو تقصیر کند

شکر شکر تو دارم بدہان گرچہ فلک
ہر دم از عشوہ پلوزینہ من سیر کند

مرد سیف و قلم بی سخن از جوہر طبع
حیرت از بخت کہ در تجربہ تاخیر کند

رغبت سیالکوٹی

آفرین لاہوری (م - ۱۱۵۴ھ) کے معاصر تھے - ان کی ایک طویل مثنوی ، قصہ حقیقت رای ، کے نام سے ایشیاٹک سوسائٹی بنگال (مجموعہ کرزن) میں محفوظ ہے - کل ۳۴ برگ ہیں - اس میں محمد شاہ (۱۱۳۱ - ۱۱۶۱ھ) کی مدح میں بھی اشعار موجود ہیں - مثنوی کا آغاز یوں ہے :

سر نامہ بنام دلنوازیست
کزو ہر بینوا را برگ و سازیست

تجرد لاہوری[1]

علی محمد نام تھا - نشتر عشق اور صبح گلشن میں ان کا نام محمد علی

---

۱ - تذکرۂ مردم دیدہ ، ص ۱۵۷ - ۱۵۸ - روز روشن ، ص ۱۲۶ - نشتر عشق ص ۱۱۰ ، صبح گلشن ، ص ۸۰ ، عقد ثریا -

لکھا ہے۔ لیکن صحیح علی محمد ہے، کیونکہ حاکم لاہوری نے تذکرۂ مردم دیدہ میں علی محمد لکھا ہے۔ وہ حاکم کے معاصر تھے اور عہد محمد شاہ میں ان کے پاس آتے جاتے تھےاور باہم صحبتیں رہتی تھیں۔ تجرد کے اجداد سلتان سے تعلق رکھتے تھے۔

حاکم نے بتایا ہے کہ تجرد خیراللہ فدا کے شاگرد تھے اور عاشق سخن تھے۔ اساتذہ کے لاکھ دو لاکھ اشعار جمع کیے تھے۔ اپنے منتخب اشعار کو بھی بیاض میں مرتب کیا ہوا تھا جن کی تعداد ہزار دو ہزار ہوگی۔

تجرد تالیف تذکرۂ مردم دیدہ یعنی ۱۱۷۵ھ سے کوھستان صوبۂ پنجاب میں گوشہ نشین ہو گئے تھے۔ صبح گلشن میں سال وفات ۱۱۷۹ھ دیا گیا ہے۔ نورالعین واقف سے الھیں گہرا اخلاص تھا۔

تذکرۂ مردم دیدہ میں ان کے صرف دو اشعار منقول ہیں:

ای زلیخا تا توانی طالب دیدار باش
عاشق پیغمبر شدی هشیار باش

سزای تست زلیخا کہ روز بد دیدی
قیامت است پسر از پدر جدا کردن

ایک اور شعر روز روشن میں منقول ہے:

دم نزع بود چشمم کہ نظرکنی نکردی
بسرم چو شمع بامن مژہ ترکنی نکردی

حافظ لاہوری

اس شاعر کی شخصیت کے متعلق کہیں سے بھی اطلاع فراہم نہیں

ہو سکی ۔ محسن ٹھٹوی (م ۔ ۱۱۶۳ھ) نے اپنی مرتبہ بیاض محک الکمال میں حافظ لاہوری کی دو غزلوں کے مندرجہ ذیل اشعار درج کیے ہیں ۔ یہ اس کے معاصر ہیں کیونکہ نام کے آخر میں دعائیہ کلمہ 'سلمہ' لکھا ہے ۔ اس بیاض کے توسط سے مرکز لاہور میں ایک شاعر کے نام کا اضافہ ہوا ہے :

اشعار

برنگ پان نہ یاقوت تو گرنگ است پنداری
ز خون خاطر ما بادہ در بنگ است پنداری

بہار از سر زمین عشق آتش دیدہ می آید
کہ گل از گرم جوش شعلہ رنگ است پنداری

من از بحث سخن فہمان عجب تمثال می بندم
کہ با آینہ جام جم صف جنگ است پنداری

این ورق رخ ترا میم یکی لام دو
از رخ و زلف تو مرا صبح یکی شام دو

گفت کہ بوسہ از لبم نسیہ نقدم چون خری
گفتم اگر کرم کنی نقد یکی وام دو

گہ سگ خویش خوانیم گہ گدای مفلس
......مگر بندہ یکی نام دو

سند ، شمس الدین لاہوری

میر معصوم وجداں کے بیٹے تھے ۔ حاکم لاہوری کے معاصر تھے ۔ تذکرۂ مردم دیدہ میں ان کا تفصیلی ذکر ہے[1] ۔ سند کا ذکر مجمع النفایس

---

۱ ۔ تذکرۂ مردم دیدہ ، عبدالحکیم حاکم ، لاہور، ۱۹۶۱ ، ص ۱۰۶ - ۱۱۲ ۔

میں ضمناً ذکر آیا ہے۔ سفینہ خوش گو میں اتنا لکھا ہے کہ باپ کے ساتھ رہتے ہیں۔ شعر و سخن میں خوب مشق کی ہے اور ان کے ذیل کے دو شعر نقل کیے ہیں[1]:

چہ می پرسی چہا از طالع ناساز می آید
دعا از چرخ چون تیر ہوائی باز می آید

خامشی را بر زمین زد محشر فریاد من
سرمہ در راہ فغانم خاکساری می کند

اتفاق سے سید سند کی دو مثنویاں یعنی (۱) مثنوی نخل و سیب اور (۲) چاہ وصال لیلٰی و مجنون۔ پنجاب یونیورسٹی لائبریری کی منقش و خوشخط بیاض شمارہ ۸۲۷ میں مندرج ہیں۔ چاہیے تو یہ تھا کہ ہم یہ دونوں مثنویاں یہاں محفوظ کر لیتے تاکہ یہ کلام محفوظ ہو جاتا لیکن ڈر ہے کہ ناشر اتنا کاغذ مہیا کرنے کے لیے آمادہ نہیں ہوں گے۔

مثنوی نخل و سیب کا خلاصہ یہ ہے۔ اصفہان میں ایک پارسا تھا۔ قناعت پسند۔ ایک مرتبہ وہ صحرا کی طرف گیا۔ وہ اپنے ایک دوست کی یاد میں آنسو بہاتا تھا۔ اس کا نہر پر گزر ہوا۔ اس نے ہاتھ منہ دھویا۔ اتفاق سے پانی میں بہتا ہوا اسے سیب ملا۔ اس نے وہ پکا کر کھا لیا۔ لیکن کھا کر اسے قوت حاصل نہ ہوئی اور وہ بیمار ہو گیا۔ وہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ سیب کہاں سے آیا ہے۔ آخر وہ ایک باغ میں پہنچا۔ باغ میں ایک بوڑھے کو اپنے آنے کا سبب بتایا۔ اس نے کہا: "ایک سال یہاں رہ کر خدمت کرو۔ سال کے بعد جب نیا پھل آئے گا تب تیرے

۱۔ سفینۂ خوشگو، بندرابن داس، پٹنہ، ۱۹۵۹، ص ۲۷۲۔

سوال کا جواب دوں گا۔" سال کے بعد باغ بارور ہوا اور بوڑھا خوشحال۔ نوجوان نے سیب کا قصہ یاد دلایا۔ بوڑھے نے کہا: "میری ایک اندھی بہری، گونگی اور اپاہج لڑکی ہے۔ اس کے ساتھ شادی کیے بغیر تم پر سیب کا حال نہیں کھل سکتا۔" نوجوان نے کہا کہ مجھے آج ہی کیوں دوزخ میں ڈال رہے ہو۔ بوڑھے نے کہا: "اگر تیرا دل جنت کا طلب گار ہے تو اس نکاح سے ہی تیری مشکل حل ہو جائے گی۔ اگر تو نہیں چاہتا تو جاؤ اپنا راستہ لو۔" آخر جوان راضی ہو گیا۔ شادی کے بعد جب وہ حجلۂ عروسی میں گیا تو اس نے وہاں صحیح سالم خوبصورت دلہن دیکھی تو حیران رہ گیا۔ اس نے دلہن سے پوچھا۔ "باپ نے تمھارے متعلق ایسی باتیں کیوں کہیں۔" اس نے کہا: "چونکہ میں نے کسی غیر محرم کو نہیں دیکھا اس لیے میں نابینا ہوں۔ میں نے غیر کی آواز نہیں سنی اس لیے بہری ہوں۔ میں نے غیر سے بات نہیں کی اس لیے گونگی ہوں۔ میں نے کہیں چل کر کسی سے ناطہ نہیں جوڑا اس لیے اپاہج ہوں۔" جوان یہ جوابات سن کر بہت خوش ہوا۔ سیب کی وجہ سے اس نے جو دکھ اٹھایا تھا اس کا صلہ اسے مل گیا۔ شاعر نے آخر میں نتیجہ کے طور پر یہ اشعار لکھے ہیں:

خریداران اگر در زہد کوشند
بہشتی را بہ سیبی می فروشند

تہی کن ساغر از رزق حرامم
چو گل از خون دل می کن بجامم

مثنوی کا نام خود بیان کیا ہے:

چو این نو باوہ رست از باغ نامہ
خطابش نخل و سیب آمد ز خامہ

مثنوی کی ابتدا میں ساقی کو مخاطب کیا ہے :

بیا ساقی بیا ای سایۂ ناز بیا ای چشمم بر رخت باز

اس مثنوی کے کل ۱۵۶ اشعار ہیں -

چاہ وصال لیلی و مجنون

اس کے آغاز میں بھی ساقی کو یوں مخاطب کیا ہے :

بیا ای ساقی عشق آفرینم خط جام تو سر لوح جبینم
نہ با ہجران و نی با وصل سازم ہمین با حسن لیلی عشق بازم

مثنوی کی کہانی اس طرح ہے : "قبیلے کے سردار نے مجلس ضیافت آراستہ کی - قبایل کو دعوت دی - مجنون کے قبیلے والے اسے بھی ہمراہ لے گئے تاکہ وہ موسیقی سنے - حسینوں کو دیکھے اور لیلی کا غم بھلا دے - وہ راستے میں تھے کہ ایک شخص آیا جو قوم لیلی کا حال پوچھ رہا تھا - لوگ غم زدہ ہوئے کہ جس محفل میں لیلی ہوگی اگر مجنون وہاں چلا گیا تو محفل بے مزہ ہو جائے گی - انھوں نے کمر میں رسی باندھ کر مجنون کو کوئیں میں لٹکا دیا اور کنواں ڈھانپ دیا اور خود جشن میں شریک ہونے کے لیے چلے گئے - دوسری طرف لیلی آراستہ و پیراستہ ہو کر ضیافت میں شریک ہونے کے لیے روانہ ہوئی - وہ بھی اسی کوئیں کے قریب پہنچی جس میں مجنون بند تھا - قوم مجنوں سے پیچھے رہنے والوں میں سے ایک ادھر آیا - اس نے قوم مجنوں کا حال پوچھا - قوم لیلی مجنوں کا حال سن کر غم زدہ ہوئے - ان کا خیال تھا کہ مجنوں کو لیلی کے ساتھ اکٹھا نہیں ہونا چاہیے - اگر اس تک لیلی کی بو پہنچ گئی تو وہ ہماری مسرتوں کو تلخ کر دے گا - ہم اسے قتل بھی نہیں کر سکتے کیونکہ یہ ہمیشہ کے لیے ننگ و عار ہوگا - انھوں نے سوچا - بہتر ہے لیلی کو کوئیں میں چھوڑ جائیں اور جشن سے واپسی پر اسے نکال لیں - لیلی کو

کوئیں میں ڈالا تو مجنوں کا غمکدہ روشن ہو گیا ۔ وہ خوشی سے بے ہوش ہو گیا ۔ بعد میں بوی گل سے ہوش میں آیا اور دونوں دیر تک باتیں کرتے رہے ۔

برای من درین چاهت که جا داد
بگفت آنکو ترا اینجا فرستاد
بگفت او بی منت چونست احوال
بگفتا بیتو کو احوال و کو حال
بگفت او مطلب از عشق منت چیست
بگفتا غیر عشقم مطلبی نیست

دوسرے دن قبیلۂ مجنوں کے لوگ آئے اور انھوں نے اس ناتواں کو باہر نکالنے کے لیے ڈول ڈالا ۔ لیلی نے کہا کہ اگر میرے قبیلے والے آ گئے تو تجھے قتل کر دیں گے اور تجھ پر الزام لگائیں گے اس لیے تو پہلے نکل جا ۔ لیکن مجنوں راضی نہ ہوا ۔ جب انھوں نے لیلی کو کوئیں سے باہر آتے دیکھا تو حیران ہو گئے :

مهت را بر فلک می جست مجنون
بچاهش چون فگنده چرخ گردون

قبیلہ عامر یعنی قوم مجنوں نے بعد میں مجنوں کو باہر نکالا اور لیلی کو دوبارہ کنوئیں میں ڈال دیا ۔ اتنے میں لیلی کے قبیلے والے بھی آ گئے اور انھوں نے لیلی کو باہر نکالا ۔

کہانی بیان کرنے کے بعد آخر میں شاعر اپنے لیے دعا کرتا ہے :

الٰہی ذرۂ عشقم کرم کن　　چو خورشیدم بسرگرمی علم کن

مثنوی کے کل اشعار کی تعداد ۱۹۹ ہے ۔

--:o:--

عبداللہ خویشگی قصوری[1]

عبیداللہ نام تھا لیکن عبداللہ کے نام سے معروف ہوئے۔ قصور کے افغان قبیلۂ خویشگی سے متعلق ہونے کی وجہ سے خویشگی بھی کہلاتے تھے۔ حضرت معین الدین چشتی کے ساتھ گہری عقیدت کی بنا پر اپنے آپ کو غلام معین الدین بھی کہتے تھے۔ ان کے جد پدری مولانا احمد شوریانی شیخ احمد سرہندی، شیخ عبدالحق دہلوی اور شیخ عیسیٰ سندھی جیسے اکابر علما اور عرفا کے ہم صحبت بزرگ تھے۔ جد مادری شیخ محمد وتو زئی بھی اپنے قبیلے کے محترم بزرگ تھے۔ عبداللہ چونکہ شعر بھی کہہ لیتے تھے، اس لیے عبدی تخلص کرتے تھے۔

ان کا سال ولادت معلوم نہیں۔ قیاس ہے کہ ۱۰۴۳ھ کے قریب پیدا ہوئے۔

قصور میں انھوں نے قرآن مجید پڑھنے کے بعد گلستان، بوستان، انشائے یوسفی اور دیوان حافظ پڑھا اور اساتذہ سے سند حاصل کی۔ وہ دوران تعلیم میں قائم مقام معلم رہے اور خلیفہ جی کے لقب سے مشہور تھے۔ فارسی کے بعد انھوں نے اپنے چچا میاں عبدالصمد سے صرف ہوائی اور شرح مولوی جامی پڑھی۔ قصور کے بعد لاہور میں انھوں نے اپنے وقت کے بزرگ اساتذہ میاں محمد صادق، محمد سعید اور شیخ نعمت اللہ سے متداول درسی کتب کی تعلیم مکمل کی۔

انھوں نے لکھا ہے کہ وہ تئیس سال کی عمر میں تحصیل علوم سے فارغ ہو کر واپس وطن گئے۔ ایک سال تک درس و تدریس میں مصروف

۱۔ احوال و آثار عبداللہ خویشگی قصوری، محمد اقبال مجددی، لاہور، ۱۹۷۳۔

رہے ۔ اسی ثنا میں انھوں نے بحر الفراست کے نام سے ردیف ش تک دیوان حافظ کی شرح لکھی ۔

۱۰۶۶ھ میں یا ۱۰۶۷ھ میں عبدی ملازمت کے لیے گھر سے باہر نکلے ۔ پہلے گجرات گئے ، پھر دہلی میں نواب دلیر خان کی ملازمت کرلی اور اس کے ساتھ کئی مہموں میں شریک رہے ۔ دیوگڑھ ، کوچ بہار ، ڈھاکہ ، آسام ، لکھنؤ ، بیجاپور گئے ۔ اورنگزیب نے ۱۰۸۱ھ میں دلیر خان کو بیجاپور سے اورنگ آباد میں واپس بلا لیا اور وہ ۱۰۹۴ھ یعنی اپنی وفات تک وہیں رہا ۔ عبدی بھی اس دوران میں اورنگ آباد میں رہے ۔ ۱۰۹۶ھ میں جب شاہزادہ محمد اکبر نے بغاوت کی اور شاہ عالم اس کے تعاقب پر مامور ہوئے تو عبدی بھی شاہ عالم کے ملازمین میں داخل ہوگئے ۔کچھ عرصہ کے لیے اس کے ساتھ رہے ۔ اس سفر میں عبدی کا بھائی عبدالستار سخت بیمار تھا ۔ وہ بھی سفر میں ان کے ساتھ رہا ، آخر اسی سال فوت ہوا ۔

داؤد خان حسین زئی سے بھی عبدی کے تعلقات تھے لیکن ان کی نوعیت معلوم نہیں ۔ اس کی فرمائش پر انھوں نے شیخ عبداللطیف برہانپوری کے [۲] مکتوبات بنام یاران قصور بعنوان جامع الکلمات مرتب کیے ۔

عبدی کا سال وفات معلوم نہیں ۔ ۱۱۰۶ھ تک وہ ضرور زندہ تھے کیونکہ تحفۂ دوستاں یعنی شرح بوستاں انھوں نے ۱۱۰۶ھ میں لکھی ۔

عبدی کو فقراء و مشایخ کی خدمت میں حاضر ہونے اور ان سے فیضیاب ہونے کا بڑا شوق تھا ۔ وہ اپنے سفر کے دوران میں اکثر وقت نکال کر ان کی خدمت میں حاضر ہوتے ۔ انھوں نے اپنے خود نوشت سوانح

---

۲ ۔ اخبارالاولیاء من لسان الاصفیاء ، روٹوگراف نمبر ۱۲۴ ، پنجاب یونیورسٹی لائبریری ، لاہور ۔

میں ، شیخ فتح اللہ خلیفۂ شاہ عالم احمد آبادی ، شاہ سراج الدین از اولاد محمد غوث گوالیاری ، شیخ عبدالرحمٰن رفیع ، پیر محمد لکھنوی ، خواجہ علی خلیفۂ مولانا شہباز بھاگلپوری ، شیخ محمد رشید جونپوری ، شیخ برہان خلیفۂ شیخ عیسیٰ سندھی کے ساتھ اپنی ملاقاتوں کا ذکر کیا ہے ۔ ان صوفی بزرگوں میں سے شیخ محمد خورشید جونپوری کے ساتھ انھیں گھری عقیدت تھی ۔ خواب میں انھی کی فرمائش پر انھوں نے بہارستان ، شرح گلستان لکھی ۔

عبدی بڑے ذہین تھے ۔ انھوں نے زبان و ادب اور دیگر علوم بڑی محنت سے حاصل کیے اور ان میں مہارت پیدا کی ۔ دوران درس میں بھی اساتذہ کے سامنے منطق و استدلال سے بحث میں حصہ لیتے اور اپنی علمیت و استعداد کا اعتراف کر وا لیتے ۔ وہ اچھے استاد بھی تھے کیونکہ ان کے بیان میں وضاحت و صراحت موجود تھی ۔ وہ شعر بھی موزوں کہہ لیتے تھے انھیں لکھنے کا بھی ڈھنگ آتا تھا ۔ وہ اپنی تالیفات میں ایک شارح ، عالم ، فقیہ ، مؤرخ ، صوفی ، مناظر ، نقاد اور شاعر کی حیثیت سے سربرآوردہ نظر آتے ہیں ۔ ادبی ، علمی اور دینی موضوعات کے علاوہ علم کیمیا سے بھی انھیں شغف تھا ۔ ان موضوعات پر بھی ان کی تالیفات کے نام ملتے ہیں :

تالیفات

عبدی کی مندرجہ ذیل تالیفات کے نام معلوم ہو سکے ہیں :

۱ ۔ بحر فراستہ الانظ فی شرح دیوان خواجہ حافظ ۔

۲ ۔ خلاصتہ البحر قدیم و جدید

۳ ۔ جامع البحرین فی زوائدالنہرین

۴ ۔ خلاصتہ البحر فی التقاط الدرر

۵ ۔ اخبار الاولیاء من لسان الاصفیا

۶ ۔ معارج الولایت

۷ ۔ اسرار مثنوی و انوار معنوی

۸ - تحقیق المحققین فی تدقیق المدققین

۹ - فوائد العاشقین ۱۰ - بهارستان شرح گلستان

۱۱ - تحفهٔ دوستان شرح بوستان ۱۲ - جامع الکلمات

۱۳ - تلقین المریدین ۱۴ - تلقین الطالبین

۱۵ - اورادالسادات ۱۶ - اورادالنبی

۱۷ - مقصود السالکین ۱۸ - حصول الوصول

۱۹ - جامع الحقایق ۲۰ - فوائد الطالبین

۲۱ - مظهر الوجود و مظهر الشهود

۲۲ - محرقاة الرفضه

۲۳ - محاکمات العلماء فی اختلاف الصوفیه و الفقهاء

۲۴ - راحته الاشباح فی شرح نزهته الارواح

۲۵ - مبینات اشراق فی اللمعات عراق ۲۶ - شرح کلمات وافیات

۲۷ - شرح حروف عالیات ۲۸ - روائح شرح لوائح

۲۹ - فوائد العارفین ۳۰ - مخزن الحقائق شرح کنزالدقایق

۳۱ - بحر زخار شرح بدایه ۳۲ - تحفهٔ قدریه شرح تحفهٔ بدریه

۳۳ - فوائد لآلی شرح قصیده امالی ۳۴ - معجز شرح موجز

۳۵ - شرح نوبهار ۳۶ - اسرار النهی

۳۷ - مزرعة الآخرة ۳۸ - سلسلة الذهب

۳۹ - مظهر العجائب ۴۰ - مظهر الغرایب

۴۱ - کفایت الاسرار
۴۲ - کفایت الانوار
۴۳ - مہمیز
۴۴ - ارشاد الحربی
۴۵ - ارشاد العالمین
۴۶ - ہدایتہ المضلین
۴۷ - بوارق خاطفہ
۴۸ - قواعد التکسیر
۴۹ - خلاصتہ التکسیر
۵۰ - فوائد التکسیر

موضوعات کے اعتبار سے ان کی تالیفات کا تجزیہ یوں ہو سکتا ہے - بعض کتابیں موجود نہیں ، اس لیے ان کے موضوعات کا تعین نہیں ہو سکا -

شارح

ادب : نظم و نثر کی شرح

اسرار مثنوی و انوار معنوی

بحرالفراست ، خلاصۃ البحر ، جامع البحرین ، شروح دیوان حافظ -

تحفۂ دوستان شرح بوستان

بہارستان شرح بوستان

دینی و فقہی کتابوں کی شروح

مخزن الحقائق ، شرح کنزالدقایق

بحر زخار شرح ہدایہ

معجز شرح موجز

فوائد لآلی شرح فی قصیدہ امالی

شرح کلمات و ابیات شرح مخزن الاسلام مؤلفہ مولانا درویزہ

کتب تصوف و سلوک کی شروح

راحتہ الاشباح فی شرح نزہتہ الارواح میر حسینی

مبینات اشراق فی اللمعات عراقی

شرح حروف عالیات ، شرح اکروتی مصنفہ ملک جائسی

روائح شرح لوائح جامی

تحفۂ قدریہ شرح تحفۂ بدریہ

تذکرہ نگار : سیر و سوانح اولیاء پر کتابیں۔

معارج الولایت

اخبارالاولیاء من لسان الاصفیاء تلقین المریدین (مثنوی)

صوفی : الٰہیات اور تصوف و سلوک پر کتابیں

تحقیق المحققین فی تدقیق المدققین

فوائد العاشقین

مقصودالسالکین

فوائد الطالبین

فوائد العارفین

کفایت الانوار

تلقین الطالبین ، اورادالسادات ، اورادالنبی

تعویذات ، قواعد التکسیر ، خلاصتہ التکسیر ، فوائد التکسیر

مناظر : دینی و علمی مباحث پر کتابیں

محاکمات العلماء فی اختلاف الصوفیہ و الفقہاء

محرقات الرفضہ

مظہر الوجود و مظہر الشہود

حصول الوصل (سماع کے متعلق)

علم کیمیا و سیمیا پر کتابیں

اسرار الٰہی ، مزرعتہ الآخرۃ ، سلسلة الذہب ، مظہر العجائب ، مظہر الغرایب

عبدی ، شاعر

عبدی اپنے خیالات منظوم کر لیتے تھے ۔ چنانچہ بحر الفراست کے آغاز اور معارج الولایت میں ان کے مندرجہ ذیل اشعار نمونے کے طور پر دستیاب ہوئے ہیں :

بحرالفراست

حمدش بدہان نمی تواند گفتن
شکرش بزبان نمی تواند سفتن
امری کہ بذات خود تسلسل دارد
نتواند کس بانتہایش رفتن

نظم

سلطان رسل کہ نعت اورا باری
گفتم بجہان گفت کہ آری آری

نکنم باطناب وصف بل بایجاز
مشتی باشد نمونهٔ خرواری

ابیات

گویم درود بر ابوبکر اول
کو شد بسریر سروری صدر اول
اصحاب تمامی اند مانند هلال
او هست که شد میان شان بدر اول

از مرکز ارض نقطهٔ جور فلک
کرده است عمر بعدل خود حک بی شک
در عدل و عمر توافق افتاد ازان
شد صیت عدالت از سها تا بسمک

عثمان از حیا همچو کوهی آمد
زو در دل دشمنان ستوهی آمد
حیدر که آرد آن تیغ بدست
کز بهر خدای حق پژوهی آمد

در مدح پادشاه ـ

مدح گویم بپادشاه جهان
که ز عدلش قرار یافت جهان
گستراینـد عـدل را بزمین
تازه از عدل اوست روضهٔ جهان

چون زند تیغ بر سر دشمن
بار سر دور سازد از تن

تیرش از آسمان فرود آرد
زحل مریخ، زهره و کیوان

بلک تیرش کند عطارد را
همچون جوزا دو پیکر و دو زبان

ناوکش چون الف درست آمد
در دل دشمنان چون نوک سنان

چون الف نون شد بنفی الحد؟
دال با انضمام تیر و کمان

نیزهٔ اوست خط را تمثیل
هست پرچم چون نقطه بر سر آن

نیزهٔ او سماک رامح را
بل سماک اعزل و بهم سرطان

نگذارد که تا بدور فلک
فعل بد کند باهل زمان

بلک پیر فلک چو شد فرتوت
چون عصا داشت کرد نیزهٔ آن

لرزد از دیدنش هژبر فلک
که ز سهمش فتاده رعشه بجان

عکس رایش چو بر فلک افتاد
همه را کرد روشن و تابان

ظل حق از مقوله تشکیک
آمد و فردا داشت پس بزبان

لیک دانش قوی تر از افراد
همچون واجب وجود را میدان

نتوانم که گویم اوصافش
ای عبیدی خموش شو تو ازان

به که اوقات خویش صرف کنی
بدعا پادشاه شاه جهان

تا که باشد بحرکت و بسکون
آب و باد، آتش و زمین و زمان

دار سرسبز شاخ امیدش
یا الٰهی ز برکت قرآن

معارج الولایت کے اختتام پر

قصیده در منقبت خواجگان چشت اهل بهشت

ای متاع عشق در بازار جان انداخته
گوہر دیدار در جیب جہان انداخته

دل برای دیدنت در دیدهٔ عاشق نهان
جان پی دیدار تو در دل نهان انداخته

هستی موهوم نگذارد برای وصل تو
کالبد را بهر وصل جان جان انداخته

گر نصیب نازنینان در ازل حسن اوفتاد
عاشقان را تا ابد شوق روان انداخته

عشق را لازم نیاز و حسن را ملزوم ناز
چون طلوع شمس را روز عیان انداخته

عندلیبان در چمن گر نالهٔ دارند زار
گل ز شوق عندلیبان خود عنان انداخته

همت عشاق نبود جز بقای دلبران
دلبران را چون فنا برعکس آن انداخته

تا فنای در عیان نبود نیابد از بقا
هستی موهوم را معشوق ازان انداخته

آرزوی دل نباشد در جهان جز وصل دوست
آرزوی وصل او را در جهان انداخته

طالع نیکو مدد شد هر کرا اندر جهان
در طلب او را بکوی خواجگان انداخته

در بصر نور ند در دل عشق و درتن چون روان
مردمانرا در بصر چون مردمان انداخته

گر نفس رانند بهر زندگی مردگان
چون مسیحا مرگ را از مردگان انداخته

نقد با شد نسیه قوم دگر نزدیک شان
نسیه قوم دگر حق نقد شان انداخته

آرزو را آرزو دایم بدرگاه خدا
کای خدا مارا گهی بر خواجگان انداخته

از مقام جمع کی آرند پای بر فرق فرق
فرق ثانی چون طلب بر چشتیان انداخته

پای خود بر گردن اهل ولایت کی نهند
چونکه پا بردیده های عارفان انداخته

از تواضع پای خود را بر زمین بنهند چون
خاک ره را توتیا بر مردمان اندخته

چون محدد جسم شان باشد محیط ذات او
زان محاط ماسوی را نقطه سان انداخته

حق تعالیٰ در تصرف هر ولی را ملک داد
در تصرف خواجگان هندوستان انداخته

خار کفر آمد گل اسلام از تشریف شان
بوی شان هندوستان را گلستان انداخته

در تصرف ربع مسکون اولیاء را شد همه دانگ
چار دانگ از هفت او بر خواجگان انداخته

تا قیامت هر که در هندوستان مسلم بود
گردن او را رهین حق شان انداخته

از خدا هرگز مرادی جز خدای خود نخواست
آنکه او را پیشوا چون خواجگان انداخته

طالب درد اند چون مطلوب دایم از خدا
درد را تقدیم بر مقصود ازان انداخته

نور را شمع اند لیکن سوز را پروانه وار
جسم را بر آتش او هر زمان انداخته

از طلوع مهر باطن چشت باشد همچو چاشت
کثرت استعمال الف را از میان انداخته

بس مشابه بسم چشت آمد ز روی اشتقاق
اسم او زان صولتی بر دیگران انداخته

اهل چشت اهل بهشت آمد ز فضل کردگار
فضل او چون در بهشت جاودان انداخته

منکر آمد هر که نابیناست از صبح سپید
لا جرم خور کور را از منکران انداخته

مہ فشاند نور غوغای سگان از بہر چشت
بیہدہ بر نور فریاد سگان انداختہ

مدح کردن کی تواند عبدی بیچارہ چون
ذرہ بیچارہ را خور زین بیان انداختہ

ذرہ را آن بہ کہ حال خویشتن را مستدام
پیش خورشید منور درمیان انداختہ

تا شود قابل شعاع نور را از جان و دل
نور او خورشید را از آسمان انداختہ

ای صبا از من سلامی بر بدرگاہ نبی
کای سرم را خاک پای چشتیان اندنختہ

تالیفات کا تعارف

معارج الولایت

یہ سرزمین پاک و ہند کے ۵۶ ھ اولیاء و مشائخ کا مفصل تذکرہ ہے۔ ان مشائخ میں سلسلۂ چشتیہ کے بزرگوں کی اکثریت ہے۔ مؤلف نے دیباچے میں لکھا ہے کہ میں نے یہ تذکرہ شیخ محمد بن شیخ اجمیری بدایونی کی تحریک پر تالیف کیا۔ میرے پیش نظر سیرالاولیا، سیرالعارفین اور لطایف اشرفی جیسے تذکرے تھے لیکن ان میں ان بزرگوں کے حالات اختصار سے بیان کیے گئے تھے۔ میں نے ان کو تفصیل سے لکھا ہے۔ انھوں نے اس کتاب کے تین نام تجویز کیے تھے۔

۱ - معارج الولایت فی مدارج الھدایت۔

۲ - معارج الاولیاء فی مدارج الاصفیا۔

۳ - مبشرات احوال الثقات۔

لیکن ان تینوں میں سے صرف 'معارج الولایت' کا مختصر نام ہی مشہور ہوا اور مؤلف نے بھی اپنی دیگر تصانیف میں اسی مختصر نام سے حوالہ دیا ہے۔

اس تذکرے کی تسوید و تکمیل میں تیس سال صرف ہو گئے۔ چنانچہ یہ تذکرہ اورنگ آباد میں ۲۴ رجب ۱۰۹۴ھ کو مکمل ہوا لیکن اس میں بعد میں بھی اضافہ ہوتا رہا چنانچہ انھوں نے اپنے چھوٹے بھائی عبدالستار شوریانی کی وفات کا ذکر ۶ محرم ۱۰۹۶ھ میں کیا ہے۔

کتاب دس ابواب یعنی ارکان میں منقسم ہے۔ رکن اول میں پنج پیر کا ذکر ہے یعنی

۱ - خواجہ معین الدین چشتی اجمیری

۲ - خواجہ بختیار کاکی

۳ - خواجہ فریدالدین مسعود

۴ - خواجہ نظام الدین اولیاء

۵ - خواجہ نصیرالدین محمود

رکن اول میں ان بزرگوں کے تفصیلی حالات لکھنے کے بعد اگلے پانچ رکنوں میں ان بزرگوں کے خلفاء اور اولاد کا ذکر کیا ہے۔ رکن ہفتم میں دیگر احوال خواجگان چشت، رکن ہشتم میں سلسلۂ سہروردیہ کے بزرگ، رکن نہم میں دیگر سلسلوں کے مشائخ اور رکن دہم میں بعض مجذوب اور عارفات کا ذکر کیا گیا ہے۔

مؤلف نے بڑی محنت اور کاوش سے ان تمام بزرگوں کے احوال و واقعات جمع کیے ہیں اور سینکڑوں کتابوں سے استفادہ

کیا ہے ۔ ان کے ماخذ میں بعض ایسی کتابوں کے نام مذکور ہیں جو کمیاب اور نایاب ہیں ۔ ان میں سے ہم چند کتابوں کے نام یہاں درج کرتے ہیں :

مفتاح الطالبین در بیان مناقب خواجہ بختیار کاکی ۔

تحفۃ الابرار و کرامۃ الاخیار ملفوظات خواجہ نظام الدین ، مرتبہ خواجہ عزیزالدین صوفی

رسائل شیخ جنید حصاری ۔

ثنای محمدی ، صلوت کبیر ، عنایت نامہ الٰہی ۔

مآثر سادات از ضیاء الدین برنی ۔

خلاصۃ اللطایف از مولانا علی جاندار ۔

رسالہ در بیان روح ۔

پنج نکات ۔

دقایق المعانی از سید محمد بن جعفر مکی ۔

مناقب الصدیقین ۔

تاریخ محمدی ۔

مونس الفقرا ۔

رسالہ ذکر عین العاشقین ۔

مکتوبات از نور قطب العالم ۔

رسائل و مکتوبات شیخ حسین ناگوری ۔

ملفوظات شیخ مینا از سعد الدین خیرآبادی

مفتاح الفیض و رسائل سلوک از حسن طاہر

کاسر المخالفین در رد حضرت مجدد الف ثانی ۔

مکتوبات شاہ عبدالرزاق

ملفوظات سلطان جلال الدین قریشی

ہدایۃ المہدیین

عصمۃ الانبیاء،

کشف الغمہ۔

منہاج الدین از مولانا عبداللہ سلطان پوری۔

نوادر المعانی۔

صراط مستقیم از عبداللہ نیازی

رسالہ در اجوبۂ اسؤلۂ دارا شکوہ از محب اللہ الہ آبادی

ملفوظات شیخ صدر الدین عارف مرتبہ ضیاءالدین

فتاوی صوفیہ مرتبہ از یکی از مریدین شیخ رکن الدین

مناقب الاصفیاء از شاہ شعیب

نصاب الاحتساب از ضیاءالدین سنامی

زوارف شرح عوارف، ادلۃ التوحید از شیخ علی پیر گجراتی

ملفوظات شیخ برہان

معارج الولایت کی ایک خصوصیت اور اہمیت یہ ہے کہ مؤلف نے بعض اولیاء کے کتب و رسائل کے ملخص یا کامل متن درج کیے ہیں اس طرح ایسے بعض رسائل کے متن محفوظ ہو گئے ہیں جو آج کل بالکل ناپید ہیں۔ ان میں سے مثال کے طور پر ہم چند کے نام یہاں درج کرتے ہیں:

مفتاح الجنان از محمد مجیر وجیہہ ادیب

صحایف از صدرالدین حکیمؒ

رموزالوالہین -

کلیات و جزئیات از ضیاءالدین نخشبی

مکتوبات عین العاشقین

مرآة العارفین از مسعود بک

مشاہدات از ابوالفتح علاءالقرشی

جمع الجوامع از علی حسام الدین المتقی الملتانی

رفیق العارفین ملفوظات حسام الدین مانکپوری

رسالہ سلوک از محمد اودھی

منہاج الدین از عبداللہ سلطان پوری ،

صراط قدیم از عبداللہ نیازی سرہندی

مقصود الطالبین از شیخ محمد رشید جونپوری

سوالات احمدی از احمد شوریانی قصوری

تفسیر سورۂ فاتحہ و رسالہ روائح از میر سید محمد کالپوی

مکتوبات پیر محمد لکھنوی

مخزن السالکین و مقصود العارفین از شاہ برہان الدین بیجاپوری

ثمرات الحیات یعنی ملفوظات برہان الدین برہان پوری

البرہان فی تحریم الدخان از حسین مفتی سرہندی

رسالہ شاہ عالم گجراتی

کاسرالمخالفین

مکتوب شیخ عبدالحق بنام حضرت شیخ احمد سرہندی

معارج الولایت کا ایک قدیم ترین نسخہ مکتوبہ ۱۱۱۱ھ پنجاب یونیورسٹی لائبریری ، مجموعہ آذر ، شمارہ ۱۲۵ -H- پر موجود ہے ۔ کل اوراق

۶۵۵ ہیں ۔

اسی کتاب کا ایک ناقص الاول نسخہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری ، مجموعۂ شیرانی میں شمارہ ۶۲۷۱ پر بھی موجود ہے اس کے کل اوراق ۳۷۵ ہیں ۔

پروفیسر خلیق احمد نظامی کے ذاتی کتب خانہ میں بھی اس کا ایک نسخہ مکتوبہ ۱۲۸۸ھ موجود ہے ۔ اس کا ذکر انھوں نے اپنی کتاب تاریخ مشایخ چشت میں کیا ہے ۔

بحر فراستہ الآفظ فی شرح دیوان حافظ

عبدی نے دیوان حافظ کی یہ شرح تئیس چوبیس سال کی عمر میں لکھی ۔ وہ متداولہ درسی کتب کی تحصیل سے فارغ ہو کر قصور واپس آئے اور ایک سال تک درس و تدریس میں مشغول رہے ۔ اسی عرصے میں انھوں نے ردیف ش تک دیوان حافظ کی شرح مکمل کی ۔ شرح کا یہ حصہ قصور میں تمام ہوا ۔ اس وقت عہد شاہجہان تھا ۔ عبدی نے شرح کے دیباچے میں شاہجہان کی مدح میں قصیدہ بھی لکھا ہے ۔ دوسرا حصہ یعنی ردیف ص سے آخر دیوان یعنی رباعیات تک کی شرح بیجاپور میں لکھی ۔

عبدی نے خود ہی بتایا ہے کہ شرح کا پہلا حصہ چھ مہینوں میں مکمل کیا ۔ یہ حصہ بڑی دلجمعی سے لکھا گیا ہے ۔ اس لیے اصطلاحات کے معانی اور مشکلات کی توجیہات میں تفصیل سے کام لیا ہے اور مرجوعہ کتب و رسائل کے حوالے بھی تعداد میں زیادہ ہیں ۔ پنجاب یونیورسٹی لائبریری ، مجموعۂ آذر میں 315—0 پر بحرالفراست کا جو خطی نسخہ محفوظ ہے ، وہ ۴۷۱ اوراق پر مشتمل ہے ۔ اس میں سے ردیف ش تک شرح کا حصہ ۴۰۳ ورق تک پھیلا ہوا ہے ۔ شرح میں جا بجا آیات قرآنی ۔

احادیث ۔ اقوال عرفا ۔ اشعار ، عطار ، رومی ، نظامی ۔ جامی ۔ مرآۃالعاشقین ۔ شرح زورا از محقق دوانی ۔ تفسیر بیضاوی ۔ تحقیق المحققین ۔ کشف اللغات اور مدارالافاضل کے حوالے موجود ہیں ۔

عبدی نے یہ شرح اپنے مرشد شیخ محمد رشید جونپوری کی خدمت میں بھیجی اور انھوں نے اسے بہت پسند کیا ۔ عبدی لکھتے ہیں :

''بحرالفراست بخدمت آن حضرت برای اصلاح ارسال داشتہ بسیار پسندیدند و فرمودند کہ فہم معانی و ادراک معانی او را جامعیت علوم ظاہریہ و باطنیہ درکار است ۔ جزاک اللہ خیرالجزا''[1]

اسی طرح شیخ پیر محمد لکھنوی نے بھی اس شرح کو دیکھا اور پسند کیا ۔ عبدی لکھتے ہیں :

''بحرالفراست شرح دیوان خواجہ حافظ را دیدہ بسیار پسندیدند و چند ماہ در مطالعہ داشتند و فرمودند : بحریست کہ محیط انواع علوم و جمیع فنون است ''[2]

پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں متذکرہ صدر نسخے کے علاوہ بحرالفراست کے دو اور ناقص نسخے موجود ہیں :

۱ ۔ مجموعۂ شیرانی میں شمارہ ۵۰۸ پر نسخۂ خطی ردیف دال کے مندرجہ ذیل شعر کی شرح سے شروع ہوتا ہے ۔

مرا تو عہد شکن خواندی و ہمی ترسم
کہ با تو روز قیامت ہمین خطاب رود

---

۱ ۔ معارج الولایت ، ص ۲۸۴ ۔
۲ ۔ معارج الولایت ، ص ۳۲۲ ۔

کل ۲۴۴ ورق ہیں ۔

۲ ۔ نسخۂ خطی شمارہ Pi vi 15B ۔ اس میں ردیف ت کے مندرجہ ذیل شعر سے شرح شروع ہوتی ہے :

طمع خام بین کہ قصہ فاش
از رقیبان نہفتم ہوس است

یہ نسخہ ۲۹۷ اوراق پر مشتمل ہے ۔

لاہور کے علاوہ کتب خانۂ کپورتھلہ اور کتب خانۂ اسلامیہ کالج پشاور میں بھی بحرالفراست کا ایک ایک نسخہ موجود ہے ۔

خلاصۃ البحر قدیم و جدید

عبدی نے بحرالفراست کے خاتمے پر لکھا تھا ۔

"امید واثق و رجای صادق است کہ بعد ازآن خلاصۃ البحر قدیم و جدید و جامع البحرین فی زوایدالنہرین را محرر نماید و نکات تصوف ، حقایق و لطائف ، معارف ، دقایق و سائر علوم را کما ینبغی مبین سازد ""

اخبار الاولیا مؤلفہ ۱۰۷۷ھ میں عبدی نے خلاصۃ البحر کے متعلق وجہ تالیف بتائی ہے ۔ وہ لکھتے ہیں کہ بحرالفراست میں توجیہات میں اطناب اور عبارات میں تفنن کی وجہ سے معانی کی باریکیاں سمجھنے میں

---

۱ ۔ بحرالفراست ، نسخہ قلمی ، مجموعہ آذر ، پنجاب یونیورسٹی لائبریری ، شمارہ O. 315 ۔

دقت پیش آتی تھی۔ اس لیے میں نے اس کا آسان اور واضح خلاصہ لکھا ان کے اپنے الفاظ یہ ہیں :

بعضی طالبان را از تفہیم دقایق معانی وی اشکال پیش آمدی خلاصة البحر را از وی انتخاب نمودہ و بعضی فوائد بروی اضافہ کردم و بحکم خیرالکلام ماقلّ ودلّ بسیار جید و مستحسن افتادہ است"[1]

اس کتاب کا قلمی نسخہ دستیاب نہیں ہوا۔ ظاہر ہے کہ بحرالفراست کا خلاصہ ہونے کی وجہ سے اس میں اختصار سے کام لیا گیا ہوگا اور تفاصیل کم کر دی ہوں گی اور طالب علموں کی سہولت کو مدنظر رکھا گیا ہوگا۔ یہ واضح نہیں ہو سکا کہ اس شرح کے نام میں 'قدیم و جدید' کے الفاظ سے کیا مقصد تھا۔

جامع البحرین فی زوائد النہرین

یہ بھی دیوان حافظ کی شرح ہے۔ بحرالفراست کے خاتمے پر اس شرح کے لکھنے کا بھی ارادہ ظاہر کیا گیا تھا۔ اخبارالاولیاء مؤلفہ ۱۰۷۷ھ میں اس کا ذکر نہیں، اس لیے یقیناً یہ شرح بعد میں لکھی گئی ہے۔ بہارستان شرح گلستان مؤلفہ ۱۱۰۵ھ میں اس کا ذکر موجود ہے۔ نام سے ظاہر ہے کہ یہ شرح بحرالفراست اور خلاصة البحر کے کچھ اجزاء لے کر بعض اور تشریح طلب امور کی توضیح کی گئی ہوگی۔ اس شرح کا بھی ابھی تک کوئی نسخہ نہیں ملا۔

خلاصۂ البحر فی التقاط الدرر

اس نام سے بھی دیوان حافظ کی ایک شرح کتب خانۂ نظام

۱۔ اخبارالاولیاء، پنجاب یونیورسٹی لائبریری، روٹوگراف نمبر ۱۲۳، ص ۱۶۱۔

حیدر آباد میں موجود ہے - نذیر احمد نے جرنل آف ایشیاٹک سوسائٹی بنگال شمارہ سال ۱۹۱۷-۱۸ میں فارسی کے مخطوطات میں اس کا ذکر کیا ہے - یقینی طور پر نہیں کہا جا سکتا کہ یہ خلاصۃ البحر قدیم و جدید کا ہی نسخہ ہے یا یہ اس سے مختلف شرح ہے - بحر الفراست کے خاتمے میں عبدی نے صرف دو متذکرہ صدر شروح لکھنے کا ارادہ ظاہر کیا تھا - اس نسخے کا کاتب دارا شکوہ بن شاہجہان ، مرید سید آدم رسول ماوراء النہری بتایا گیا ہے لیکن اس تخصیص کے باوجود اکثر کو شبہ ہوا ہے کہ یہ شاہزادہ داراشکوہ بن شاہجہاں ، مقتول ۱۰۶۹ھ ہے -

اخبار الاولیاء من لسان الاصفیاء

معارج الولایت کے علاوہ اولیا و مشایخ کے متعلق عبدی کی اور اہم تالیف ہے - یہ کتاب مندرجہ ذیل چھ ابواب پر مشتمل ہے - اس کے عنوانات سے اس کے مشمولات کے متعلق مختصراً آگاہی ہوئی ہے -

باب اول : در بیان احوال خویشگیاں (۲۷ شیخ)

باب دوم : در بیان مشائخ سائر افغانان (۵۰ شیخ)

باب سوم : در بیان احوال نساء عارفات (۱۱ نساء)

باب چہارم : در بیان نسب افغانان و سبب آمدن از بیت المقدس در ہند

باب ششم : در احوال این احقر عبد اللہ خویشگی قصوری -

اس کتاب میں مصنف سمیت ۱۶۳ بزرگوں کا تعارف کرایا گیا ہے -

خویشگیوں میں شوریانی - بتک زنی - وتوزئی - عزیززئی - سلمہاک - حسین زئی اور خلف زئی قبائل کے مشائخ شامل ہیں - افغانوں میں سروانی ، پتنی ، نارن ، مشوانی اور بختیار قبائل سے متعلق صوفیا کا تذکرہ موجود ہے ان میں صوبۂ سرحد کے افغانوں میں مولانا درویزہ ، ان کے فرزند

عبدالکریم اور شیخ رحمکار خٹک کا تذکرہ اہم ہے ۔ خاص قصور اور اس کی نواحی بستیوں کے مشائخ میں سے لاہور کے شیخ بلاول ، حسوتیلی ، موسیٰ آہنگر اور شیخ طاہر لاہوری کا تذکرہ غنیمت ہے ۔ باب پنجم میں شیخ محمد رشید جونپوری کا تذکرہ یعنی قصور اور اس کے نواحی علاقوں کے مشائخ کے زیر عنوان اجنبی اور غیر متوقع ہے ۔ چوتھا اور چھٹا باب تو یقیناً تاریخی حیثیت سے نہایت مفید اور اہم ہے ۔ اگر مصنف اپنے متعلق اتنا بھی نہ لکھ جاتے تو اس کے متعلق صرف سرسری سی معلومات اور ان کی تالیفات کے نام صرف ان کی دوسری کتابوں کے توسط سے معلوم ہو سکتے ۔ قصور اور خویشگی بزرگوں کے متعلق یہ کتاب سب سے اہم مأخذ شمار ہونے کے قابل ہے ۔

مؤلف کتاب کے دیباچے میں لکھتے ہیں کہ میں سیرالاولیاء ، نفحات الانس ، سیرالعارفین اور رشحات جیسی معتبر کتابوں سے اولیائے متقدمین و متأخرین کے حالات و حکایات پڑھا کرتا اور اپنے احباب و اصحاب کو سنایا کرتا اور وہ خویشگی اور ان سے وابستہ دوسرے مشائخ کے احوال و کوائف بیان کرتے جنھیں ہمارے خاندان چشت اہل بہشت سے تعلق تھا ۔ ان کے متعلق روایات متواتر چلی آتی تھیں ۔ چنانچہ شیخ بتک کی اولاد میں سے بعض احباب نے مجھے یہ کتاب یعنی اخبار الاولیاء من لسان الاصفیاء لکھنے پر مجبور کیا ۔

اس کتاب کی تالیف و تدوین کے دوران میں یعنی ۱۰۷۷ھ میں مؤلف کے ہاں بیٹا پیدا ہوا جس کا نام انھوں نے حضرت اخوند احمد شوریانی کی نصیحت کے مطابق کلمۂ محمد کا اضافہ کر کے محمد معتصم باللہ رکھا ۔ اس مذکورہ سال سے ہم قیاس کر سکتے ہیں کہ اخبارالاولیاء ۱۰۷۷ھ میں تالیف ہوئی ۔ تیسرا باب انھوں نے اورنگ آباد میں لکھا ۔ چنانچہ اس ضمن میں وہ لکھتے ہیں کہ خویشگیوں میں نساءِ عارفات تو بہت ہیں لیکن چونکہ اورنگ آباد میں رواۃ کی کمی ہے ۔ اس لیے تیمن و تبرک کی خاطر

انھی چند عارفات کے ذکر پر ہی اکتفا کیا گیا ہے ۔

یہ کتاب اپنی اہمیت کے باوجود اس لحاظ سے ناقص ہے کہ مؤلف نے اپنے بزرگوں کے احوال و کوائف مرتب کرتے وقت سنین لکھنے کا التزام نہیں کیا ۔ ولادت ، وفات اور دوسرے واقعات کے متعلق سال و تاریخ درج کرنے کی زحمت گوارا نہیں کی ۔ پرانے بزرگوں کے متعلق تو ممکن ہے اس نے مسموعات پر بھروسا کیا ہو لیکن اپنی زندگی اور اپنے اب و جد کے متعلق توسنین آسانی سے دیے جا سکتے تھے ۔

۱ - اخبارالاولیاء کا قدیم ترین قلمی نسخہ مکتوبہ ۱۱۱۴ھ قصور میں سید محمد طیب شاہ ہمدانی کے پاس موجود ہے ۔

۲ - دوسرا خطی نسخہ قصور میں ہی نواب زادہ علی عادل خان خلف نواب شہباز خان مرحوم کے نجی کتب خانے میں موجود ہے ۔

۳ - تیسرا خطی نسخہ ایشیاٹک سوسائٹی بنگال (کلکتہ) کے کتب خانے میں موجود ہے جو بلوخمن نے ۱۲۹۴ھ میں قصور میں نقل کروایا تھا ۔

اس نسخے کا روٹوگراف پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں شمارہ ۱۲۴ پر موجود ہے ۔

۴ - چوتھا خطی نسخہ قصور میں مولوی محمد فضل خویشگی کے پاس موجود ہے جو انھوں نے خود لاہور میں کسی دوسرے نسخے سے نقل کیا تھا ۔ انھوں نے اس کا اردو ترجمہ بھی کروایا تھا ۔ ڈاکٹر مولوی محمد شفیع مرحوم نے بھی اس کا ملخص اردو ترجمہ کیا تھا اور ضروری حواشی بھی لکھے تھے ۔ یہ ترجمہ

۱۹۷۲ء میں ان کے فرزند احمد ربانی کے توسط سے "اولیای قصور" کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔

اسرار مثنوی و انوار معنوی

یہ مثنوی مولانا روم دفتر اول کی شرح ہے۔ عبدی نے دیباچے میں لکھا ہے کہ میں مدت مدید کے بعد دکن سے قصور میں آیا تو وہاں کے مکرم و محترم حسن خان اور سعید خان خویشگی امراء نے اصرار کیا اور ضروری مواد مہیا کرکے شرح لکھنے کے لیے مقید کیا۔

یہ شرح صرف دفتر اول تک لکھی جاسکی۔ چونکہ عبدی نے بہارستان شرح بوستان مؤلفہ ۱۱۰۵ھ میں اس کا ذکر کیا ہے اس لیے یقیناً یہ شرح اس سال سے پہلے لکھی گئی ہے۔ انڈیا آفس میں اس شرح کا مخطوطہ ۱۱۳۳ھ کا لکھا ہوا موجود ہے۔ فہرست مخطوطات کے مرتبین روس اور براؤن نے اپنے قیاس سے یہ لکھ دیا کہ یہ نسخۂ خطی مؤلف کا خود نوشتہ ہے[1]۔ اس قیاس پر سٹوری نے یہ سمجھ لیا کہ عبدی نے ۱۱۳۳ھ میں یہ شرح لکھی[2]۔ اس کے بعد دوسرے مصنفین نے بھی اس بات کو دہرایا ہے۔

اس شرح کی تحریر کے وقت مثنوی کی شروح میں خاص طور پر لطایف معنوی، بحرالعلوم اور شرح حسین خوارزمی عبدی کے پیش نظر تھیں۔ انھوں نے جابجا ان کے حوالے دیے ہیں۔ جہاں جہاں توضیح و توجیہہ میں اختلاف نظر آیا ہے، وہاں نام لیے بغیر لکھا ہے: "بعضی از شارحان آوردہ است" اکثر جگہ اس جملے کی تکرار نظر آتی ہے۔ کتاب کی تالیف میں عبدی نے بہت سی کتابوں سے استفادہ کیا ہے مثلاً:

---

1. Catalogue of two Collections of Persian and Arabic Mss . in India office, London, 1902, pp. 51 - 52
2. Storey. Persian Literature. Vol. I. Pt. II, PP. 1009 - 10.

لغات میں؛ کشف اللغات ، لطایف اللغات ، مدارالافاضل ، اداۃ الفضلا ، مؤید الفضلاء ، اصطلاحات کاشی ۔

تصوف کی مشہور کتابوں میں سے کشف المحجوب ، عوارف ، فتوحات مکیہ ، فصوص الحکم ، انسان کامل از عبدالکریم جیلی ، شرح گلشن راز

تفاسیر میں سے تفسیر چرخی ، تفسیر رحمانی ، حواشی بیضاوی ، کشف الاسرار ، بحرالمعانی ، مدارک ۔

ان کے علاوہ سیر و سوانح ، فقہ و کلام اور ملفوظات اولیاء سے بھی استفادہ کیا گیا ہے ۔

مشکل الفاظ کا وزن اور اعراب دیا ہے ۔ لغوی اور اصطلاحی معنی بتائے ہیں ۔ شرح میں تفصیل و اطناب نہیں ۔ بیان مختصر ، واضح اور مستقیم ہے ۔

اس کتاب کے چار قلمی نسخوں کے متعلق اطلاعات فراہم ہوسکی ہیں ۔

۱ ۔ نسخۂ خطی مکتوبہ ۱۱۰۷ھ ۔ شخصی کتب خانہ سید محمد طیب شاہ ہمدانی ساکن کوٹ مراد خان ، قصور ۔

۲ ۔ پنجاب پبلک لائبریری ، لاہور ، نسخۂ خطی شمارہ ش ۸۷۱,۵۲ مکتوبہ ۱۱۱۹ھ ۔

۳ ۔ انڈیا آفس لائبریری ، نسخۂ خطی مکتوبہ ۱۱۳۳ھ (فہرست مرتبہ روس و براؤن ، شمارہ ۵۶) ۔

۴ ۔ کتب خانۂ اسلامیہ کالج لائبریری ، پشاور ۔

تحفۂ دوستان شرح بوستان سعدی

عبدی دیباچے میں اس کی وجہ تالیف یوں بیان کرتے ہیں :

"درین ولا از ارباب مودت و اہل صداقت التماس نمودند کہ اگر بر بوستان شیخ سعدی نیز شرحی محرر گردد ، از لطف عمیم و فیض صمیم ایشان غریب و عجیب نتواند بود - بناء علی ہذا خواستم کہ بر کتاب مذکور شرحی نویسم کہ حل اشکال او وبیان اعتضال نماید - و چون تمام رسد ، بہ تحفہ دوستان شرح بوستان موسوم نماید -"

۱۱۰۶ھ میں اس شرح کی تکمیل ہوئی - شارح اختتامیہ میں لکھتے ہیں :

"درین ولا کہ سنہ الف و مایتہ وست از تحریر شرح بوستان کہ موسوم بہ تحفہ دوستان است ، فارغ شدم" -

آخر میں خواجہ نصیرالدین محمود کی مدح میں ایک قصیدہ بھی مندرج ہے -

بہارستان شرح گلستان کی طرح اس شرح کی بھی دوہری اہمیت ہے - پہلی یہ کہ اس میں بھی شارح نے حوالے کے طور پر تقریباً اپنی اٹھارہ دیگر تصانیف کے نام لیے ہیں - دوسری یہ کہ اس نے حل اشکال میں جن دوسری مستند کتب و لغات سے استفادہ کیا ہے ، ان کے نام بھی دیے ہیں - مثلاً

اوراد الفضایل ، عین المعانی ، تحفۃ المرسلین ، مجمع البحار ، شرح عبدالواسع ، مدارالافاضل ، ادات الفضلاء ، عبداللہی ، لوامع الاشراق ، شرف نامہ ، جوامع الکلم ، بحرالجواہر ، کشف المحجوب ، روضۃ الاحباب ، ملفوظات شیخ برہان الدین ، انوارا للغات وغیرہ

محمد اقبال مجددی صاحب نے تحفہ دوستان کا ایک قلمی نسخہ لاہور میں مولوی باغ علی خلف مولوی نبی بخش مرحوم کے پاس دیکھا ہے جو ۱۱۳۵ھ کا مکتوبہ ہے اس کے ۱۴۹ ورق ہیں -

بہارستان شرح گلستان سعدی

عبدی اس شرح کی وجہ تالیف بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

"ناگاہ شبی قطب الاقطاب ، فردالاحباب ، شمس الحق و الدین محمد رشید جونپوری قدس سرہ ، را در واقعہ دیدم کہ می فرمودند چہ خوش بودی اگر بر گلستان شرحی تحریر نمودندی ، بناہ علی ہذا خواستم کہ اس ہادی مطلق و مرشد بر حق را اطاعت نمایم و بر کتاب مذکورہ شرح محرر سازم" ۔

شرح کے اختتام پر بتاتے ہیں کہ یہ شرح ۱۱۰۵ھ میں دو تین مہینوں میں مکمل کر لی ۔ ان کی عبارت یہ ہے :

"چون کتاب گلستان مملو از لغات غریب و احتمالات عجیب بود و از زمان تصنیف تا این وقت ہیچکس ، بی تحقیق او نگشتہ کہ تدقیق او نگردیدہ و از دست ملایان ناقص و فارسی خوانان قاصر محرف شدہ ۔ باشارۂ ہادی مطلق و امر مرشد برحق شیخ عبدالرشید جونپوری قدس اللہ سرہ العزیز دربن ولا کہ سنہ الف و مایتہ و خمس ہجری است ، خواستم کہ بروی شرحی مسمی بہ بہارستان شرح گلستان تحریر نمایم کہ لغات و احتمالات او را بیان کند و اشکال و اعضال او را عیان نماید ۔ پس بتوفیق الٰہی و امداد رسالت پناہی او در سہ ماہ از تصنیف او فارغ شدم" ۔

عبدی نے یہ شرح بڑی محنت و کاوش سے لکھی ہے ۔ مشکلات کو حل کرنے کی کوشش کی ہے ۔ مستند مآخذ سے رجوع کر کے الفاظ و مصطلحات کی تشریح کی ہے ۔ بعض کتابوں کے نام یہ ہیں :

مجمع البحار ، لوائح جامی ، عین المعانی ، کنزاللغات ، انواراللغات ، مطول ، شرح جامع الاصول ، کشف الاسرار ، بحرالعلوم ، مفردات ، کشاف ،

شرح نووی ، روضۃ الاحباب ، شرح تاویلات ، ترجمہ عوارف ، فرہنگ جہانگیری ، مدارالافاضل ، جامع الرموز ، بحرالجواہر ، منہاج السامعین از محمد ماہ جونپوری ، رفیق العارفین یعنی ملفوظات حسام الدین مانکپوری -

اس کتاب کی بڑی اہمیت یہ ہے کہ عبدی نے اس میں اپنی تقریباً اکتیس مؤلفات کے نام حوالے کے طور پر دیے ہیں - ممکن تھا کہ اس کتاب کی غیر موجودگی میں ہم اس کی بعض تصانیف کے ناموں سے بھی آشنا نہ ہوتے -

ابھی تک اس کتاب کے دو نسخوں کی موجودگی کا علم ہوسکا ہے :

۱ - لاہور میں نسخہ کتب خانۂ ڈاکٹر مولوی محمد شفیع مرحوم ، مکتوبہ ۱۱۳۲ھ ، کل ۲۳۷ اوراق -

۲ - قصور میں کتب خانۂ شخصی سید محمد طیب شاہ ہمدانی ، نسخہ مکتوبہ ۱۲۲۹ھ -

تحقیق المحققین فی تدقیق المدققین

بہارستان مؤلفہ ۱۱۰۵ھ میں اس کا حوالہ موجود ہے - عبدی لکھتے ہیں :

"اگر تفصیل معنی توحید خواہی ، تحقیق المحققین کہ از مؤلفات این ضعیف است ، طلب کن -"

اس کتاب کا ایک قلمی نسخہ ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کے کتب خانہ میں شمارہ ۱۲۹۴ پر موجود ہے - کتاب چونتیس ابواب میں منقسم ہے - عنوانات سے ہی اس کے مندرجہ ذیل موضوعات پر روشنی پڑتی ہے :

۱ - معنی ایمان   ۲ - تفاوت درجات ایمان -

۳ و ۴ - کنہ ذات و صفات -   ۵ - عینیت و غیریت

۶ - اسم اعظم و اسم ذات ۷ - مظاہر اسماء و مظہر جامع
۸ - اتصاف و مظاہر بصفات‌اللہ ۹ - وجود و معنی آن
۱۰ - مراتب وجود - ۱۱ - قرب ۱۲ - اعتقاد - ۱۳ - توحید
۱۴ - صراط مستقیم - ۱۵ - اتحاد و اتصال ۱۶ - معرفت - ۱۷ - فنا۔
۱۸ - جمع و تفریق - ۱۹ - تجلی - ۲۰ - شہود ۲۱ - رویت خدا -
۲۲ - نور و مراتب آن - ۲۳ مکان و زمان ۲۴ - عقل و حسن -
۲۵ - حال عباد - ۲۶ - ذکر - ۲۷ مراقبہ - ۲۸ - روح -
۲۹ - محبت خداوند ۳۰ - شوق و اشتیاق - ۳۱ - تصوف
۳۲ - شطحیات مشائخ ۳۳ احوال منصور حلاج - ۳۴ - اصطلاحات -

فوائد العاشقین

اس کتاب کا ایک خطی نسخہ ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کے کتب خانہ میں شمارہ ۱۳۹۴/۲ پر موجود ہے - فہرست نگار نے اس کے عنوانات درج کیے ہیں جن سے اس کے موضوع کے متعلق کچھ اندازہ ہوسکتا ہے - کل ۲۴ ابواب ہیں :

۱ - عشق - ۲ - قرب ۳ - طہارت - ۴ - حجت عقل - ۵ الوان انوار
۶ - نور شیطان و نور وضو - ۷ - اسرار وضو - ۸ - رفع حجبات -
۹ - سیر دل و عجایب - ۱۰ - معنی نفس و دل - ۱۱ - تجلی -
۱۲ - اسرار کلمۂ کن - ۱۳ - عجایب ملک و حکومت - ۱۴ - تغیر وقایع سالکان - ۱۰ - شرائط خلوت - ۱۱ - محاسبہ - ۱۲ - طور کہ فوق عقل است - ۱۸ - سیر سلوک - ۱۹ - احاطہ - ۲۰ - روح -
۲۱ - دل و حسن - ۲۲ - اسم اعظم - ۲۳ - صوفیان ۲۴ - متفرقات -

عبدی کی وہ تالیفات جن کے خطی نسخوں کا ابھی تک سراغ نہیں مل سکا۔

جامع الکلمات

عبدی نے اپنی تالیف اخبارالاولیاء من لسان الاصفیا، مولفہ ۱۰۷۷ھ میں بیان کیا ہے کہ میں شاہ آباد سے نواب دلیر خاں سے رخصت لے کر دو تین ماہ قصور میں ٹھہرا۔ وہاں داؤد خان حسین زئی کے اصرار پر میں نے رقعات شیخ عبداللطیف برہانپوری کو مرتب کیا۔ یہ وہ خطوط تھے جو شیخ نے قصور کے دوستوں کو لکھے تھے۔ عبدی نے ان کو ابواب میں تقسیم کیا اور احسن طریق سے مرتب کیا اور جامع الکلمات نام رکھا۔

تلقین المریدین

یہ ایک مثنوی ہے جس میں مشایخ چشت اور دوسرے بزرگان دین کے فضایل و مناقب بیان کیے گئے ہیں۔ عبدی نے اپنی تصنیفات مثلاً اسرار مثنوی و انوار معنوی، معارج الولایت اور اخبارالاولیا میں اس کے اقتباسات دیے ہیں اور بعض جگہ مشورہ دیا ہے کہ اس مسئلہ کی مزید توضیح کے لیے میری تصنیف تلقین المریدین دیکھیے۔

تلقین الطالبین - اورادالنبی -

عبدی نے اپنی ان تصانیف کا ذکر بہارستان مؤلفہ ۱۱۰۵ھ میں کیا ہے۔ حضرت یونس علیہ السلام کے متعلق واقعہ بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

؎اگر تفصیل این معنی خواہی اورادالنبی و تلقین الطالبین

را کہ ہر دو از مؤلفات این ضعیف اند ، طلب کن ۔"[1]

اورادالسادات

اسرارمثنوی میں رومی کے مندرجہ ذیل شعر کی تشریح کرتے ہوئے اس کا حوالہ دیا ہے :

پنبہ اندر گوش حس دون کنید
بند حس از چشم خود بیرون کنید

" اگر تفصیل آن خواہی ، اورادالسادات را کہ از مؤلفات این ضعیف است ، طلب کن ۔"[2]

مقصود السالکین

ذکر نفی و اثبات ، ذکر اسم ذات اور ذکر اسماء الحسنیٰ کی تفصیل بیان کرتے ہوئے عبدی نے بہارستان میں اس کتاب کا حوالہ دیا ہے[3]

حصول الوصول

معارج الولایت ، اسرار مثنوی[4] اور بہارستان[5] میں اس کتاب کا ذکر آیا ہے ۔ معارج میں سماع کے متعلق شیخ جنید موہانی کا نظریہ بیان کرتے ہوئے عبدی لکھتے ہیں :

---

۱ ۔ بہارستان ، ص ۲۳۲ ، بحوالہ احوال و آثار عبداللہ خویشگی ، محمد اقبال مجددی ۔
۲ ۔ اسرار معنوی ، ص ٦٦ ۔
۳ ۔ بہارستان ، ورق ۱۱۸ ۔
۴ ۔ بہارستان ، ص ۱۱۸ ۔
۵ ۔ اسرار مثنوی ، ص ٦٦ ۔

"(شیخ جنید موہانی) در سماع غلو تمام داشتی و فرمودی که بعضی از اقسام ذکر اند که آنرا بغیر از سماع حاصل نتوان کرد و آن ذکر بدلائی (؟) است و جز آن چنانکه شرح آن در حصول الوصول که از مؤلفات این ضعیف است ، مسطور است"[1]

جامع الحقایق

اسرار مثنوی ، معارج الولایت اور شرح کلمات وافیات میں اس کے حوالے مذکور ہیں ۔ بہارستان میں عبدی لکھتے ہیں :

"ملک الموت منتظر شود ، این قید بروی ورق از شجره که در تحت عرش است که بروی اسم آن شخص مذکور است ، پس دران زمان روح او را قبض کند و تفصیل این مقدمه از جامع الحقایق که از مؤلفات این ضعیف است ، طلب کن ۔"[2]

مولانا روم کے ایک شعر کی تشریح کرتے ہوئے عبدی 'اسرار مثنوی' میں لکھتے ہیں :

لیک بہر آن که روز آیند باز بر نہد بر پای شان بند دراز

یعنی لیکن برای آنکه ارواح در روز باز آیند ودر آنجا نمانند بر پای ایشان بند دراز نہند و آن چنانکه در اخبار است ، ریسمان است که یک سر او بارواح متعلق بود و سر او با تن ۔ چنانکه رشته در پای جانوران کنند و بگذارند و اگر روح را باتن ریسمان مقید نکنند هرگز بسوی بدن عدو ننماید و در زمان موت او آن ریسمان را قطع کنند ۔ بنا بران باز نیاید و تحقیق این مقدمات در تالیف این ضعیف

---

۱ ۔ معارج الولایت ، ص ۳۶۲ ب ۔

۲ ۔ بہارستان ، ص ۲۲۶ ۔

کہ موسوم بہ جامع الحقایق است ، طلب کن"[1]

فوائد الطالبین

عبدی نے بہارستان میں صفحہ ۱۹۲ پر اسے اپنی تصنیف بتایا ہے۔

مظہر الوجود و مظہر الشہود

بہارستان میں ۵۴ ب پر اس رسالہ کا ذکر یوں آیا ہے :

"اگر تفصیل این مقدمہ (تفضیل پنج پیر و تصرف اولیا) خواہی رسالہ مظہر الشہود کہ از مؤلفات این ضعیف است ، طلب کن "

محرقات الرفضہ

اخبارالاولیار مؤلفہ ۱۰۷۷ھ میں اس کتاب کی تالیف کے متعلق عبدی نے بیان کیا ہے :

"جون نواب (دلیر خان) را از صحبت رفضہ ملعونہ خار شبہ در خاطر خلیدن گرفت و بجہت تحریر رسوخ اعتقاد اہل سنت و جماعت و دفع شبہات اہل ہوا و بدعت اشارتی کرد ، محرقات الرفضہ محرر نمودم ۔ مختصر بغایت مستحسن بوجود آمد ۔ ہر کہ دید پسندید و بعین عنایت ملحوظ گردانید "[2]

محاکمات العلماء فی اختلاف الصوفیہ و الفقہاء

اس رسالے کے نام سے تو پتہ نہیں چلتا کہ کس قسم کے اختلاف کے

---

۱ - اسرار مثنوی ، ص ۴۳ ب ، ۴۴ ۔

۲ - اخبارالاولیاء ، ص ۱۶۴ ب ۔

متعلق عبدی نے اپنی رائے کا اظہار کیا ہے ۔ لیکن جس سیاق و سباق میں اس کا ذکر ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اباحت سماع کے متعلق گفتگو ہو رہی ہے ۔ وہ بہارستان (ص ۴۹ ب) میں لکھتے ہیں :

بدست این مطرب توبہ کردم و بقیۂ عمر خویش سماع نکردم" (قول سعدی) اگر تفصیل اباحت سماع خواہی ، منہاج السامعین را کہ از مصنفات شیخ محمد ماہ جونپوری است و محاکمات العلماء فی اختلاف الصوفیہ و الفقہا را کہ از مؤلفات این ضعیف است ، طلب کن ۔"

راحتہ الاشباح فی شرح نزہتہ الارواح

نزہت الارواح ، سید حسینی مرید و خلیفہ شیخ بہاءالدین زکریا کی تصنیف ہے ۔ عبدی نے اس کی شرح کے متعلق معارج الولایت میں یوں ذکر کیا ہے :

"این ضعیف بر نزہتہ الارواح شرحی نوشتہ کہ مسمی بہ راحتہ الاشباح فی شرح نزہتہ الارواح است ۔ ۔ ۔ این کلمات چند بطریق اجمال نقل افتاد و اگر تفصیل خواہی ، راحتہ الاشباح را طلب کن" ۔[۱]

مبینات اشراق اللمعات

لمعات ، شیخ فخرالدین عراق کی تصنیف ہے ۔ عبدی نے معارج الولایت میں اس کی شرح کے متعلق یوں تذکرہ کیا ہے :

این ضعیف را شرحی است بر لمعات مسمیٰ بہ مبینات اشراق اللمعات کہ بغایت مستحسن و موزون برای طول فوائد او را درین جا نقل

---

۱ ۔ معارج الولایت ، ص ۳۸ ب ۔

نکرد و اگر تحقیق لمعات خواہی ، مبینات را طلب کن ۔''[۱]

شرح کلمات وافیات

یہ کتاب اخوند درویزہ کی کتاب مخزن الاسلام کی شرح ہے۔ معارج الولایت میں عبدی نے اس کا ذکر یوں کیا ہے :

''این ضعیف بروی شرحی کہ موسوم بہ شرح کلمات وافیات است ، نوشتہ ۔ شرحی خوب و جید است ۔ اگر منصفی بنظر انصاف در وی نظر کند ، اشارات او را فہم نماید ۔ و آنچہ مولانا در وی شمہ ٔ از تصوف گفتہ ، با شرح آن ایراد می نماید ۔''[۲]

شرح حروف عالیات

یہ کتاب ملک محمد جائسی کی کتاب اکھروتی کی شرح ہے۔ معارج الولایت میں ملک محمد جائسی کے چند سورتھ نقل کرنے کے بعد عبدی لکھتے ہیں :

''این چند سورتھ درین جا باجمال معنی نقل کردہ شد و اگر تفصیل خواہی ، شرح حروف عالیات یعنی شرح اکھروتی را کہ از مصنفات این ضعیف است ، طلب کن ۔''[۳]

روائح شرح لوائح

لوائح ، مولانا جامی کی مشہور تصنیف ہے ۔ عبدی نے اپنی اس

---

۱ ۔ معارج الولایت ، ص ۳۸۳ ۔
۲ ۔ معارج الولایت ، ص ۳۷۹ ۔
۳ ۔ معارج الولایت ، ص ۳۴۱ - ۳۴۴ ۔

شرح کا ذکر اسرار مثنوی میں اس طرح کیا ہے :

"برای تحقیق این مقدمہ (بحث لفظ وجود) از روائح شرح لوائح کہ از مصنفات این ضعیف است ، طلب کن ۔"[۱]

فوائد العارفین

اس رسالے کے متعلق عبدی نے معارج الولایت میں پوری تفصیل فراہم کی ہے :

"آنحضرت را (محمد رشید جونپوری) کتابی دیگر است مسمی بہ زاد السالکین کہ ترجمہ بعض مواضع احیاء (احیاء علوم الدین از غزالی) برای شیخ عبدالحمید بعبارتی سادہ تحریر فرمودہ و این ضعیف مختصری از وی برآوردہ کہ موسوم بہ فوائد العارفین است ۔ بغایت مستحسن واقع شد ۔"[۲]

مخزن الحقایق شرح کنز الدقایق

فقہ کی معروف کتاب کنزالدقایق کی فارسی شرح اسرار مثنوی کے دیباچے میں مذکور ہے ۔

بحر زخار شرح هدایہ

بہارستان میں عبدی نے اسے اپنی تالیفات میں شمار کیا ہے :

در بحر زخار کہ شرح ہدایہ از مصنفات این ضعیف است ، آوردہ ۔"[۳]

---

۱ - اسرار مثنوی ، ص ۱۸۵ ب - ۱۸۶ -
۲ - معارج الولایت ، ص ۳۸۳ ب -
۳ - بہارستان ، ص ۱۰۰ ب ، ۲۳۵ ب -

تحفہ قدریہ شرح تحفہ بدریہ

بہارستان میں اس شرح کا حوالہ یوں مذکور ہے :

"چون قطب از دنیا نقل کند ، عبدالملک قطب شود و عبدالرب بجای عبدالملک رود تا قیام قیامت این قاعده برین قانون مقرر باشد و اگر تفصیل این معنی خواہی ، تحفۂ قدریہ شرح تحفۂ بدایہ کہ از مصنفات این ضعیف است ، طلب کن ۔"[1]

فوائد لآلی شرح قصیدۂ امالی

قصیدہ امالی عربی میں ہے ۔ عبدی نے فارسی میں اس کی شرح لکھی ۔ اسرار مثنوی میں ایک شعر کی تشریح کے ضمن میں اس کا حوالہ دیا ہے :

"و لم یلعن یزید بعد دہر سوی المکثار فی الاعزاء غال

تفصیل این مسئلہ از فوائدلآلی شرح قصیدہ امالی کہ از مصنفات این ضعیف است ، طلب باید کرد ۔"[2]

معجز شرح مؤجز

بہارستان میں اس کا حوالہ موجود ہے :

"چنانکہ در معجز شرح موجز است کہ از مؤلفات این ضعیف است ۔"[3]

---

۱ - بہارستان ، ص ۱۰ ب ۔
۲ - اسرار مثنوی ، ص ۲۰۲ ب ۔
۳ - بہارستان ، ص ۱۴۷ ب ۔

شرح نوبہار

یہ بھی بہارستان میں مذکور ہے ۔ مصنف نے حروف ابجد کی توضیح کے لیے اس شرح کی طرف اشارہ کیا ہے :

"اگر تفصیل معنی حروف ابجد خواہی ، شرح نوبہار را کہ از مؤلفات این ضعیف است ، طلب کن ۔"[1]

اسرار الٰہی ، مزرعۃ الآخرہ ، سلسلۃ الذہب ، مظہر العجائب ، مظہر الغرایب

یہ پانچ کتابیں علم کیمیا اور سیمیا کے متعلق ہیں ۔ بہارستان اور اسرار مثنوی میں ان کا ذکر کیا گیا ہے ۔ بہارستان میں ان کا ذکر یوں ہے :

"این کمالات مہارت او در این علم بود و بعضی گویند کہ این از خوارق عادت او بود چہ در علم کیمیا بدون دادن فلزات تفسیر ننمایند و اگر تفصیل این معنی خواہی اسرار الٰہی ، مزرعۃ الآخرۃ ، سلسلۃ الذہب ، مظہرالعجائب ، مظہر الغرایب را کہ از مصنفات این ضعیف اند ، طلب کن ۔"[2]

اسرار مثنوی میں صرف اسرار الٰہی اور مظہر العجائب مذکور ہیں ۔ مصنف لکھتے ہیں :

"بعضی گفتہ کہ کیمیا اجزاء ادویہ کہ بحسب خاصیت فلزات و کائنات مثل مس و سرب وغیرآن را طلا و نقرہ سازد ۔ سیمیا تاثرات غریبہ کہ از پرتو عقل بشری چیزی بوجود آید انتہی ۔ بدانکہ کیمیا

---

۱ - بہارستان ، ص ۱۶۱ -

۲ - بہارستان ، ص ۷۰ ب -

و سیمیا دو علم اند از پنچ علم کہ ایشان را خمسہ مختفیہ گویند و اگر تفصیل این علوم خواہی کتاب اسرار الٰہی و کتاب مظہرالعجایب کہ ہر دو از مؤلفات این ضعیف اند ، طلب کن ۔"[1]

کفایت الاسرار

اسرار مثنوی میں بعض مسائل تصوف کی مزید تشریح کے ضمن میں اس کی طرف رجوع کرنے کا مشورہ دیا گیا ہے :

"از منازل ھای جانش یاد دار و از سفر ھای روانش یاد دار یعنی منازل ھای جان کہ قبل از دخول در بدن در انجا بود ۔ بعد از خروج از بدن در ان فرود آید ، او را یاد دار ۔ از سفر ھای روان کہ در حین حیات دران سیر کند ، یاد دار ۔ و چون آن سفر بر سہ نوع است اول و ثانی و ثالث ۔ بنابران بلفظ جمع آورد و دور نیست کہ در مصراع اول مراد از سیرالی اللہ بود و در مصراع ثانی مراد از سیر فی اللہ بود چنانکہ تفصیل آن دو درکفایت الاسرارکہ از مؤلفات این ضعیف است ، مذکور است ۔"[2]

کفایت الانوار

عبدی ، بہارستان میں نفس مطمئنہ کی تشریح کرتے ہوئے ، اس کتاب کا حوالہ دیتے ہیں :

"در اواخر چون عروق نزاع و کراہتہ بکلی از شرع مستأصل گردد ۔ ۔ ۔ و در تحت جریان احکام رام گردد و کربش برضامیدل گردد

---

۱ - اسرار مثنوی ، ص ۵۹ ب ۔
۲ - اسرار مثنوی ، ص ۱۳۸ ۔

و آن را مطمئنہ خوانند چنانکہ در کفایت الانوار کہ از مؤلفات این ضعیف است ، مذکور است ۔"[1]

مہمیز

بہارستان میں اس کا ذکر موجود ہے ۔[2]

ارشادالحربی

بہارستان میں شرح مثنوی اور اس کتاب کا یکجا ذکر کیا گیا ہے ۔

تفصیل این معنی از شرح مثنوی و ارشاد الحربی کہ ہر دو از مصنفات این ضعیف اند ، طلب کن ۔"[3]

ارشاد العالمین ، ہدیۃ المضلین ، بوارق خاطفہ

ان تینوں کتابوں کا حوالہ تحفہ دوستان شرح بوستان مؤلفہ ۱۱۰۶ھ میں مذکور ہے ۔"[4]

قواعد التکسیر ، خلاصتہ التکسیر ، فوائدالتکسیر

یہ تینوں کتابیں تعویذ اور اس کے لوازم کے متعلق ہیں ۔ تحفۂ دوستان میں عبدی ان کے متعلق اس طرح حوالہ دیتے ہیں :

"تعویذ بالفتح پناہ دادن کسی را و در عرف آیتی یا دعای بانقشی از رباعی و ثلاثی و مانند آن نبشتہ در نقرہ و مانند آن گیرند

---

۱ ۔ بہارستان ، ص ۲۰۱ ب ۔
۲ ۔ بہارستان ، ص ۹۴ ۔
۳ ۔ بہارستان ۔
۴ ۔ تحفۂ دوستان ، ص ۲۱ ب ۔ ۲۲ ۔

و در بازو یا گردن برای دفع بلا و زبان مردم بندند ۔ اگر تعویذ زبان بندی خواہی در قواعد التکسیر و خلاصۃ التکسیر و فوائدالتکسیر که ہر سہ کتب از مصنفات این ضعیف اند ، طلب کن ۔"[1]

محمد اقبال مجددی نے بڑی جستجو اور کاوش سے اپنے ایک ہم وطن عالم ، صوفی اور شاعر کی تصانیف کا سراغ لگایا اور اس کے احوال و آثار کے متعلق کتاب لکھ کر علمی دنیا میں اس کا تعارف کرایا لیکن وہ چونکہ سلسلہ مجددی سے نسبت رکھتے ہیں اس لیے عبدی کے معتقدات میں مجدد الف ثانی کی مخالفت کا عنصر دیکھ کر انھیں اپنی کتاب کا کافی حصہ حضرت مجدد کی حمایت اور مخالفین مجدد کی تردید میں صرف کرنا پڑا ۔

صرف عبدی نے ہی حضرت مجدد کے بعض عقاید کی مخالفت نہیں کی بلکہ دیگر علماء نے بھی ان کے رد میں کتابیں لکھیں اور ان کی تشنیع و تکفیر میں فتوے دیے ، جن پر بقول عبدی علمائے عرب و عجم نے دستخط کیے ۔ دیکھیے احوال و آثار عبداللہ خویشگی ، صفحات (۱۵۹-۱۶۱) ۔

عبدی نے شیخ احمد سرہندی کے متعلق جو کچھ لکھا ہے ، ہم نے ایک غیر جانبدار ہونے کی حیثیت سے اس کا مطالعہ کیا ہے ۔ ہمیں تو اس کی رائے معقول و معتدل اور متوازن نظر آتی ہے ۔ اسے حضرت مجدد سے خواہ مخواہ کی عداوت نہیں تھی ۔ محمد اقبال صاحب لکھتے ہیں :

"اسے (عبدی) حضرت شیخ احمد سرہندی مجدد الف ثانی رحمۃاللہ علیہ سے بڑی عداوت تھی ۔ اس نے اپنی تصانیف میں حضرت شیخ مجدد یا آپ کی اولاد و خلفاء کے خلاف جا بجا الزام تراشی کی ہے ۔" ص ۱۴۵

---

۱ ۔ تحفۂ دوستاں ، ص ۵۱ ۔

عبدی نے حضرت شیخ احمد کے متعلق جو کچھ لکھا ہے، وہ محمد اقبال نے بھی نقل کیا ہے (ص ۱۵۰) اس نے اپنی طرف سے طعن و تشنیع کی بات نہیں لکھی۔ ہم حیران تھے کہ ایک شخص جو صوفیہ و مشائخ کی تعلیم و تربیت سے فیضیاب ہوا ہو اور خود بھی سلوک و تصوف کی راہ پر گامزن ہو، وہ ایک عالی مرتبہ عالم اور صوفی کے خلاف کیسے لکھ سکتا ہے۔ البتہ علمائے ظواہر نے ضرور ان کے عقاید پر گرفت کی ہے اور دلائل عقلی و نقلی سے ان کے خیالات کی تردید کی ہے۔ عبدی نے ایک مؤرخ کی حیثیت سے ان کی بعض تحریروں کو نقل کیا ہے۔ خاص طور پر عبدالحق دہلوی کے مکتوب اور رسالہ کاسرالمخالفین کے اقتباسات کو نقل کیا ہے۔ اس کے باوجود عبدی نے مصالحانہ روش اختیار کرتے ہوئے لکھا ہے:

"چون این حقیر را بر مشایخ اعتقاد صحیح و عقیدۂ صریح است باوجودیکہ علمائے عصر و فضلائے دہر بر بطلان کلام او و فساد سخنان او فتویٰ دادہ، بحسب طاقت فہم و قدرت ذہن خویش توجیہات شطحیات ایشاں مع ایرادات، ایرادمی نماید"

اس عبارت سے تو صاف ظاہر ہے کہ عبدی کی نیت بری نہیں۔ وہ تو کہتے ہیں کہ اگرچہ علمائے وقت نے حضرت شیخ کے خلاف فتوی دیا ہے لیکن مجھے چونکہ مشائخ سے درست اعتقاد حاصل ہے اس لیے میں نے اپنے فہم ولیاقت کے مطابق ان کی شطحیات کی توجیہ کی ہے:

یہ مسلم ہے کہ حضرت شیخ احمد کی بعض نگارشات کے اگر ظاہری معانی مراد لیے جائیں تو ان کے بعض عقاید قرآن و سنت نبوی کے مخالف نظر آتے ہیں۔ وقت کے علماء اور مفتیوں نے حضرت شیخ کے خلاف جو فتوے دیے ان کی نظر ان کے ظاہری معنوں پر تھی۔ عبدی نے ایک فتوی نقل کر کے آخر میں اپنی رائے دی ہے جو بڑی متوازن ہے۔ معلوم

ہوتی ہے۔ اقبال صاحب نے اس پر غور نہیں کیا۔ عبدی لکھتے ہیں اور میں ان کی عبارت یہاں نقل کرتا ہوں :

اقول ۔ آنچہ در کاسرالمخالفین واستفتاء از تکفیر و تشنیع آوردہ وقتی لازم آید کہ مراد ازین الفاظ معنی ظاہری بود ۔ فاما اگر مراد ازو معنی باطنی بود چنانکہ گذشت ہیچ تکفیری و تشنیعی لازم نیاید و لیکن حق آنست کہ ابراد کلامی کہ موہم بنقص بود بجناب نبوی ، خالی از نقص و قصور نیست کما لایخفی ۔"

عبدی کی رائے کو اردو میں دہرا دیں تا کہ ان کی غیرجانبدار رائے مزید ذہن نشین ہو جائے "میں کہتا ہوں یا میری رائے ہے کہ کاسرالمخالفین اور فتوے میں جو تکفیر و تشنیع کی باتیں کہی گئی ہیں ، یہ اس وقت لازم آتی ہیں جب ان الفاظ کے ظاہری معنی مراد لیے جائیں ۔ اگر ان کے باطنی معنی لیے جائیں تو پھر تکفیر و تشنع لازم نہیں آتی ۔ لیکن حق یہ ہے کہ ایسا کلام جس سے حضرت نبی اکرم کے نقص مرتبت کا احتمال یا توہم بھی پیدا ہو وہ کلام یقیناً نقائص اور خامی سے مبرا نہیں"

اقبال صاحب عبدی پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ اس نے حضرت مجدد کی کوئی تصنیف نہیں پڑھی (ص ۱۵۹) ۔ یہ اعتراض صحیح معلوم نہیں ہوتا عبدی نے یا کاسرالمخالفین کے مصنف نے مکتوبات امام ربانی میں سے جلد ثالث کے مکتوب نمبر ۹۴ ، ۹۵ اور ۸۸ کے اقتباسات دیے ہیں ۔ ہم نے صل مکتوبات سے مقابلہ کر کے دیکھا ہے ۔ لفظ بلفظ وہی عبارات ہیں جو مطبوعہ مکتوبات میں موجود ہیں ۔ اس لیے واضح ہے کہ عبدی نے حضرت شیخ احمد کے عقاید و افکار نقل کرنے میں خیانت نہیں کی ۔ البتہ ان کی رائے کے ساتھ اختلاف کی گنجائش ہے ۔

اقبال صاحب نے فتوی کی شدت کو کم کرنے کے لیے اس میں نقائص نکالے ہیں ۔ اور لکھا ہے کہ اس پر جن تینتالیس علماء کے دستخط ہیں وہ معروف نہیں ہیں ۔ ان کی علمی حیثیت مسلم نہیں ہے ۔ اور اس فتوی پر فتاوی عالمگیری کے مسلم الثبوت علما میں سے کسی کے دستخط موجود نہیں ۔ یہ فتوی جعلی نہیں ہے ۔ اس پر دستخط کرنے والوں میں شہروں کے قاضی اور مفتی اور عالم و فقیہ موجود ہیں ۔ ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ ان کی علمی حیثیت کچھ نہیں تھی ۔ کیونکہ ان کے متعلق تذکروں میں معلومات نہیں ملتیں ۔ اس کے ساتھ ہی ان کفر ساز فتووں سے گھبرانے کی ضرورت نہیں ۔ ہر نئی تحریک کے علمبردار کے خلاف فتوے چلتے رہتے ہیں۔ ہمارے اپنے زمانے میں سرسید ۔ اقبال ، علمائے دیوبند علمائے بریلی کے خلاف تکفیر کے فتوے دیے گئے ہیں ۔ مگر ہم طالب علم صرف عقاید و افکار کی علمی حیثیت پر غور و خوض کرتے ہیں اور علم کی بنیاد پر یعنی علم وحی یعنی قرآن مجید کی روشنی میں جائزہ لیتے ہیں تاکہ حق و ناحق کا فیصلہ ہو سکے ۔

اقبال صاحب نے لکھا ہے کہ فتوی پر دستخط کرنے والوں کے بعض نام وضعی معلوم ہوتے ہیں ۔ انھوں نے دو مثالیں دی ہیں کہ بعض کے نام کے ساتھ مولانا کا لقب لکھا ہے ۔ کوئی شخص اپنے نام کے ساتھ خود مولانا کا لفظ نہیں لکھتا ۔ مثلاً مولانا جان محمد اور مولانا تیموری لاہوری ۔ اقبال صاحب کو اس میں اشتباہ ہوا ہے ۔ دستخط کرنے والوں نے خود اپنے نام کے ساتھ مولانا نہیں لکھا بلکہ فتوے کو نقل کرنے والے نے فتوے کے الفاظ لکھ کر کہا ہے کہ "کذالک کتبہ مولانا جان محمد ۔" یعنی اس طرح مولانا جان محمد نے لکھا ہے ۔ یہ کہہ کر اس کے الفاظ نقل کیے ہیں ۔ جہاں فتوی پر دستخط کرنے والے نے خود اپنا نام لکھا ہے ، وہاں یہ صورت نہیں ۔

—:o:—

حافظ محمد صدیق[1]

حافظ محمد صدیق بن محمد حنیف بن محمد لطیف ، عالم ، فاضل ، فقیہ او محدث ، اعلیٰ درجے کے ادیب اور اہل قلم تھے ۔ ان کے اب و جد کابل سے لاہور میں آئے اور مسجد وزیر خاں کے امام مقرر ہوئے ۔ محمد صدیق ۱۱۲۸ھ میں پیدا ہوئے ۔ مولانا محمد عابد صاحب تعلیقات تفسیر بیضاوی کی خدمت میں بسم اللہ شروع کی ، ملا اسلام سے کلام اللہ پڑھا اور پھر حفظ کیا ۔ مرزا مظہراللہ ، ملا حفیظ اللہ ، مولوی عبداللہ ، ملا ظہوراللہ اور مولانا شہریار سے فقہ و حدیث اور دیگر علوم معقول و منقول کی تکمیل کی ۔ ۱۱۸۰ھ میں شیخ یحییٰ بن صالح مکی مدرس مدرسہ مسجد الحرام اور شیخ ابوالحسن سندھی مدنی مدرس مدرسہ مدینہ منورہ سے حدیث کی سند حاصل کی ۔ وہ مسجد وزیر خاں کے جلیل القدر امام تھے ۔ احمد شاہ درانی ان کی بہت قدر کرتے تھے ۔ وہ ۱۱۹۲ھ میں فوت ہوئے ۔ فقیر محمد نے تاریخ وفات ۱۱۹۳ھ لکھی ہے ۔[2]

تصانیف

مداسلام ۔ اس میں صنعت توشیح کا التزام کیا ہے ۔

سلک الدرر الاکمل رسل اطہر فی السیر الرسول الانور : فیضی کی بے نقاط تفسیر کے جواب میں ۔

ہدیتہ انام للخطبا : مقامات حریری کے مقابلے میں بے نقط خطبے ۔

---

۱ ۔ تذکرۂ علمائے لاہور ، محمد الدین فوق ، لاہور ، ۱۹۲۰ ۔
۲ ۔ حدایق الحنفیہ ، فقیر محمد ، لکھنؤ ۔ ۱۸۸۶ع ۔

مدارالاسلام فی علم الکلام ۔

شروط الایمان ۔

القول الحق فی بیان ترک الشعر و الحلق ۔

دررالتعسف عن ساحتہ عصمت یوسف ۔

ہدم الطاغوت فی قصہ ہاروت و ماروت

نور حدقتہ النقلین فی تمثال النعلین : شرح النفحات الباہرہ فی جواز القول بالخمسة الطاہرہ: ازالتہ الفسادات فی شرح مناقب السادات ۔

تبییض الرق فی تبیین الحق فی رد ماتسایل فیہ شیخ عبدالحق

جامع الوظایف ۔

نقطتہ الخطب ۔

ترجمہ فقر محمدی ۔

طب میں دو کتابیں ہیں :

۱ ۔ جامع احمد فارسی

۲ ۔ زبدة الفرح فی معالجات ضعف الباہ

تحذیرالاخوان ۔ اس کتاب میں اپنی زندگی ، تعلیم ، تصانیف ، اساتذہ اور دوسرے علما کا ذکر کیا ہے ۔

رسالہ توضیح السنتہ فی تفضیح البدعتہ ۔

فارسی اور عربی میں اشعار کہتے تھے ۔ تارک تخلص تھا ۔ ان کے

دیوان کا نام مزیل الاحزان ہے ۔ محمد الدین فوق نے ان کے چند اشعار نقل کیے ہیں ۔ عربی کے درج ذیل اشعار سید اسحاق حضرت میراں بادشاہ کی مدح میں ہیں جن کا مزار مسجد وزیر خاں کے اندر حوض کے پاس ہے ۔

مزار ساطع منه شعاع الملته البیضا
اذا ما ذاته صدقا وجدت الباب للنعماء
فمن فی القبر سماه عوام الناس اسحاق
مسمی الاسم تریاق لسم الحیة الرقطاء

فارسی

بیا ای مومن سنی به بیت الله اندر شو
طهارت ساز از خون دل و یاقوت احمر شو
چو رو آری به محراب عبادت یاد کن محشر
گدازی از ریاضت نفس را و صاف چون زر شو
فریضه چون ادا کردی بامر حضرت رحمان
یاد از مزار سید اسحاق انور شو
حصول قلب از قرب چنین کامل شود تارک
فدای آل و اصحاب رسول الله اکبر شو

توضیح السنته فی تفضیح البدعته

ملا ہاشم بن عبدالغفور سندھی نے ایک رسالہ لکھا تھا جس میں پنج تن پاک اور دوازدہ امام کہنا جائز قرار دیا گیا تھا اور ایسا کہنے کی بنیاد مندرجہ ذیل احادیث پر رکھی تھی :

۱ ۔ خرج رسول الله صلی الله علیه و سلم ذات فداه و علیه مرط مرحل شعر اسود فجاء حسن بن علی فادخله ثم جاء الحسین

فدخل معه ثم جاءت فاطمہ فادخلها ثم جاء علی فادخل ثم قال انما یریداللہ لیذھب عنکم الرجس اہل البیت و یطہرکم تطہیرا۔

۲۔ لا یزال الدین قایماً حتی یکون علیکم اثنا عشر خلیفہ کلھم من قریش۔

حافظ محمد صدیق نے ملا ہاشم کے رد میں مختلف دلائل پیش کیے ہیں اور بتایا ہے کہ حدیث میں صرف چار اشخاص کا ذکر ہے اور ان چار اشخاص کو گناہ سے معرا نہیں کہا جا سکتا کیونکہ تطہیر سے مراد گناہوں سے پاکیزگی یا عصمت مراد نہیں ہو سکتی۔ دوسرا اعتراض یہ ہے کہ آیت میں مذکورہ اہل بیت سے صرف یہی چار اشخاص مراد نہیں بلکہ ازواج مطہرات بھی شامل ہیں۔

دوسری حدیث کے متعلق مصنف نے یہ توجیہہ پیش کی ہے کہ بارہ خلفاء سے مراد حضرات شیعہ کے بارہ امام نہیں بلکہ بارہ ایسے خلفاء ہیں جن پر اجماع امت ہوتا رہا ہے۔

مصنف نے اپنے بعض دلائل کی تائید میں امام رازی ، بیضاوی ، سیوطی ، ابن حجر عسقلانی ، یافعی ، ابوحنیفہ اور ابن حجرالمکی کے اقوال و آراء پیش کیے ہیں اور کتابوں میں تفسیر جلالین ۔ صواعق محرقہ ، فقہ اکبر ، فصل الخطاب ، شرح المواقف اور دوسرے رسائل کے حوالے دیے ہیں۔ ضمناً علم کلام اور مناظرہ کے اصولوں کی بناء پر اعتراض اور اعتراض کا جواب دیا ہے۔

ملا ہاشم نے کہا تھا کہ اہل سنت پنج تن پاک کہنے والوں کو رافضی اور بارہ اماموں کو خلفا ماننے والوں کو کافر کہتے ہیں۔ محمد صدیق نے کہا ہے کہ حنفا کے نزدیک صرف خلافت حضرت ثلاثہ کی نفی کرنے والے کافر ہیں۔

اس رسالے سے ظاہر ہے کہ اس زمانے میں اختلاف عقائد کی بناء پر علما مسائل متنازعہ فیہ کا علمی تجزیہ کرتے تھے اور ساتھ ہی ایک دوسرے کے خلاف سخت و سست الفاظ استعمال کرتے تھے ۔

نزاع کی اصل بنیاد متذکرہ صدر احادیث ہیں ۔ ان کو صحیح مان کر حمایت و مخالفت میں علمی موشگافیاں کر کے مختلف معانی پہنائے جاتے ہیں اور الفاظ کی تاویلیں کی جاتی ہیں ۔ لیکن اگر ہم قرآنی تعلیمات کو اصل و بنیاد مان کر ان کا تجزیہ کریں تو ظاہر ہوگا کہ موضوع کے اعتبار سے یہ احادیث موضوع ہیں ۔ جب بنیاد ہی غلط ہے تو اس پر بحث کے انبار لگانا سخت غلط ہے ۔

یہ رسالہ دس ورق پر مشتمل ہے ۔ اس کا قلمی نسخہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری مجموعہ شیرانی شمارہ ۳۳۳۹ پر موجود ہے ۔ متن کی تقطیع ۱۸٫۴ سم × ۱۰٫۶ سم ہے ۔ ہر صفحے میں ۱۸ سطریں ہیں ۔

— :o: —

محمد عنایت اللہ قادری[1]

عنایت اللہ ۱۰۵٦ھ میں قصور میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد کا نام پیر محمد تھا۔ پانچ برس کی عمر میں کلام مجید حفظ کیا۔ نو برس کی عمر میں فارسی عربی کی درسی کتابیں تمام کیں۔ علوم ظاہری کی تکمیل کے بعد علوم باطنی کے لیے شاہ محمد رضا قادری کے ہاتھ پر بیعت کی۔ پھر قصور میں اپنا فیض عام کیا۔ سید بلھے شاہ آپ کے مرید ہوئے۔ حسین خاں افغان حاکم قصور نے ان کی مقبولیت دیکھ کر مخالفت کی اور وہ لاہور آ کر مقیم ہو گئے۔

ان کے درس میں قرآن، تفسیر، حدیث، مثنوی مولانا روم اور دوسری کتب تصوف پڑھائی جاتی تھیں۔ ان کی محفل سماع میں دیوان حافظ دیوان مغربی، دیوان شمس تبریز، احمد جام، عراقی اور ملا شاہ وغیرہ عرفائے کاملین کا کلام پڑھایا جاتا تھا۔ انھوں نے ۸۵ سال کی عمر میں ۱۱۴۱ھ میں لاہور میں انتقال کیا۔

وہ فاضل فقیہ اور صوفی کامل تھے۔ ان کی تالیفات یہ ہیں:

۱۔ غایۃ الحواشی علی شرح وقایہ (عربی)

۲۔ شرح کنز الدقایق بعنوان ملتقط الحقایق

۳۔ دستور العمل

۱۔ تذکرۂ علمائے لاہور، محمدالدین فوق، لاہور، ۱۹۲۰ع - خزینۃ الاصفیا - غلام سرور، حدایق الحنفیہ - نزہتہ الخواطر، ج ٦ - سلیم التواریخ، اکبر علی -

۴ ۔ لطایف غیبی (سلوک و تصوف ۔ اوراد و اذکار)

۵ ۔ مجموعۂ عرفانی فی شرح مجموعۂ سلطانی (فارسی)

۶ ۔ رسالہ فی ہبتہ الطاعات من الصوم و الصلوٰۃ

۷ ۔ شفیع المرام فی مبحث الوجود

مجموعۂ عرفانی فی شرح مجموعۂ سلطانی

اصل کتاب کا نام مجموعہ سلطانی نہیں بلکہ مجموع سلطانی ہے ۔ اس کا ایک قلمی نسخہ انڈیا آفس لائبریری میں شمارہ ۲۵۵۱ پر موجود ہے ۔ کتاب کے ۳۴ ابواب ہیں ۔ اسی کتاب کا ایک ناقص نسخہ پنجاب پبلک لائبریری میں بھی موجود ہے ۔ وہاں بھی اس کا نام مجموع سلطانی درج ہے ۔ مجموع سلطانی فقہ کی کتاب تھی جو سلطان محمود غزنوی کے حکم سے مرتب ہوئی ۔ وقتاً فوقتاً طہارت و عبادات کے متعلق جو پیچیدہ فقہی مسائل پیدا ہوتے تھے، ان کے متعلق علماء کی ایک جماعت مشاورت کے بعد اپنے فیصلے دیتی تھی ۔ ان مسائل کو ابواب و فصول میں تقسیم کر کے سوالات و جوابات کی صورت میں ترتیب دیا گیا اور کتاب کا نام مجموع سلطانی رکھا گیا ۔ شارح کے سامنے جو نسخہ رہا ہے، وہ مجموع سلطانی کا اصل نسخہ نہیں ۔ اس میں تعلیقات و اضافات ہوتے رہے ہیں ۔ شارح نے خود دیباچے میں اس کی نشاندہی کی ہے کہ شرح کنز کا حوالہ اس بات کا ثبوت ہے کہ اس کتاب میں اضافہ ہوا ہے کیونکہ صاحب کنزالدقایق کی تاریخ وفات ۷۱۰ھ ہے اور شارح کنز تو اور بھی بعد کا آدمی ہو گا ۔

مجموعۂ عرفانی ۱۸۲ صفحات پر مشتمل ہے ۔ سائز $8'' \times 4\frac{1}{2}''$ ہے ۔ ہر صفحے میں ۱۷ سطریں ہیں ۔ یہ بھی ۳۴ ابواب و فصول پر مشتمل ہے ۔ ترتیب وہی ہے جو عام فقہی کتابوں کی ہوتی ہے ۔ مثلاً وضو ۔ تیمم ۔

نجاست ۔ طہارت ۔ نماز اور فرایض و واجبات ۔ زکوۃ ۔ صوم ۔ حج ۔ نکاح ۔ اور طلاق وغیرہ ۔ شارح نے اعتراض کیا ہے کہ اصل کتاب میں فضاء الفوایت ۔ سجودالسہو اور سجدۂ تلاوت کے ابواب صلوۃ ۔ نیت ۔ استقبال قبلہ ۔ اوقات وغیرہ سے پہلے نہیں آنے چاہییں اور تنقید کی ہے کہ اس کتاب کے مرتبین کو روایات میں بھی تتبع حاصل نہیں کیونکہ انھوں نے معتبر کتابوں کی ترتیب کو ملحوظ نہیں رکھا ۔ لیکن احتیاطاً یہ بھی لکھ دیا ہے کہ شاید بعد کے شارحین نے ابواب میں رد و بدل کر دیا ہو ۔ مجموع سلطانی کے مرتب کے متعلق لکھا ہے کہ وہ محض ''جزئیات ظاہری دان'' ہے ۔

یہ کتاب فقۂ حنفی پر مبنی ہے چنانچہ امام ابوحنیفہ کے اجتہاد کو افضل مانا گیا ہے ۔ ابی‌حنیفہ کے جانشینوں یعنی امام محمد ۔ امام ابویوسف اور امام زفر کے باہمی اختلافات پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے ۔ جن کتابوں سے اپنے استدلال کے لیے شواہد پیش کیے ہیں وہ سب فقہ حنفی سے متعلق ہیں مثلاً :

ہدایہ اور اس کی شروح نہایہ ۔ کفایہ ۔ وقایہ ۔ شرح وقایہ
مختصر القدوری ، اس کی شروح اورحواشی

کنزالدقایق ، اس کی شروح اور حواشی

قضیۃالعالم ۔ منیۃ المصلی اور اس کی شرح

خلاصتہ الدلایل فی تنقیہ المسائل ۔ ذخیرۃالعقبی ۔ فتاوی عمدہ ۔ فتاوی ظہیری ۔ خزانتہ الروایات ۔ جامع المضمرات و المشکلات ۔ المحیط ۔ شرح تفتازانی بر مقدمہ کیدانی ۔ تزئین العبارت التحسین ۔ الاشارت ۔ امالی از ابو یوسف ۔

سوالات کے جوابات دیتے ہوئے شارح نے عقل و درایت کو مدِ نظر

رکھا اور مجموع سلطانی کے غلط جوابات کی تصحیح کی ہے لیکن بعض مسائل میں جب عقلی توجیہہ نہیں ہو سکتی تو لکھتے ہیں :

"این از جملہ تقدیرات شرعیست و در تقدیرات شرعی تصرف بعقل روا نیست زیرا کہ بعقل شناختہ نمی شوند" (ص ۴۴)

بعض غیر ضروری جزئی اور فروعی مسائل پوچھے گئے ہیں ۔ مثلاً یہ سوال :

"مباشرت فاحشہ وضو شکند یا نہ ؟"

بھلا ایسے شخص کی کیا نماز اور کیا وضو جو مباشرت فاحشہ بھی کرتا ہے اور وضو شکنی کے مسائل بھی پوچھتا ہے ۔ غسل کے مسائل میں ایک سوال یہ بھی ہے :

"آلت مرد تا محل ختنہ در قبل یا دبر آدمی زندہ غائب شود بدون انزال غسل واجب گردد یا نی ۔ ؟"

ایک مسئلہ کا جواب یہ دیا ہے :

زوج او را بعد تیمم وطی جائز است" (ص ۴۷)

حیض و نفاس کے مسائل میں بھی بعض خجالت آور مسائل بیان کیے ہیں ۔

شارح نے ستر عورت کے ضمن میں ایک حدیث بیان کی ہے جو انکشاف کا درجہ رکھتی ہے ۔ عموماً علماء کا عقیدہ ہے کہ عورت منہ چھپائے لیکن رسول فرماتے ہیں :

المرأة عورة الا وجهها و كفيها ۔

مجموعہ عرفانی کا طرز بیان تدریسی و توضیحی ہے ۔ شارح ایک جگہ او کی جمع اوشان اور اکثر یہاں کی بجائے ہمون استعمال کرتے ہیں ۔

—:o:—

عبداللطیف لاہوری

خلاصۃ الفقہ

اس کتاب کے مؤلف عبداللطیف لاہوری ہیں - ان کی شخصیت متعین نہیں ہو سکی - وہ یقیناً بہت اچھے عالم ہوں گے - انھوں نے بے شمار مستند کتابوں کی مدد سے یہ کتاب مرتب کی - کتاب کی افادیت کے متعلق انھوں نے تمہید میں لکھا ہے :

"تا ذہن مبتدیان را از ادراک آن مسائل ملال نگیرد و طاعت حق سبحانہ و تعالیٰ کردن مسلمانان را بمتابعت شریعت مصطفی صلی اللہ وسلم باشد تا بحضور قلب طاعت کنند ۔"

کتاب اٹھارہ ابواب میں منقسم ہے - بعض ابواب کی مزید فصلیں ہیں - ذیل کی تفصیل سے موضوعات کی جامعیت کا اندازہ ہو سکے گا ۔

۱ - در بیان توحید باری تعالیٰ - ۲ در صفت رسول - ۳ - در ذکر ایمان ۴ - در بیان حیض و نفاس - ۵ - در بیان تعزیر و طلاق و عدت و حرمت مصاہرہ - اس باب میں چار فصلیں ہیں - ۶ - در بیان واجبات اسلام و احکام شریعت - ۷ - در بیان وضو و غسل و تیمم و مسح موزہ (۵ فصلیں) ۸ - در بیان نماز و احکام و ارکان نماز (۳۰ فصلیں) - ۹ - در بیان ماہ رمضان (۴ فصلیں) ۱۰ در بیان ذبح - ۱۱ - در بیان غسل میت (۱ فصل) - ۱۲ - در بیان عیداضحیٰ - ۱۳ - در بیان شرائط جمعہ - ۱۴ - در بیان آب مطلق و آب مفسد و آب مستعمل وغیر مستعمل و آب مکروہ و مشکوک و نجس - ۱۵ - در بیان زراعت - ۱۶ - در بیان مسائل متفرقات - زکواۃ حج - امانت - شہادت - ربٰو - ہبہ - وقف معاملات (۳۲ فصلیں) - ۱۷ - در بیان کفر و بدعت و ضلالت (۸ فصلیں) - ۱۸ - در بیان ذکر (۷ فصلیں) -

شب قدر و شب برأة -

ہر باب و فصل کے ضمن میں "مسئلہ" کا عنوان دے کر مختلف مسائل اور ان کے جوابات دے گئے ہیں - باب دوم کے ضمن میں مؤلف نے سولہ ایسی صفات کا ذکر کیا ہے جو مومن خاص کے لیے ضروری ہیں - چونکہ ان خصوصیات کے بیان سے اس زمانے کے فقہی رجحانات پر روشنی پڑتی ہے ، اس لیے ہم انھیں - یہاں نقل کرتے ہیں تاکہ محفوظ رہیں -

۱ - توحید باری تعالیٰ - ۲ - راستی نبوت حضرت محمد - ۳ - مومن آنکس است کہ ہرچہ بر نفس خود پسندد بہ برادر مومن ہم پسندد - ۴ - در دل حب جماعت اوقات خمسہ داشتہ باشد - ۵ - آنکہ مسح برموزہ داند - ٦ - جنازۂ مومن خواہ فاجر باشد برخود لازم داند - ۷ - بعد از حضرت محمد - حضرت ابابکر را خلیفہ بر حق داند - ۸ - بعد از ابابکر امیرالمومنین عمر خطاب را بر حق داند - ۹ - بعد از عمر خطاب حضرت عثمان را خلیفہ بر حق داند - ۱۰ بعد از حضرت عثمان امیرالمؤمنین علی بن ابیطالب را خلیفہ بر حق داند - ۱۱ - حضرات حسن و حسین شہیدان را از دل و جان دوست دارد - ۱۲ - از ازواج پیغمبر حضرت خدیجہ را فاضل تر داند - ۱۳ - بعد از حضرت خدیجہ بی بی عایشہ را بزرگ داند - ۱۴ - از دختران پیغمبر فاطمہ را بزرگ داند - ۱۵ - حضرت معاویہ را بزرگ داند و ظن بدی را در حق وی نکند و او را بد نگوید - ۱٦ - لعنت بر یزید نکند چرا کہ او اہل قبلہ بود - و مسلمان بود بعد ازان عاصی شد -

(ص ۱ ب و ۲)

اس کتاب کی تالیف میں مؤلف نے مندرجہ ذیل کتابوں سے استفادہ کیا ہے :

جامع الرموز - ترغیب الصلوۃ - تحفۃ الطلبہ - خزانتہ المفتین - فتاوی ظہیری - فتاوی خانی - مجموعۃ النوادر - تحفۃ الفقہاء - فتاوی قاضی

خان ۔ محیط ۔ ہدایہ ۔ سراجی ۔ شرح کنزالدقایق ۔ خلاصتہ الاسلام ۔ شرح وقایہ ۔ شرح تیسیرالاحکام ۔ جامع الصغیر ۔ مطالب المومنین ۔ فتاوی تتار خانی ۔ صلوۃ مسعودی ۔ کنزالدقایق ۔ شرح ہدایہ ۔ عین العلم ۔ منیتہ المصلی ۔ جامع الکبیر ۔ شرح علائی ۔ شرح طحاوی ۔ قدوری ۔ فتاوی حجت ۔ فتاوی عتابی ۔ خلاصتہ الفتاوی ۔ جامع اصول ۔ کافی ۔ وافی ۔ مختصر کافی ۔ مبسوط ۔ نصاب الفقہ ۔ مختصرایضاح ۔ شرح قدوری ۔ فتاوی علوم ۔ نہایہ ۔ سراجیہ ۔ فتاوی قرآنخان ۔ قنیہ ۔ ملتقط القنیہ ۔ خزانتہ الروایات ۔ نافع المسلمین ۔ شرح صحیح مسلم ۔ ذخیرۃ الفتاوی ۔ انیس الواعظین ۔ التجنیس ناصرین ۔ کفایت الاسلام ۔ مختصر صلوۃ ماچین ۔ اسفناق ۔ کفایہ شعیبی ۔ کنزالعباد ۔ التجرید ۔ فتاوی جلالی ۔ نصاب الاحتساب ۔ المضمرات ۔ کفایہ ابومسلم ۔ فتاوی کبیری ۔ مشکوۃ ۔ تنبیہہ الغافلین ۔ مطالب المومنین ۔ تہذیب ۔ فتاوی غیاثی ۔ خلاصتہ المحیط ۔ الغرائب ۔ تحفۃ المکتبہ ۔ مجموع الفتاوی ۔ تحفہ خانی ۔ الروضتہ ۔ جامع الفتاوی ۔ مختارالفتاوی ۔ تفسیر زاہدی ۔ فتاوی جواہر ۔ انیس الاموات ۔ رسالہ نکاح قاضی ضیاءالدین شیبانی ۔ بستان فقیہ ابواللیث ۔ واقعات حسامی ۔ جامع الاخبار ۔ المفید المستفید ۔ مصابیح الایمان ۔ فتاوی نوادر ۔ منافع القلوب ۔ مجموعتہ النوادرات ۔ رسالتہ البررہ ۔ حدایق الحقایق از شیخ معین سہروردی ۔ مطلوب خانی ۔ تواریخ طبری ۔ تفسیرتعالی ۔ کیمیای سعادت ۔ مشارق الانوار ۔ تفسیر العمدہ ۔ تفسیر طبری ۔ شرح اوراد ۔ کنزالاخبار ۔ مجموعتہ الفتاوی ۔ مصباح ۔ اخبار الآخرۃ ۔ کشاف ۔ شرح مشارق ۔ مطلع الانوار ۔ مجموعہ حدادی ۔ شہاب الاخیار ۔ بستان الصلوۃ ۔ مفتاح الجنان ۔ عمدۃ الاسلام ۔ اوراد شیخ شیوخ ۔ فتاوی حسامی ۔ بستان المحبین المحققین ۔ قوت القلوب ۔ احیاءالعلوم ۔ فوائد الفواد ۔ جنت الفردوس ۔ صحیح ابوبکر طان ۔

خلاصتہ الفقہ کا ایک قلمی نسخہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں شمارہ Pd II 34 پر موجود ہے ۔ نسخہ مکتوبہ ۱۱۵۴ھ ۔

—:o:—

عبدالرحمان لاہوری

ارشاد السالکین

اس کے مصنف عبدالرحمٰن ولد شیخ قاسم الحافظ لاہوری ہیں۔ رسالہ سے ظاہر ہے کہ وہ بلند پایہ صوفی ہوں گے اور تصوف و طریقت کے اسرار و رموز سے گہری واقفیت رکھتے ہوں گے۔ تمہید میں انھوں نے بتایا ہے کہ انھوں نے بائیس سال تک اولیاءاللہ اور علما کی صحبت سے فیض حاصل کیا۔ مخلص دوستوں کی فرمائش پر یہ چند کلمات مدون کیے اور ان کو عشرہ مبشرہ کی تعداد پر دس ابواب میں تقسیم کیا۔

ابواب کے عنوانات سے موضوعات واضح ہیں:

۱ - در بیان مومن و ایمان ۲ - در بیان توکل و متوکل
۳ - در بیان معرفت و عارف ۴ - دربیان عبادت و عابد
۵ - در بیان طلب و طالب ۶ - در بیان توفیق و اہل توفیق
۷ - دربیان خود شناختن و خدا شناختن ۸ - دربیان مرید و مریدشدن
۹ - در بیان پیر و مریدگفتن ۱۰ - دربیان نکات الغریب والعجیب

مصنف نے بڑے مخلصانہ انداز میں سالک کو مخاطب کرکے نتیجہ خیز دور رس نصیحتیں کی ہیں۔ مثلاً:

"ای سالک! بیندیش کہ خلاف حق نکنی و پیروی فرمودۂ حق بکنی و قدم در منہج شہوۃ و غفلت ننہی۔ این عمر گران مایہ را رایگان از دست ندہی و فردا کہ بگور روی

حسرت و ندامت نبری ۔"

بیانات کے ضمن میں نہایت مناسب پند آموز اشعار درج کیے ہیں ، مثلاً :

خوشۂ گندم از محالاتست جون نشاندی بخاک دانۂ جو
(ص ۱۱۰)

خواہی کہ درین زمانہ مردی گردی
واندر رہ دین صاحب دردی گردی
روزانہ شبانہ بگرد مردان میگرد
مردی گردی چو گرد مردان گردی (ص ۱۱۳)

گر عاشق صادقی ز کشتن مگریز
مردار بود ہر آنچہ او را نکشند (ص ۱۱٦)

ارشاد السالکین کا قلمی نسخہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں شمارہ ۳۴۲۲ پر دوسرے رسائل کے ساتھ مجلد ہے اور ورق ۱۰۴ سے ۱۱۷ تک مرقوم ہے ۔ نسخہ مکتوبہ ۱۱۲٦ھ ہے ۔

—:o:—

شیخ اسماعیل

اشارات العرفان

اس کتاب کے مصنف شیخ اسماعیل بن خداداد افغان خویشگی قصوری نقشبندی ہیں۔ شیخ اسماعیل کے بارے میں ابھی تک معلومات حاصل نہیں ہو سکیں۔ انھوں نے اپنا اور اپنے والد کا نام، اپنی شہرت اور سلسلۂ طریقت سے وابستگی کے متعلق کتاب کی تمہید میں خود ہی ذکر کیا ہے۔ انھوں نے اپنی دو اور کتابوں کے نام بھی بتائے ہیں۔

۱۔ تکمیل السالکین ۲۔ لطایف الجنان

اشارات العرفان کا ایک قلمی نسخہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری، مجموعۂ شیرانی شمارہ ۶۲۰۳ پر موجود ہے۔ جو ۴۵ اوراق پر مشتمل ہے۔ اس کی تقطیع ۱۵ سم × ۹ سم ہے۔

مصنف یقیناً اسرار طریقت اور رموز معرفت سے واقف ہیں۔ انھوں نے یہ کتاب اس لیے لکھی ہے کہ "اسرار نہانی و واردات ربانی در احتجاب نمانند۔" انھوں نے بتایا ہے کہ ان اسرار کا ادراک نور کردگار کے بغیر دشوار ہے۔ انھوں نے کتاب ابواب و فصول کی ترتیب سے نہیں لکھی اور نہ ہی موضوعات کے عنوان مقرر کیے ہیں۔ لیکن انھوں نے نور معرفت، حاصل کرنے کی تمام باتیں بیان کر دی ہیں۔ عبادت و ریاضت، طہارت نفس، اخلاق شائستہ، فنائے نفس و ذات اور ادراک صفات و ذات خداوندی تصوف و طریقت کے بنیادی ارکان ہیں۔ مصنف نے آیات قرآنی، احادیث نبوی اور اقوال عرفا سے اپنے بیانات کی تائید و تاکید کی ہے۔ بعض جگہ اختصار و جامعیت سے عرفان حاصل کرنے کا خلاصہ بیان کر دیا

ہے مثلاً

”چون بنده باخلاص و صدق خاص بریاضت شاقه و فقر و فاقه التزام کند و نفس را بدان رام کند که نفس جان را فانی کند و مقهوراعیانی - پس حجب بشریت و ظلمات طبیعت از وی متلاشی شوند“ (ص ۲۹ ب)

”جمود العینین من قساوة القلب و قساوةالقلب من اکل الحرام و اکل الحرام من نسیان الموت و نسیان الموت من طول الامل و طول الامل من حب الدنیا و حب الدنیا رأس کل خطیئة“ -
(ص ۱۱ ب)

”شریعت کلام رحمان است - طریقت عمل بدان و حقیقت وجدان رحمان بقوله علیه السلام الشریعته اقوالی و الطریقته اعمالی و الحقیقت احوالی - شریعت در نماز و روزه بودن ، طریقت در جهاد اندر فزودن و حقیقت روی بدلدار کردن“ (ص ۲۴ ب)

مصنف نے بعض مسائل فلسفۂ تصوف کی اصطلاحات میں بیان کیے ہیں لیکن ان میں کوئی پیچیدگی نہیں - خود ہی ان کی تشریح بھی کر دی ہے - مثلاً بتایا ہے کہ دنیا میں خدا کے دو مظاہر عیاں ہیں - مظاہر جلال و مظاہر جمال - پھر ان کی توضیح کر دی ہے - مظاہر جلال خیر و شر ہے اور مظاہر جمال خیر و برکت -

ایک جگہ ذکر کیا ہے کہ انبیاء اہل تلوین بھی ہیں اور اہل تمکین بھی - پھر خود توضیح کی ہے - اہل تلوین سے مراد صاحب احوال اور اہل تمکین سے مراد صاحب ذوالجلال ہے -

معرفت کی تعریف کرتے ہوئے اسے دوام الحیرت کہا ہے - پھر بتایا ہے کہ حیرت دو قسم کی ہوتی ہے -

"یکی اندر ہستی و دیگر چگونگی حیرت اندر ہستی

(ص ۴۸ ب)

ترک نفس کے نتائج بیان کرتے ہوئے صوفی کی تعریف یوں کی ہے :

"صوفی آنست کہ چون از وجود طبیعی خود فانی شود دیگر بآن باز نگردد" ۔ (ص ۵ ب)

مصنف نے اپنے یا عرفا کے جو اقوال پیش کیے ہیں وہ حکمت آمیز اور سبق آموز ہیں ۔ مثلاً

حیات تن بروح است وحیات دل بنور (ص ۱۰ ب)

گر مراد خویش خواہی نامرادی پیشہ کن (ص ٦)

سلامتہ الدین والدنیا فی المدارات (ص ۳۸ ب)

زیادۃ الدنیا نقصان الآخرۃ (ص ۳۳)

من سترالناس سترہ‌اللہ تعالیٰ (ص ۳۹)

من عرف ربہ کل لسانہ (ص ۴۵)

—:o:—

ابو طاہر ملتانی

عمدۃ الاسلام

طہارت ۔ وضو ۔ نماز ۔ زکوۃ ۔ روزہ اور حج سے متعلق فقہی قوانین پر مشتمل کتاب ۔ اس کے مؤلف ابو طاہر بن کمال ملتانی ہیں ۔

اس کتاب کا ایک نسخۂ خطی بوھار لائبریری کلکتہ میں شمارہ ۱۴۰ پر موجود ہے ۔ عمدۃ الاسلام اس مجلد میں ۱۱۰ ب سے ۱۸۱ الف تک کے اوراق پر مکتوب ہے ۔ برگ ۱۸۰ پر ان تمام کتابوں کا ذکر ہے جن سے اس کتاب کی تالیف میں استفادہ کیا گیا ہے ۔ کتاب کا آغاز اس طرح ہے :

الحمدللہ رب العاقبتہ للمتقین والصلوٰۃ علی رسولہ

اس کتاب کا ایک اور قلمی نسخہ اوچ میں کتابخانہ گیلانیاں میں محفوظ ہے ۔

—:o:—

شیخ شمس الدین ملتانی

مخازن القادریہ

اس کتاب کے مؤلف شیخ شمس الدین بن ولی اللہ الشیخ اسحق بن قطب الانام ابی الفتح شمس الدین محمد القادری ملتانی ہیں۔ بعض لوگوں نے سلسلۂ قادریہ پر اعتراضات کیے تھے۔ جب اس کی اطلاع بدرالدین بن قطب الانام شمس الدین کو ہوئی تو انھوں نے اپنے بھتیجے یعنی شمس الدین کو ان اعتراضات کے جوابات لکھنے پر توجہ دلائی۔ چنانچہ انھوں نے یہ کتاب تالیف کی۔ اس کتاب کے عنوانات سے ظاہر ہے کہ مؤلف نے حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کی حیات مقدسہ کے احوال و واقعات اور ان کے معتقدات کا ذکر کیا ہے۔ مؤلف کا بیان ہے کہ کتاب کا اکثر حصہ فتوحات مکیہ مصنفہ ابن عربی اور انسان کامل مصنفہ عبدالکریم جیلانی پر مبنی ہے۔ کتاب مندرجہ ذیل گیارہ مخزن پر مشتمل ہے۔

۱ - باقی تمام اولیاء پر شیخ عبدالقادر کی فوقیت

۲ - سال ولادت و وفات	۳ - نسب نامہ کی اصلیت
۴ - تقدس و زہد	۵ - اذکار
۶ - مراقبات	۷ - عبادات
۸ - اوراد	۹ - سماع
۱۰ - کشف	۱۱ - توحید

کتاب کا ایک نسخۂ خطی برٹش میوزیم میں موجود ہے (فہرست مخطوطات فارسی - ریو : ۸۷۴) کل برگ ۱۴۱ تا ۳۱۶ - دوسرا نسخہ کتابخانہ گیلانیاں ، اوچ میں محفوظ ہے۔

——:o:——

مولانا محمد عابد لاہوری[1]

مولانا عابد بڑے عالم فاضل فقیہ و مفسر تھے۔ علم و عمل اور و تقوی طہارت میں علمائے مصر اور اولیائے زمان سے سبقت لے گئے تھے ۔ آپ کا نسب حضرت ابابکر صدیق پر منتہی ہوتا ہے ۔ ہر رات نماز تہجد میں ساٹھ دفعہ سورۂ یسین پڑھتے تھے ۔ مرض الموت میں ہر رات نماز تہجد میں ۳۰ بار سورۃ یسین اور بیس ہزار بار کلمہ طیبہ اور ہزار بار ذکر نفی و ثبات بحبس دم ۔ تلاوت ایک منزل قرآن شریف اور ہزار بار درود شریف روزمرہ وظیفہ مقرر کیا ہوا تھا ۔ آپ کے حلقۂ مجلس میں روزانہ تقریباً دو سو علماء و صلحا بیٹھا کرتے تھے ۔ آپ لاہور سے پاپیادہ حرمین شریفین پہنچے اور حج و زیارت روضہ رسول نبوی سے مشرف ہوئے ۔ ۱۸ رمضان ۱۱۶۰ھ لاہور میں فوت ہوئے ، 'فخر بزرگان' سے تاریخ وفات نکلتی ہے ۔

تصنیفات

حاشیہ بیضاوی نا تمام

شرح خلاصہ کیدانی (فارسی)

رسالہ دربارۂ وجوہ اعجاز قرآن (فارسی)

شرح قصیدہ بانت سعاد

رسالہ فی الاربعۃ الاحتیاطیہ بعد صلوٰۃ الجمعہ

العشرۃ المبشرہ فی فضائل الامتہ المرحومہ

—:o:—

---

۱ ۔ حدایق الحنفیہ لکھنؤ ۔

ابوبکر الفایض بن محمد لاہوری

رسالۂ موتی

مولف کے متعلق معلومات حاصل نہیں ہو سکیں ۔ اتنا تو ظاہر ہے کہ وہ فقیہ عالم ہوں گے ۔ رسالے کے نام سے ظاہر ہے کہ اس میں میت کے متعلق مسائل زیر بحث آئے ہیں ۔ رسالے کے عنوانات سے اس کی جزوی تفاصیل ظاہر ہوتی ہیں ۔ شروع میں بیمار کی عیادت کے مسائل بیان کیے ہیں ۔ بعد میں میت کو رکھنے سنبھالنے کے آداب بتائے ہیں ۔ غسل میت ، و تکفین اور برداشتن جنازہ کا طریقہ بتایا ہے ۔ پھر نماز جنازہ کی ترکیب بتائی ہے ۔ اس کے بعد قبر اور تدفین کے آداب لکھے ہیں ۔ آخر میں ادعیۂ میت اور تین روز تک میت کے سوگ میں بیٹھنے اور دعائے مغفرت کی تلقین کی ہے ۔

مؤلف نے رسالے کی تالیف میں مندرجہ ذیل کتب و رسائل سے استفادہ کیا ہے :

کنزالعباد ۔ خزانتہ المتین ۔ قصرالمتین ۔ ذخیرہ ۔ اخی زادہ ۔ مطالب المومنین ۔ نافع المسلمین ۔ شریعۃ الفرایض ۔ منافع المسلمین ۔

رسالے کا نسخۂ خطی پشاور یونیورسٹی لائبریری میں شمارہ ۲۶۴ پر موجود ہے ۔ کل ۶۴ صفحات ہیں ۔ تقطیع "$6\frac{1}{2}$ × "$9\frac{1}{2}$ ہے ۔ ۱۶ سطریں فی صفحہ ۔

—:o:—

مولوی یار محمد ملتانی

رسالہ در اثبات دوگانہ میراں : یعنی در رد منکرین رکعتین حضرت عبدالقادر جیلانی ۔

اس رسالہ کے مصنف مولوی یار محمد ملتانی ہیں ۔ تمہید میں ان کے خواہرزادہ ملاّ علی محمد کا بیان ہے کہ لوگوں نے فرمایش کی کہ منکرین دوگانہ میراں ، کے اعتراضات کے رد میں ایک مدلل رسالہ لکھا جائے چنانچہ ان کی فرمائش کی تکمیل میں یہ رسالہ لکھا گیا ۔

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کے مریدوں میں 'دوگانہ' نماز کا طریقہ رائج ہے ۔ اس کی تفصیل یہ ہے ۔ وہ معمول کے مطابق دو رکعتیں پڑھتے ہیں پھر عراق یعنی بغداد کی طرف رخ کر کے گیارہ قدم چلتے ہیں ۔ ایک ٹانگ پر کھڑے ہوتے ہیں ۔ بعض دائیں ٹانگ کو بائیں ٹانگ پر رکھتے ہیں ۔ غوث اعظم پر گیارہ مرتبہ سلام پڑھتے ہیں ۔ پھر ان کا نام لے کر پکارتے ہیں اور اپنی حاجت بیان کر کے مدد مانگتے ہیں ۔ کچھ مدت کے لیے قیام صلوٰة کی طرح کھڑے رہتے ہیں ۔ پھر پچھلے قدم جائے نماز پر واپس آتے ہیں اور سجدہ کرتے ہیں ۔ ان کا یقین ہے کہ اس طرح مانگنے سے ان کی حاجت پوری ہوتی ہے ۔

بظاہر اس قسم کی دعا میں اربابا من دون اللہ ، کو پکارنے کا شبہ موجود ہے اور ایاک نعبد و ایاک نستعین کی علانیہ خلاف ورزی معلوم ہوتی ہے ۔ اس لیے لوگوں نے اعتراضات کیے ہوں گے اور اس روش کی مخالفت کی ہوگی ۔ اس موضوع پر شیخ عبدالحق دہلوی کا ایک رسالہ بعنوان در ضرب اقدام الی البغداد شریف ، اور ان کے بیٹے شیخ علی کا رسالہ 'ترتیب صلوٰة الخطوات' لکھا گیا ہے ۔ ان رسائل میں بیان ہے کہ شیخ

عبدالقادر کے ۹۰ نام لے کر دعا کرتے ہیں - "مدد کن بمن در حاجت من نزدیک خدای جل قدرہ" یا "یاشیخ عبدالقادر جیلانی شیئاً للہ" کہہ کر دعا مانگتے ہیں - عربی کی ایک کتاب فتاوی عقاید المقندی فی مسائل الہدی میں بیس اعتراضات کا جواب دیا گیا ہے - فتاوی صوفیہ میں بھی اس روش کی دعا پر جو اعتراضات کیے گئے ہیں ، ان کا ایک ایک کر کے جواب دیا گیا ہے -

اس رسالے کے مؤلف نے بہجۃ الاسرار ، طبقات المقربین ، رسالۂ شیخ عبدالحق ، تکملۂ روضۃ الریاحین اور اخبار الاخیار سے استفادہ کیا ہے اور امام ذہبی ، عبداللہ یافعی اور شیخ الاسلام نجم الدین اصفہانی کے اقوال بھی پیش کیے ہیں -

رسالہ کا نسخۂ خطی اسلامیہ کالج لائبریری پشاور میں شمارہ ۱۰۳۶ پر موجود ہے - کل ۴۸ برگ ہیں - نسخہ مکتوبہ حافظ برخوردار ہے -

—:o:—

حافظ محمد حیات[1]

حضرت محمد نوشہ گنج بخش سے محمد حیات کا سلسلۂ نسب یوں ملتا ہے۔ محمد حیات بن جمال اللہ بن محمد برخوردار بن محمد نوشہ ۔ حافظ محمد حیات بھی اپنے آباء کی طرح تصوف و طریقت میں بلند پایہ رکھتے تھے ۔ علوم ظاہری کی تکمیل اپنے والد ماجد سے کی ۔ تفسیر ، فقہ اور حدیث کے علاوہ طب میں مہارت حاصل کی ۔ نسخ و نستعلیق لکھنے میں بھی انھیں کمال حاصل تھا ۔ اپنے والد کے ہاتھ پر ہی سلسلۂ قادریہ میں بیعت کی اور ان کے خلیفہ مقرر ہوئے ۔ دوران سیاحت دہلی میں دیگر مشائخ کے علاوہ خواجہ فخرالدین چشتی سے بھی ملاقات کی ۔

اپنے والد کی وفات کے بعد مدرسۂ نوشاہیہ کے مدرس اعلیٰ بھی رہے ۔ انھی کے زمانے میں یعنی ۱۱۷۰ھ میں حضرت نوشہ کا مزار دوسری جگہ منتقل ہوا ۔

وہ ۱۱۷۳ھ میں فوت ہوئے اور ساہنپال میں مدفون ۔

تصانیف

۱ - تذکرۂ نوشاہیہ　　　۲ - مجمع اللطایف

۳ - شرح اسماء اربعین　　　۴ - رسالۂ سماع

۵ - حاشیہ شمائل النبی

---

۱ - اذکار نوشاہیہ ، سید شرافت نوشاہی ، ساہنپال (گجرات) ، ۱۹۶۴ع -

۲ - تذکرۂ شعرای پنجاب ، خواجہ عبدالرشید ، کراچی -

سید شرافت نوشاہی نے ان کی منثور و منظوم نگارشات کو مرتب کر کے ان کا نام ترویح القلوب رکھا ہے۔ اس میں ذیل کی منظومات شامل ہیں:

"مناجات بدرگاہ الٰہی۔ مناجات بدرگاہ نبوی۔ وفات نامہ نبوی۔ فریاد نامہ بجناب غوث اعظم۔ فالنامہ وغیرہ۔"

محمد حیات خیالات منظوم کر لیتے تھے۔ تذکرہ شعرای پنجاب میں ان کے مندرجہ ذیل اشعار منقول ہیں:

محمد ز سر تا قدم پاک بود   نبی بود و آدم در آن خاک بود
چو تا حشر ز لولاک آمد بسر   ز من زار کی وصفش آید بسر
چو وصاف او خود خداوند شد   زبانم ز تعریف او بند شد
چه یارا کاین ذره با آفتاب   بقلزم چه قدر است بهر حباب

احوال حضرت نوشہ گنج بخش

یہ کتاب اکثر تذکرۂ نوشاہیہ کے نام سے معروف ہے لیکن کتاب کے اندر اس کا نام کہیں مذکور نہیں۔ کتاب کے بیرونی ورق پر احوال حضرت نوشہ گنج بخش لکھا ہے۔ سبب تالیف کے متعلق مؤلف لکھتے ہیں:

"مرزا احمد بیگ کی تصنیف کے چند نامرتب اجزاء جن میں نہ خطبہ ابتدا اور نہ خاتمہ انتہا موجود تھا، اور فرسودگی کی وجہ سے اکثر عبارات بھی مفقود تھیں، ۱۱۴۶ھ میں اس احقر فقیر محمد حیات کو ملے۔ میرزائے موصوف نے خاندان عالیہ کے بزرگوں اور حضرت نوشہ کے چھ صاحبزادوں کے حالات نہیں سنے تھے۔ بھائی خیر محمد صاحب سجادہ نے ان کو قلمبند کیا۔ مذکورہ رسالے کا خطبہ ابتدا اور خاتمہ انتہا مکمل کیا۔ محذوف عبارات کو دوبارہ لکھا۔ تذکرہ نوشاہیہ فصول میں منقسم ہے اور اس کی

تفصیل یہ ہے :

فصل در سلسلہ عالیہ حضرت نوشہ : در بیان شیخ معروف و بیان ملاقات او بشیخ سلیمان ۔ در احوال اشرف شاہ حاجی گلکوی ۔ در ملاقات بحضرت شاہ سلیمان ۔ در خطاب مستطاب حضرت نوشہ ۔ در بیان صاحبزادہای شاہ سلیمان ۔ ۱ ۔ رحیم داد ۔ ۲ ۔ میاں تاج محمود ۔ در ذکر فرزندان حضرت نوشہ ۔ ۱ ۔ شاہ برخودار ۔ ۲ حضرت ہاشم دریا دل ۔ در ذکر اولاد میاں برخودار ۱ ۔ میاں عنایت اللہ ۲ ۔ میاں سعداللہ ۳ ۔میاں رحمت اللہ ۔ ۴ ۔ میاں نصرت اللہ ۔ در ذکر سید محمد غوث نبیرہ حضرت غوث صمدانی ۔ فصل در ذکر حافظ معموری ۔

فصل در ذکر یاران قبلہ گاہی ۔ میاں پیر محمد میاں محمد ۔ صالح ۔ میاں اسماعیل ۔ خواجہ محمد فضل ۔ میاں شاہ عبدالرحمٰن ۔ عبدالحمید ۔ میاں خوشی محمد ۔ قاضی رضی الدین ۔ میاں اللہ داد ۔ میاں محمد تقی ۔ میاں محمد محتشم ۔ میاں مہتا ۔ میاں خوشی و میاں رضی ۔ میاں عبداللہ ۔ جام میاں ۔ میاں بولادرزی ۔

اس تفصیل سے ظاہر ہے کہ حضرت نوشہ گنج بخش اور ان کے بیٹوں اور پوتوں کے احوال و کوائف اس تذکرے میں محفوظ ہو گئے ہیں ۔ ان کے علاوہ ان بزرگوں کے اہل طریقت دوست ، احباب اور معاصرین کا ذکر بھی آ گیا ہے جس سے اس زمانے کی روحانی فضا سمجھنے میں مدد مل سکتی ہے ۔ اس تذکرے کی سب سے بڑی اہمیت یہ ہے کہ اس خاندان کے ایک معتبر فرد نے خود کوشش سے اپنے بزرگوں کے حالات جمع کیے ہیں ۔

اس کتاب کا ایک قلمی نسخہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں شمارہ ۶۱۸۸ پر موجود ہے ۔ یہ نسخہ ۱۱۵۰ھ میں لکھا گیا تھا ۔ دو تین مختلف کاتبوں نے اسے لکھا ہے ۔ پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں ، مجموعہ شیرانی میں شمارہ ۲۱۶۰ پر اس کتاب کا ایک اور نسخہ موجود ہے ۔ اس

کے بیرونی ورق پر کتاب کا نام 'ثواقب مناقب النوشاھیہ' لکھا ہے۔ ترقیمے میں لکھا ہے: "تمام شد خاتمہ ثواقب مناقب مقامات حاجی بادشاہ کہ صاحب طبع عالی میاں محمد ماہ ، برادر زادہ غنیمت کنجاہی تصنیف کردہ" لیکن یہ کتاب ثواقب المناقب مؤلفہ محمد ماہ صداقت نہیں ہے۔

مجمع اللطائف

مؤلف کتاب کی تمہید میں لکھتے ہیں کہ متفرق کتب کے مطالعہ میں بعض عجیب و غریب سوال اور ان کے جواب نظر سے گزرے۔ سوالات کے جوابات نہایت مشکل تھے اور ایک معتبر عالم ہی ان کا جواب دے سکتا تھا۔ اس خیال کے پیش نظر کہ "ما کتب قر و ما حفظ فر" میں نے چند اوراق جمع کیے اور ان سوالات و جوابات کو قلمبند کیا اور کتاب کا نام 'مجمع اللطائف' رکھا۔

نمونے کے لیے ہم دو سوال اور ان کے جواب یہاں نقل کرتے ہیں۔

سوال

ملائکہ اتجعل فیھا من یفسد فیھا و یسفک الدماء در جواب انی جاعل فی الارض خلیفة گفتند از چہ دانستند کہ مفسد و مسفک الدماء خواہد بود ؟

جواب

از ترکیب اضداد اربعہ معلوم کردند کہ بنای شان بر فساد خواہد

---

۱ - شریف التواریخ مؤلفہ سید شریف احمد شرافت (نسخہٴ خطی مخزونہ و مملوکہ مؤلف)۔

بود یا از حق تعالی بایشان چندین علم عطا شده باشد ۔

سوال

از مأموربہ از آدم و ہم از ابلیس تجاوز شد ۔ ابلیس مستوجب لعنت گشت و آدم مستحق صفوت و رحمت و مغفرت ۔

جواب

آدم معترف بذنب "ربنا ظلمنا انفسنا" گشت و لایق مغفرت شد و شیطان مصر بر ذنوب ماند ۔

جواب دیگر آنکہ عصیان آدم از شہوت بود و عصیان ابلیس از کبر ۔ گناہی کہ از کبر باشد ، امید مغفرت نیست و گناہی کہ از شہوت باشد ، 'یرجی غفرانہا' ۔

شرح اسماء اربعین

اللہ تعالیٰ کے چالیس ناموں کی شرح ۔

حاشیہ شمایل النبی

ترمذی کی مشہور کتاب شمایل النبی کا حاشیہ (عربی میں) ۔

رسالہ سماع

جواز سماع بدلائل ۔

--:o:--

خواجہ محمد زاہد اٹکی

قصۃ المشائخ

کتاب کے مصنف خواجہ محمد زاہد اٹکی ہیں جو شیخ نجم الدین کبریٰ کی اولاد میں سے تھے۔ ان کے جد اعلیٰ خواجہ خلیل احمد اپنا وطن 'زیارت گاہ' چھوڑ کر کابل کے نزدیک 'پای منار' میں آبسے۔ ان کے بیٹے خواجہ محمد قاسم نے ہجرت کر کے کوہ سلطان کے دامن میں 'دہ خراسانی' کے نام سے ایک بستی آباد کی۔ خواجہ قاسم کے فرزند خواجہ محمد عارف تھے جو خواجہ زاہد کے دادا ہوتے ہیں۔ ان کے والد خواجہ عزیزاللہ عہد اورنگزیب میں حسن ابدال کے مقام پر لشکر شاہی میں ملازم ہوگئے۔ انھی دنوں ان کا خاندان اٹک میں آباد ہوگیا۔ خواجہ زاہد حضرت جی بابا کے مرید ہوگئے۔ ان کی وفات کے بعد ان کے خلیفہ سید محمد معصوم سے فیض حاصل کرتے رہے۔ قصۃ المشائخ میں انھی بزرگ کے احوال و افکار کا تفصیل سے ذکر ہے۔ ان کے ساتھ ہی اسی سلسلے کے دوسرے صوفیہ کا بھی مختصر تذکرہ ہے۔ اس کتاب کی ایک خاص اہمیت یہ ہے کہ اس میں ہم اس زمانے کی سیاسی اور معاشرتی فضا سے بھی آشنا ہوتے ہیں۔ اس لیے اٹک کی تاریخ کے لیے یہ کتاب 'سند واحد' کا درجہ رکھتی ہے۔ کتاب کے آخری حصے میں مصنف نے اپنے خاندان کے حالات بیان کیے ہیں۔ انھوں نے اپنے دو بیٹوں محمد عابد اور محمد عارف اور ایک پوتے محمد حامد کا بھی ذکر کیا ہے۔

محمد زاہد شعر بھی موزوں کر لیتے تھے کیونکہ بعض جگہ انھوں نے بزرگوں کے مناقب منظوم لکھے ہیں۔ کتاب کی مستند حیثیت مسلم ہے۔ چنانچہ سید محمد معصوم کے اکابر خاندان کا تذکرہ جو بضعۃ الاربعین مؤلفہ سید زین الدین میں موجود ہے، وہ کامل طور پر قصۃ المشائخ سے

منقول ہے۔

قصۃ المشائخ ۱۲۳۶ھ میں تالیف ہوئی۔ اس کتاب کا ایک خطی نسخہ سید ایوب بخاری ایڈووکیٹ کیمبلپور کے پاس محفوظ ہے۔ کتاب کا آغاز یوں ہے:

اقتتاح سخن آں کہ کند اہل کمال   بہ ثنای ملک العرش خدای متعال
الحمدللہ الذی ہدانا الی الاسلام وجعلنا من امتہ محمد سیدنا خیرالانام۔

تمہید میں مصنف نے بتایا ہے کہ نفحات الانس اور رشحات عین الحیات کو دیکھ کر مجھے اپنے بزرگ اولیاء کے احوال و سوانح زندگی لکھنے کی ترغیب ہوئی۔

میں یہ نسخہ نہیں دیکھ سکا۔ جناب نذر صابری نے بڑی عنایت سے یہ تمام معلومات فراہم کیں۔

——:o:——

بہلول کول برکی جالندھری

بہلول کول جالندھری قبیلۂ برکی سے تعلق رکھتے تھے اور اپنے باپ مرزا خان سے علم و فضل و تصوف ورثے میں پایا تھا۔ ان کے والد بھی جید عالم تھے جیساکہ ان کی مندرجہ ذیل عربی تالیفات سے ظاہر ہے:

۱ - نظم الدرر والمرجان فی تلخیص سیر سیدالانس والجان

۲ - تنبیہہ الاغنیاء علی فطرۃ عن بحر علوم الاولیاء

۳ - بوارق الانیار فی ذب الاشرار عن الاخیار

۴ - رسالہ در تحقیق معنی قول جنید لایبلغ احد درج الحقیقتہ حتی یشہد فیہ الف صدیق بانہ زندیق۔

بہلول برکی سید عبدالرشید، سید کبیر اور علیم اللہ کے شاگرد تھے۔ وہ سید بھیک السیوانی کے مرید تھے۔ درس و تدریس کے علاوہ انھیں متعلمین کے استفادہ کے لیے تصنیف و تالیف کا شوق تھا۔ معلوم ہوتا ہے انھیں شعر فہمی سے خاص شغف تھا۔ انھوں نے غنی کشمیری۔ ناصر علی۔ صائب۔ حافظ اور مولانا روم کے اشعار کی شرحیں لکھی ہیں جن کی تفصیل یہ ہے:

شرح دیوان حافظ

اس کا ایک خطی نسخہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری، مجموعہ شیرانی میں شمارہ ۵۲۳۷ پر موجود ہے۔ یہ نسخہ ناقص الاول و آخر ہے۔ کل ۹۷ برگ ہیں۔ برگ ۹۷ کا نصف حصہ مفقود ہے۔ تقطیع ۱۵ سم × ۹ء۳ سم ہے۔

اس میں صرف چیدہ چیدہ اشعار کی تشریح کی گئی ہے ۔ موجودہ نسخے میں ردیف 'ت' تک کے اشعار شامل ہیں ۔ آخری شعر یہ ہے :

خلوت گزیدہ را بتماشا چہ حاجت است
چون کوی دوست ہست بصحرا چہ حاجت است

ابتدا میں اصطلاحات تصوف کی تشریح کی گئی ہے ، مثلاً پہلے دو لفظوں کے معانی حسب ذیل ہیں :

عاشق

شیفتۂ جمال و جلال الٰہی را گویند بعد از طلب و جد تمام

معشوق

حق را گویند ۔ بعد از طلب او سبحانہ بجد تمام ازان روی کہ مستحق دوستی ویست و بس ۔

صفحہ ۳ تک اصطلاحات کے مطالب و معانی دیے گئے ہیں ۔ برگ ۴ سے ۵ تک بعض دستوری قوانین بتائے ہیں جن کے متعلق انھوں نے لکھا ہے :

"بدون آنہا پی بشعر گوئی و شعر فہمی نتوان برد تا ہر کہ ملاحظہ این قوانین بکند ہرگز در شعر گوئی و شعر فہمی او خطا واقع نشود ۔"

مختصراً وہ چند نکات یہ ہیں :

۱ ۔ مضاف موصوف کے آخر 'ن' ہو اور اس سے پہلے الف ساکن ہو تو 'ن' کے نیچے کسرہ نہیں آتا ۔ مثلاً میدان فراخ دیدہ و گویی نبردہ ای ۔

۲ - ہر مضاف جس کے آخر حرف 'ہ' ہو تو اس کے لیے بھی کسرہ ضروری نہیں مثلاً

آن سفر کردہ صد قافلہ دل ہمراہ اوست

۳ - جس لفظ کے آخر حرف 'ہ' ہو وہاں کسرہ کا اضافہ جائز ہے۔ مثلاً

خرقہ پوشی من از غایت دینداری نیست
پردۂ برسر صد عیب نہان می پوشم

۴ - ترکیب مقلوب میں کسرہ نہیں ہوتا ۔ مثلاً

تو خانہ می بینی و من خانہ خدا می بینم

۵ - جہاں اضافت 'را' یا 'از' سے ظاہر ہو وہاں بھی کسرہ نہیں آتا ۔

۶ - تشبیہہ خونناب مکسور نہیں ہوتی ۔

۷ - کلمہ کہ مضاف بسوی ضمیر باشد لفظ 'بر' و 'در' مکسور نمی باشد ۔

صفحہ ۵ ب سے شرح شروع ہوتی ہے ۔

بعض اشعار کی بہت مفصل شرح لکھی ہے ۔ مثلاً پہلے شعر کے چار پانچ معانی بتائے ہیں :

زبان مور بر آصف دراز گشت و رواست
خواجہ خاتم جم یاوہ کرد و باز نجست

مندرجہ بالا شعر کی شرح برگ ۵۶ سے ۷۳ ب تک کی ہے ۔ شرح کے ضمن میں دوسرے ضمنی مباحث پر تحقیق کر کے توجیہہ و توضیح کی ہے ۔

انھوں نے خود لکھا ہے کہ :

"غرض فقیر از تالیف شرح تدوین فوائد بود"

ص ۲۷ پر ایسے مؤلفین کے نام دیے ہیں ، جنھوں نے تفسیر قرآن اور دینی کتابوں پر سینکڑوں جلدیں تالیف کی ہیں ۔ اس طرح ان حفاظ کے نام بتائے ہیں ، جنھیں کتابوں کی کتابیں زبانی یاد تھیں ۔

اس شرح کی علمی حیثیت اس سے ظاہر ہے کہ اس میں بعض مسائل کی توضیح و تائید میں مندرجہ ذیل کتابوں سے استفادہ کیا گیا ہے :

میزان از عبدالوہاب شعرانی ۔ تفسیر حسینی ۔ مکتوبات احمد بن یحیٰی منیری ۔ انیس الفقراء ۔ انیس التائبین ۔ طبقات صوفیہ از شعرانی ۔ نفحات الانس ۔ شرح مرج البحرین ۔ جواہر والدرر شعرانی ۔ یواقیت والجواہر ۔ فتوحات مکیہ ۔ نافع المسلمین ۔ مفاتیح شرح مصابیح ۔ تخریج المصابیح ۔ از شیخ خدری ۔ شرح تعرف ۔ جمع الجوامع از زرکشی ۔ شرح شفا از قاضی عیاض ۔ حاشیہ مشکوٰۃ ۔ لطایف المنن از شعرانی ۔ فصول ستہ از محمد پارسا ۔ تحقیقات از محمد پارسا ۔ بستان از فقیہ ابواللیث ۔ عین العلم ۔ مختصر الشافی ۔ تحفۃ السنیہ ۔ سلک سلوک ۔ شرح مشکوٰۃ از ملا علی قاری ۔ احیاء علوم الدین ۔ شرح مشکوٰۃ از عبدالحق ۔ فیاض القدیر شرح جامع صغیر ۔ رسالہ قشیریہ ۔ اشباہ و النظایر ۔ رشد نامہ علیہ از بابا داؤد خاکی ۔ تعرف لمذہب التصوف ۔ حاشیہ بیضاوی از عبدالحکیم سیالکوٹی ۔ شرح شمایل ترمذی ۔ فصل الخطاب از محمد پارسا ۔ شرح مسلم ۔ کشف الاسرار از روز بہان بقلی ۔ حاشیہ صحیح مسلم از نووی ۔ کتاب اللوائح ۔ فقرات از عبیداللہ احرار ۔ شرح عقائد میر حسینی ۔ شرح جامع صغیر ۔ قوت القلوب فی معاملتہ المحبوب از ابی طالب مکی ۔ نسیم الریاض از شہاب الدین خفاجی ۔ شرح امالی ۔ تنویرالابصار ۔ شرح بخاری از عینی ۔ دقایق الاخبار ۔ مجموعۂ خانی ۔ فتاوی برہنہ ۔ جواہر الفتاوی ۔ حاشیہ عقیدہ حافظیہ ۔ شرح ابوالمکارم ۔

شرح مشارق ۔ التنبیہہ از فقیہ ابواللت ۔ مطالب المومنین ۔ ملفوظات شیخ نظام تھانیسری ۔ شرح لمعات ۔ طبرانی ۔ شرح شمایل مبارک بن کبیر ملتانی ۔ فوائد السالکین از فریدالدین ۔ حیوۃ الحیوان ۔ جامع الرموز ۔ کشف ثعلبی ۔ زادالمسیرہ ۔ مرآۃ المعانی ۔ دقایق الاخبار ۔ شرح غوثیہ از شیخ ولی ۔ قدح الزند از عبدالرسول برزنجی المدنی الشافعی ۔ رشحات عین الحیات ۔ تنویر الاذہان و الضمائر فی شرح الاشباہ و النظایر ۔ محیط ۔ فتوح الغیب ۔ مکتوبات شیخ عثمان برکی ۔ بحرالمورود فی مواثیق و العہود از شعرانی ۔

اپنے والد مرزا خان کی چار متذکرۂ صدر تالیفات :

شرح حافظ ۱۱۱۹ھ میں مکمل ہوئی ۔

۲ ۔ شرح دیوان غنی

۱۱۲۳ھ میں لکھی گئی یہ مختصر چیدہ چیدہ اشعار کی شرح ہے ۔ غنی کے متعلق بہلول برکی کا خیال ہے :

"در بحر سخن پردازی بمقتضای مناسبت الفاظ و مثل طرازی

غواص بی همناست"

اس شرح کے کل ۲۸ ورق ہیں ۔

۳ ۔ شرح دیوان صائب

شرح دیوان غنی کے بعد چند اعزا کی فرمائش پر صائب کے اشعار کی تشریح و توضیح کی ۔ صرف ردیف الف کے اشعار کی شرح لکھی ہے ۔ بہلول لکھتے ہیں کہ چند دن میں یہ کام پورا کیا ۔ صائب کے متعلق لکھا ہے کہ

سخنور مرحوم اہل سنن و جماعت میں سے تھا ۔ اسے علم سلوک میں بہرہ وافر حاصل تھا ۔ یہ شرح مختصر و جامع ہے ۔ الفاظ و اصطلاحات کے معانی نہیں لکھے ۔ صرف مفہوم کو چند الفاظ میں ادا کر دیا گیا ہے ۔

۴ - شرح دیوان ناصر علی

۱۱۲۴ھ میں لکھی گئی ۔ ناصر علی اپنے زمانے میں دقت معانی اور جدت مضامین کے لیے بے نظیر تھے ۔

شرح دیوان صائب ، شرح دیوان ناصر علی اور شرح دیوان غنی ایک ہی جلد میں پنجاب یونیورسٹی لائبریری لاہور ، مجموعۂ شیرانی میں شمارہ SPiVI, 10 پر موجود ہیں ۔ شرح دیوان صائب برگ ۱ سے ۴۹ ، شرح دیوان ناصر علی ، برگ ۵۰ سے ۱۴۹ اور شرح دیوان غنی ، برگ ۱۵۱ سے ۱۷۸ تک ہے ۔

۵ - شرح مثنوی معنوی دفتر اول

بہلول مرزا کہتے ہیں کہ میں نے مثنوی کا پہلے مطالعہ نہیں کیا اور نہ ہی کسی استاد سے سند حاصل کی ۔ پہلے ہی مطالعہ میں جو کچھ میں نے سمجھا ، دو ماہ کی مدت میں ۱۱۲۹ھ میں اسے لکھ ڈالا ۔ نظر ثانی بھی نہیں کی ۔ شروع شروع میں کماحقہ معانی کی توضیح نہیں کی گئی اور ابیات مشکلہ کو چھوڑ دیا گیا ہے ۔

نسخۂ خطی پنجاب یونیورسٹی لائبریری مجموعۂ شیرانی میں شمارہ ۶۳۶۲ پر موجود ہے کل ۱۷۷ ورق ہیں ۔ تقطیع ۱۳۶۲ سم × ۹۰۳ سم ۔

۶ - شرح مثنوی معنوی دفتر دوم

یہ شرح نا مکمل ہے یا ناقص الاخر ہے ۔ پنجاب یونیورسٹی لائبریری کا مخطوطہ ۶۸ ورق پر محیط ہے ۔ ۶۰ سے ۶۵ تک کے ورق غلطی سے آخر

میں پیوست ہیں۔ شرح کی ابتدا برگ ۶۰ سے شروع ہوتی ہے۔ آخری عنوان "قصہ تعظیم پیام سلیمان در دل بلقیس از صورت ہدہد" ہے۔

اس شرح میں شرح مثنوی از محمد رضا اور شرح مثنوی از عبداللطیف کے حوالے موجود ہیں۔

۷۔ شرح مخزن الاسرار

اس شرح کا ذکر انھوں نے اپنے رسالہ بعنوان عقاید علیہ در مذہب صوفیہ میں کیا ہے۔ اس کا قلمی نسخہ نظر سے نہیں گذرا۔

بہلول مرزا کی دوسری تالیفات حسب ذیل ہیں:

۸۔ سیف المسلول علی من اعرض عن سماع الرسول

یہ رسالہ ۱۱۳۸ھ میں تالیف ہوا۔ موضوع رسالہ نام سے ظاہر ہے۔ فارسی میں اس کا مفہوم یوں ادا کیا ہے: "رسالہ در اباحت سماع و قباحت منع و امتناع" مصنف نے دلائل عقلی و نقلی سے سماع جائز ہونے کو ثابت کیا ہے لیکن متعدد علما اور ائمہ و فقہا نے جو شرائط عاید کی ہیں ان کا ذکر بھی کیا ہے مثلاً وہ کہتے ہیں:

"در کتاب و حدیث نص بتحریک سماع و رقص وارد نشد"

سماع کے نفع و زیاں کے متعلق یہ جامع رائے قائم کی ہے:

"سماع ہمچون باران ہست۔ چون بر زمین صالح بارد، سبزھا و میوھا و گلہا روید و اگر بر زمین مردہ افتد خار و خس برآید۔ سماع نیز چون بدلہای پاک و اہل محبت رسد اسرار و انوار الہی رونماید" (ص ۷)

نور قطب عالم کا یہ شعر تحریک سماع کے لیے مہمیز ہے۔

از کاسۂ رباب مرا نعمتی رسد شد آفتاب پر کہ ازو ذرۂ چشید (ص ۸)

ضمناً قوال کی شخصیت پر بحث آ نکلی ہے تو اس موضوع پر بھی گفتگو کی ہے کہ سادہ رو چہرہ دیکھنا جائز ہے کہ نہیں یا عورت کا چہرہ دیکھنا مباح ہے کہ نہیں ؟

اس رسالے کی تالیف میں مندرجہ ذیل کتابوں سے استفادہ کیا گیا ہے ۔

صراط مستقیم از مجدالدین فیروز آبادی ۔ مجموعتہ الفتاوی ۔ شرح مشکوۃ از عبدالحق ۔ ہدایہ ۔ تفسیر بیضاوی ۔ تلویح ۔ تذکرۃ الموضوعات از ملا علی قاری ۔ رسالہ قشیریہ ۔ عوارف المعارف ۔ احیاء علوم الدین ۔ دستور القضاۃ ۔ لطایف المنن ۔ مختصر شافی ۔ شرح کافی مسمی بہ محمدی از محمد بن علی ۔ کیمیای سعادت ۔ طبقات ابن سعد ۔ واقعات حسامی ۔ شرح بزدوی ۔ تفصیل الآجال عند تعارض الاقوال از ابوالقاسم بن محمد دمشقی ۔ محبوب السالکین ۔ شرح جامع الصغیر ۔ فوائدالاسرار فی رفع الاستار عن عیون الاغیار ۔ کنز الجواہر فی اصول الحدیث ۔ رسالہ شمسیہ ۔ تذکرۂ حمدونیہ ۔ تبیین الحقایق شرح کنزالدقائق ۔ بوارق السماع فی تکفیر من کرم السماع از ابی عبداللہ احمد بن محمد الغزالی ۔ ملتقط ناصری ۔ شرح شمایل از مبارک بن کبیر ۔

اس رسالے کا نسخہ خطی پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں شمارہ SPc IV, 1 پر موجود ہے ۔ کل ۱۴ ورق ہیں ۔ متن کی تقطیع ۲۱ سم × ۱۰ سم ہے ۔ ہر صفحے میں ۲۴ سطریں ہیں ۔

۹ ۔ عقایدعلیہ در مذہب صوفیہ

مصنف کے رسالہ سیف المسلول علی من اعرض عن سماع الرسول اور در اثبات قدرت خدا کے موضوع پر دو رسائل بعنوان :

۱ ۔ دافع الجہال فی اثبات قدرت اللہ تعالی علی امر محال ۔

۲ - عقاید الاکابر فی رد الاصاغر بر مذہب صوفیہ صغیہ -

لکھنے پر کفر اور قتل کے فتوے لگے - مصنف نے اس رسالہ میں تکفیر کرنے پر اعتراضات کیے ہیں اور سماع کے جواز اور قدرت خداوندی کے اثبات میں مزید دلایل و شواہد پیش کیے ہیں - اور مندرجہ ذیل مقدمات پر مزید روشنی ڈالی ہے :

۱ - قدرت اللہ مطلق است -

۲ - خدا را بر محال عقلی ہم قدرت است -

۳ - خدا قادر است بر اجماع ضدین -

اس رسالے میں مصنف نے مندرجہ ذیل کتابوں سے استفادہ کیا ہے :

ہدایتہ الاعمیٰ - از حسین کشمیری - طبقات صوفیہ - 'میزان' - جواہر و یواقیت - لطایف المنن مؤلفہ شعرانی - قوت القلوب از ابوطالب مکی - فصل الخطاب از محمد پارسا - کتاب الرعایہ از شیخ عزالدین بن عبدالسلام - تنبیہ الاغنیاء - فقہ اکبر - فتاوی برہنہ - سبع سنابل از عبدالواحد بلگرامی - عہود و مواثیق از شعرانی - فتوحات مکیہ - خلاصتہ المعارف از آدم بنوری - شرح عقاید - سیرالعارفین - لوامع الانوار القدسیہ از شعرانی - مخزن الاسلام از اخوند درویزہ -

مصنف نے دو جگہ رجال الغیب کی تفصیل اس طرح بتائی ہے :

۱ - غوث	صمد	اخیار	ابدال	نجبا	اولیاء	(ص ۱۴ ب)
۱	۴	۷	۴۰	۷۰	۳۳۰	

۲ - غوث - مختار - عرفا - نقبا - اوتاد - نجبا - اولیاء (ص ۱۴ ۶)

انھوں نے اپنے چند معاصرین کا بھی ذکر کیا ہے جن کے نام یہ ہیں:
میر محترم لاہوری - عبدالسّلام - پیر میاں ولی محمد جالندھری
(ص ۱۴ ب)

میاں شیخ عبدالنبی، سید الطائفہ زمانی ساکن قصبہ سیام چوراسی
(ص ۲۱)

میاں شاہ شرف الدین اجلہ علمائے اہل حدیث لاہور (ص ۲۹ ب)

اس رسالے کے کل ۱۸ ورق ہیں اور سیف المسلول کے ساتھ یکجا مجلد ہے - شمارہ SPC IV, 1 میں یہ رسالہ برگ ۱۳ سے ۳۰ تک محیط ہے -

۱۰ - فوائد الاسرار فی رفع الاستار عن عیون الاغیار مذکورہ در رسالہ عقاید علیہ در مذہب صوفیہ - اس کا کوئی نسخہ دستیاب نہیں ہوا - (ص ۱۴ ب)

۱۱ - دافع الجہال فی اثبات قدرت اللہ تعالی علی اس محال

۱۲ - عقاید الاکابر فی رد الاصاغر بر مذہب صوفیہ

۱۳ - مجموعۃ الفوائد فی علم العقاید -

آخری تینوں تالیفات کا ذکر رسالۂ عقاید علیہ در مذہب صوفیہ میں صفحہ ۱۶ پر مذکور ہے - ان کا بھی کوئی نسخہ دستیاب نہیں ہوا -

---:o:---

سید علیم اللہ جالندھری

سید علیم اللہ کے والد عتیق اللہ الحسینی (جالندھر) کے فاضل مدرس تھے۔ شیخ بہلول برکی نے بھی ان سے درسی کتابیں پڑھیں۔ علیم اللہ جالندھر میں ۱۰۹۱ھ میں پیدا ہوئے۔ کتب متداولہ کی تحصیل بھی جالندھر میں کی۔ نزہت السالکین میں پیر طریقت سید بھیکھ کے احوال بیان کرتے ہوئے انھوں نے بتایا ہے کہ سید ابراہیم سے ہدایہ[۳] میں سے کتاب الشفعہ اور منقولات میں ہدایۃ الحکمۃ کی شرح (حسین) میں سے مباحث عنصریات پڑھیں۔ ان کے علاوہ شرح مواقف میں سے امور عامہ پر سبق پڑھا۔ پھر عالم محقق مولوی عبدالرحمن سے تحصیلات سے فراغت حاصل کی۔

سید علیم اللہ جوانی میں کمزور جسم کے آدمی تھے۔ جب انھوں نے مرشد طریقت میر سعید معروف سید بھیک الحسینوانی الکہرامی کی خدمت میں پانی پت جانے کا ارادہ کیا تو باپ نے سفر کی صعوبتوں اور راہ کی دشواریوں کے خیال سے اجازت نہ دی۔ لیکن سید صاحب نے اس مسئلے کو شرعی نقطۂ نظر سے دیکھا اور حدیث و فقہ سے نظائر نکال کر اپنے دل کو مطمئن کیا کہ اگر سفر طلب علم اور اصلاح قلب کے لیے ہو تو والد کی اجازت کے بغیر بھی جائز ہے۔ اتفاق سے سید محمد عم زاد عبدالرشید چند خادموں کے ہمراہ پانی پت جا رہے تھے۔ اس لیے وہ بھی ان کے ساتھ سفر میں شریک ہو گئے۔ منزل پر پہنچ کر مرشد کے ہاتھ پر بیعت کی اور بعد میں اجازت لے کر واپس آ گئے۔

وہ اپنے زمانے میں فقہ و سلوک میں خاصے مشہور ہوئے۔ ۱۱۹۰ھ میں فوت ہوئے۔

ان کی مندرجہ ذیل تالیفات یاد گار ہیں -

۱ - انہارالاسرار (شرح بوستان)
۲ - نزہتہ السالکین
۳ - زبدۃ الروایات (فقہ)
۴ - نثرالجواہر ترجمہ نظم الدرر و المرجان
۵ - شرح اخلاق ناصری
۶ - دیگر رسائل

۱ - انہار الاسرار (شرح بوستان)

انہار الاسرار ، بوستان سعدی کی شرح کا نام ہے - شرح لکھنے کا آغاز ۱۱۳۰ھ میں ہوا - یہ بوستان کی مفصل اور عالمانہ شرح ہے -

تمہیدی باب میں فارسی قواعد کے متعلق ضروری اور بنیادی باتیں بتائی ہیں تاکہ عام قاری بھی اس سے استفادہ کر سکے - حروف کی تقسیم ، اعراب کی ابتدا ، الف و ب کا مختلف استعمال ، مصادر اور ان سے افعال ، اسمائے مشتق بنانے کے قاعدے بتائے ہیں - پھر نثر و شعر کی تعریف کر کے شعر کے آغاز کے متعلق بہرام گور کی روایت بیان کی ہے - بعد میں بحور شعر کا ذکر کر کے بتایا ہے کہ بوستان بحر متقارب مثمن مقصور میں لکھی گئی ہے - بعض اشعار میں یہ بحر محذوف ہے اور مثنویوں کے اشعار میں یہ رعایت ممنوع نہیں -

اس شرح کے مبسوط اور مستند ہونے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اس میں الفاظ و اصطلاحات کی توضیح کے لیے آیات قرآنی ، احادیث نبوی ، اور اقوال علماء و عرفا پیش کیے گئے ہیں - مثلاً عرفا میں سے شہاب الدین سہروردی ، قاضی بیضاوی ، ابن عربی ، سہل بن عبداللہ تستری ، مولوی

معنوی ، امام غزالی اور شیخ عبدالحق کے نام ملتے ہیں ۔ مندرجہ ذیل کتابوں سے اکثر استفادہ کیا گیا ہے ۔

شرح مواقف (ص ۱۳) ۔ مؤید الفضلا (ص ۱۴) ۔ مدارالافاضل (ص ۲۱) ۔ کشف اللغات (ص ۲۳) ۔ شرح الاورادالفتحیہ (ص ۲۳ ب) ۔ نقد النصوص (ص ۲۴) ۔ بعضی از رسائل ابن عربی (ص ۲۴ ب) ۔

مجموعة الفوائد از بہلول کول بن مرزا خان برکی (ص ۲۵ ب) ۔ کتاب الاشباہ والنظایر (ص ۲۵ ب) ۔ شرح الفصوص (ص ۲۷ ب) ۔ فتوحات مکیہ (ص ۲۸ ب) ۔ یواقیت و الجواہر مؤلفہ عبدالوہاب شعرانی (ص ۳۱ ب) ۔ عقیدۃ المنجاح (ص ۳۲) ۔ نفحات الانس (ص ۳۵) ۔ شرح فتوح الغیب از محقق دہلوی (ص ۴۸ ب) ۔ شرح عوارف از عبدالقدوس (ص ۴۸ ب) ۔ شرح بوستان از عبدالرسول (ص ۵۰ ب) ۔ نثر الجواہر ترجمہ نظم الدرر مؤلفہ مرزا خان برکی (ص ۵۷) ۔ شرح مشکوۃ (ص ۶۴) ۔ روضة الاحباب (ص ۶۶) ۔ حواشی شرح تخلیص (ص ۷۵) ۔ شواہد النبوۃ (ص ۷۷) ۔ احیاءالعلوم (ص ۸۳ ب) ۔ ذخیرۃ الملوک (ص ۹۱) ۔ مکتوبات شیخ شرف الدین یحیی منیری (ص ۱۰۹ ب) ۔ شرعة الاسلام (ص ۱۲۹ ب) ۔ شرح الوقایہ (ص ۱۴۹ ب) ۔ اخلاق ناصری (ص ۱۵۴ ب) اخبار الاخیار (ص ۱۷۶ ب) ۔ کفایہ منصوری (ص ۱۷۸ ب) ۔ کلیات حکیم ابوالفتح گیلانی (ص ۱۷۸ ب) ۔ رسائل نجم الدین کبری (ص ۱۷۹) ۔ حواشی اللوائح (ص ۱۷۹ ب) ۔ شرح مخزن (ص ۱۸۱) ۔ جامع الرموز ۔ کتاب الامتاع باحکام السماع (ص ۱۸۱ ب) ۔ عوارف المعارف (ص ۱۸۶ب) ۔ مصباح الہدایہ (ص ۱۸۸ ب) ۔ فتاوی سراجی (ص ۱۹۸) ۔ کنزالعباد (ص ۱۹۸ ب) ۔ صحیح بخاری (ص ۱۹۹ ب) ۔ تذکرۃ الاولیاء (ص ۲۰۰) ۔ عین المعانی (ص ۲۰۳) ۔ صراح (ص ۲۰۴) ۔ فتاوی عالمگیری (ص ۲۰۹ ب) ۔ شرح ابوالمکارم (ص ۲۳۰) روضة الصفا (ص ۲۳۶ ب) ۔ رسائل شیخ کلیم اللہ (ص ۲۳۸) ۔

شارح نے تشریح کے ضمن میں بعض نزاعی مسائل پر تفصیل سے گفتگو کی ہے اور زیر بحث موضوعات کو وضاحت سے بیان کیا ہے۔ مثلاً جن و انس، ایمان فرعون وقت غرق۔ تجنیس و تمثیل روح (ص ٣٥) آفرینش زمین و آسمان (ص ٣٩)۔ تخلیق و تصویر انسان (ص ٤٠)۔ حقیقت قلب و نفس و روح (ص ٥٣ ب)۔ مدت نزول قرآن (ص ٦٠)۔ تحقیق ذوالقرنین (ص ٧٩)۔ تخت سلیمان (ص ١١٩ ب)۔ قصہ رستم و شغال (رستم و اسفندیار) (ص ١٣١ ا - ١٣٣)۔ مباحث کشتی و شکر (ص ١٣٥)۔ بحث سماع (ص ١٨٢ تا ١٨٨)۔

اس کتاب کا خطی نسخہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری، مجموعہ آذر، شمارہ ٠٠١٦/٣٣ O پر موجود ہے۔ کل اوراق ٢٣١ ہیں۔ تقطیع ١٦،١ سم × ٨،٦ سم ہے۔

سید علیم اللہ نے سیرۃ کی ایک عربی کتاب بعنوان نظم الدرر و المرجان فی تلخیص سیر سید الانس والجان مؤلفہ مرزا خاں برکی جالندھری کا فارسی ترجمہ کیا اور اس کا نام نثر الجواہر فی تلخیص سیر ابی الطیب والمطاہر رکھا۔

سید علیم اللہ بتاتے ہیں کہ میں نے عوام کے استفادے کے لیے عربی کتاب کو آسان فارسی میں ترجمہ کیا۔ اس کتاب کا قلمی نسخہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں شمارہ پر موجود ہے۔ وہ ١٨٨ ورق پر مشتمل ہے۔ متن کی تقطیع ١٧ سم × ١٠ سم ہے اور کھلے تعلیق میں لکھا گیا ہے۔ ایک نسخہ پشاور یونیورسٹی لائبریری میں شمارہ ٢٣٢ پر موجود ہے۔ کل ٢٨٦ ورق ہیں۔ تقطیع "$5\frac{1}{2}$ × "9 ہے۔ صفحے میں ١٣ سطریں ہیں۔

کتاب بے شمار چھوٹی چھوٹی فصول میں منقسم ہے۔ ابتدا میں نسب، ولادت، وفات والدین، ظہور علامات نبوت۔ ابتدائے نبوت، معراج، ہجرت، غزوات، حج و عمرہ کا ذکر ہے۔ کتاب کا زیادہ حصہ

محاسن اخلاق کی تفاصیل پر مشتمل ہے۔ رسول اکرم کی شجاعت، سخاوت، وفا، حیا، شفقت و رحمت۔ تواضع اور حسن معاشرت کا ذکر کیا گیا ہے۔ پھر آنحضرت کے اٹھنے، بیٹھنے، سونے، کھانے، پینے، رہنے سہنے، دوسروں سے ملنے جلنے کے آداب و اخلاق بیان کیے ہیں۔ ان کی عبادت، اذکار و ادعیہ اور خطبۂ اعیاد کی تفصیل بتائی ہے۔ آخری حصے میں زوجات وسراری، اولاد و موالی، عمام و عمات کا ذکر ہے۔ ان شعراء، کاتب، امین و وزیر، پیغامبر اصحاب کا نام بنام ذکر کیا ہے جو آنحضرت سے خاص طور پرمتعلق تھے۔ یہاں تک کہ ان خاص حیوانات، اسلحہ اور لباس کا ذکر کیا ہے جو آنحضرت استعمال کرتے تھے۔

کتاب میں منابع و مآخذ کا ذکر نہیں لیکن معلومات مستند مآخذ سے حاصل کی گئی ہیں۔ سیرۃ رسول صلعم پر مختصر لیکن جامع معلومات کا مخزن ہے۔ ترجمہ واضح اور آسان فارسی میں ہے۔

۳۔ نزہت السالکین

مؤلف نے تمہید میں اس کتاب کی وجہ تالیف بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ شرح بوستان بعنوان انہار الاسرار لکھتے ہوئے تصوف و طریقت کے مسائل بھی زیر بحث آئے۔ بعض عزیزوں نے فرمائش کی اور میرا اپنا ذاتی خیال بھی تھا کہ ان متفرق مباحث کو یکجا کر کے اور ان میں اضافات کر کے ایک الگ رسالہ مرتب کیا جائے تاکہ سالکان طریقت کو نزہت حاصل ہو۔ اسی نسبت سے کتاب کا نام نزہت السالکین رکھا۔

کتاب کو ۲۵ فصلوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ عنوانات سے موضوعات کتاب روشن ہیں۔

۱۔ پیری و مریدی و شروط و آداب۔ ۲۔ نفس و قلب و دیگر

لطایف و تہذیب اخلاق - ۳ - مبادی سلوک - ۴ - طلب علم و کسب و حرفت - ۵ - بیان ولی و اصحاب نوبت و رجال الغیب - ۶ - زیارت قبور و عبادات آن - ۷ - دعاء و اجابت آن - ۸ - رویاء و واقعہ ۹ - انواریکہ بر سالک نمایان می شود - ۱۰ - معرفت و توحید - ۱۱ - یقین و مراتب آن - ۱۲ - مکاشفہ و معائنہ و مشاہدہ - ۱۳ - حجاب و وصل و قرب - ۱۴ - فنا و بقا - ۱۵ - حیرت - ۱۶ - بیرون آمدن سالک از قید زمان و مکان - ۱۷ - خصال درویشان - ۱۸ - تجرد و تاہل - ۱۹ - طعام خوردن و خوراندن - ۲۰ - سماع - ۲۱ - جلسہ ذکر و ذکر ارہ - نگاہداشتن سبحہ - ۲۲ - چہار پیر و چہاردہ خانوادہ و دیگر - ۲۳ - ترتیب نوشتن شجرہ - ۲۴ - احوال پیر دستگیر و احوال مؤلف - ۲۵ - وصال حضرت پیر و فوائد اعراس پیران -

ان فصلوں میں منطقی ربط و تسلسل نہیں رکھا گیا - تہذیب اخلاق اور خصال درویشان کو قریب قریب رکھا جا سکتا تھا - پیری و مریدی کے مراتب کو احوال پیر اور دوسری متعلق فصلوں کے ساتھ مربوط کیا جا سکتا تھا - ذکر و اذکار اور دعاؤں سے متعلق فصول نزدیک ہونی چاہییں تھیں ، طعام خوردن و خوراندن کے موضوع پر الگ فصل اجنبی سی معلوم ہوتی ہے - مجموعی طور پر تصوف کی اصطلاحات سمجھنے اور عملی طور پر ان کی حقیقت جاننے کے لیے کتاب مفید ہے -

مؤلف نے اس تالیف کے مآخذ میں مندرجہ ذیل کتب و رسائل کا ذکر کیا ہے :

اخبارالاخیار - سبع سنابل - نفحات الانس - لطائف اشرفی - مطلوب الطالبین - غنیتہ الطالبین - لطائف المنن - عوارف المعارف - کشف المحجوب - رسالہ مکیہ - ہدایتہ الاعمی - فواید الاسرار - فصل الخطاب - یواقیت و جواہر - مفتاح الفتوح - فتوحات مکیہ - کنزالعباد - فصوص الحکم -

مطالب المؤمنین ۔ رشحات ۔ مرصادالعباد ۔ مصباح الهدایه ۔ ارشاد الطالبین مناظر از محب الله الہ آبادی ۔ تنبیه ابواللیث ۔ فوائدالفواد ۔ فتاوی برہنہ ۔ فتاوی صوفیه ۔ خزانته الروایات ۔ ترجمہ مشکوة از عبدالحق ۔ تکمیل الایمان ۔ رسالہ وصایا ۔ تکمیل الایمان ۔ کشف اللغات ۔

نزہت السالکین کی تالیف ۱۱۸۲ھ میں شروع ہوئی اور اس کی تکمیل ۱۵ ۔ ذی الحجہ ۱۱۸۳ھ میں ہوئی ۔

—— :o: ——

۱ ۔ نزہت السالکین ، مخطوطہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری ، مجموعہ شیرانی ، شمارہ ۶۲۱۱/۵۰ ، برگ ۹ و ۶۱ ب ۔

شاہ فتح اللہ جالندھری

فتح اللہ اپنی تالیفات کی تمہید میں اپنے آپ کو بندۂ فانی فی اللہ و باقی باللہ فقیر الحقیر محمد فتح اللہ الحسنی الحسینی الچشتی الجالندھری لکھتے ہیں ۔ وہ ۱۱۹۹ھ میں وفات پا گئے جیسا کہ مندرجہ ذیل قطعۂ تاریخ سے ظاہر ہے :

میر فتح اللہ مقبول ودود   کرد از دنیا سوی رضوان صعود

سال تاریخش چو جستم از خرد   گفت الحق "آفتاب چشت بود"

۱۱۹۹ ص

ان کی تصنیف فتح المعارف ۱۱۵۴ھ میں مرتب ہوئی ۔ اگر انھوں نے تیس سال کی عمر میں بھی یہ کتاب لکھی ہو تو انھوں نے ستر اسی سال کے لگ بھگ عمر پائی ہوگی ۔ ان کے ایک مرید شیخ نور اللہ ان کے ملفوظات لکھتے جاتے تھے ۔ چنانچہ مندرجہ ذیل ملفوظات انھی کے قلم سے مرتب ہوئے :

۱ ۔ فتح الاسرار در علم توحید

۲ ۔ فتح الاخیار در اباحت سماع ۔

۳ ۔ فتح العقاید در شرح اعتقادیات ۔

ہم شاہ فتح اللہ کی مؤلفہ صرف دو کتابیں یا رسائل دیکھ سکے ہیں ۔ فتح المعارف اور فتح الاذکار ۔

فتح المعارف یا رسالہ شرح کلمہ طیبہ -

شیخ نوراللہ ان کے مخلص مرید ۱۱ شعبان ۱۱۵۲ھ میں انتقال کر گئے - ان کے ایک اور مرید سالک طریقت شیخ محمد منیرالدین حضرت خواجگان کی ملاقات کے لیے دہلی گئے - وہاں انہوں نے کلمۂ طیبہ کے معانی کی تحقیق کے لیے بعض مشائخ سے سوال کیے لیکن انہیں اطمینان بخش جواب نہ ملا - انہوں نے شاہ فتح اللہ کو لکھا کہ کلمۂ طیبہ کی ایک جامع شرح تحریر فرمائیں - چنانچہ انھی کی درخواست پر یہ کتاب ۱۱۵۴ھ میں مکمل کی - وہ خود اس کتاب کی کیفیت و منفعت کے متعلق یوں رقم طراز ہیں :

"این رسالہ ایست کہ مفتاح علوم باطنیہ است - ہر کہ بغور این وارسیدہ وبدقت نظر فہمیدہ مطالعہ کند ، معلوم خواہد کرد کہ چہ قدر بحار کمالات ازین بجوش میزند و کلید ابواب مخفیہ است - ہر کہ بعین باصرہ و بمیزان انصاف سنجیدہ بفہم فہیم خود خواہد آورد البتہ خواہد دانست کہ سر چشمۂ معرفت الٰہی و منبع انوار نا منتہائی ازین دریای مختصر نہا میرود"

انہوں نے اس کتاب میں اپنے ماخذ میں احادیث نبوی - فصوص الحکم مرآۃ العارفین - اصطلاحات شیخ عبدالرزاق الکاشی - تمہیدات عین القضاۃ ہمدانی - لمعات عراقی - گنج الاسرار از معین الدین سجزی - نزہتہ الارواح از میر حسینی کا ذکر کیا ہے اور دلچسپی کے لیے رومی اور حافظ کے اشعار بھی نقل کیے ہیں -

فتح الاذکار

مصنف دیباچے میں لکھتے ہیں کہ میں نے بزرگان نقشبندی کے مصطلحات و کلیات کے متعلق ایک رسالہ تالیف کر کے اس میں حضرت

معین الدین سجزی کے چند فیوضات بھی نقل کیے جو تحقیق ہو چکے ہیں۔ خواجہ محمد یحیی بن سید مخدوم اعظم پہلے چشتیہ سلسلے میں بیعت تھے۔ ان کا خیال تھا کہ نقشبندی طریق پر عمل کر کے بھی فیض حاصل کیا جائے چنانچہ ان کی تمنا کے پیش نظر میں نے ۱۱۶۳ھ میں یہ رسالہ تالیف کیا۔ ان کو بھی اذکار و اشغال میں مشغول کیا اور اس طریقہ کی اجازت بھی دی۔

مصنف نے بتایا ہے کہ حضرات نقشبندیہ کے طریق میں مندرجہ ذیل گیارہ کلمات مصطلحات کے طور پر استعمال ہوتے ہیں:

یاد کرد۔ بازگشت۔ نگاہداشت۔ وقوف قلبی۔ وقوف عددی۔ وقوف زمانی۔ ہوش در دم۔ نظر بر قدم۔ خلوت در انجمن۔ سفر در وطن

ان کلمات کی تشریح کے علاوہ شاہ فتح اللہ نے مندرجہ ذیل موضوعات پر گفتگو کر کے مسائل کی توضیح کی ہے۔ ذکر در بیان لطائف و مکان۔ دربیان تلقین و تعلیم مرید۔ تعلیم لطیفہ سری۔ تعلیم لطیفہ خفی و اخفی۔ توحید وجودی و توحید شہودی۔ طریقہ تعلیم نا یافت۔ در ذکر ولایت خمسہ۔

اس رسالے کا نسخہ خطی پنجاب یونیورسٹی لائبریری لاہور، مجموعہ شیرانی میں شمارہ ۱۰۲۷ پر موجود ہے اور ۴۲ سے ۶۹ برگ تک محیط ہے۔ اسی مجلہ میں رسالہ فتح المعارف ۱۶۱ سے ۳۴۳ برگ تک مکتوب ہے۔ نسخہ مکتوبہ ۱۲۱۵ھ۔

:o:

محمد حفیظ جالندھری

نافع الطالبین

ابوالفضل علامی کے مکاتبات دفتر اول و دوم کی یہ دلچسپ و مفید شرح ہے۔ شارح محمد حفیظ جالندھری ہیں۔ انھوں نے ۱۱۸۴ھ میں اپنے مرشد طریقت میاں سید رومی کی فرمائش پر شرح لکھنی شروع کی لیکن مرشد کی وفات (۱۲۰۲ھ) کے بہت عرصہ بعد یعنی ۱۲۱۳ھ میں اسے مکمل کیا۔

شرح تین اقسام پر مشتمل ہے:

۱۔ پہلی قسم میں آدم سے شروع کر کے اکبر کا نسب نامہ درج کیا ہے۔ اور ۹۶۳ھ تک یعنی ہمایوں کے عہد تک مختصراً تاریخی واقعات لکھے ہیں۔

۲۔ دوسری قسم برگ ۴۴ سے شروع ہوتی ہے۔ اس میں دفتر اول کی مفصل شرح ہے۔ اس میں عہد اکبری کے منصبداروں اور حاکموں پر نوٹ لکھے ہیں۔

۳۔ تیسری قسم کا آغاز برگ ۱۱۱ سے ہوتا ہے۔ اس میں دوسرے دفتر کی شرح ہے۔ اس میں لغوی اصطلاحات کے معانی زیادہ دیے ہیں اور اشخاص و واقعات کی تفصیل کم لکھی ہے۔ آخر میں یعنی برگ ۱۶۷-۱۶۹ تک شاہزادوں کے سالہائے وفات درج کیے ہیں اور ہندوستان کے صوبوں پر جامع نوٹ لکھا ہے۔

شرح مرتب کرتے وقت کتب تاریخ مثلاً آئین اکبری ۔ جہانگیرنامہ عالمگیر نامہ سے استفادہ کیا ہے۔ نافع الطابین کا ایک نسخہ خطی ایشیاٹک سوسائٹی بنگال (مجموعہ کرزن) شمارہ ۱۳۵ پر موجود ہے ۔

اسی مؤلف کے نام سے شرح انشاء ابوالفضل کے عنوان پر سنٹرل ریکارڈ آفس لائبریری پشاور شمارہ ۹ پر ایک نسخۂ خطی موجود ہے ۔ یہ نسخہ ناقص الاخر ہے اور ۱۰۷ صفحات پر مشتمل ہے ۔

—:o:—

میر محمد بزرگ سیالکوٹی

زبدۃ اللغات درحل سکندر نامۂ نظامی

اس کے مؤلف میر محمد بزرگ سیالکوٹی ہیں ۔ سال تالیف ۱۱۲۳ھ ہے مؤلف نے خود ہی اس کی تالیف و ترقیم کے متعلق کتاب کے آخر میں تفصیل ۔ بتائی ہے ۔

خاتمہ :

در سلطنت خدیو اعلم — زینت دہ ملک شاہ عالم
صد شکر کہ این کتاب میمون — شد ختم بساعت ہمایون
یکسر ہمہ حل مشکلات است — موسوم بزبدۃ اللغات است
خاک رہ اہل حق بزرگ است — خود خورد معانیش سترگ است

تاریخ تالیف

بدوران پر عشرت شاہ عالم — کہ لیلش برات است نوروز روز
مرتب شد این نسخۂ بی نظیر — طفیل محمد شہ نیم روز
چو کحلی کہ نور است درظلمتش — سواد حروفش نضارت فروز
شود رمز معنی و کشف لغات — ازین زبدہ فرہنگ یکسر بروز
چو تاریخ اتمامش از فکر جستم — خرد گفت ''شمع ہدایت فروز''
(۱۱۲۳ھ)

یہ سکندر نامۂ نظامی کے مشکل الفاظ و اصطلاحات و تلمیحات کی فرہنگ ہے ۔ مرتب و مؤلف نے اس کو حروف تہجی کے اعتبار سے ترتیب

دیا ہے۔ اور الفاظ کی تشریح کی سند میں نظامی کے اشعار پیش کیے ہیں۔ شروع شروع میں خسرو اور فردوسی کے اشعار بھی سند کے لیے لائے گئے ہیں۔

اس کتاب کا نسخۂ خطی پنجاب یونیورسٹی لائبریری مجموعۂ شیرانی میں شمارہ ۳۱۶۹ پر موجود ہے۔ کل ۸۰ برگ ہیں۔ تقطیع متن ۳۰۲۲ سم × ۱۲ء۴ سم ہے۔

کاتب کا ترقیمہ حسب ذیل ہے:

"تمام شد کتاب مستطاب زبدۃ اللغات نسخہ سکندر نامہ نظامی تصنیف میر محمد بزرگ سیالکوٹی بتاریخ بیست و پنجم شہر محرم الحرام ۔ ۔ ۔ ۱۲۱۶ ہجری نبوی صلی اللہ علیہ و سلم"

—:o:—

خواجہ ایوب قریشی لاہوری

شرح مثنوی شریف ایوب

مثنوی معنوی کے شارح خواجہ ایوب قریشی لاہوری ہیں۔ فوق نے بتایا ہے کہ وہ حافظ مفتی محمد نقی (مفتی شیخ مکرم کے پڑدادا کے باپ اور مفتی کمال الدین کے پڑپوتے) کے داماد تھے۔ وہ عالم فاضل اور عربی فارسی کے جید مصنف تھے۔ خزینتہ الاصفیاء میں ان کا سال وفات ۱۱۵۵ھ دیا گیا ہے۔

شرح مثنوی کا ایک نامکمل نسخہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری شمارہ Ppi VI, Ik پر موجود ہے۔ اس نسخے میں صرف جلد سوم، چہارم، پنجم اور ششم کی شرح موجود ہے۔ کاتب نے اپنا نام نہیں لکھا۔ البتہ شارح کو مرشدی اور مرشد الانام، لکھا ہے ان دفتروں کے اختتامیے درج کیے جاتے ہیں تاکہ کچھ معلومات محفوظ رہیں۔ کل ۲۵۱ ورق ہیں۔

صفحہ ۸۵ پر دفتر سوم کی شرح ختم ہوتی ہے۔ کاتب کے آخری الفاظ اس طرح ہیں:

"این دفتر سوم از شرح مثنوی شریف ایوب نام بتاریخ ۲۰ ماہ ذوالحجہ باتمام رسید"۔

"چوتھے دفتر کی شرح صفحہ ۱۳۸ پر ختم ہوتی ہے۔ اس کا ترقیمہ حسب ذیل ہے:

"تمت بتوفیق لم یزلی دفتر چہارم از مثنوی معنوی من تصنیف مرشدی و مرشد الانامی محرم اسرار غیوب حضرت خواجہ

ایوب سلمہ اللہ الی یوم المحسوب بتاریخ ۸ ماہ ذیقعدہ سنہ شنبہ باتمام رسید - ۱۲۶۵ ''۔

پانچویں دفتر کے اختتامی الفاظ یہ ہیں جس کی شرح صفحہ ۱۸۵ پر ختم ہوتی ہے :

"باتمام رسید شرح ایوب دفتر پنجم از مثنوی شریف بتاریخ غرہ ماہ ربیع الاول ۱۲۶۶ھ"

"چھٹے دفتر کا ترقیمہ حسب ذیل ہے جو صفحہ ۲۵۱ ب پر درج ہے"

"این جلد ششم شرح ایوب از مثنوی شریف من کلام جلال الدین رومی قدس سرہ بتاریخ ۲۳ ماہ ربیع الثانی باتمام رسید ۱۲۶۶ھ"

آخر میں یہ مصرعہ و تاریخ درج -

طرفہ شرح معنوی جان فزا -

مصراع کے نیچے ۱۱۱۹ھ لکھا ہے لیکن دراصل علم جمل کے لحاظ سے عدد ۱۱۲۰ھ نکلتا ہے -

محبوب الالباب فی تعریف الکتب و الکتاب میں اس مثنوی کے ایک اور نسخہ خطی کی تفصیل مذکور ہے - یہ نسخہ ۷۵ جز پر مشتمل ہے - شروع میں خواجہ ایوب شارح لکھتے ہیں :

"با غایت عظم شوق و استیلای ذوق خواستم کہ مثنوی را شرح کنم واستمداد از روح مولوی خواستم - در مثنوی فال زدم، این اشعار یافتم -"

ای ضیاء الحق حسام الدین بیا ۔ ای صقال روح سلطان ہدی

مثنوی را مشرح مشروح ده   صورت امثال او را روح ده

اس نسخے کے آخر میں تاریخ اتمام شرح یوں درج ہے :

''یافت شرح مثنوی مولوی   خلعت اتمام از لطف خدا
گفت تاریخش بگوش دل خرد   طرفہ شرحی مثنوی جانفزا'[1]

تاریخ کے یہ الفاظ مغشوش ہیں ۔ ان الفاظ سے تو سال اتمام ۱۵۶۰ نکلتا ہے ۔[2]

شارح نے چیدہ چیدہ اشعار کی تشریح و توضیح کی ہے ۔ مشکل الفاظ کے اعراب بتا کر ان کے معانی لکھے ہیں ۔ آیات و احادیث اور دوسری تلمیحات پر بھی روشنی ڈالی ہے ۔ ان کی نظر میں متقدم شارحین کی شرحیں بھی رہی ہیں ۔ کیونکہ انھوں نے جا بجا لکھا ہے ۔ ''بعض شارحان گفتہ اند'' لیکن انھوں نے شارحین کے نام نہیں لیے ۔ چونکہ مثنوی معنوی مطالب کا مخزن ہے ، اس لیے اس کے افہام و تفہیم کی ہر کوشش قابل تحسین ہے ۔

نزہت الاصفیار میں شرح مثنوی کے علاوہ ان کی ایک اور تصنیف مخزن عشق کا بھی نام مذکور ہے ۔ لیکن اس کا کوئی نسخہ دستیاب نہیں ہوا ۔

—— :o: ——

۱ ۔ تذکرۂ علمائے لاہور ، فوق ، ۱۹۲۰ ۔
۲ ۔ محبوب الالباب فی تعریف الکتب و الکتاب از خدا بخش ، حیدر آباد (دکن) ص ۳۸۰ ۔

ملا نصراللہ اٹکی

مرآۃ فی شرح اسماء المشکواۃ

حدیث کے موضوع پر ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ الخطیب العمری (م - ۷۷٦ھ) کی مشہور کتاب مشکواۃ المصابیح ہے۔ شیخ عبدالحق دہلوی نے اشعۃ اللمعات فی شرح المشکات کے عنوان سے چار ضخیم جلدوں میں اس کی شرح لکھی۔ انھوں نے احادیث کی تشریح کرتے ہوئے رواۃ کی بھی تحقیق کی ہے۔ رواۃ کے یہ احوال و کوائف اس ضخیم شرح میں بکھرے پڑے ہیں۔ ملا نصراللہ بن عبدالسلام اٹکی نے مرآۃ فی شرح اسماء المشکواۃ کے زیر عنوان حروف ہجا کے اعتبار سے ان کو ترتیب دیا ہے اور طلبہ کی مشکلات آسان کرنے میں ایک اہم خدمت سر انجام دی ہے۔ ملا نصراللہ نے محض شیخ عبدالحق کی تحقیقات کو نقل نہیں کر دیا بلکہ ان کے مراجع و منابع کے علاوہ مندرجہ ذیل کتابوں سے بھی استفادہ کیا ہے:

> "مغرب، قاموس، روضتہ الاحباب، شرح حصن حصین ملاعلی قاری، تفسیر بیضاوی، مرقاۃ شرح مشکوۃ ملا علی قاری، خلاصتہ الطیبی، توشیح جلال الدین سیوطی بر صحیح بخاری، شرح شمائل عباد اللہ خان، شرح مواقف، کفایہ بر ہدایہ، چلپی، شرح وقایہ، صراح، تاج المصادر، بیہقی، مصادر النیشاپوری، جامع الرموز، لوامع النجوم، مختصر شمس العلوم، مہذب الاسماء، دستوراللغتہ، مؤیدالفضلاء، منتخب رشیدی"۔

مؤلف نے کتاب کی تمہید میں بتایا ہے کہ علوم حدیث میں اسماء الرجال کی تحقیق و تنقید ایک بڑا اہم فن ہے کیونکہ صحیح و ضعیف حدیث

کا پہچاننا اور سنت و بدعت میں امتیاز کرنا اس پر مبنی ہے۔ اس کتاب کی تالیف اواخر ذی الحجہ ۱۱۲۶ھ میں شروع ہوئی اور ۶ رجب المرجب ۱۱۲۸ھ کو اختتام پذیر ہوئی۔ کتاب کے اختتام پر مؤلف نے ۵۸ اشعار کی ایک نظم لکھی ہے۔ جس میں کتاب کا نام، موضوع اور سال تالیف کا ذکر کیا ہے۔ اور ساتھ ہی اپنے تین بیٹوں کے نام لیے ہیں بدر الدین محمد، محمد عظیم اور محمد قدرت اللہ۔

اس کتاب کا ایک منفرد نسخہ کتب خانۂ فاضلیہ گڑھی افغاناں میں موجود ہے۔ آغاز کی عبارت یوں ہے:

"الحمد للہ الذی علمنا الاسماء و لاسیما اسمائہ الحسنی و ارانا فی الآفاق و الانفس من آیاتہ الکبری"

ترقیمہ کے الفاظ اس طرح ہیں:

"من تصانیف ملا نصرالدین عبد السلام رحمتہ اللہ اٹکی۔ ۱۱۴۷ھ"

میں خود یہ نسخہ نہیں دیکھ سکا۔ جناب نذر صابری، لائبریرین گورنمنٹ کالج، کیمبل پور کا ممنون ہو کہ انھوں نے اس کتاب کی طرف میری توجہ دلائی اور کتاب کے متعلق تعارفی نوٹ لکھ کر بھیجا۔

کتاب بڑی تقطیع کے ۳۹۵ اوراق پر مشتمل ہے اور ہر صفحے پر ۱۷ سطریں ہیں۔

—:o:—

عاصی کلانوری

اسرار صمدی

نام سے شبہ ہوتا ہے کہ شاید اسرار صمدی تصوف و الٰہیات پر کوئی کتاب ہوگی ۔ لیکن ایسا نہیں ہے ۔ یہ تاریخی واقعات پر ایک مختصر رسالہ ہے ، جس کا نام نواب عبدالصمد خاں کی مناسبت سے 'اسرار صمدی' رکھا گیا ہے ۔

عبدالصمد خاں کا اصلی نام عبدالرحیم تھا ۔ وہ سمرقند میں سبحان علی خاں بادشاہ توران کے دربار سے وابستہ تھے اور شیخ الاسلام کے عہدہ پر فائز تھے ۔ برصغیر پاک و ہند میں آکر دربار مغلیہ سے متوسل ہوئے ۔ ۱۱۳۵ھ/۱۷۱۳ ۔ میں فرخ سیر نے انھیں ناظم الامور مقرر کیا ۔ بعد میں وہ عبدالصمد خاں کے نام سے معروف ہوئے اور بادشاہ کی طرف سے انھیں سیف الدولہ اور دلیر جنگ کے خطابات عطا ہوئے ۔ آپ ۱۷۱۳/ ۱۱۳۵ھ سے ۱۷۲۶/۱۱۳۸ھ تک لاہور کے گورنر ۔ ۱۷۲۵/۱۱۳۹ھ سے ۱۷۳۷/۱۱۵۰ تک ناظم ملتان رہے ۔ ۱۷۳۷/۱۱۵۰ھ میں فوت ہوئے ۔ وہ شجاع ، فیاض اور مربی علم و فن تھے ۔ امارت کے ساتھ درویش بھی تھے ۔ زاہد ، متقی اور عبادت گزار اور اعلیٰ درجے کے منتظم تھے ۔ اسرار صمدی میں ان فتوحات اور کارہائے نمایاں کا ذکر ہے جو عبدالصمد خاں نے ناظم لاہور ہونے کی حیثیت سے انجام دیے ۔

اسرار صمدی پروفیسر محمد شجاع الدین کی تصحیح اور مقدمہ کے ساتھ ادارۂ تحقیقات پاکستان ، دانشگاہ پنجاب لاہور کی طرف سے ۱۹۶۵ میں شائع ہو چکی ہے ۔ متن ۶۵ صفحات پر مشتمل ہے ۔

مؤلف نے مقدمے میں کتاب کا سبب تالیف بیان کیا ہے اور خود ہی سال تالیف پر قطعہ لکھا ہے:

چو سر در سر نظم این نامہ کردم
کہ ہرگز نہ بیند درو چشم رمدی
چنین گفت از سال تاریخ ہاتف
بگو نام احرار و اسرار صمدی ۱۱۴۲ھ

کتاب مقدمہ اور سات فصلوں پر مشتمل ہے جس کی تفصیل حسب ذیل ہے:

۱ - بندہ بہادر باغی سکھوں کے سرغنہ اور اس کے ساتھیوں کی گرفتاری اور امن و امان قائم کرنا۔
۲ - سرہند میں دولت خان اور اس کے بیٹے عیسیٰ خان کی شورش کا خاتمہ اور دونوں کا قتل۔
۳ - حسین خان، افاغنۂ قصور کے سردار کی سرکوبی
۴ - شرف الدین کشمیری کی بغاوت کا خاتمہ
۵ - دھرپ دیو زمیندار جموں کی اصلاح پذیری
۶ - جموں کے کوہستانیوں کی سرکشی اور ان کی سرکوبی
۷ - محاسن ممدوح۔

کتاب کا مصنف نواب عبدالصمد کا منشی اور معاصر تھا اس لیے اس کے بیانات مستند اور قابل اعتماد ہیں۔ اور ایک معاصر کی شہادت ہونے کی وجہ سے اہم ہیں۔

پروفیسر شجاع الدین نے مقدمہ میں قیاس سے منشی جوت پرکاش مصنف دستور عشق کو اسرار صمدی کا مصنف قرار دیا ہے لیکن یہ صحیح

نہیں ۔ مصنف نے اپنے آپ کو ساکن کلانور بتایا ہے اور جوت پرکش کے متعلق تو معلوم نہیں کہ وہ کلانور کا رہنے والا تھا ۔ اصل میں اس کا مصنف منشی رام سہای زرگر بچہ کلانوری متخلص بعاصی ہے ۔ یہ نام اسرار صمدی کے ایک اور نسخۂ خطی سے منکشف ہوا ہے جو پنجاب یونیورسٹی لائبریری ، مجموعہ آذر میں شمارہ D. 179/7403 پر موجود ہے یہ نسخہ پروفیسر مرحوم کی نظر سے نہیں گزرا اور نہ ہی طباعت کے وقت نظر ثانی کرتے ہوئے ڈاکٹر محمد بشیر حسین کی نظر سے گزرا ۔ یہ نسخہ معاصر ہے اور کتاب کی تالیف کے صرف پانچ سال بعد تحریر ہوا ۔ اس کا ترقیمہ یہ ہے :

" تمام شد نسخہ اسرار صمدی بعون عنایت اللہ تعالی تصنیف رام سہای منشی زرگر بچہ کلانوری متخلص بعاصی روز سہ شنبہ پانزدہم صفرالمظفر سنہ پانزدہم محمد شاہ بادشاہ غازی موافق ۱۱۴۶ ھ مقدسہ معظمہ متبرکہ " ۔

اسرار صمدی کا اسلوب بیان زمانے کے رجحانات کے مطابق منشیانہ اور ادیبانہ ہے ۔ جملے بیان و بدیع کی خوبیوں سے آراستہ ہیں ۔ عبارت میں تکلف و تصنع ہے لیکن جملوں میں روانی ہے ۔ نمونے کے لیے یہ چند جملے دیکھیے :

"چون آن نرد باز تختۂ ضلالت از بو قلمونی روزگار تاب مقاومت نیاورده بحصن حصین گرفتار شد و پابند ششدر ادبار گشت بشکل کعبتین داغ داغ حسرت پیدا کرده ۔ لشکر منصور بمعرکہ نصرت پافشرده چوں پیل مست بر جا ماند ۔"

مصنف شاعر بھی تھا ۔ خیالات نظم کر لیتا تھا ۔ معلوم ہوتا ہے ، اسے خاص طور پر مثنوی لکھنے میں مہارت ہو گی کیونکہ اس نے عموماً اسرار صمدی میں تاریخی واقعات بیان کرتے ہوئے وصفیہ اور مدحیہ اشعار

مثنوی میں لکھے ہیں۔ اسرار صمدی کا تقریباً آدھا حصہ اشعار پر مشتمل ہے جو بوستان سعدی اور شاہنامہ کی بحروں میں مرقوم ہیں۔ مثلاً ذیل کے اشعار دیکھیے :

خوشا فکر نواب فیروز جنگ   کہ مار سیہ شد بکام نہنگ
بآن عقل تدبیر و رای بلند   چنین دیو را کرد در شیشہ بند
زہی روز مردان راہ خدا   کہ دارند در کار حق جہدہا
خوشا حال شیران بیت الامان   کہ کردند سر وقف خیر جہان
الٰہی جہان را بود تا قرار   ز نواب پنجاب سیراب دار

فانوس خیال

یہ رسالہ بھی اسرار صمدی کے مصنف رام سہای عاصی کی تالیف ہے مجموعۂ آذر کے نسخۂ خطی میں اسرار صمدی ۱-۲۹ برگ تک مرقوم ہے۔ فانوس خیال برگ ۳۰ سے ۳۹ تک مکتوب ہے۔ یہ رسالہ ۱۱۴۴ھ میں تالیف ہوا جیسا کہ مصنف نے خود سال تالیف بتایا ہے۔

چون بجستم سال تاریخش بفال   گفت ہاتف "شاہ فانوس خیال"

یہ نسخہ بھی ۱۱۴۶ھ کا مکتوبہ ہے جیسا کہ اس کے ترقیمے سے ظاہر ہے :

"تمت تمام شد نسخہ فانوس خیال تصنیف رام سہای عاصی تخلص زرگر بچہ کلانوری بتاریخ بیست و دوم صفرالمظفر سنہ ۱۵ محمد شاہی۔"

کتاب کا آغاز اس طرح ہے۔

بنام آن کہ بزم آرای دلہاست
تماشای خود و ہم خود نماست
کند ہر ذرہ را فانوس لمعات
بجیب قطرہ بنماید طلسمات
ایا آئینہ دار آن جمالم
کہ دل کردند فانوس خیالم

مصنف کو اپنے دوستوں کے ہمراہ 'پندوری' کی بیساکھی میں ایک دلفریب و دلکشا مقام دیکھنے کا اتفاق ہوا ۔ یہ رسالہ اس کی تعریف و توصیف میں لکھا گیا ہے ۔ تمام نثری و شعری محاسن کے ساتھ اس مقام کی تعریف کی گئی ہے ۔ تعریف تالاب ، وصف شب ماہتابی ، اشنان بیاس گنگا ، کے زیر عنوانات کوائف کی دلکش تصویریں پیش کی گئی ہیں ۔ آخر میں ، در اختتام کتاب و نصایح صواب کے موضوع پر نصیحتیں لکھی گئی ہیں ۔

—:o:—

غلام محی الدین

فتوحات نامہ صمدی

برٹش میوزیم کے فارسی مخطوطات میں شمارہ Or-1870 پر فتوحات نامہ صمدی کے نام سے ایک کتاب موجود ہے، جس میں سیف الدولہ دلیر جنگ عبدالصمد خان ناظم لاہور و ملتان (م - ۱۱۵۰ھ) کی فتوحات کا ذکر ہے۔ اس کے مؤلف غلام محی الدین ہیں۔ یہ کتاب ۱۱۳۵ھ میں تالیف ہوئی۔ ریو نے اس کے مشمولات کے متعلق بتایا ہے[1]۔ اس میں بندہ پیراگی کی شکست و گرفتاری (۱۱۲۷ھ)۔ عیسیٰ خان کی بغاوت اور شکست (۱۱۲۹ھ) حسین خاں قصوری کی سرکشی اور شکست (۱۱۳۱ھ) اور آخر میں مہم کشمیر میں کامیابی اور لاہور میں واپسی تک کے واقعات بیان کیے گئے ہیں۔

مؤلف کے متعلق معلومات فراہم نہیں ہوئیں۔ تمہید میں اس نے اتنا بتایا ہے کہ اس نے مراد بخش کی فتح بلخ سے متعلق کتاب مرآۃ انفراح مؤلفہ طغرا کے تتبع میں یہ تاریخ لکھی ہے۔

کتاب کا آغاز اس طرح ہے:

"فتوحات نامہ صمدی دیباچہ محامد نصرت طراز"

اسی نام سے کتابخانہ شفیع لاہور میں شمارہ ۵۰ پر ایک نسخۂ خطی موجود ہے۔ شروع میں حمد، نعت اور منقبت شاہ میں اشعار لکھے ہیں۔

---

۱ - فہرست مخطوطات فارسی، ریو، ص 970 b -

پھر آغاز سکھاں کے زیر عنوان سرہند میں سکھوں کی لوٹ مار اور کشت و خون کا حال بیان کیا ہے ۔ نواب عبد الصمد کا قلعہ لوہ گڑھ پر حملہ اور سکھوں پر فتح ۔ پھر گورداس پور کا محاصرہ ۔ جنگ اور بندہ بیراگی کی گرفتاری اور دہلی کو روانگی کی تفصیل بتائی ہے ۔ اس کامیابی پر خود شعر لکھا ہے :

سخن فہم بر سال آن یافت راہ   چو گفتم بدوزخ گرو روسیاہ
(۱۱۲۷ھ)

اس کے بعد عیسیٰ خاں کی بغاوت کا ذکر کیا ہے اور شاہداد کے ہاتھوں اس کا قتل بتایا ہے ۔ آخر میں حسین خان افغان قصور کے ساتھ لڑائی اور فتح کا حال بیان کیا ہے اور اس کے قتل پر کسی شاعر کے مصراع پر تضمین کر کے یہ شعر لکھا ہے :

دلیر جنگ چو شمشیر از نیام کشید
حسین بر سر بغی آمد و سرش ببرید

اس فتح پر دلیر جنگ کو سیف الدولہ کا خطاب ملا ۔

کتاب کے آخری الفاظ یہ ہیں :

"تمت تمام جنگ سکان و افغان ۔"   (برگ ۵۹ ب) ۔

ان الفاظ سے پہلے یہ شعر لکھا ہے :

شد افغان مغرور آفت شکار   ظفرھا بنواب ما مرد کار

کتاب کا آغاز یوں ہے :

بنام جہان داور بی نشان   کہ میدان کنہش بود لامکان

حشم سبزۂ گلشن کبریاش کرم ریزۂ خزان برگ و نواش

ڈاکٹر محمد بشیر حسین نے برٹش میوزیم کے نسخۂ خطی کے حوالے سے اسے بھی غلام محی الدین کی تصنیف قرار دیا ہے[1] لیکن یہ کتاب برٹش میوزیم کے نسخے سے مختلف ہے۔ اس کے مؤلف کا نام متن میں مذکور نہیں۔ یہ دونوں کتابیں اسی موضوع پر دوسری کتاب اسرار صمدی مؤلفہ عاصی کلانوری سے بھی مختلف ہیں۔

—:o:—

۱۔ فہرست مخطوطات شفیع، محمد بشیر حسین، لاہور، ۱۹۷۲ع، ص ۴۸۔

محمد قاسم عبرت

اس کتاب کے مؤلف سید محمد قاسم عبرت ہیں۔ اپنے تخلص کی رعایت سے یا واقعات کے عبرتناک انجام کی وجہ سے کتاب کا نام 'عبرت نامہ' رکھا ہے۔ ان کے والد کا نام سید برہان اللہ تھا جنہوں نے عمر کا بڑا حصہ سفر دکن، لکھنؤ اور ملتان میں گزارا۔ دادا کا نام سید خان محمد تھا۔ انھوں نے اپنے ایک بیٹے میر محمد ہاشم کا بھی ذکر کیا ہے۔ سید قاسم لاہور کے رہنے والے تھے۔ لاہور میں خرابی احوال کی وجہ سے وہ دہلی گئے اور وزیر سید حسین علی کے دیوان صورت سنگھ اور اس کے بیٹے لالہ انند سنگھ کے توسط سے ملازمت ملی دہلی میں انھوں نے فرخ سیر بادشاہ تیموری اور سید برادران کی کشمکش دیکھی۔

ان کی خود نوشت بیاض کے مندرجات سے ظاہر ہے کہ وہ ۱۱۲۰ھ سے ۱۱۷۱ھ تک ضرور زندہ تھے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ انھوں نے لمبی عمر پائی، کیونکہ ۱۱۲۰ھ تک وہ ضرور بیس پچیس سال کی عمر تک پہنچے ہوں گے تبھی وہ شعر گوئی میں اتنے پختہ ہو چکے تھے کہ قطعات تاریخ لکھ سکیں۔ انھوں نے نواب خانخانان منعم خان وزیر بہادر شاہ کی تصنیف الہام منعمی کے متعلق مندرجہ ذیل شعر لکھا جس سے ۱۱۲۰ھ سال تالیف نکلتا ہے۔

از درگہ فیاض خداوند علا   الہام الغیب است تاریخ خرد   ۱۱۲۰ھ

اس بیاض کی دوسری تحریروں سے ظاہر ہے کہ وہ لاہور میں

۱۔ بیاض سید قاسم، نسخۂ خطی پنجاب یونیورسٹی لائبریری، مجموعہ شیرانی شمارہ ۲۸۰۔

عبدالصمد خان ، نواب زکریا خان اور معین الملک کی ملازمت میں کسی نہ کسی حیثیت سے وابستہ تھے۔

عبرت نامہ

اس کتاب کے مندرجہ ذیل قلمی نسخوں کے متعلق اطلاعات فراہم ہو سکی ہیں :

P.P.L ۹۵۴۰۰۲۳ قاکر

Rieu	i—273	P.P.L.	954.023
Ethe	393	R.A.S.	No. 193.
Morley	104	P.U.L.	Azar H-62

پنجاب یونیورسٹی کا نسخہ ۱۷۳ اوراق پر مشتمل ہے۔ سائز "4 × "6.6 ہے۔ اس کتاب میں اورنگزیب کی وفات کے بعد یعنی ۱۱۱۷ھ کے بعد سے ۱۱۴۷ھ تک کے واقعات مندرج ہیں۔ مشمولات کا مختصر جائزہ یوں ہے ،

وفات اورنگزیب۔ تخت نشینی بہادر شاہ۔ اعظم اور کام بخش پر فتوحات۔ مرگ بہادر شاہ اور تخت کے لیے اس کے بیٹوں میں جنگ۔ جہاندار شاہ کی تخت نشینی۔ سید برادران کی ترقی۔ فرخ سیر کی تخت نشینی زوال ، عزل اور مرگ۔ نکوسیر کی تخت نشینی آگرہ میں۔ رفیع الدولہ کی تخت نشینی دہلی میں۔ محمد شاہ کی تخت نشینی۔ سید برادران اور نظام الملک کی کشمکش اور ان کی شکست۔ قطب الملک کی وفات کا ذکر۔

مندرجہ بالا حوادث و واقعات کے علاوہ سکھوں کے متعلق خصوصیت سے دو عنوانوں کے تحت تفصیلات مندرج ہیں۔

۱ - در احوال بعضی از سوانحات گورو تیغ بہادر و گورو گوبند سنگھ وغیرہ (ص ۳۳ - ۴۵)

۲ - احوال گورو بندہ (ص ۸۰ - ۸۵)

اگرچہ یہ تاریخ ملازم سرکار تیموریہ نے لکھی ہے لیکن چونکہ وہ ان میں سے اکثر واقعات کا خود عینی شاہد ہے۔ اس لیے بیانات مستند شمار ہونے کے لائق ہیں۔

بیاض میر قاسم

اس بیاض میں سید قاسم کی اپنے ہاتھ کی لکھی ہوئی تحریریں موجود ہیں۔ اس میں بعض تو تہنیت و تعزیت کے موقعوں پر لکھے ہوئے اشعار ہیں۔ کچھ مادہ ہائے تاریخ ہیں۔ کچھ مدحیہ اشعار ہیں۔ بعض مکاتیب ہیں۔ ایک جگہ بتیس شعراء کے منتخب اشعار درج ہیں۔ ان میں سے بعض نا معروف ہیں مثلاً نجیبای خالص۔ محمد علی علم۔ شاہ افضل۔ شاہ طاہر۔ فیض بخش غنا۔ سامی۔ مردمی۔ بینش۔ دانش۔ عاشق۔ ثاقب۔ امی۔ امانی۔ غیرآن۔

سید قاسم، معلوم ہوتا ہے راجہ خوشحال چند سے بھی وابستہ رہے ہوں گے۔ تبھی وہ ان کے روابط کے سلسلے میں کہیں نہ کہیں شعر کہتے ہیں۔ مثلاً راجہ کے ہاں بیٹا پیدا ہوا تو انھوں نے تاریخ ولادت کہی:

گفت ہالف بہ تہنیت تاریخ کہ زہی لالہ جوان بخت است

۱۱۳۹ھ

میر قاسم لکھتے ہیں کہ ایک مرتبہ راجہ خوشحال چند پسر راجہ مجلس رای (شاگرد شاہ عتیق اللہ مرحوم) نے دو سو پچیس روپے دیے اور میں نے اس رقم سے مسجد پختہ اور چاہ پختہ بنوائے اور خود تاریخ تعمیر لکھی:

چو تاریخ تعمیر آن خواستم خرد گفت مسجد چو بیت عتیق

۱۱۳۹ھ

بیاض میں مندرج دوسرے مستند قطعات تاریخ بھی ہم محفوظ کیے لیتے ہیں تاکہ شاعر کی حیثیت سے سید قاسم کے کچھ اشعار محفوظ ہو جائیں ۔ دوسرے لاہور کی مقتدر شخصیتوں کے متعلق کچھ تاثرات منضبط رہ جائیں ۔

نواب عبدالصمد خان بہادر دلیر جنگ نہم ربیع الثانی ۱۱۵۰ھ یعنی ۲۰ محمد شاہی کو فوت ہوئے ۔ فقیر سید محمد قاسم منشی ملازم سرکار نے تاریخ وفات لکھی :

نواب دلیر جنگ سیف الدولہ
در بذل و سخاوت آنکہ او داد بداد

از دولت و نعمت و شجاعت در عمر
نگذاشتہ عقدہ کہ عزمش نکشاد

فرمان اجل رساند چون پیک اجل
لبیک زدو برفت با خاطر شاد

او شد زمغفرت بہ جنت داخل
عالم زغمش بنالہ حسرت فریاد

تاریخ وصال آن کرم پرور دین
جستم از بر عقل با صدق و سداد

گفت از سر الہام بمن ہاتف غیب
بر گوی ہمیں کہ حق زو راضی باد ۱۱۵۰ھ

نواب زکریا خان کی وفات پر یہ تاریخ کہی :

این نکتہ بہر کدام باشد معلوم
موجود ہرآنچہ ہست گردد معدوم

از رحلت نواب مرا ہاتف گفت
از وصل احد خان بہادر مرحوم ۱۱۵۸ھ

میر یحییٰ خان پسر زکریا خان کے ناظم صوبہ پنجاب بننے پر سید قاسم نے مندرجہ ذیل اشعار پیش کیے

ای مبارک بتو اقبال صمد — حضرت خواجہ احرار مدد
دادہ حق صوبۂ پنجاب بتو — مثل این صوبہ دگر ہم بدہد
حکم محکم ز محمد شاہ است — کہ ہمیشہ بتو این صوبہ سزد
بر تو ہر وقت مبارک باشہ — کرم و لطف و عنایات احد
سال تاریخ چو جستم از عقل — گفت در گوش من از لطف خرد
۱۱۵۸ھ

سراعدا شدہ پامال ازو — ناظم صوبہ پنجاب آمد
میر قاسم بدعا مشغول است — چشم دارد کہ اجابت برسد

نواب معین الملک ناظم پنجاب کی مدح میں آشعار کہے۔ تحریر ۱۱۶۱ھ

ای معین الملک غازی ہچو تو نواب کو
یکسرہ ہندوستان ہندوی تووآن تو باد

چون دعایت الس و جان و وحش و طیر از دل کنند
میر قاسم ثناخوان ثناخوان ثناخوان تو باد

کفایت خان کا نام مولوی عبد اللہ تھا ۔ نادر شاہ نے کفایت خان کا خطاب دیا ۔ شاعر بیچارے کی بے بسی ملاحظ کیجیے ۔ اس نے ۱۱۵۷ھ میں کفایت خان کی تعریف میں مندجہ ذیل اشعار لکھے :

طرفه احسان نمودی بر پنجاب بردہ کشتی بروںش از گرداب
حفظ ناموسہا و جان بخشی از عذاب شدید امان بخشی
خیر خواہ خلایق آمدہ است زان بر آفاق فایق آمدہ است

لیکن جب نواب زکریا خان نے ملتان میں اسے قید کر لیا اور لاہور میں لا کر اسے مروا ڈالا ، تو شاعر نے اسے مکر و فریب کا مجرم قرار دیا -

مولوی را چون بجرم مکر و کید در حویلیہای او کردند قید
گفت ہاتف سال تاریخ وفات از کفایت خان برآمد جان کید

غلام محی الدین خان روہیلہ پسر قطب الدین خان نے ۱۱۷۰ھ میں قصور میں 'مسجد عالی' تعمیر کرائی - میر قاسم نے اس کی تاریخ لکھی -

مسجد غلام محی دین چون بنای ساخت
بہر وضوی رضوان سقا بروں شتافت

یہ بات تحقیق طلب ہے کہ آجکل یہ مسجد موجود ہے یا نہیں ؟
(تعمیہ سقاء ۱۶۱) ۱۱۷۰ھ

کفایت خان کے نام سید قاسم کا ایک خط ہم یہاں نقل کرتے ہیں تاکہ ان کی انشاپردازی اور مکتوب نگاری کا ایک نمونہ محفوظ رہے اور ان کے زمانے کی نثر نگاری کا اسلوب بھی سامنے آجائے -

خان صاحب قبلۂ 'جہان' امید گاہ خیراندیشان مد ظلہ :

بعد از ابراز لوازم نیاز تہنیت طراز و ابلاغ مراسم خلوص جمعیت پرداز مکشوف ضمیر التفات موصوف میگرداند - از نوید بہجت جاوید سرافرازی منصب فیض موہبت و عطای خلعت

خورشید طلعت و عنایت فیل کوه تمثیل از بنگاه فضل و کرم حضرت شاهنشاه جم جاه سکندر دولت ، داراسپاه ، فریدون حشمت، سلیمان بارگاه ، ابذات ملکی ملکات الوف خرمی وصنوف خوشوقتی نصیب مخلصان عقیدت آئیں و خیر خواہاں نیازمندی قرین گردیده ـ بہای نتایج حسنات وثمرهٔ حسن نیات کہ در رفاه خالق الله و حصانت و اعانت حق تعالی بعرصه ظهور رسیده عاید احوال خجسته مآل شده

توخیراندیش خلقی و پس من بهردعای تو
کہ یارب ہرچہ ہرخلق اندیشی ہمان بینی

خیرخواہی ترقی طلب ہر دور و نزدیک ارتقای ملازمان بمدارج زیاده بر شمارد و اعتلای بندگان بمراتب بالاتر از حصر و تکرار مستدعی می باشد بعرض مبارک باد عمر و دولت زیاد بر داب نیاز مند آن خلوص مواد بیاد می گیرد ـ

——:o:——

اسلم پرسروری

فرحت الناظرین[1]

یہ ایک عمومی تاریخ ہے، جس میں آفرینش آدم سے لےکر مسلمانوں کے دورۂ حکومت ۱۱۲۴ھ تک کے احوال و واقعات قلمبند کیے گئے ہیں۔ کتاب کے مؤلف محمد اسلم بن محمد حفیظ پرسروری انصاری قادری ہیں۔ وہ ۱۱۵۰ھ میں پیدا ہوئے۔ پسرور ان کے آبا و اجداد و اقرباء کا مسکن تھا۔ ان کے دادا ملا عبدالوہاب قادری، ملا عبدالحکیم سیالکوٹی کے شاگرد تھے۔ وہ کچھ مدت کے لیے عالمگیر کے لشکر میں قاضی بھی رہے۔ ملا عبدالوہاب کے چھوٹے بھائی شیخ فیض اللہ فاضل بزرگ تھے۔ حاجی سعداللہ سجادہ نشین درگاہ شاہ نورالدین کلانوری نے محمد اسلم کو تعلیم کی طرف راغب کیا۔ وطن میں ابتدائی تعلیم سے فراغت کے بعد فرنگی محل کے علماء سے بھی فیض حاصل کیا۔ وہ ۱۱۷۲ھ میں فیض آباد گئے۔ ناظم جنگ مدیرالمالک رفیع الدولہ موسیو جنتیل (Jean Baptiste Joseph Gentil) کے توسط سے نواب شجاع الدولہ نواب وزیر اودھ) کی خدمت میں ملازمت کے لیے درخواست کی جو قبول ہوگئی۔ چونکہ نواب وزیر تاریخ سے دلچسپی رکھتے تھے، اس لیے محمد اسلم نے اپنی تاریخ فرحت الناظرین مرتب کر کے ۱۱۵۴ھ میں پیش کی۔

کتاب مقدمہ، سہ مقالہ اور خاتمہ پر مشتمل ہے۔ عنوانات سے کتاب کے مشمولات واضح ہوں گے۔

---

۱ فرحت الناظرین، پنجاب یونیورسٹی لائبریری، روٹوگراف، شمارہ ۱، محمد ایوب قادری، فرحت الناظرین (اردو ترجمہ) کراچی، مقدمہ۔

مقدمہ : خلقت اشیاء ، احوال جان و بن الجان و ریاست ابلیس ۔

مقالۂ اولی : احوال انبیاء ، غزوات سرور انبیا ، خلافت خلفاء و ائمۂ ہدی ۔

مقالہ ثانیہ : احوال سلاطین ہند از بدو ریاست ہند بن حام بن نوح عرم تا سلطنت صاحب قران گورگان ۔

مقالہ ثالثہ : از احوال صاحب قران تا خلیفہ زمان ۔ تا سال ۱۱۲۳ھ ۔

خاتمہ : احوال مشایخ کرام ، علمائے عظام ، خاندان وزیر الاعظم خلیفۂ زمان ۔

خاتمہ میں ۳۶ مشایخ ، ۳۱ علماء ، ۵۴ شعراء کا ذکر ہے ۔

مؤلف نے اپنے ماخذ میں مندرجہ ذیل کتابوں کا نام لیا ہے :

تاریخ یمینی ، تاج المآثر ، ترجمہ یمینی ، تاریخ فیروز شاہی ، تاریخ نظام الدین بخشی ، مرآۃ العالم ، تاریخ فرشتہ ، تاریخ الفی ، حبیب السیر ، روضۃ الصفا ، طبری ، تیمور نامہ ، ظفر نامہ ، واقعات بابری ، واقعات ہمایوں و اکبر ، اکبر نامہ ، جہانگیر نامہ ، شاہجہان نامہ ، عالمگیر نامہ تاریخ محمد شاہی ، تاریخ فرخ سیری ، تاریخ قبچاق خانی ، تاریخ خافی خان ، منظومہ محمد شاہی ، تاریخ نادری ، تاریخ احمد ابدالی وغیرہ ۔

——:o:——

دونی چند

کیگوہر نامہ

کیگوہر' نامہ کے مصنف کا نام دونی چند ہے۔ باپ کا نام میگھراج ۔ وہ سات سال کے تھے کہ والد وفات پا گئے ۔ بچپن میں ایزد باری اور پندنامہ پڑھا ۔ نوجوانی میں دوستوں کے ساتھ سیر و شکار کی لت پڑ گئی ، پھر سوچا یہ صحرانوردی بے فائدہ ہے ۔ اسی اثناء میں باز نامہ کا مطالعہ کیا اور باز داری میں کمال مہارت حاصل کی ۔ لیکن پھر اس شغل بیکاری کو بھی چھوڑ دیا ۔ پندرہ سال کی عمر میں علم موسیقی میں دسترس حاصل کی ۔ رباب و طنبورہ بجانے میں مہارت پیدا کی ۔ بعد میں یہ سودا بھی سر سے اتر گیا ۔ تیر اندازی اور نیزہ بازی میں مہارت حاصل کی اور پرندوں کا شکار کر کے گوشت کھایا ۔ پھر ایک گرو سے پلٹہ ، پٹہ اور بانک چلانے کا فن سیکھا ۔ ایک دوست سے چابک سواری کے اسرار کو بھی سمجھا ۔ بعد میں علم طب پڑھا اور علاج معالجہ بھی کرتا رہا آخر اسے بھی خیرباد کہا ۔ نوکری کی ٹھانی اور سلطان دلاور خاں گکھڑ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس کے منصبدیوں میں شامل ہو گیا ۔ صبر و قناعت سے دن گزار رہا تھا ۔ لیکن مدار المہام کی سخت گیری اور بدعہدی کی وجہ سے مقید و اسیر ہوا ۔ آخر غوث الثقلین کے وسیلے سے قید سے رہائی ہوئی ۔ چونکہ گکھڑوں کو غوث الاعظم سے بڑی عقیدت ہے اس لیے سردار نے اسے بغداد جانے کی اجازت دے دی ۔ وہ بارہ سال وہاں رہے ۔ واپسی میں اپنے وطن پوٹھوہار آئے ۔ بعد میں سیر کرتے ہوئے

۱ ۔ کیگوہر نامہ ، دونی چند ، مرتبہ ڈاکٹر محمد باقر ، پنجابی ادبی اکیڈمی ، لاہور ۱۹۶۵ع ، دیباچہ ۔

جموں میں آئے وہاں کے راجہ نے ان کی قدر و منزلت کی اور اچھے دن گزرنے لگے ۔ ایک دن مجلس آراستہ تھی ۔ جموں ، جسروٹہ اور ہنڈورہ کے راجے بیٹھے تھے ۔ دھاریوں نے اس ملک کے سرداروں اور جانبازوں کے قصے سنائے ۔ دونی چند لکھتے ہیں کہ میں نے غیرت میں آ کر گکھڑوں کی بہادری کا ذکر کیا اور جموں پر لشکر خان کے حملہ کا حال بیان کیا ۔ انھوں نے اس واقعہ کی صداقت سے انکار کیا اور کہا کہ گواہی میں قدیم شعر پیش کرو ۔ دونی چند کہتے ہیں ۔ میں نے گھر آ کر پوٹھو ہاری زبان میں گکھڑوں کا نسب نامہ مرتب کیا اور میر گل میراسی کو یاد کروا کر چند دن بعد مجلس میں حاضر کیا اور انھیں ان واقعات کو سچا جاننے پر مجبور کیا ۔ لیکن وہ دل میں میری اس حرکت سے ناخوش تھے ۔ مجھے چونکہ آزادی عزیز تھی ، اس لیے میں اجازت لیے بغیر وہاں سے نکل آیا اور قلعہ ماکیالہ میں سلطان بوڑھا خاں کی خدمت میں حاضر ہوا جس نے میری قدر افزائی کی ۔ کچھ عرصہ بعد سلطان مبارز خان کی طرف سے دعوت نامہ موصول ہوا ۔ معلوم ہوا کہ میر گل میراسی نے میرا یادکرایا ہوا نسب نامہ سلطان مبارز کو سنایا جس نے مہرباں ہو کر مجھے بلا بھیجا اور لطف و کرم سے پیش آیا ۔ سلطان مبارز کی فرمائش پر ہی یہ تاریخ لکھنا شروع کی اور ۱۱۳۷ھ میں اسے مکمل کیا ۔ دونی چند نے کیگوہر نامہ کے آغاز میں خود اپنی زندگی کے مندرجہ بالا حالات و واقعات لکھے ہیں ۔ ان کے علاوہ اس کی زندگی کے متعلق کوئی اطلاع دستیاب نہیں ۔

دونی چند اچھے انشا پرداز نظر آتے ہیں ۔ توصیفی عبارتوں میں مقفی و مسجع لکھ لیتے ہیں ۔ خیالات بھی منظوم کر لیتے ہیں ۔ کیگوہر نامہ میں مثنوی ، قطعات ، قصیدہ اور غزل کے اشعار موجود ہیں بعض اشعار میں وزن اور قافیہ کے اسقام موجود ہیں ۔ شعر میں بعض جگہ مقامی الفاظ و اورات بھی استعمال کرتے ہیں ۔

کیگوہر نامہ قبیلہ گکھڑ کی تاریخ ہے ۔ گکھڑ مدتوں علاقہ پوٹھوہار میں آباد تھے ۔ یہ علاقہ مختلف زمانوں میں پھیلتا سکڑتا رہا ہے ۔ عموماً اس کی حدود دریائے سندھ اور جہلم کے درمیان رہی ہیں ۔ کیگوہر نامہ کے مؤلف دونی چند نے گکھڑ خاندان کا مؤسس کیگوہر بتایا ہے جو اصفہان کا حکمران تھا اور کیقباد ۔ کیکاؤس کا ہم عصر تھا ۔ کیگوہر کا بیٹا سلطان کید بہادر نکلا ۔ اس نے تبت فتح کیا ۔ وہیں شادی کی اور اپنے بیٹے کا نام سلطان تبت رکھا ۔ اسی خاندان نے گیارہ پشتوں تک حکومت کی ۔ آخری بادشاہ سلطان قاب نے منوہر چک سے کشمیر فتح کیا ۔ اور کشمیر میں ان کے تیرہ بادشاہ حکمران رہے ۔ آخری بادشاہ رستم خاں کے عہد میں کشمیریوں نے بغاوت کی اور بادشاہ کو قتل کر دیا ۔ رستم خان کا بیٹا قابل خاں کابل جا پہنچا اور اس علاقے پر قبضہ کر کے حاکم بن بیٹھا ۔

قابل خاں سے پہلے تک کی تاریخ غیر یقینی ہے ۔ کیگوہر وغیرہ ایران کے اساطیری بادشاہ ہیں ۔ یہ مسلمان نہیں تھے ۔ اس لیے یہ بات خیالی ہے کہ سلطان کید نے تبت فتح کر کے بت خانوں کے بجائے مساجد تعمیر کرائیں ۔ کشمیری عہد بھی مبہم ہے ۔ کشمیر کی تاریخ میں منوہر چک کوئی بادشاہ نہیں گزرا ۔

۳۶۵ھ میں سبکتگین نے لمغان پر حملہ کیا تو قابل خاں مقابل میں آیا ۔ بعد میں دونوں میں مصالحت ہو گئی ۔ قابل خاں کا بیٹا گکھڑ شاہ محمود غزنوی کے ہمراہ ہندوستان کے حملوں میں شریک رہا ۔ محمود غزنوی نے گکھڑ شاہ کو سندھ اور جہلم کا درمیانی علاقہ دے دیا ۔ اس طرح گویا ان کی آزاد حکومت شروع ہو گئی ۔ ۴۱۲ھ سے ۱۱۸۶ھ تک یہ علاقہ گکھڑوں کے تصرف میں رہا ۔ حوادث زمانہ کے ساتھ ساتھ علاقے کی حدود میں تغیر آتا رہا ۔

دونی چند نے ۱۳۷ ۱ھ تک کے واقعات کو لکھا ۔ اس کے بعد اس کے بیٹے برجناتھ نے سلطان مکرم خاں کے زمانے سے غلام حیدر خان کے عہد تک کے حالات قلمبند کیے ہیں ۔ اس کے بعد رائزادہ رتن چند ولد برجناتھ نے کرم اللہ خاں کے عہد سے لے کر ۱۱۸۶ھ تک کے واقعات قلمبند کیے ہیں ۔ آخر میں مؤلف نے خاندان کے مختلف سلسلہ ہائے حکومت کے کرسی نامے یعنی نسب نامے درج کیے ہیں ۔ اس کے بعد رائزادہ عزت رائے نے قبیلہ گکھڑ کی مزید شاخوں میں سے کالا خاں برادران اور میاں زاہد کی اولاد کے حالات بیان کیے ہیں ۔

کیگوہر نامہ ایک مرتب و مسلسل تاریخ نہیں ۔ جن حکمرانوں کے واقعات زندگی بیان کیے گئے ہیں ۔ ان کے سنین باقاعدہ نہیں دیے ۔ مؤلفین نے اپنے زمانے سے ماقبل تاریخ کے متعلق اپنے ماخذ و منابع کا ذکر نہیں کیا ۔ ایک جگہ تاریخ فتح خانی مصنفہ مرزا قابل خان بن مرزا زمان خان اور تاریخ پڈھالاں کا ذکر کیا ہے لیکن اس کے باوجود اس بہادر قبیلہ کے متعلق جو کچھ واقعات بھی ایک تاریخ کی صورت میں محفوظ رہ گئے ہیں ، وہ غنیمت ہیں ۔ اس کتاب کی اہمیت کا پہلو یہ بھی ہے کہ اس میں پوٹھوہار علاقے کے قدیم شہروں ، قصبوں ، دیہاتوں اور قلعوں کے نام ، ان کے محل وقوع اور سالہائے تعمیر اور بعض جغرافیائی کیفیات محفوظ رہ گئی ہیں ۔ بعض تفصیلات سے اس علاقے کی ثقافتی زندگی پر بھی روشنی پڑتی ہے ۔ ایک جگہ مستورات گکھڑاں اور قاضیوں کی عدالت سے متعلق احوال قلمبند کئے ہیں ۔

۱۸۷۱ میں جے ۔ جی ۔ ڈلمیرک (Delmerick) نے J A.S.B. جلد شمارہ 40 میں گکھڑوں کی تاریخ مرتب کر کے شائع کی تھی اور ۳۷۳ھ یعنی قابل خاں سے لے کر گکھڑوں کے آخری سردار کرم داد خان ۱۲۸۲ھ تک کے متعلق معلومات فراہم کی ہیں اور ہر سردار یا حکمران کے متعلق سال حکومت متعین کر کے لکھا ہے ۔ ڈلمیرک (Delmerich) کے

پیش نظر کیگوہر نامہ یا گکھڑ نامہ قسم کی کوئی کتاب نہیں تھی ۔ اگر ہوتی تو وہ اس کا ذکر کرتا ۔ اس نے ہندوستان کی مختلف تاریخوں سے معلومات اخذ کر کے اس قبیلہ کے افراد کی تاریخ مرتب کی ہے ۔ اکثر حوالے تاریخ فرشتہ سے دیے ہوئے ہیں ۔ اپنے اختصار اور وضاحت کے اعتبار سے یہ مرتبہ تاریخ مفید ہے ۔

دونی چند نے اپنے سرداروں کی تعریف میں عبارت آرائی سے کام لیا ہے اور ان کی مدح میں قصاید اور غزلیات اور دیگر اشعار خود بھی نقل کیے ہیں ۔

۱۹۶۵ء میں ڈاکٹر محمد باقر نے مندرجہ ذیل چار نسخوں کی مدد سے متن تصحیح کر کے شایع کیا ۔

۱ ۔ نسخہ انڈیا آفس لائبریری ۔

۲ ۔ برٹش میوزیم

۳ ۔ راجہ محمد گلزار خان

۴ ۔ بریگیڈیر غازی الدین حیدر

ابوظفر ندوی نے ماہنامہ معارف شمارہ جولائی ۱۹۴۷ میں گکھڑ نامہ کے عنوان سے کیگوہر نامہ کا تعارف پیش کیا تھا ۔ انھوں نے چار نسخوں کی نشاندہی کی ہے جن میں مندرجہ بالا نسخوں کے علاوہ ذیل کے دو نسخے زاید ہیں ۔

۱ ۔ نسخہ رائل ایشیاٹک سوسائٹی اوف بنگال

۲ ۔ نسخہ گلزار احمد خان بی اے راولپنڈی

انھوں نے مزید بتایا کہ یہ چاروں نسخے اس نسخے کی نقل ہیں جو گلیانہ ، تحصیل گوجر خاں ، ضلع راولپنڈی میں موجود ہے ۔ سید ابو ظفر

نے راجہ گلزار احمد خاں کی فرمایش پر کیگوہر نامہ کا اردو میں ترجمہ بھی کیا تھا۔ اس بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ راجہ محمد گلزار خان اور گلزار احمد خاں ایک ہی شخص ہیں ، اس لیے ابو ظفر ندوی نے صرف ایک ہی زاید نسخے کا حوالہ دیا ہے ۔

ڈاکٹر باقر صاحب نے چار نسخوں کی مدد سے متن کی تصحیح میں کوشش کی ہے لیکن پھر بھی غلطیاں رہ گئی ہیں اور کئی اشعار وزن سے خارج ہیں ، البتہ پوٹھوہار کا نقشہ مرتب کرنے سے کتاب میں مذکورہ مقامات کو سمجھنے میں آسانی ہو گئی ہے ۔ دونی چند نے کیگوہر نامہ ۱۱۳۷ھ میں مکمل کیا لیکن صفحہ ۴۷ پر مہاراجہ رنجیت سنگھ کا ذکر ہے جس کا عہد حکومت ۱۲۱۴ سے ۱۲۵۵ھ تک ہے ۔ معلوم ہوتا ہے بعد میں کسی اور نے اضافہ کیا ہے ۔

پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں مجموعۂ آذر میں کیگوہر نامہ کے پانچ خطی نسخے مندرجہ ذیل شماروں پر موجود ہیں ۔ H-54 ، H-53 ، H-52 ، H-55 اور H-112 ۔ تعجب ہے کہ ڈاکٹر باقر ان نسخوں کو نہیں دیکھ سکے ۔ دو نسخے یعنی H 55 اور H-112 یکساں ہیں لیکن تمام باقی نسخوں سے مفصل اور مکمل ہیں ۔ دونوں نسخوں کا مؤلف رایزادہ دونی چند ہے اور ان کا سال تالیف ۱۱۳۷ھ ہے ۔ ان نسخوں میں تمہید میں اس نے اپنے حالات زندگی بیان کر کے مثنوی لکھنا شروع کی ہے اور ذیل کے عنوانات پر طبع آزمائی کی ہے ۔

در تعریف قلم ۔ در صفت کاغذ ۔ در شکوہ و شکایت فلک ۔ حکایت یوسف و زلیخا ۔ قصہ لیلی و مجنوں ۔ قصہ شیریں و فرہاد ۔ قصہ وامق و عذرا ۔ قصہ رسالو و کوکلا ۔ قصہ سسی و پنوں ۔ قصہ ہیر و ماہی ۔ قصہ مرزا و صاحبان قصہ بون و جلالی ۔ قصہ سوہنی و ماہیوال ۔ قصہ مادھو و کام کندن ۔ قصہ سورتھ و بیجا ۔ قصہ رودو و جلالی ۔

قصہ مصری و ماہی ۔ قصہ باغ این جہان ۔

نسخہ H-55 میں دوسرے اضافات یہ ہیں :

شجرۂ نسب پیر جیلانی در زبان پوٹھوہاری (برگ ۳۱-۳۲)

کرسی نامہ ہندوی (برگ ۳۵ تا ۳۷) جو راجہ جموں کے سامنے پڑھا گیا ۔

مدح شاہ جیلان بحر طویل میں (برگ ۴۰-۴۲)

چنیوٹ میں کہے ہوئے ہندوی اشعار (برگ ۴۵-۴۶)

جموں پر لشکر خان کے حملے کے تاثرات ہندوی میں (برگ ۶۴-۶۵)

راجہ دھرپ دیو کے متعلق اشعار ہندوی (۷۳-۷۴)

H-55 کے کل برگ ۹۷ ہیں ۔ نسخہ مکتوبہ ۱۸۸۸ بکرمی

H-112 کے کل برگ ۹۶ تا ۱۴۸ ہیں ۔ سال کتابت درج نہیں ۔

پوٹھوہار کے دوسرے قبیلوں کے متعلق بھی تاریخیں مرتب کی گئی ہیں اور گکھڑوں اور ان قبیلوں کے باہمی مراسم رہے ہیں ۔ اس لیے اس علاقے کی تاریخ کا پورا جائزہ لینے کے لیے ان کا مطالعہ بھی ضروری ہے پنجاب یونیورسٹی لائبریری کے مجموعہ آزر میں ان قبیلوں کے متعلق مندرجہ ذیل قلمی نسخے موجود ہیں :

تاریخ بدھالا مؤلفہ بودھامل ولد رایزادہ دونی چند ۔ شمارہ H-51

درحالات بدھالاں شمارہ H-108

تاریخ ہردالاں شمارہ H-56 برگ ۱-۵۱

تواریخ دھنیالاں " " برگ ۵۲ - ۷۰

تواریخ گکھڑوں سے متعلق متذکرہ صدر نسخوں میں متفرق اوراق پر گکھڑوں کی مختلف شاخوں کے کرسی نامے یعنی شجرہ ہائے نسب دیے گئے ہیں۔ ان سے استفادہ کر کے کیگوہر نامہ کا نیا متن مرتب کیا جا سکتا ہے۔

نور الدین ملتانی

جہاندار نامہ

اس تاریخ کے مؤلف نور الدین بن برہان الدین فاروقی ملتانی ہیں جن کے جد بزرگ شاہنشاہ بابر کے ہمراہ بلخ سے ہندوستان آئے۔ وہ کرنال کی جنگ میں شریک ہوئے۔ بعد میں ملتان میں مقیم ہوگئے۔ اورنگزیب کی وفات کے بعد بہادر شاہ نے اپنے بیٹے معزالدین گورنر ملتان کو فوج اکٹھی کرنے کا حکم دیا۔ برہان الدین فاروقی بھی فوج میں شامل ہوگئے اور اپنے بیٹے کو بھی ہمراہ لیا۔ جب جہاندار شاہ فرخ سیر کے مقابلے میں دہلی سے آگرہ روانہ ہوا تو نورالدین اور اس کا باپ چھ سو سواروں کے سالار کی حیثیت سے ہراول میں تھے لیکن اس لڑائی میں پسپا ہو کر نواب عبد الصمد خاں کی فوج کے پناہ گزین ہوئے۔ فرخ سیر کے عہد حکومت میں برہان الدین عبد الصمد خان کی ملازمت میں رہا۔ وہ نواب حسین علی خان کے ہمراہ اجیت سنگھ کے خلاف فوج کشی میں شریک ہوا۔ لیکن جب فوج راجپوتانہ سے دہلی واپس ہوئی تو وہ ملتان واپس چلا گیا نور الدین پرانی دہلی ، محلہ فاروقیاں میں مقیم ہوا۔ جب سید عبد اللہ خان نے عبد الصمد خان کو لاہور کا صوبیدار بنا کر بندہ کی بغاوت کو فرو کرنے کے لیے بھیجا تو نور الدین کو گیارہ سال کے بعد اپنے آبائی وطن جانے کا موقع ملا اور وہ فوج کے ساتھ پنجاب کی طرف روانہ ہوا۔ اس کا باپ ایک ماہ کے بعد بیس ربیع الآخر ۱۱۲۷ھ کو وفات پا گیا۔ نور الدین ملتان میں سکھوں کے تشدد کی وجہ سے نہ ٹھہر سکا اور دہلی

1- Persian Litreature, Storey, pp. 602--604.

واپس آگیا ۔ وہاں بھی فرخ سیر اور سید عبد اللہ خان کے درمیان عداوت کی وجہ سے ہنگامہ برپا تھا ۔

بہادر شاہ کے عہد حکومت میں نور الدین نے سرکاری طور پر تاریخ نویسی کو ملاحظہ کیا تھا ۔ اس لیے اس نے اپنے دل میں تاریخ نویسی کا اشتیاق پاکر جنگ نامہ لکھا ۔ لیکن اس سے غیر مطمئن ہو کر ضایع کر دیا ۔ فرخ سیر کے عہد حکومت میں جب یوسف خان وقایع نویسی پر مامور ہوا تو نور الدین بھی بڑے ذوق و شوق سے دیکھتے رہے ۔ پھر خود ان واقعات کو قلمبند کیا جو جہاندار شاہ کو اپنے تین بھائیوں کے خلاف تخت نشینی کی جد و جہد میں پیش آئے ۔ یہ کتاب اس نے ذی الحجہ ۱۱۲۷ ھ میں مکمل کی ۔ کتاب تاریخی نقطۂ نظر سے اس لیے زیادہ اہم ہے کہ مصنف خود ان واقعات کا شاہد عینی ہے ۔ اس کتاب کا نسخۂ خطی انڈیا آفس لائبریری میں شمارہ ۳۹۸۸ پر موجود ہے ۔

—:o:—

محمد مقیم

تاریخ پرسرور و سیالکوٹ

اس کا مؤلف محمد مقیم بن شیخ رحمت اللہ ہے۔ وہ پرگنہ پرسرور (موجودہ پسرور) کے موضع ستراده باجوہ کا رہنے والا تھا۔ اس کا بیان ہے کہ اسے پرانی عمارتوں اور کھنڈروں کی تحقیق کا شوق تھا خاص طور پر سیالکوٹ میں سید علاء الحق کی شہادت کے واقعات جاننے کی آرزو تھی۔ اتفاق سے لاہور میں ۱۷۰۱ء میں ایک فقیر شیخ جمال الدین سے ملاقات ہوئی۔ اس وقت اس کی عمر ۱۴۰ سال تھی۔ اس فقیر سے بعض معلومات حاصل ہوئیں۔

کتاب کے پہلے حصے میں سید علاء الحق بن سید حسن مکی کے حالات زندگی بیان کیے ہیں۔ وہ سید خضر خاں کے بھائی تھے جو فیروز شاہ کا محبوب امیر تھا۔ علاء الحق کو قلعۂ کانگڑہ پر حملہ کے لیے بھیجا گیا۔ وہ ۷۵۷ھ میں کفار کے ہاتھوں شہید ہوگئے۔ دوسرے حصے میں سلطان بہلول تک کی جنگوں اور طوفانوں کا ذکر ہے۔ جن کی وجہ سے پنجاب کا یہ حصہ بر باد ہوگیا۔

کتاب کا ایک نسخۂ خطی برٹش میوزیم لائبریری میں موجود ہے۔ (ریو - ۹۵۴)۔ کل ۲۸ برگ ہیں۔

ملک لعل چند منشی

یہ لالہ میگھراج کے والد ملک لعل چند ہیں۔ منشی تخلص کرتے تھے۔ اقران میں ملک زادہ معروف تھے۔ انھوں نے اپنے اساتذہ میں سے میر سید خورشید اور قاضی محمد میر کے نام لیے ہیں۔ وہ پہلے لشکر خان کے میر منشی رہے۔ پھر محمد اعظم شاہ عالم کی ملازمت میں آئے اور منشی گری دیوانگاہ وزارت والا شاہی پر مامور ہوئے۔ جب شاہزادہ معزالدین افاغنہ کی سرکشی کے لیے کابل روانہ ہوا تو وہ دارالانشاء کی خدمت کے لیے اس کے ہمراہ گئے۔ واپسی کے بعد بادشاہ اورنگ آباد گیا۔ اس وقت بدیع الزمان مہابت خان اجمیر میں تھا۔ عرایض نویسی اور مراسلہ نگاری کی خدمت ان کے سپرد ہوئی۔ جب وہ دکن گیا تو ملک لعل چند بھی اورنگ آباد میں ایک سال تک ٹھہرے۔ اس وقت ۷۰ سال کی عمر تھی اور سال ۱۰۹۵ھ تھا۔ اس سے ظاہر ہے کہ ان کی پیدائش ۱۰۲۵ھ میں ہوئی۔ نگارین نامہ ان کی زندگی اور ان کے تجربات کا حاصل ہے۔ اسی سال انھیں مسودات مرتب کرنے کا خیال آیا۔

یہ کتاب دو دفتروں میں منقسم ہے۔ دونوں دفتروں میں چار چار صفحات ہیں۔

دفتر اول میں مؤلف کی اپنی تحریریں ہیں، جن کی تفصیل یوں ہے:

صفحہ اول: شہزادوں کے عرایض و مکاتبات۔

صفحہ دوم: صحایف امرا۔

صفحہ سوم: دیوانوں کے عرایض و مراسلات، پروانجات مالی اور اسناد خدمات۔

صفحہ چہارم : خطوط عزیزان و دوستان ۔

دفتر دوم ۔ اس میں دوسرے منشیوں کے مسودات منقول ہیں ۔ ان کی تفصیل اس طرح ہے :

صفحہ اول : فرامین ، مناشیر و مکتوبات ۔

صفحہ دوم : عرایض و مکتوبات خوانین ۔

صفحہ سوم : منشآت طالع یار ۔

صفحہ چہارم : نگارین نامہ معانی مستعدان روزگار ۔

مؤلف نے تمہید میں فن انشاء پر گفتگو کے بعد متقدمین سے لے کر اپنے زمانے کے منشیان بلاغت نشان کے نام لیے ہیں جن سے مؤلف کے مطالعہ کی وسعت ظاہر ہوتی ہے ۔ ہم وہ نام یہاں نقل کرتے ہیں تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ ایک عالم انشا پرداز کی نگاہ میں متقدمین و متاخرین میں سے کون کون سے بہترین ادیب و نثر نگار و مراسلہ نویس گزرے ہیں ۔

متقدمین میں سے ایران میں : سعدی ، نصیر طوسی ، شرف الدین یزدی ، اخوند میر ہروی ، مصنف روضۃ الصفا ، سکندر مرزا منشی مؤلف عالم آرای عباسی ۔

ہندوستان میں : ابوالفضل ، امین احمد رازی مؤلف ہفت اقلیم ، عبدالقادر بدایونی ، محمد قاسم فرشتہ ، معتمد خان مصنف جہانگیر نامہ افضل خان ، اسلام خان ، سعداللہ خان ، عبدالحمید لاہوری ، محمد وارث خان ، قاضی محمد افضل در سرکار دارا شکوہ ، شیخ عبدالرحیم خیر آبادی ، ملا امینای قزوینی ، شیخ ہیبت اللہ منشی شاہزادہ مراد بخش (ابوالفضل کے بعد ایسا منشی پیدا نہیں ہوا) ۔ چندر بھان لاہوری ، شیخ عبدالصمد جونپوری ، شیخ طالع یار عرف اودھے راج منشی رستم خان

ملا ابوالفتح ٹھٹوی (قابل خان) ، محمد کاظم خلف ملا امتیاز ایرانی ، ملا مخدوم تھٹوی ، ملا عبدالخالق پنجابی ، منشی ولی عہد محمد معظم شاہ ، شیخ عنایت اللہ ، شیخ محمد صالح کنبو ، امانت خان خوافی مشہور بمیرک معین الدین احمد ، میر محمد رضا ۔

نگارین نامہ کی اہمیت واضح ہے ۔ اس میں عہد شاہجہان اور اورنگزیب کے بہت سے تاریخی و مالی و انتظامی امور پر روشنی پڑتی ہے ۔ امرا اور منصبداروں کے نام خطوط سے تاریخی واقعات کے ساتھ نامور شخصیتوں سے بھی تعارف ہوتا ہے ۔ ممکن ہے اس مجموعے میں بعض ایسے مکتوبات محفوظ ہوگئے ہوں جو کسی اور تاریخ یا مجموعہ میں محفوظ نہ ہوں ، مثلاً :

عرضداشت قاسم خان منیجہ بحضرت صاحبقران ثانی ۔ تعزیت ممتاز محل

مراسلہ خطیر الملک بمرزایان گولکندہ ۔

محمد معزالدین کی طرف سے بادشاہ کے نام خطوط ۔

عریضہ شاہزادہ محمد ۔

شاہزادوں کے خط ایک دوسرے کے نام مثلاً محمد عظیم بنام معزالدین

عادل خان بیجاپور بنام مرزا راجہ سنگھ ۔

مکتوب مولانا عرفی بنام یکی از یاران ۔

شیخ عنایت اللہ کنبو بنام ملا خان ۔

نامہ شاہجہان بنام نذر خان ۔

پروانجات دیوانی و مالی اور اسناد و فرامین سے سلطنت کے مالی اور انتظامی امور پر نہایت اہم روشنی پڑتی ہے ۔ اس سے ملک کی انتظامی اکائیوں کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے ۔ عام اور مشہور منصبوں اور عہدوں

کے علاوہ نچلی سطح پر نظم و نسق چلانے کے لیے بھی کارکنوں کی ضرورت پڑتی تھی ۔ آئین اکبری کے بعد ایسی کوئی جامع کتاب مرتب نہیں ہوئی جس میں بعد کے سلاطین کے عہد میں اس تفصیل سے انتظامی امور کے متعلق تفاصیل میسر آتیں ۔ نگارین نامہ جیسی کتابوں سے اس قسم کی معلومات اکٹھی کی جا سکتی ہیں ۔ مثلاً مندرجہ ذیل امور کے لیے دستک یا پروانہ ملاحظہ کیجیے :

دستک مشرقی دارالضرب درگذر دریا ۔

خدمت ایمنی شاہراہ ۔ سند آبادی چاھای افتادہ ۔

دستک زمین دریا بردہ ۔ پروانہ محافظت اشجار انبہ ۔

ضابطہ گرفتن محصول دواب ۔ پروانہ دیوانگی بیوتات روضۂ منورہ خدمت میرآبی ۔

دستوارالعمل دیوانیان جزو و کل ۔

نگارین نامہ کا ایک قلمی نسخہ پنجاب پبلک لائبریری ، لاہور میں شمارہ ۸۷۶,۹ ملک پر موجود ہے ۔ کل ۱۹۹ اوراق ہیں ۔

کارنامہ

یہ بھی ملک لعل چند کی تصنیف ہے ۔ کتاب کی تمہید میں حمد و ثنا ، بادشاہ عادل اور شرف عدالت کی تعریف کے بعد آئین وزارت پر روشنی ڈالی ہے ۔ پھر سبب تالیف بیان کرتے ہوئے لکھا ہے ۔ میں نے شیخ جمال اویس مشہور بمولانا جمال الدین نظمی ملتانی سے فیض تلمذ حاصل کیا ۔ عروض و قافیہ کے قواعد سیکھے ۔ ایک عزیز نے کہا : ”اگر نثر میں ایسی کتاب مرتب کی جائے جس میں تمام بنیادی محاسن آ جائیں اور نمونۂ کلام کے طور پر یاد رہے ۔“ وہ مزید بیان کرتے ہیں کہ اس سلسلے میں اتفاق سے چندر بھان برہمن کی کتاب چار چمن نظر سے گزری ۔ ایک مرتبہ میں

لشکر خان میر بخشی کے ساتھ ملازمت کے سلسلے میں اکبر آباد گیا۔ وہاں شیخ طالع یار عرف اودھے راج منشی رستم خانی کی منشآت دیکھنے کا اتفاق ہوا۔ طالع یار کا بڑا بیٹا اپنے باپ کے واقعات کو ہفت انجمن کے نام سے ترتیب دے رہا تھا۔ اس وقت خیال پیدا ہوا کہ میں بھی اس طرز پر ایک مجموعہ مرتب کروں۔ اسی اثنا میں کارستان منیر لاہوری بھی مطالعہ کرنے کا اتفاق ہوا۔

''این نگارین نامہ کہ در معنی دل شگفتگی و طمع کشادگی از صورت عبارتش نمایان بود و در رنگینی و نظارہ آفرینی صد نسخہ از پر طاؤس در برداشت، ہزار گونہ گل نشاط وقف دامان آرزو ساخت۔ الحق آن گلشن چمنستان معانی از سحر طرازی و جادو بیانی توجیہ کلام و تطبیق عبارت و صنعت ایہام و تجنیس و موازنہ و دیگر محسنات بدیعی از آغاز تا انجام بمقتضای مقام مرعی داشتہ لالہ زاری دلفریب در زمین نثر کاشتہ''

کارستان کی مندرجہ بالا تعریف کر کے لکھا ہے کہ اس میں آرایشات لفظی تو ہیں لیکن سلاست و معانی افروزی جتنی کہ چاہیے نہیں۔ ترصیع، ایہام، استعارات بعیدہ کی وجہ سے صفا و شستگی کلام کو نقصان پہنچا ہے۔ اس کے بعد لکھا ہے کہ میں نے کارنامہ کی داستان لکھتے ہوئے روش نگارش تو کارستان ہی کے سامنے رکھی ہے لیکن تصنع عبارت اور تکلف استعارات کا دشوار گزار راستہ چھوڑ دیا ہے۔

مصنف کارنامہ نے داستان شروع کرنے سے پہلے فن انشا اور شرائط و آداب انشار نگاری کے متعلق بنیادی امور پر روشنی ڈالی ہے۔ پھر کہانی لکھی ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے:

ایک بادشاہ کے ہاں اولاد نہیں تھی۔ اس نے وزیر دانا سے مشورہ کیا۔ سلطان وزیر کے ہمراہ دریائے گنگا کے کنارے گیا۔ صحرا میں گزر ہوا۔ عجائب روزگار کا مشاہدہ کیا۔ ایک درویش روشن ضمیر سے ملاقات

ہوئی اس نے بادشاہ کو فرزند کی بشارت دی۔ شاہزادہ مہر پیکر پیدا ہوا۔ جوان ہوا تو شاہانہ تعلیم و تربیت کے بعد آداب سپہ گری بھی سکھائے گئے۔ جوانی نے جذبہ عشق ابھارا تو وہ سلطنت دیوبند میں ایک حسینہ کے دام محبت میں گرفتار ہوا۔ باپ کو شادی کے لیے رضامند کیا۔ وہ شاہانہ سامان کے ساتھ دیوبند میں پہنچا۔ رشتہ ازواج استوار ہوا۔ مجلس نشاط آراستہ ہوئی۔ بیش بہا جہیز دیا گیا۔ بادشاہ دارالسلطنت میں واپس آیا تو اس کا شاہانہ استقبال ہوا۔ آئین بندی ہوئی۔ عیش و نشاط کی محفل آراستہ ہوئی۔ دولہا دلہن وصال سے ہمکنار ہوئے۔ کشتی میں سیر و تفریح کی۔ مہر پیکر کے والد وفات پا گئے تو وہ تخت پر بیٹھا۔ عدل و انصاف سے حکومت کی۔ مہر پیکر کے ہاں لڑکا پیدا ہوا۔ ماہ پرور نام رکھا گیا۔ کیوان نے بنگال پر حملہ کیا تو مہر پیکر نے مقابلہ کر کے اسے شکست دی۔ وہ ایک سال کے لیے بہار میں ٹھہرا۔ صدقہ و خیرات کیا۔ امن قائم کیا۔

ایک مرتبہ بادشاہ نے بت پرستی کی کیفیت سمجھنے اور بت پرستوں کے اعتقاد جاننے کے لیے بنارس سے دانشور بلائے۔ بنگال سے ایک شعبدہ باز عورت کو بھیجا گیا تاکہ وہ بادشاہ کو فریفتہ کرے۔ ملکہ اس فریب کو بھانپ گئی۔ مکار عورت کو واپس کیا اور بہرام کی حکومت بہرام کے سپرد کی۔ مہر پیکر کی محبوب بیوی وفات پا گئی۔ اس نے تخت چھوڑا اور عنان حکومت شاہزادہ مہر پرور کو سونپ دی ؏

آخر میں مصنف نے نفس ناطقہ اور روح کے متعلق فلسفیانہ بحث کی ہے اور داستان کے اشخاص اور واقعات کو تمثیلی معنی پہنائے ہیں۔ مثلاً بادشاہ سے مراد جویای انکشاف سالک۔ وزیر سے مراد رہنمائے عقل۔ حصار کی فتح سے مراد مجاہدہ۔ شعبدہ باز عورت سے فریب یعنی نفس سے ملوث ہونا۔ کیوان کا حملہ مملکت یعنی تصرف بر مملکت بدن۔ بادشاہ فریب نفس میں مبتلا ہوکر بعد میں بچ گیا اور تخت و تاج چھوڑ کر الگ ہوگیا۔

جیسا کہ مصنف نے خود بتایا ہے اس کا مقصد تو اپنے کمال انشا کا فن دکھانا تھا ۔ داستان نویسی کا فن دکھانا مقصود نہیں تھا اس کا نمونۂ انشا دیکھنے کے لیے ہم چند سطریں یہاں نقل کرتے ہیں :

”چون وزیر صاحب تدبیر بنا بر حسن بیان و طلاقت لسان جواب نامہ مشتمل بر قبول وصلت و تعیین ساعت مزاوجت آن دو گوہر بحرِ سلطنت در گرفتہ و بخلاع فاخر و انعامات وافر اختصاص پذیرفتہ باعزاز و اکرام از درگاہ رای دیوبند رخصت انصراف یافت“ ۔

ص ۵۳ الف

اس کتاب کا ایک نسخہ خطی پنجاب پبلک لائبریری میں شمارہ ۸۷۳/۶ ملک پر موجود ہے ۔ کل ۱۰۷ ورق ہیں ۔ ۱۵ سطریں فی صفحہ ۔ پہلے پندرہ ورق سخت کرم خوردہ ہیں ۔

—:o:—

میگھراج ملتانی

میگھراج کے متعلق کچھ معلومات اس کی اپنی تصنیف مرآۃالخیال سے حاصل ہو سکی ہیں۔ اس کے والد کا نام مولوی ملک لعل چند المتخلص النظم بالمنشی تھا۔ اس نے اپنے باپ سے مروجہ تعلیم حاصل کی۔ وہ چوبیسویں سال جلوس عالمگیری (۱۰۹۲ھ) کے آغاز میں شاہزادہ معظم کی سرکار میں دیوان سرکار کے ہمراہ دکن میں تھا۔ پہلے سفر میں دکن سے اجمیر آتے ہوئے شاہی لشکر کے ہمراہ تھا۔ اجمیر آیا، پھر کسی تقریب کے سلسلے میں لاہور، پھر ملتان اور بعد میں پھر لاہور پہنچا۔ پچیسویں سال جلوس (۱۰۹۳ھ) میں دوسری مرتبہ دکن گیا۔ اورنگ آباد میں باپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ مرآۃالخیال کا مسودہ دکھایا۔ انھوں نے فرمایا: "اس وقت میں مجمع البحرین کی تصنیف میں مشغول ہوں۔ میگھراج نے اپنے بڑے بھائی ملک جے چند سے تصنیف کو ایک نظر دیکھنے کی درخواست کی۔ انھوں نے بھی مصروفیت کا عذر پیش کیا اور کہا کہ وہ والد کے منثور مجموعہ 'کارنامہ' کا دیباچہ لکھنے میں مصروف ہے۔ اکتیسویں سال جلوس (۱۰۹۹ھ) میں حساد کی سازش سے بادشاہزادہ عزات گزیں ہو گیا تو ملازمین بھی بکھر گئے۔ سرکاری تیول ادا کرنے کے لیے جب بشارت خان دیوان احمد نگر اکبر آباد گیا تو اس وقت میگھراج کے والد وفات پا چکے تھے۔ میگھراج لکھتا ہے کہ میں بڑے بھائی کے پاس لاہور پہنچا۔ وہاں سے نواب حفظ اللہ کی خدمت میں کشمیر گیا اور منشی کی حیثیت سے اس سے متوسل رہا۔ کبھی کبھی کشمیر سے لاہور اور لاہور سے رائے پور (آزادگاہ کوہستان ضلع کانگڑہ و جموں) جاتا۔ چھتیسویں سال جلوس عالمگیری وہ ٹھٹہ گیا۔ اس نے ۱۱۰۴ھ میں مرآۃالخیال کو مکمل کیا۔

مرآۃ الخیال

یہ ایک فرضی داستان ہے، جسے میگھراج نے پورے شد و مد سے اپنے کمال انشا اور قدرت کلام دکھانے کے لیے لکھا۔ کہانی کا خلاصہ یہ ہے:

ایران کا شاہزادہ خاقان بادشاہ ایران سے اجازت لے کر اصفہان سے سفر پر روانہ ہوا۔ مصر پہنچا اور اس نے مصر و مصریوں کو دیکھا۔ اسے چار اشخاص سے واسطہ پڑا لیکن چاروں بے وفا نکلے۔ دوران سفر میں اسے قزاقوں نے آگھیرا۔ چھ مرتبہ معرکے ہوئے۔ آخر وہ زخمی ہو کر گر پڑا۔ ایک قافلہ پہنچا جس نے اس کا علاج کیا۔ لیکن غلاموں نے قافلہ سالار تاجر کو قتل کر دیا اور خاقان کو قیدی بنا لیا۔ ایک بحری پرندہ خاقان کو لے کر اڑ گیا اور جزیرہ عمان میں اترا۔ دغل باز غلام جہاز لے کر بندرگاہ میں پہنچے اور خاقان کو گرفتار کر لیا۔ بزم سرور و بزم سخن منعقد کی۔ پھر خاقان کو جہاز میں سوار کر کے لے گئے اور اس کو بحر قلزم میں پھینک دیا۔ مچھلی خاقان کو نگل گئی۔ ماہی گیروں نے مچھلی پکڑ کر بادشاہ کے حضور پیش کی۔ اس کے شکم سے خاقان برآمد ہوا۔ بادشاہ نے اپنی لڑکی کی شادی اس سے کر دی۔ آخر غلاموں پر غلبہ پا کر انھیں قتل کر دیا گیا۔ ملکہ مصر خاقان کا حال سن کر بے قرار ہوئی۔ خاقان اپنی بیوی کے ساتھ مصر پہنچا اور ملکۂ مصر کو ہمراہ لے کر اپنے وطن صفاہان کی طرف روانہ ہوا۔ بادشاہ سے اجازت لے کر وطن میں داخل ہوا۔ ملکۂ مصر کا نکاح عابد عطار سے کرایا کیونکہ وہ اس کی محبوبہ تھی۔ شاہ ایران نے گوشۂ عبادت اختیار کر کے تخت خاقان کے حوالے کیا۔

داستان کی ابتدا میں حمد ایزد متعال۔ منقبت پیر دستگیر شیخ جمال اویسی اور مدح و ستایش نواب حفظ اللہ پر زور قلم دکھایا ہے۔ اس کے بعد مرآۃ الخیال کی تالیف کے متعلق روداد بیان کی ہے۔ پھر داستان بیان کی ہے۔ کہانی کے ضمن میں بزم و رزم کے مناظر دکھانے کے لیے

اپنی قوت متخیلہ صرف کی ہے اور عبارت آرائی کے تمام جوہر دکھائے ہیں دوران بیان میں جابجا اپنے والد منشی تخلص کے اشعار پیش کیے ہیں ۔ کہانی کے اختتام پر قسمیہ الٰہی لکھا ہے۔ پھر خدائے بزرگ و برتر کو 'کریما' سے مخاطب کر کے دعا مانگی ہے۔ (ص ۱۳۲-۱۳۵) آخری باب میں باپ کا لکھا ہوا "دیباچہ کارنامہ" تبرکاً" شامل کیا ہے۔

مصنف کو اپنے کمال انشا پر ناز ہے۔ وہ فخریہ انداز میں لکھتا ہے:

"قلم نادرہ کار مانی ارژنگ نگار را بقلم اعجوبہ طراز نیرنگ پرداز خویش چگونہ مثل کنم کہ آن چہرہ کشای صورت بود و این رونمای معنی ۔ ۔ ۔ ۔" ص ۱۲۶

"شہر ملتان را پس از ادوار بسیار اطوار روزگار والد بزرگوارت بنظم و نثر ہمتای صفاہان ساختہ بود ۔ بعد تو بہ نثر شہرہ جان ساختی و درین مصر کہنہ ہیچ عزیزی از صاحب طبعان قدیم و جدید چنیں قصر نو کار سنگین برنیفراختہ بود کہ تو درین عصر برافراختی"۔ ص ۱۲۹ ب

مصنف کی مقفی و مسجع عبارت کا نمونہ یہ ہے:

"مسیح دم خضر ثانی ، آبروی سرچشمۂ زندگانی ۔ ۔ ۔ سیار مجامع روحانیان ، طیار صوامع نورانیان ، بیاد خدا مسرور ، از ماسوی نفور ، بتن باخلق دمساز ، بہ جان با حق ہمراز ۔ ظاہر باہمہ ہم نشین بباطن از ہمہ دوری گزین ۔

ص ۸ ب

کتاب کا قلمی نسخہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری مجموعۂ شیرانی میں شمارہ ۳۶۱۸ پر موجود ہے۔ کل ۱۳۹ ورق ہیں ۔ متن کی تقطیع

21 سم × 11 سم ہے ۔

میگھراج نے موزوں طبیعت پائی تھی اس لیے شعر بھی کہہ لیتے تھے ۔ قانع نے ان کے دو شعر نقل کیے ہیں :

قلم او در دست او تر دست گردد
زمین شعر گوہر پست گردد

قلم سر سود بر عرش از بنانش
سخن کرسی نشین گشت از بیانش[1]

—:o:—

۱ ۔ مقالات الشعراء ۔ ص ۷۹۲ ۔

اخلاص خان[1]

اخلاص خان پہلے ہندو تھے۔ بعد میں مسلمان ہوئے۔ ان کا پہلا نام دیبی داس تھا۔ مشرف بہ اسلام ہونے کے بعد ان کا نام محمد اخلاص رکھا گیا۔ ان کے والد قصبہ کلانور کے قانون گو تھے۔ اخلاص خان ۱۰۷۴ھ میں پیدا ہوئے۔ کسی تذکرہ نگار نے تاریخ ولادت نہیں لکھی۔ صرف تاریخ محمدی میں سال وفات ۱۱۴۳ھ کے ساتھ وقت وفات ان کی عمر ۶۹ سال مذکور ہے۔ اس سے سال ولادت معلوم ہو سکا ہے اصل الفاظ یہ ہیں۔

مات یوم الثلثاء ثانی جمادی الاولی۔ و لہ تسع و ستین سنہ۔

کان فاضلا، متفننا خیرا متبحرا صاحب المکارم"[2]

اخلاص خان کے مسلمان ہونے کے متعلق سرخوش نے لکھا ہے کہ وہ محمد درویش کی محبت سے فیض یاب ہوئے[3]۔ بندرا بن داس نے بتایا ہے کہ محمد مسلم سے تربیت حاصل کی[4]۔ وہ دل میں اسلام کی صداقت پر یقین رکھتے تھے۔ جب ان کے باپ کو اس بات کا علم ہوا تو اُس نے قتل کی دھمکی دی۔ اس لیے وہ وطن چھوڑ کر مولوی عبداللہ بن علامہ عبدالحکیم سیالکوٹی کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انھی کی وساطت سے اورنگزیب

۱۔ رقعات اخلاص خان مرتبہ عابدہ، نسخہ خطی پنجاب یونیورسٹی لائبریری۔

۲۔ تاریخ محمدی مذکورہ تذکرہ شعرای کشمیر، اصلح مرزا، مرتبہ حسام الدین راشدی، کراچی، ۱۳۴۶ھ، ص ۹۔

۳۔ کلمات الشعراء، محمد افضل سرخوش، مرتبہ صادق علی دلاوری، لاہور، ۱۹۴۲ع، ص ۱۲۳۔

۴۔ سفینۂ خوشگو، بندرابن داس، پٹنہ، ص ۱۸۱ - ۱۸۳۔

کی ملازمت میں داخل ہوئے اور ۱۰۹۰ھ میں مشرف بہ اسلام ہوئے۔[1]

ملازمت شاہی میں داخل ہونے کے بعد انھوں نے اپنی علمی لیاقت اور استعداد سے مناصب میں ترقی کی۔ اس کی تفصیل مآثر عالمگیری سے ملتی ہے۔

۲۴ شعبان ۱۰۹۳ھ میں 'مشرف ابتیاع خانہ' مقرر ہوئے۔[2]

۴ شوال ۱۰۹۳ھ 'مشرف جائی نماز خانہ' کی خدمات سپرد ہوئیں۔[3]

۴ صفر ۱۰۹۷ھ 'مشرف عرایض' کا منصب عطا ہوا۔[4]

۶ ذی الحج ۱۰۹۷ھ میر بخشی روح اللہ خان کے 'پیش دستی دوم' بنائے گئے۔[5]

۱۱۰۱ھ۔ خانساماں کی کچہری کے واقعہ نویس متعین ہوئے۔[6]

۱۱۰۷ھ۔ پرگنہ اندور کے امین اور فوجدار مقرر ہوئے۔ ان کا منصب چہارصدی پنجاہ سوار تھا۔ سو سوار کا اضافہ ہوا۔[7]

۱۱۰۸ھ۔ میں دوبارہ روح اللہ خانساماں کے 'پیش دست' متعین ہوئے۔[8]

۱۱۱۸ھ۔ میں اعظم شاہ کے وکیل مقرر ہوئے۔ محمد معظم بہادر شاہ

۱۔ مآثر عالمگیری، محمد ساقی مستعد خان، کلکتہ، ۱۸۷۱ع، ص ۲۲۰۔
۲۔ مآثر عالمگیری، مذکورہ، ص ۲۲۰۔
۳۔ ایضاً، ص ۲۲۲۔ ۲۲۳۔
۴۔ ایضاً، ص ۲۷۰۔
۵۔ ایضاً۔ ص ۲۸۳۔
۶۔ مآثر عالمگیری۔ ص ۲۸۳۔
۷۔ ایضاً۔ ص ۳۸۰۔
۸۔ ایضاً۔ ص ۳۸۶۔

کی تخت نشینی پر اس کی خدمت میں حاضر ہوئے ۔ دو ہزار و پانصدی و یک ہزار سوار منصب عطا ہوا اور اخلاص خان کا خطاب ملا اور ''عرض مکرر'' کے عہدے پر سرفراز ہوئے ۔[1]

فرخ سیر (۱۱۲۴-۱۱۳۱ھ) کے عہد حکومت میں داروگیر شروع ہوئی تو وہ اپنے وطن واپس چلے گئے ۔ آخر پرانے تعلقات کی بنا پر امیرالامراء حسین علی خان اور قطب الملک عبداللہ خان کے اصرار پر دوبارہ دربار میں حاضر ہوئے ۔ میر منشی کا عہدہ ملا اور اپنے عہد کے احوال و واقعات لکھنے پر مامور ہوئے ۔ فرخ سیر کے عہد میں ہفت ہزاری منصب پر سرفراز رہے اور محمد شاہ کے عہد (۱۱۳۱-۱۱۶۱ھ) میں بھی یہی خدمت انجام دیتے رہے ۔[2] ۱۱۴۳ھ میں فوت ہوئے ۔

اخلاص خان اچھے خاصے عالم و فاضل تھے ۔ بہادر شاہ کے زمانے میں انھیں بہت قرب حاصل تھا ۔ وہ اکثر اس کے ساتھ علمی گفتگو کرتے اور دربار میں ہی کشاف اور مشکوۃ کی باتیں شروع ہو جاتیں اور دوسرے صاحبین خاموش رہ کر سنتے رہتے ۔ اصلح مرزا نے ان کے متعلق لکھا ہے ۔

''او در فضل و کمال و انشاپردازی و املا دانی فار یابی عصر خود بود ۔''[3] سرخوش نے لکھا تھا ۔

''در علوم ظاہری و انشا پردازی نظیر ندارد''[4]

اخلاص خان نرم دل ، منکسرالمزاج اور غمگسار تھے ۔ دوسروں کے دکھوں میں شریک ہوتے تھے ۔ عالی منصب ہونے کے باوجود اپنے کم

---

۱ ، ۲ ۔ مآثرالامراء ، شاہنواز خان ، کلکتہ ، ۱۸۹۴ ، ج ۲ ، ص ۳۵۰ - ۳۵۱ ۔

۳ ۔ تذکرۂ شعرای کشمیر ، اصلح میرزا ، مرتبہ حسام الدین راشدی ، کراچی ۱۳۴۶ ھش ، ص ۹ ۔

۴ ۔ کلمات الشعراء ، ص ۱۲۳ ۔

حیثیت اقربا کو فراموش نہ کیا۔ وہ داد و ستد کے کھرے تھے۔ رشوت سے انھیں نفرت تھی۔ دوست احباب انھیں پھل بھیجتے تو وہ اس کی قیمت ادا کرنے پر اصرار کرتے۔

تصانیف

(۱) فرخ سیر اور محمد شاہ کے زمانے کے احوال پر مختصر تاریخ مرتب کی۔ ماٰثرالامراء اور تذکرہ شعراء کشمیر میں اس کا نام بادشاہ نامہ بتایا گیا ہے مگر اس کا کوئی نسخہ دستیاب نہیں۔

(۲) دیوان۔ وزیرعلی عبرتی مؤلف تذکرۂ معراج الخیال کا بیان ہے کہ اس نے اخلاص خان کا دیوان نواب رضا علی خان فیروز جنگ کے کتب خانے میں دیکھا تھا۔

(۳) رقعات اخلاص خان

اخلاص خان وامق تخلص کرتے تھے۔

شاعر کی حیثیت سے اخلاص خان کا کوئی مقام متعین نہیں کیا جا سکتا۔ معلوم ہوتا ہے وہ جوانی میں طبع آزمائی کرتے رہے ہیں۔ زندگی کے آخری ایام میں اپنے مناصب کی مصروفیتوں میں یہ شغل دیر تک جاری نہ رہا۔ غزل کے اشعار سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ برجستہ اشعار نکال لیتے تھے۔ مختلف تذکروں سے ان کے مندرجہ ذیل اشعار جمع ہو سکے ہیں:[1]

محتسب میکشی از دست تو مشکل شدہ است
شیشۂ می بہ بغل آبلۂ دل شدہ است

۱۔ گل رعنا، خطی، ص ۲۹۴ - ۲۹۵، سفینۂ خوشگو، ص ۱۸۲ - کلمات الشعراء، ص ۱۲۳ -

از طپش آسودن دمی شاهد مرگ دل است
نبض از جنبش چو آساید رگ خواب دل است

بی تو می ریزد نمک در ساغر من ماهتاب
گرد کلفت می شود بر بستر من ماهتاب

می رسی ظالم بفریادم اگر وقتست وقت
می زند ورنه شبیخون بر سر من ماهتاب

مگر مکتوب او بال کبوتر بود در دستم
که ره گم گشت از جوش پر پرواز قاصدها[1]

گلستان جمال یار دیدن آرزو دارم
گلی وصلی ازان گلزار چیدن آرزو دارم

بجان آمد دل محزونم از قید جنون اکنون
ز سوز عشق در صحرا دویدن آرزو دارم

نسیم زلف مشکینش رسد گر در دماغ من
چو گل پیراهن خود را دریدن آرزو دارم

بصحرای محبت تا شوم دیوانهٔ شوخش
ببزم آن پری پیکر رسیدن آرزو دارم

شوم گرمن دو چار مهر روی یار خود واثق
برنگ ذره در وصلش طپیدن آرزو دارم[2]

---

۱ - تذکرهٔ شعرای کشمیر ، ص ۹ -
۲ - تذکرهٔ معراج الخیال خطی ، ص ۱۱۹ الف .

نمی زدم ز ادب لاف جاں فشانیها
ادیب عشق نفرموده قصه خوانیها

جهان پر است ز آوازهٔ خموشیٔ من
فتاده ام بزبانها ز بسی زبانیها

کنون فلک نتواند شکست قدر مرا
که قدر من تو فزدوی ز قدردانیها

سبک نمود غم روزگار در نظرم
فراغ یافت سر از درد و سرگرانیها

چگونه مهر تو از دل برون توانم کرد
که سر بلند چون سهرم ز مهربانیها

دو آرزو ز خدا خواهم اگر نصیب شود
ز روی عجز درین ضعف و ناتوانیها

یکی بقای تو تا مدت بقای جهان
بناز و نعمت و اسباب و کامرانیها

دوم فنای حسد پیشگان دون همت
بشرط آنکه بمیرند در جوانیها[1]

رقعات

رقعات اخلاص خاں کا ایک قلمی نسخہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں شمارہ ۲۲۷۵ پر موجود ہے۔[2] اس میں کل ۸۴ رقعات ہیں۔ یہ رقعات بادشاہ، امرا، علما اور اعزاء کو لکھے گئے ہیں۔ رقعات کے مرتب نے

۱۔ رقعات اخلاص خان، مرتبہ عابدہ ہاشمی، نسخۂ خطی، پنجاب یونیورسٹی لائبریری، ص ۷۳۔

۲۔ رقعات اخلاص خان کا ایک نسخہ خطی پشاور عجائب خانہ میں موجود ہے۔

کسی ترتیب کو مد نظر نہیں رکھا۔ موضوعات کی تشخیص کرنے اور مکتوب الیہم سے اخلاص خان کے روابط جاننے کے لیے ان کا تجزیہ پیش کیا جاتا ہے۔ رقعات کی تعداد مکتوب الیہم کے ناموں کے سامنے لکھی گئی ہے۔

فرخ سیر۔ ۱ نواب نظام الملک۔ ۱

نواب امیرالامرا حسین علی خان۔ ۱ عبدالصمد خان بہادر۔ ۹

وزیر خان۔ ۹ راجہ سنتوکھرای۔ ۸

اغری گدا بیگ۔ ۲ سعادت مند خان۔ ۲ شجاع خان۔ ۱

زیب النساء بیگم۔ ۱ جواہر مل۔ ۱ شیخ احمد۔ ۱

شیخ ابوالخیر۔ ۱ فیروز۔ ۱

محمد مسلم۔ ۲ برادر عزیز۔ ۱۰

اس مجموعے میں ایسے رقعات ہیں جن میں مکتوب الیہم کے نام درج نہیں۔ دو ایسے رقعات ہیں جن کے عنوان میں 'اعزاء' کلمہ مندرج ہے۔ ان میں چھ ایسے رقعات ہیں جو اخلاص خان کے جواب میں لکھے گئے ہیں۔ چار رقعات ایسے بھی ہیں جو اخلاص خان کے نام نہیں۔ اس تجزیہ کے بعد ظاہر ہوتا ہے کہ اصل میں اخلاص خان کے لکھے ہوئے رقعات کی تعداد ۴۷ ہے۔

خطوط کے آخر میں بعض جگہ تاریخ تحریر درج ہے لیکن سال اور مقام درج نہیں۔

ملا فیروز کے نام خط میں انوار حکمت کے نام سے ایک رسالہ نقل کیا گیا ہے جس میں علم و دانش کے عملی اسباق درج ہیں۔

رقعات اخلاص خان سے اس کے مصنف کے احوال و کوائف پر

روشنی پڑتی ہے ۔ اور اس کے دل و دماغ کی کیفیات بھی واضح ہوتی ہیں بعض رقعات سے تاریخی واقعات کے متعلق اطلاعات بھی فراہم ہوتی ہیں مثلاً عبدالصمد اور شجاع خان کے نام خطوط ۔

اسلوب بیان

اخلاص خان کو علم و فضل کے ساتھ ساتھ تحریر انشاء میں بھی مہارت حاصل تھی ۔ اورنگزیب عالمگیر خود مکتوب نگاری میں اپنا ایک خاص اسلوب رکھتے تھے ۔ انھوں نے اخلاص خان کی انشاء پردازی کی تعریف کی ہے ۔

"تحریر محمد اخلاص بد نیست ۔ مسوده دوسه فرسان میکند ۔ طالب علمی ہم دارد و آشنائی کار ہم پیدا کرد"[1]

اخلاص خان اعزاء و احباب کے نام خطوط میں عموماً سادہ اسلوب اختیار کرتے ہیں ۔ چھوٹے جملے اور آسان الفاظ استعمال کرتے ہیں مثلاً سنتوکھ رائے کے نام خط دیکھیے :

"بعافیت باشید ۔ مکتوب شما رسید ۔ بر کیفیت اطلاع حاصل شد ۔

و بموجب حکم اقدس اعلی روانہ سمت دکن شده‌ام ۔ انشاء اللہ تعالی بزودی و بخوبی مراجعت می شود"[2]

جہاں جذبات و احساسات کا اظہار مقصود ہے ، وہاں مقفی و مسجع عبارات لانے کا التزام کیا ہے ۔ مثلاً :

---

۱ ۔ طیبات مرتبہ عنایت اللہ (مذکورہ گل رعنا ، برگ ۲۹۴) ۔

۱ ۔ رقعات اخلاص خان ، نسخہ خطی پنجاب یونیورسٹی لائبریری ، شمارہ ۲۳۷۵ برگ ۳۲ ب ۔

"مسبب اسباب ، مفتح ابواب ، آرایندهٔ نہان و پدید ،
کشایش دهندهٔ درهای ناپیدا کلید[1]

عہد شاہجہانی اور بعد کے زمانوں میں بھی عبارات میں رعایات لفظی کا خاص اہتمام کیا جاتا تھا۔ ایک ہی جنس یا موضوع کے الفاظ استعمال کیے جاتے تھے۔ اخلاص خان نے بھی اپنی ایک عبارت میں ایسی دواؤں کا ذکر کیا ہے جو طب کے نقطۂ نظر سے مفرح دل و دماغ ہیں ، مثلاً

"یاقوت رمانی لب ، مروارید نا سفتہ دندان ، بادام چشم ،
آملہ کرشمہ چند عدد ، ترنجبین لب بحد وسع[2]

رقعات کی تاریخی حیثیت مسلم ہوتی ہے کیونکہ مکتوب الیہم کا تعلق دربار و دیوان سے ہوتا ہے۔ اگرچہ یہ رقعات حزم و احتیاط سے لکھے جاتے ہیں تا کہ رموز مملکت کی بات ظاہر نہ ہو جائے پھر بھی ملک کے سیاسی واقعات پر کچھ نہ کچھ روشنی پڑتی ہے۔ مثلاً رقعات اخلاص خان میں عبدالصمد کے نام خط میں راجہ جموں کے تعصب اور تعدی اور فتح کشمیر کا ذکر ہے۔ شجاع خان کے نام خط میں باغیوں اور سرکشوں کے خلاف یوسف زئیوں کو لڑنے اور دفاع کے لیے قلعے تعمیر کرنے کی ہدایت کی گئی ہے۔ ایک خط سے ظاہر ہوتا ہے کہ منصبداروں میں رشوت و سفارش کا عام رواج تھا۔

تاریخی واقعات کی طرف اشارات کے علاوہ کاتب اور مکتوب الیہ کی نجی زندگی اور ان کے اخلاق و کردار کے متعلق بھی مفید معلومات حاصل ہوتی ہیں۔

—:o:—

۱ - رقعات - ۲۵ الف -
۲ - ایضاً ، ۲۵ ب -

محمد ماہ صداقت[1]

محمد ماہ نام۔ صداقت تخلص تھا۔ سفینۂ ہندی میں محمد ماہ صادق لکھا ہے جو صحیح نہیں ہے۔[2]

باپ کا نام کہیں مذکور نہیں۔ دادا ابوالبقا تھے اور چچا محمد اکرم غنیمت کنجاہی۔ ان کے والد ارادتمند خان شرف الدولہ کی سرکار میں تحویلدار خزانہ تھے۔ سلسلۂ ملازمت میں وہ اپنے عیال کے ساتھ کابل گئے۔ محمد ماہ وہیں پیدا ہوئے، تعلیم و تربیت اپنے وطن کنجاہ میں اپنے چچا اور دوسرے اساتذہ سے حاصل کی۔ باپ کی وفات کے بعد وہ اپنے باپ کے منصب یعنی تحویلدار خزانہ پر مامور ہوئے اور دہلی میں سکونت اختیار کرلی۔ وہیں درس و تدریس کا سلسلہ شروع کیا اور شعراء و ادبا کی مجالس میں شریک ہوتے رہے۔ سراج الدین علی خان آرزو استاد الاساتذہ تھے۔ ان کے ہاں بھی ان کی آمد و رفت تھی۔

صداقت نے شیخ عبدالرحمان مرید حضرت پیر محمد سچیار خلیفہ حضرت نوشہ گنج بخش کے ہاتھ پر بیعت کی اور اس طرح ترک علائق کی رغبت

۱۔ شریف التواریخ، سید شریف احمد شرافت، نسخۂ خطی مملوکہ مؤلف، مجمع النفایس نسخۂ خطی، مجموعہ شیرانی، پنجاب یونیورسٹی لائبریری، شمارہ ۱۸۹ ۱، ص ۲۲۷۔ سفینۂ خوشگو، ص ۱۹۸ - ۲۰۱۔ نشتر عشق ص ۲۷۶ - ۲۸۰۔ ریاض الشعراء، ص ۲۲۳۔ سفینۂ ہندی، ص ۱۲۳۔ صبح گلشن، ص ۲۴۹۔ تذکرۂ شعرای پنجاب۔ ثواقب المناقب۔ محمد ماہ صداقت، مقالہ از محمد صادق دلاوری، مطبوعہ اورینٹل کالج میگزین، نومبر ۱۹۴۲ع۔

۲۔ سفینۂ ہندی، بھگوان داس، پٹنہ، ۱۹۵۸ع، ص ۱۲۳۔

ہوئی ۔ وہ اذکار نوشاہیہ میں اس قدر محو ہوئے کہ اپنی تصنیفات کو راہ معرفت میں حائل سمجھنے لگے ۔ چنانچہ اپنی مندرجہ ذیل تصانیف کو پانی سے دھو ڈالا ۔

فتح نامہ عبد الصمد خاں بہادر

ساقی نامہ ۔ مثنوی مہتاب و کتان ۔ گل صنوبر (نثر) ۔

دیوان اعلیٰ (سات ہزار بیت) ۔ رباعیات آبدار ۔ مخمسات رنگین ۔

مجموعہ متفرقات ۔

بعد میں مرشد کے حکم سے رسالہ مطلع الاسرار در مدح رسول رسل سالار ۔ دو ہفتوں میں مکمل کیا ۔ آرزو لکھتے ہیں کہ جوانی میں اس پر سودا غالب آ گیا تھا ۔ بعد میں جب دماغ درست ہوا تو اپنے اشعار ضائع کرنے کا اسے افسوس ہوا ۔ مطلع الاسرار کا بھی کوئی نسخہ موجود نہیں ۔ سفینۂ خوشگو میں ذیل کے تین اشعار منقول ہیں :

حاکم روم و مصر و عامل او   والی عہد حکم کامل او

ہر دو عالم علوم در دل او   کوہ و صحرا دو گرد محمل او

ہمہ روح سلالۂ عالم   گل ارواح لالۂ آدم

خوشگو نے ایک اور مثنوی کا ذکر کیا ہے جو اس چراغان کی تعریف میں لکھی گئی تھی جو نواب روشن الدولہ نے قلعہ سے لے کر خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کے مزار یعنی سات کوس تک کیا تھا ۔ اس میں تخیل کی کارفرمائی سے عجیب و غریب مضامین پیدا کیے تھے ۔ نواب روشن الدولہ کی تعریف میں ذیل کا شعر اسی مثنوی میں سے ہے :

غنی صورت ولی عرفان سرشتہ   چو قرآنی بہ آب زر نوشتہ

خوشگو نے لکھا ہے کہ صداقت جدید الفکر اور سریع الفہم تھے

اور آرزو کی زبانی نقل کیا ہے کہ وہ مضمون یابی میں ابو البرکات منیر ، عارف لاہوری اور اپنے چچا غنیمت کنجاہی سے بھی بڑھ کر تھے ۔ خوشگو نے صداقت کے مندرجہ ذیل اشعار نقل کیے ہیں اور بتایا ہے کہ یہ سب خان آرزو کو پسند تھے :

غبار ہستیم بی جلوہ ات رنگ عدم باشد
جدائی از تو گر یکدم بود تیغ دو دم باشد

باندک ترک دنیا کی توان محو فراغت شد
کہ در دینم سر از درد سر آخر چہ کم باشد

ز خوان لذت دنیا گرانی آنقدر دارم
کہ میلر زد دلم از خوردنی گر خود قسم باشد

تا دکان خود فروشی یوسفم وا می کند
کوہ تمکین بتان را کوہ سودا می کند

مصرع پیچیدۂ زلف تو جای حرف نیست
شانہ حیرا نم چرا این دخل بیجا می کند

زاہد مسجد نشین را ذوق ساقی نامہ نیست
روز و شب سیر کتاب نان و حلوا می کند

ای بیاد طرہات دلہا پریشان مجمعی
از بیاض گردنت صبح قیامت مطلعی

من و شوخی کہ دلہا شد کباب از گرمی خویش
طپد نقش قدم چون ماہی بی آب در کویش

بسکه دارد همت و مشکل کشا دیوانگی
قفل وسواس خرد را کرد وا دیوانگی
گه پریزادی کشم گه دختررز در کنار
کار من چون شیشه یا مستی است یا دیوانگی

ما را امید عفو ز اشک ندامت است
کاین طفل پیش رفته شفیع قیامت است
دخل بجا به فکر صداقت چه ره برد
طرح شکست سد سکندر قیامت است

دل عارف غبار آلودهٔ عصیان نمی گردد
ردای کبریا کی می شود محتاج صابونی
پس از مرگم نگین واری بود کافی لحد کندن
که نگذارد هوای لعل او از من بجز نامی
چو مینا پنبهٔ گوشم شراب آلود میگردد
دهد قاصد اگر از لعل میگون تو پیغامی

گرفت از خاکساری اتحاد آغاز و انجامم
چو نقش پا یکی شد گرده و پرواز تصویرم
دماغ منت پروانه و بلبل کجا دارم
چراغی بر نمی تابد مزارم گلفشانی هم

لیلیٔ سرمه بصد ناز بخود می بالد
که سیه خانه ازان چشم فسونگر دارد

بی نوائی پیشه باشد سر بصحرا داده را
شاخ آهو را گلی برگی برین در کار نیست

——

لذت حلوای سوهان داشت در کام دلم
گرچه آن شیرین پسر را وضع نا هموار بود

——

ناگوار از تلخ کامیهاست عهد بوسه ام
سرکهٔ پیشانیٔ دلدار می خواهد دلم

——

بی روی تو شد بسکه بخون تر دیده
ابرو پر سرخاب بود بر دیده
در هجر تو پردهٔ زجاجی ای شوخ
چون ریزهٔ شیشهٔ می خلد در دیده

——

یک دم فارغ ز فکر و تدبیر نه ای
آزاد ازین حرص گلو گیر نه ای
همچو قسم دروغ از جوش طمع
هر چند حرام می خوری سیر نه ای

——

درس توحید عشق ارشاد کند
و ز مکتب دین و کفر آزاد کند
اول ورق مصحف و تار زنار
شاگردش صرف کاغذ باد کند

گر خود بفلک سرو غلط کیش رود		با قد تو کی جلوهٔ او پیش رود
از شرم رخت چو سایه اندرشب‌تار		لیلی به سیاه خانهٔ خویش رود

ان کے علاوہ مندرجہ ذیل مزید اشعار مل سکے ہیں ۔

چون کمان از خانه ام نتوان بر آوردن بزور
گوشه گیری مصلحت با قامت خم دیده‌ام
(مجمع النفایس)

بر نمی تابد جدائی صحبت جاوید ما
جوہر و آئینه باشد ذره و خورشید ما

دل روشن چه غم از دشمن چین بر جبین دارد
چو فانوس خیالی لشکری در آستین دارد

نیازم را بود حق نمک بر ناز پنهانش
که زمزم شد ز اشک شور من چاه زنخدانش
چو میل سرمه از مار و سیاهان میشود روشن
سواد نرگس دنباله دار چشم فتانش

راحت جان و دل ما آفت ما می شود
چشم را از خانهٔ خود سیل برپا می شود
(نشتر عشق)

اس نمونهٔ اشعار سے ظاہر ہے کہ صداقت کس قدر ذہین و فطین تھے ۔ اور تلاش معانی میں کس قدر کوشش کرتے تھے ۔ آرزو جیسا

ماہرفن استاد ان کی دقت فہم اور حدت طبع کا قائل تھا۔

نثر میں صداقت کے رقعات ہیں جو بقول آرزو متانت میں امیرخسرو کی عبارات کی مانند ہیں۔ دوسری نثر کی کتاب ثواقب المناقب ہے جس کی تالیف کے متعلق صداقت نے خود لکھا ہے کہ وہ ارادت مند شرف الدولہ کے ہمراہ اجمیر جا رہے تھے کہ بخار میں مبتلا ہو کر واپس شاہجہان آباد چلے آئے اور ماں کی دعاؤں کی برکت سے صحت یاب ہوئے اسی اثنا میں ان کے مرشد شیخ عبدالرحمن نے خاندان نوشہ کے متعلق میاں احمد بیگ کا لکھا ہوا تذکرہ ان کے بیٹے قاقشال خان سے لے کر مجھے دیا اور فرمایا کہ اسے عبارت رنگین میں لکھ دے۔ چنانچہ چند دنوں میں میں نے یہ تذکرہ لکھ ڈالا۔ شفیق اورنگ آبادی کہتے ہیں کہ ایسی انشا پردازی اور عبارات آرائی کے ساتھ آج تک مشائخ طریقت کا تذکرہ نہیں لکھا گیا۔ اس میں نظم و نثر دونوں کو کام میں لایا گیا ہے۔ بعض تذکرہ نگاروں نے اسے دیکھے بغیر لکھ دیا ہے کہ یہ کتاب منظوم ہے اور پانچ ہزار بیت پر مشتمل ہے۔ یقیناً یہ کتاب نثر میں ہے۔ مصنف نے جا بجا اشعار لکھے ہیں۔ بعض حصوں میں مسلسل نظم بھی لکھی ہے۔ یہ صداقت کی نثر نگاری کا شاہکار ہے۔ اس میں انھوں نے مختلف صنایع لفظی کا استعمال کر کے کمال انشا کا ثبوت دیا ہے۔ مثلاً صنعت منقوط۔ صنعت غیر منقوط۔ براعت الاستہلال۔ خیفا۔ صنعت مقلوب مستوی۔ صنعت منفصل۔ صنعت گل سہ برگہ۔ نمونے کی عبارتیں ہم یہاں نقل کرتے ہیں:

صنعت غیر منقوط: سگ درگاہ دودۂ مسعودہ و محرر رسالۂ سلسلۂ کاملہ کہ عمر موہوم کامل دلدار وار در طول امل سر کردہ ارادہ دارد۔۔۔

صنعت منقوطہ: شغفتش بیش۔ غضبش نیش۔ پیش بین۔ پیش یقین۔ زیب تخت۔ زینت زین۔

صنعت مقلوب مستوی : (الٹا پڑھنے سے وہی عبارت بنتی ہے) ۔

نام او نماز امن و امان   نامہ انشای آشنا بہان

صنعت حروف مقطع : حروف ایک دوسرے سے پیوستہ نہیں ہوتے ۔
راز از دور دوار داده آواز داده داور دادار ادوار
درد را دوا داده ۔

صنعت خیفا ۔ (ایک کلمہ با نقطہ دوسرا بے نقطہ)
تن ہمدم فتن حسود بیذق وار جنبش دادهٔ غضب
او پشت ہمہ زشت اہل بغی سراسر شق کرده
جذب او ۔

گل سہ برگہ میں کلمہٗ بانقط ، کلمہٗ بی نقط اور پھر دونوں کو ملا کر لکھا ہے ۔

صداقت نے سید محمد غوث تک اپنا سلسلہٗ طریقت یوں بیان کیا ہے ۔ حاجی عبدالرحمن ۔ پیر محمد ۔ حضرت نوشہ حاجی ۔ شاہ سلیمان ۔ شاہ معروف ۔ شاہ مبارک ۔ سید محمد غوث ۔ ثواقب المناقب میں شاہ مبارک کے ذکر سے شروع کر کے حضرت نوشہ ، ان کی اولاد اور ان کے خلفا اور مریدین کے احوال مفصل بیان کیے گئے ہیں ۔ یہ کتاب رسالۃ الاعجاز مؤلفہ مرزا احمد بیگ پر مبنی ہے ۔ اس کا تعارف ہم دوسری جلد میں کرا چکے ہیں ۔ اسی کتاب پر مبنی احوال گنج بخش نوشاہ مؤلفہ محمد حیات بھی ہے ۔ اس کا تفصیلی ذکر اس جلد میں دوسری جگہ موجود ہے ۔ رسالۃ الاعجاز کی موجودگی میں تاریخی لحاظ سے ثواقب المناقب کی اپنی خاص اہمیت نہیں ۔ اس کی اہمیت رنگین عبارت آرائی کی وجہ سے ہے ۔

صداقت رقعات میں بھی اس رنگین عبارت میں لکھتے تھے ۔ خوشگو

نے اس قسم کے رقعات دیکھے تھے ۔ اس میں انھوں نے متذکرہ صدر صنایع لفظی کا استعمال کیا تھا ۔

لطایف ہزلیات کے عنوان سے پنجاب یونیورسٹی لائبریری مجموعۂ شیرانی شمارہ ۵۴۰/۳۶۶۴ پر نو برگ پر مشتمل ایک نسخۂ خطی موجود ہے سید شریف احمد نے اس کو صداقت کی تصانیف میں شمار کیا ہے ۔ ان کا یہ قیاس درست معلوم نہیں ہوتا ۔ اس رسالے کا مؤلف محمد صداقت ہے جو محمد ماہ صداقت سے مختلف ہے ۔ لطایف کی عبارت صداقت کے انداز بیان سے بالکل الگ ہے ۔

—:o:—

شیر علی قصوری

انشای فیض بخش

اس کتاب کے مرتب و مؤلف شیر علی عرف شیر حملہ قصوری ہیں۔ وہ حاجی محمد یوسف نقشبندی کے مرید تھے۔ انھوں نے ۱۱۱۸ھ کو اوجین میں اسے مرتب کیا۔ وجہ تالیف یہ بتائی ہے۔

"از خرمن الفاظ منشیان اہل دانش و استادان اہل بینش خوشہ چینی نمودہ بنا بر علم تعلیم فرزند دلبند سعادت پیوند طال اللہ عمرہ محمد اعظم ۔ ۔ ۔ مرتب ساختہ انشای فیض بخش نام نہادہ شد"۔

ایک درسی کتاب کی مانند مبتدئین کی ضروریات کے لیے انشا پردازی سیکھنے کے لیے ہر قسم کے نمونے درج کیے ہیں۔ ماں، باپ، بیٹے، بھائی بہن، چچا، بھتیجا، دوست محبوب کے نام نجی خطوط لکھے ہیں تاکہ طالب علم روزمرہ زندگی میں خط کے آغاز و اختتام، طرز تخاطب اور طریق انجام سے آشنا ہو۔ کچھ خطوط علماء، فقراء اور سادات کے نام ہیں۔ کچھ خادموں کے نام امراء کے حکمنامے ہیں۔ کچھ بادشاہ، وزیر یا حاکم کی طرف سے ملازمین کے نام فرامین ہیں تاکہ منشی کے لیے مختلف انداز کی تحریریں پیش نظر رہیں۔ کاروباری زندگی میں کام آنے والے تمسکات، اقرار نامے اور ضمانت نامے بھی درج ہیں۔ آخر میں کچھ رقعات قسم کی تحریریں بھی موجود ہیں جو سرکار بنام عہدہ دار کے عنوان سے مندرج ہیں۔ بعض کو راہداری یا دستک بھی کہتے ہیں۔

اسی کتاب میں اکثر تحریریں سر مشق کے طور پر یا نمونے کے لیے پیش کی گئی ہیں اور فرضی ہیں۔ اس لیے ان کے آخر میں مقام تحریر اور تاریخ تحریر درج نہیں لیکن بعض تحریریں اصلی ہیں۔ مؤلف کی اپنی یا کسی

دوسرے منشی کی لکھی ہوئی ہیں ۔ ان کے آخر میں تاریخ تحریر بھی درج ہے ۔ ان میں سے بعض تاریخی اہمیت کی بھی حامل ہیں ۔ مثلاً

فرمان بنام شجاعت نشان علی قلی خان یاز دہم شہر ربیع الثانی ۲۱ جلوس والا (اورنگزیب)

فرمان بنام شہادت نشان عنایت اللہ خان پنجم رمضان

فرمان بنام عالہان حال و استقبال پرگنہ بھگوان پور (لکھنؤ)

شہر ذیقعد ۱۷ جلوس مبارک عالمگیری

کتاب کا نسخۂ خطی پنجاب یونیورسٹی لائبریری ، مجموعۂ شیرانی میں شمارہ ۶۲۷ پر موجود ہے ۔ دوسری کتب انشا کے ساتھ یکجا مجلد ہے اور اس کا متن برگ ۲۷ سے ۸۹ تک محیط ہے ۔ انڈیا آفس لائبریری میں اس کا ایک مخطوطہ شمارہ ۲۱۱۱ پر موجود ہے ۔ اس میں ۱۱۸۰ اور ۱۱۹۰ کے مکتوبہ خطوط بھی موجود ہیں ۔ ظاہر ہے کہ کاتب نے ان کا اضافہ کیا ہے ۔ یہ نسخہ ۱۱۹۰ھ میں لکھا گیا ۔

—:o:—

کرپا رام ملتانی

رقعات منشی

رقعات منشی کے نام سے پنجاب یونیورسٹی لائبریری، مجموعۂ شیرانی میں شمارہ ۱۱۷۰ پر ایک نسخۂ خطی موجود ہے، جو ۸۹ اوراق پر مشتمل ہے۔ متن کی تقطیع "8 × "6 ہے۔ یہ نسخہ شاہ عالم بادشاہ تیموری کے سولھویں سال حکومت یعنی ۱۱۸۹ھ میں لکھا گیا۔ اس کے مؤلف اور مرتب کرپا رام ملتانی ہیں جو عہد شاہ عالم میں منشی کی حیثیت سے دبیر الدولہ کے ملازم تھے۔ سرداران مرہٹہ شیو راؤ، مادھو راؤ ان کو بڑے احترام سے دیکھتے تھے چنانچہ وہ سفارتی امور سر انجام دینے کے لیے کئی مرتبہ ان کے پاس بھیجے گئے۔

یہ رقعات یا مکتوبات تمام کے تمام کرپا رام کے خود نوشت نہیں بلکہ بعض دوسرے نامور منشیوں کے لکھے ہوئے ہیں۔ مثلاً محمد باسط منشی، شیخ محمود منشی داراشکوہ، شیخ ہدایت اللہ منشی نواب عبدالصمد خان، میرزا مہدی حسین منشی نادر شاہ کی نگارشات بھی شامل ہیں۔ ان تحریروں کے یکجا جمع ہونے سے ہمیں اس زمانے کی انشا پردازی اور مکتوب نگاری کے اسالیب جانچنے کا بہت اچھا موقع ملتا ہے۔ دوسروں کی نگارشات کے علاوہ اس مجموعہ میں کرپا رام کے نجی خطوط ہیں جو اس نے اپنے احباب کو لکھے۔ دوسرے وہ خطوط ہیں جو اس کے احباب یا امراء نے اسے لکھے ہیں۔ کچھ رقعات وہ ہیں جو اس نے اپنے مربی امراء کی طرف سے دوسرے امراء کو لکھے ہیں۔

کافی تعداد میں وہ خطوط یا عرضداشتیں ہیں جو امراء اور دوسرے منصبداروں نے شاہ عالم کی خدمت میں لکھی ہیں یا وہ خطوط ہیں جو

خداوند نعمت (مجد الدولہ) کی طرف سے امراء و حکام کو لکھے گئے ہیں۔ ان میں وہ خطوط تاریخی لحاظ سے اہم ہیں جو بادشاہ کی طرف سے رئیس دکن مادھو راؤ ، احمد شاہ درانی اور تیمور شاہ درانی کو لکھے گئے۔ وہ تحریریں جو تیمور شاہ درانی نے تخت نشینی کے موقع پر اور فتح بلخ و بخارا کے موقع پر لکھیں وہ بھی تاریخی مواد فراہم کرتی ہیں۔ نواب اعتماد الدولہ قمرالدین اور خانداران امیر الامراء کے خطوط نواب زکریا خان حاکم لاہور کے نام یا زکریا خان کے خطوط ان کے نام اس وقت کے سیاسی حالات سمجھنے میں بہت اچھا ماخذ ہو سکتے ہیں۔

اس مجموعہ میں محمد شاہ کا وہ عہد نامہ بھی محفوظ ہے جو اس نے نادر شاہ کو لکھ کر دیا تھا۔ کتاب کے آخری بارہ اوراق میں مکتوب نگاری کی تعلیم و تربیت کے لیے چند ضروری ہدایات درج ہیں۔ مثلاً چند فقرات میرزا بیدل ، چند فقرہ شاہجہان نامہ ، تسطیر آداب فرامین و نشان اور ان کے ورود پر شکرگزاری ، اسامی مکاتیب و فرامین ، اسامی سیارگان ، پارچات ، جانوروں ، پھلوں ، ترکاریوں کے نام ، انسانی اعضاء کے مختلف نام ، آخر میں وہ محاورات لکھے ہیں جو اکثر تحریر و تقریر میں کام آتے ہیں۔ رقعات منشی اور اسی قسم کے دوسرے مجموعۂ مکاتیب سے اب یہ بات قابل توجہ اور قابل اعتماد ہے کہ ان خطوط کو تاریخی ماخذ کے طور پر ضرور استعمال کرنا چاہیے۔ اس لیے فارسی زبان و ادب سے اچھی آشنائی کے بغیر پاک و ہند کی تاریخ صحیح طور پر نہیں لکھی جا سکتی۔

دوسری بات قابل توجہ اور قابل یادداشت یہ ہے کہ ہندو فارسی دان فارسی زبان و ادب سے ذہنی طور پر اس طرح مانوس ہوتے تھے کہ ان کی اور ایک مسلمان کی تحریر میں امتیاز کرنا دشوار ہوتا تھا۔ کرپا رام کی مندرجہ ذیل تحریر اس بات کا روشن ثبوت ہے۔

”سہ قطعہ نوازش منشور ورود عزت آمود فرمودہ ، ذریعۂ افتخار و

آبرو گردید . چون مشعر بود بر نوید متوجه شدن این صوبہ با صواب جهان جهان مسرت و ارتیاح بخشید ۔ امید که عنقریب سایهٔ شفقت و مرحمت بر مفارق آرزومندان گسترده دلهای خلایق را از بند آلام وا رهانند که هر یک شب و روز در ادعیہ زاکیہ موظف و مشغول است ۔
ص ، ۸۲۶ ۔

—:o:—

شیخ محمد رشید گجراتی

جامع الفنون

یہ انشاء نگاری پر ایک مفید ادبی کتاب ہے۔ اس کے مصنف شیخ محمد رشید گجراتی ہیں۔ سال تالیف ۱۰۷۷ھ ہے۔ کتاب کے مرتب محمد چراغ بن شاہ مراد گیلانی گجراتی ہیں۔ نسخہ مکتوبہ ۱۰۹۲ھ پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں مجموعہ شیرانی شمارہ ۶۰۲۵ پر موجود ہے۔ کل ۱۸۷ برگ ہیں۔ مرتب شیخ عبدالرحمان جامی پدر محمد رشید، کے شاگرد تھے۔ وہ ایک مرشد کے مرید تھے اور قادری سلسلے میں بیعت تھے۔ محمد رشید یقیناً فاضل و عالم ادیب تھے۔ محمد چراغ نے حسب ذیل الفاظ میں ان کا تعارف کرایا ہے:

"متانت عبارات نمکیں و رزانت مضامین رنگین، انشای صدر آرای افادت و افاضت و سادہ پیرای حکمت و بلاغت، مورد شرایف کمالات انسانی، غواص بحار علوم نکتہ دانی، متکمل انوار وہبی و کسبی، ناظم مناظم قوانین عقلی و نقلی و نقود معانی، گنجور جواہر فیض سبحانی، افصح الفصحا، محرم خلوت سرای تجرید، یگانۂ وقت شیخ محمد رشید سلمہ اللہ تعالیٰ کہ از بہار طبع نادرہ‌زای جیب و آستین عالمی و عالمیان گل افشان ساختہ بنظر تعمق مشاہدہ کرد"۔ ص ۵ ب۔

مرتب نے ان مکاتبات کو اس لیے مدون و مرتب کیا تاکہ یہ جواہر ریزے ویرانی و گمنامی میں نہ پڑے رہیں اور فن انشا کے یہ بلند پایہ نمونے شائقین کے لیے استاد بی بدل و انیس غم گسل ثابت ہوں۔

مؤلف نے خود قطعہ تاریخ لکھا :

نوشتم من این نامہٴ پر نگار	بتاریخ ہفتاد و ہفت و ہزار
نگاریست با خط و خال سیاہ	فرو ہشتہ کاکل برخسار ماہ
بہم کردم این گنج آگندہ را	ورق پارہای پراگندہ را
وزو ساختم نامہٴ یادگار	کہ آید نویسندگان را بکار
بجانم چو تاریخ سالش دمید	بقای ز انشا محمد رشید
بخندہ در آورد چون غنچہ باغ	چراغم ز تاریخ او لب دماغ

مکتوبات مندرجہ ذیل عنوانات کے تحت ترتیب دیے گئے ہیں :

۱- مکتوبات و عرایض کہ از زبان غفران قرین شمشیر خان ترین بدرگاہ آسمان جاہ نوشتہ ۔

۲- مکتوبات و عرایض از زبان خود بہ امرا و خوانین نوشتہ ۔

۳ مکتوبات اعتقادیہ باظہار ارادت و فدویت کہ بخدمت درویشان و علماء نوشتہ ۔

۴- مکتوبات تعزیت و استفسار احوال مریض ۔

۵- مکتوبات در اظہار شوق و محبت و کمال اخلاص ۔

۶- مکتوبات در خوشحالی رسیدن نامہٴ دوستان و جواب و مطالب آن ۔

۷- مکتوبات در اظہار شکر احسان صدق و ارادت و دیگر مطالب ۔

۸- مکتوبات بجانب قبایل خود و مدعای خانگی ۔

بادشاہ کے حضور امرا کی عرایض ۔ نواب جعفر خان ، شہامت خان ، سربلند خان ، اسلام خان ، اسد خان ، افتخار خان کے نام خطوط میں احوال مملکت کے متعلق اشارات موجود ہیں اور بعض میں جنگوں کے

احوال و واقعات کے متعلق بھی اطلاعات ملتی ہیں ۔ مہابت خان، شمشیر خان اور امین خان کے خطوط میں کابل، پشاور، کوہاٹ اور سرحدی علاقے میں جنگوں اور نزاعی کشمکشوں کا ذکر ہے ۔ جن سے مفید تاریخی معلومات اخذ کی جا سکتی ہیں ۔ دو چار جگہ خوشحال خان خٹک سے صلح جوئی کے متعلق مشورہ دیا گیا ہے ۔ مشایخ میں سے حضرت شاہ دولہ، میاں سیف الدین، خواجہ زادہ سر ہند، حضرت میاں محمد معصوم اور شیخ عبدالحق کے نام اور ادبا میں سے بھوپت رائے منشی اور مولانا محمد منیر کے نام خطوط یادگار حیثیت رکھتے ہیں ۔ باپ اور بیٹوں کے نام خطوط سے مصنف کی داخلی زندگی پر روشنی پڑتی ہے ۔ باپ کا نام تو مرتب کی زبانی معلوم ہو گیا ہے ۔ بیٹوں کے نام اللہ داد اور محمد مرشد ہیں ۔

فن انشا میں مصنف کی مہارت عرضداشتوں کی ابتدائی عبارتوں سے ظاہر ہو جاتی ہے جن کو اس نے مختلف اسالیب میں لکھا ہے ۔ ایک عبارت ذیل میں درج کی جاتی ہے ۔ اسی سے دوسری عبارتوں کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے ۔

"عرضداشت کمترین خانہ زادان حیات پیشانی غلامی بہ سجود والا درگاہ ملائک سجود نورانی نمودہ ذرہ آسا بموقف عرض ایستادہ پایۂ سریر خلافت مصیر عرش نظیر میرساند" ۔ ص ۱۷ ۔

——:o:——

احمد بن عبداللہ

مفتاح المطالب

انشاء نگاری پر یہ ایک مفید کتاب ہے - خاص طور پر ان منتخب مکتوبات کی بنا پر جو تاریخی اعتبار سے نہایت اہم ہیں - کتاب کے مرتب و مؤلف احمد بن عبداللہ الجمال متوطن موضع لالو چندن معمولہ قصبہ پرسرور ہیں - کتاب چار ابواب ، مقدمہ اور خاتمہ پر مشتمل ہے -

مقدمہ - بعضی از ضروریات کتابت - (ص ۱-۹)

باب اول - در مکاتبات سلاطین بسلاطین و مراسلات کہ ابنای روزگار با یکدیگر می نگارند -

باب دوم - فرامین جو شاہجہان نے امراء و فضلاء کو لکھے ہیں -

باب سوم - عرایض

باب چہارم - خطوط شرعیہ - قبالہ - محضرنامہ و سجل -

خاتمہ - در بیاض و اختتام و خطبہ

مقدمہ میں مؤلف نے قلم ، دوات اور سیاہی بنانے سنوارنے کے طریقے - انشاء نگار کا ذہنی توازن و سکون قلب - کاتب و مکتوب کے لیے آداب و احترام اور دوسرے لوازم پر اظہار خیال کیا ہے - خط جلی و خفی کے متعلق لکھا ہے :

"کتابت اکابر و حکام را کلان تر باید نمود و کتابت اصاغر و مردم دنی را خرد نوشتن عیبی تام دارد" ص ۴ ب

پرانے طریق کے مطابق خط لکھ کر سیاہی خشک کرنے کے لیے مٹی ڈالتے تھے ۔ مؤلف نے قول رسول کے حوالے سے اس طریق کو با برکت قرار دیا ہے ۔ چنانچہ اس نے لکھا ہے :

"خاکی اندکی بر روی کتابت بپاشند کہ بفال نیک داشتہ اند ۔ قال علیہ السلام ترّب کتابکم فان التراب مبارک" ص ۵

کاتب کے ذہنی سکون کے متعلق مشورہ دیا ہے ۔

"وقتی کہ خاطر از نوائب حوادث کدورت و ملالی رسیدہ باشد کتابت نباید کرد"۔ ص ۵

منتخب مکاتیب میں سے سلاطین و امرا و حکام کے نام خطوط کی نقول، ممکن ہے ، تواریخ اور دوسرے مجموعہ فرامین میں موجود ہوں لیکن اس کتاب میں بعض ایسے خطوط مندرج ہیں جن کے متعلق خیال کیا جا سکتا ہے کہ شاید وہ کہیں اور محفوظ نہ ہوں ۔ مثلاً

۱ ۔ نور محل کے خط مہابت خان کے نام اور اس کا جواب (ص ۲۹)

۲ ۔ شاہجہان کا خط عالمگیر کے نام بہنگام معزولی ۔ (ص ۳۰)

۳ ۔ داراشکوہ کا خط عالمگیر و مراد بخش کے نام اور اس کا جواب ۔ (ص ۲۶-۲۸)

۴ ۔ فرامین سلطان آدم گکھڑ کے نام (ص ۸۸) ۔ نواب سعید خان کے نام در بارۂ شادمان گکھڑ (۱۰۱)

۵ ۔ دارا شکوہ کا خط ملا رحمت اللہ و مولوی عبداللہ سیالکوٹی کے نام ۔

۶ ۔ غیرت خان والد شادمان سلطان کا خط بادشاہ کے نام ۔

باد شاہ کے نام نواب سعید اللہ خان ، اسلام خان ، عبدالصمد خانؒ ، نواب خنجر خان ، نواب صف شکن خان وغیرہ کے خطوط بھی تاریخ کے بعض تاریک گوشوں پر روشنی ڈالنے میں معاون ہو سکے ہیں۔

شعرا میں سے شیدا ، صائب اور ملا منیر لاہوری کے خطوط بھی یادگار حیثیت رکھتے ہیں ۔ اعزاء و احباب کے نام مصنف کے اپنے خطوط سے اس کی نجی زندگی پر روشنی پڑتی ہے مثلاً اس کا ایک بھائی شیخ محمد تھا ۔ دو بیٹوں کے نام محمد صدیق اور شیخ مطلوب تھے ۔

اس کتاب کا ایک نسخہ پنجاب یونیورسٹی 'لائبریری' مجموعۂ آذر میں شمارہ I-28 پر موجود ہے ۔ کل ۱۶۵ برگ ہیں ۔ تقطیع متن 13.5 × 7.5 سم ہے ۔

—:o:—

پران ناتھ ملتانی

انشای دلکشا

اس کے مؤلف پران ناتھ ملتانی ہیں ۔ وہ کتاب کے دیباچے میں لکھتے ہیں کہ میں مہتہ کتومل وفادار خان سے استفادہ علمی کیا کرتا تھا اور مہتہ نند لعل زرگر شاعر ہنرمند کی صحبت سے بھی فیضیاب ہوتا تھا ۔ ان کی تعلیم و تربیت سے مکاتیب لکھنے کی سوجھ بوجھ پیدا ہوئی ۔ انھی کے ارشاد کے مطابق میں نے مہتہ پنجاب رای کی ملازمت کے دوران میں جو مکاتیب لکھے تھے ، انھیں ترتیت دیا اور کتاب کا نام انشای دلکشای رکھا ۔ کتاب چار حصوں میں منقسم ہے ۔

قسم اول ۔ در تحریر عرایض

قسم دوم ۔ نگارش پروا نجات

قسم سوم ۔ ارقام مراسلات

قسم چہارم تسطیر قبالات شرعیہ و نامجات سلاطین وغیرہ

اس مجموعے میں بعض تو نجی قسم کے خطوط ہیں مثلاً امراء و حکام کو منصب ملنے پر مبارکباد کہی گئی ہے یا کسی کی وفات پر تعزیت کا اظہار کیا گیا ہے ۔ بعض نگارشات محض انشاء و تمرین کی حیثیت رکھتی ہیں ۔ مثلاً سوال و جواب تیر و کمان ۔ در آموختن علم ۔ در تعریف بندوق در تعریف قبضۂ شمشیر ۔ تحفہ شوقیہ بدوستی وغیرہ ۔ لیکن اکثر خطوط تاریخی اہمیت کے حامل ہیں ۔ خطوط کی فضا شاہجہان آباد ، لاہور اور ملتان سے متعلق ہے ۔ چند خطوط مخدوم محمد غوث قریشی سجادہ نشین درگاہ بہاء الدین زکریا کی طرف سے نواب وزیر الملک ۔ ملکۂ دوران ۔ راجہ

خوشحال رای اور سنگین بیگ خان کے نام ہیں ۔ مکاتیب کی کافی تعداد سلطان محمد شاہ (۱۱۳۱-۱۱۶۱ھ) کے دورہ حکومت سے متعلق ہے ۔ نادر شاہ کے حملہ کے متعلق بھی چند واقعات بیان ہوئے ہیں ۔ سنہ ۲۷ جلوس ۲۹ رمضان کا لکھا ہوا ایک خط اوجی رام مستوفی کے نام ہے جس میں خبر دی گئی ہے کہ ایرانی افواج دریاے اٹک کو عبور کرنے کا ارادہ رکھتی ہیں ۔ نادر شاہ کی طرف سے مندرجہ ذیل دو تحریریں منقول ہیں جن میں وہ ہندوستان محمد شاہ کو اور لاہور اور ملتان محمد زکریا خان کو وا گذار کرنے کا حکم دے رہے ہیں :

۱ - نظر برشرافت حسبی و نسبی بدستور قدیم بملازمان حضرت فلک درجت بادشاہ والا جاہ سلیمان دستگاہ محمد شاہ خلد اللہ ملکہ وا گذاریم ۔

۲ - مراسم حسن خدمت وصفای ارادت و ایالت ، پناہ بسالت و جلادت ، عمدۂ خوانین لظام محمد زکریا خان بہادر ناظم صوبۂ لاہور و ملتان بر صفحہ خاطر اقدس نقش بستہ ۔ لھذا از روی عنایت خسروانہ ولایت مذکور بآن عمدۃ الخوانین مقرر فرسودیم ۔

نادر شاہ کا ایک اور خط محمد شاہ کے نام منقول ہے جس میں فتح قندھار کی خبر دی گئی ہے اور مفسد مرہٹوں کی سرکوبی کے لیے فوج بھیجنے کا ارادہ ظاہر کیا گیا ہے ۔ ایک خط والی ہندوستان کی طرف سے سپہ سالار ایران نذر قلی خان کے نام ہے (ناقص الآخر) جس میں انتباہ کیا گیا ہے کہ قندھار پر قبضہ جنگ کو دعوت دینا ہے اور پانچ کروڑ روپیہ کا مطالبہ غلط اور بیجا ہے ۔

اگرچہ سب مکاتیب پر تاریخہائے کتابت درج نہیں لیکن امرار و حکام و سلاطین کے اسماء اور واقعات سے زمانے کا تعین کیا جا سکتا ہے ۔ ایک خط پر ۱۰۹۰ھ کا حوالہ ملتا ہے (ص ۹۱) سنہ ۲۲ اور ۲۷ بھی بعض خطوں

میں مذکور ہیں ۔ بعض میں صرف تاریخ دی گئی ہے اور سال مذکور نہیں مثلاً واقعۂ ناگزیر دلگیر حضرت نواب صاحب ۱۲ جمادی الثانی ۔

پران ناتھ انشا پر قدرت کے علاوہ شعر کا بڑا اچھا ذوق رکھتے ہیں ۔ انھوں نے دوست و احباب کو خطوط لکھتے ہوئے شوق و فراق اور دوسرے دلی جذبات کے اظہار کے لیے جو اشعار نقل کیے ہیں وہ ان کے سلامت ذوق پر شاہد ہیں ۔ ان میں سے چند ہم یہاں نقل کرتے ہیں ۔

آن روز کہ از خدمت تو گشتہ جدایم
کس نیست چنین غمزدۂ دہر کہ مایم

نی صبر بدل دارم و نی طاقتِ دوری
بین حالت ای دوست کہ اندرچہ بلایم (ص ۱۳۳ ب)

قاصد نبود محرم راز دل من
نی نامہ کند تحمل مشکل من

آئینہ رونماست ہر جا دل تو
ہم از دل خویش پرس حال دل من (ص ۱۶۰)

بہار عمر ملاقات دوستداران است
چہ حظ کند خضر از عمر جاودان تنہا (ص ۱۸۱ ب)

ماز یاران چشم یاری داشتیم
خود غلط بود آنچہ ما پنداشتیم (ص ۱۸۳)

اس کتاب کا ایک نسخہ لاہور عجائب گھر میں شمارہ635/ 64 پر موجود ہے ۔ کل ۲۱۶ ورق ہیں ۔ ہر صفحے پر دس سطریں ہیں ۔

——:o:——

روپ نراین سیالکوٹی

روپ نراین نام تھا - باپ کا نام ہری رام تھا اور کھتری ذات تھی سیالکوٹ کے رہنے والے تھے - ان کا زمانہ قرن یاز دہم کا آخر اور قرن دو از دہم کا اول ربع یقینی ہے -

ان کی چار تالیفات کا علم ہو سکا ہے :

مرآۃ الاداب :

اس کتاب کے دو نسخے پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں موجود ہیں - یہ کتاب ۱۱۱۹ھ میں تالیف ہوئی - مؤلف نے دیباچے میں لکھا ہے کہ آج کل لوگ مذہبی احکام و ضوابط سے آگاہ نہیں - علوم ہندی کا بھی رواج نہیں ، اس لیے عوام برہمنوں کے بتائے ہوئے طریقوں پر چلتے ہیں - چونکہ معاش کا مدار علوم فارسی پر ہے اس لیے بھی علوم ہندی نہیں پڑھے جاتے - سمرتیوں میں مندرجہ قوانین و احکام مشکل بھی ہیں - اس لیے میں نے مناسب جانا کہ ان کو سنسکرت سے فارسی میں ترجمہ کروں تا کہ عوام کے لیے سہولت ہو اور وہ ان احکام کی مصلحت و حکمت سے آگاہ ہوں -

روپ نراین نے ایک جامع کتاب بعنوان اچار درش مؤلفہ شری دت کا انتخاب کیا جس میں صبح بیدار ہونے سے لے کر رات سونے تک کے تمام آداب و احکام درج تھے - یہ کتاب ایک ہزار پانچ سو شلوک پر مشتمل تھی - مؤلف نے اسے سنسکرت سے فارسی میں ترجمہ کیا - اس کتاب میں ۱۸ سمرت اور ۱۲ پورانوں کے اقوال ماخوذ ہیں - کتاب کا نام مرآۃالآداب رکھا گیا جو اچار آدرش کا مرادف ہے -

اس میں دس ابواب ہیں اور ہر باب میں مختلف فصلیں ہیں ۔ مندرجات کی فہرست سے کتاب کے مضامین کا اندازہ ہو سکے گا ۔

باب اول ۔ تین فصلیں ۔ در آداب بول و غایط

باب دوم ۔ ۶ فصلیں ۔ در آداب آچمن کردن (طہارت و پاکیزگی ۔

باب سوم ۔ ۳ " در آداب داتون کردن (مسواک)

باب چہارم ۔ ۷ " در آداب شنان (غسل)

باب پنجم ۔ ۲ " در آداب سندھیا (عبادت)

باب ششم ۔ " در آداب ترپن

باب ہفتم ۔ ۳ " در آداب پوجا (پرستش)

باب ہشتم ۔ ۴ " در ترتیب رسوئی (کھانا پکانا)

باب نہم ۔ در آداب خفتن

باب دھم ۔ در آداب مباشرت

ترجمہ آسان اور سادہ زبان میں کیا گیا ہے ۔ معلوم ہوتا ہے کتاب کا خلاصہ بیان کیا گیا ہے ۔ ہندی کے عام مروجہ الفاظ کو جوں کا توں رہنے دیا گیا ہے ۔ ذیل کی عبارت سے زبان کا اندزہ ہو سکتا ہے ۔

"ہر کہ بدون ذکر سری مہاراج میخورد و ہر کہ بی خیرات دادن میخورد گوہ میخورد و ہر کہ بہ نیت خود طعام می پزد گناہگار است ۔ باید کہ نیت سری مہاراج بہ پزد ۔ اول بہ برہمن بدہد و بعد ازان خود بخورد و بشرط دستگاہ طعام خشک بی روغن بہ برہمن نخوراند ۔"

(ص ۵۴ نسخہ خطی شمارہ Ph III 118 پنجاب یونیورسٹی لائبریری) ۔

۲ - شش جہت

اس کا ایک قلمی نسخہ ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کے کتب خانہ، مجموعۂ کرزن میں موجود ہے - یہ ایک سات فٹ آٹھ انچ لمبا طومار ہے جس پر پانچ پانچ انچ لمبی سطریں لکھی ہوئی ہیں -

یہ کتاب کہانیوں کا مجموعہ ہے - آرایشات لفظی سے معمور ہے - سطور کے شروع، آخر اور درمیان کے تین ستونوں میں الفاظ سرخ روشنائی سے لکھے ہوئے ہیں - اگر ان الفاظ کو مسلسل پڑھا جائے تو یہ الگ پانچ کہانیاں بن جاتی ہیں -

کتاب ۱۱۲۱ھ میں تالیف ہوئی - روپ نراین کہتا ہے -

مطبوع شش جہت شد بی پای شک و ریب

کتاب کا آغاز اس طرح ہے :

این نامۂ دلکشا کہ بر صفحہ آن آراستہ گلشن است چون باغ جنان۔"

اس کتاب کا ایک اور نسخہ کتابخانہ گنج بخش، مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان، راولپنڈی میں موجود ہے اور اب ڈاکٹر علی اکبر جعفری کے اہتمام سے شائع ہو چکا ہے -

۳ - مخزن العرفان

مصنف نے پانچ سال برج میں گزارے اور اس کتاب میں اس علاقے کے وہ تمام احوال و کوائف قلمبند کیے جو سری کرشن کی زندگی سے وابستہ ہیں - کتاب کا دوسرا نام برج مہاتم ہے - کتاب لاہور میں ۱۱۲۹ھ میں تالیف ہوئی -

ایوانو نے لکھا ہے کہ یہ کتاب ۱۸۵۵ء میں دہلی سے شایع ہو

چکی ہے۔[1]

۴ - لغات جامع[2]

یہ خالق باری کی طرز پر منظوم عربی فارسی لغات ہے۔ کل ۵۸ صفحات ہیں - ہر صفحے میں ۱۵ سطریں - کل ۷۷۵ اشعار اور ۲۴۷۰ الفاظ ہیں -

مصنف نے تمہید میں بتایا ہے کہ لغات کی متداولہ کتابوں مثلاً نصاب صبیان مؤلفہ ابو نصر فراہی اور نصاب ہائے دیگر مؤلفہ امیر خسرو میں لغات کی ترتیب حروف تہجی کے اعتبار سے نہیں اور پھر الفاظ کے اعراب و حرکات بھی مذکور نہیں - اس لیے طالب علم کو صحیح تلفظ جاننے میں دشواری ہوتی ہے - مصنف لکھتے ہیں کہ میں نے معتبر کتابوں سے چیدہ لغات کو انتخاب کر کے حروف تہجی کے اعتبار سے ترتیب دیا اور حرف اول کی حرکت کے لحاظ سے انہیں منظوم کیا - ہر باب کے شروع میں متن سے مختلف بحر میں اشعار اور الفاظ کی تعداد بتائی ہے مثلاً ترجمۃ الباب کا عنوان یوں ہے :

اندرین منظوم شصت و یک لغت مفتوح دان
پانزدہ بیت است یادش کن تو ای رشک زمان

لغات کا شعر اس طرح ہے :

اتقیا پرہیزگاران و آن بود جمع تقی
ل م

---

۱ - فہرست مخطوطات کتابخانہ ایشیاٹک سوسائٹی بنگال ، مجموعہ کرزن ، شمارہ ۱۵۱ -

۲ - مجلہ معارف شمارہ اکتوبر ۱۹۴۷ع ، مقالہ بعنوان ، ایک نادر فارسی مخطوطہ از ابو یحیی امام خان -

ہست اکفا ہمسران و آن جمع کفو ای متقی

ل م

لفظ کے نیچے حرف 'ل' اور معنی کے نیچے حرف 'م' لکھا ہے۔

خاتمے پر لغات کے کل اشعار اور الفاظ کی تعداد بتائی ہے۔

بیت او ہفت صد و پنج ہفتاد
گشت منظوم بفیض سرمد

چار صد یافتی و ہفتاد لغت
دو ہزاری دو گر آمد بعدد

—:o:—

حافظ احسن اللہ مہرکن لاہوری

مفتاح الافواہ

یہ ایک منظوم لغت ہے ۔ عربی ، فارسی ۔ کہیں کہیں فارسی کا مترادف نہ ملنے کی وجہ سے اردو ، ہندی ، پنجابی کے الفاظ بھی دیے ہیں ۔ تمام لغت مثنوی کی ہیأت میں ہے اور اس کا وزن فاعلاتن فاعلاتن فاعلن ہے ۔ ترتیب پرانی لغات کے طرز پر ہے ۔ شروع میں حروف تہجی کی رعایت ہے لیکن ترتیب میں آخری حرف کو ملحوظ رکھا گیا ہے ۔ مثلاً الف کی ردیف میں آخری حرف ج ہے ۔ تو اس میں وہ تمام کلمات درج کیے ہیں جن کے آخر میں ج آتی ہے ۔ مثلاً اسفتاج ، ارتحاج ، استخراج ، آملج ، آہنج وغیرہ ۔ شروع کے حروف میں دقیق الف با کی ہجائی ترتیب ملحوظ نہیں رکھی گئی ۔ مثال کے طور پر ہم چند اشعار یہاں نقل کرتے ہیں تاکہ کتاب کا خاکہ ذہن نشین ہو جائے :

اسفناج از فتح و اسفاناج جو
ساگ پالک دان بفتح و کسرہ او

با کسر عضوی پریدن اختلاج
خواہش و در ماندگی چون احتیاج

ارتحاج است لرزش و جنبش چنان
ہم سیاہی و کبودی و فغان

پس شدن بیرون ز استخراج گو
میل در آمدن ز استدراج جو

خرق عادت ہم ز کفر و عاصیان
اندراج است درج کردن درمیان

باز بر اوداج رگهای دقیق
نیز رگهای بگردن دان عمیق

لغت کا آخری شعر یہ ہے :

پس بضم یوفی بکسر و قصر فا
ہمچو یافہ ہم مضارع از وفا

اختتامی اشعار یہ ہیں :

احسنا تا چند ہر گوئی کنم
خاموشی احسن ازین ہر گفتنم
ہر چہ پیش آوردہ ام زین گفتگو
بہر آن بسیار کردم جستجو
آنچہ در گوش و نظر کردہ گزار
ہم ز ہرسیدن نکردم ننگ و عار
من ندانم بیش ازین علم و حساب
گفتہ ام واللہ اعلم بالصواب
گر پسند آید زہی احسن تحف
ور قبول افتد زہی عز و شرف

ای آنکہ نظر کنی بر من بی سرو پا
احسن باصلاح ببخشی سرو پا
ہر پختہ و خام کاندرین جام فتاد
کردم جمعی بہم چو زنبیل گدا

ترقیمے کی عبارت مدھم ہو گئی ہے ۔ واضح عبارت یوں ہے :

"بعون عنایت خداوندی و باهتمام این مستمند ناظم و مؤلف این مجموعہ است ، در سند یک ہزار و یک صد و نودوشش صورت انصرام پذیرفتہ و من بعد آن تا الآن کہ یک ہزار و دو صد و بیست و شش ہجری است ، چہار بار از دست این بیمقدار بفرمایش بعضی دوستان مرقوم شدہ و بالفعل از درخواست بعد نماز ظہر پنجم ربیع الثانی پنجم بار اتفاق تحریر شدہ برای پاس خاطر سعادت مند ارجمند برخوردار ۔ ۔ ۔ صلاحیت آئین میاں نظام الدین بن خواجہ نورالدین ۔ سلمہما و انتظام ارقام یافتہ ۔ حضرت سبحانہ آنرا و دیگر برادران اورا بخیریت و جمعیت داشتہ بعلم و عمل مشغول داراد بحرمت النبی و آلہ الامجاد" ۔

مندرجہ بالا عبارت سے ظاہر ہے کہ یہ کتاب ۱۱۹۶ھ میں تالیف ہوئی اور ۱۲۲۶ء میں پانچویں بار نقل ہوئی ۔ اس کتاب کا یہ نسخہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری مجموعۂ شیرانی میں شمارہ ۱۰۲۹ پر موجود ہے ۔ کل ۲۷۳ ورق ہیں ۔ شروع کے تین ورق ناپید ہیں ۔ مصنف کا خود نوشت ہونے کی وجہ سے یہ نسخہ اہم ہے ۔ ہر صفحے میں انیس سے تئیس اشعار مرقوم ہیں ۔ خط رواں تعلیق ہے ۔

یہ کتاب محض یادگار کے طور پر محفوظ رکھنے کے قابل ہے وگرنہ موجودہ صورت میں اس سے استفادہ کی صورت بہت کم ہے ۔ اگر اس کو حروف تہجی کی ترتیب سے دوبارہ ترتیب دیا جائے تو اس سے استفادہ ممکن ہے ۔

حافظ احسن اللہ نے بخشش نامہ کے عنوان سے ایک مثنوی اردو میں لکھی ہے ۔ مصنف اسے ہندی زبان کہتا ہے جس کا ایک قلمی نسخہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری مجموعۂ شیرانی میں شمارہ ۱۵۰۷ پر موجود ہے ۔ اس کے صفحہ سات پر مصنف نے اپنے متعلق یوں لکھا ہے :

وطن اس کا شہر لہا نور ہے
جو علم و ادب میں وہ مشہور ہے
زبس خوان الوان گو ریزہ چید
ولی ہست این یک غلام فرید
کہیں لوگ اس کے تئیں مہر کن
کہ ہے باپ دادے سے اس کا یہ فن
پر اب تو کتابت میں ہے عمر صرف
کہ مشق مشقت ہر حرف حرف
ہے تس پر بھی وہ دام طفلوں کا قید
ہے صیاد صبیان کے جالوں کا صید
سو کہتے ہیں اب لوگ ملاں اسے
ہے بن سول شوخی طفلاں اسے

یہ کتاب ۱۲۱۳ھ میں تالیف ہوئی۔ مصنف نے لکھا ہے:

جو ہے ذکر بخشش میں یہ قیل و قال
تو بخشائش اس کا ہے تاریخ سال
۱۲۱۳

—:o:—

ابو الحسن حکمت

ہشت خلد

اس کتاب کے مؤلف ابو الحسن حکمت المشہور بہ حافظ پیر محمد طبیب لاہوری ہیں ۔ ہشت خلد کا نام انہوں نے ہشت بہشت کی رعایت سے رکھا ہے ۔ پورا نام ہشت خلد مجموعۂ آصفی ہے ۔ آصفی کی نسبت نواب آصف الدولہ شجاع صفدر جنگ کی طرف ہے یعنی وہ وزیر بن وزیر بن امیر ہے ۔ حافظ صاحب نے دیباچے میں بتایا ہے کہ انہوں نے تفسیر و طب کی تصانیف کے بعد نثر و شعر کے موضوع پر بھی یہ کتاب تالیف کی ۔ کتاب مقدمہ ، آٹھ ابواب اور خاتمہ پر مشتمل ہے ۔

مندرجات سے کتاب کے مضامین پر روشنی پڑتی ہے ۔

مقدمہ در بیان کلمہ و کلام ۔

خلد اول ۔ در بیان حروف تہجی و ایضاح معنی آن ۔ در بیان رسم الخط فارسی ۔

خلد دوم ۔ در ایضاح معنی حروف مرکب ۔ اعضای محبوب سے متعلق اشعار ۔

خلد سوم ۔ در عروض کہ میزان شعر است و شاعر را دانستن لازم ۔

خلد چہارم ۔ در بیان قوافی و مایتعلق بہا ۔

خلد پنجم ۔ در صنایع و بدایع نثری و شعری اختصاراً ۔

خلد ششم ۔ در ماہیت معنی و شروط آن علی طریق الایجاز ۔

خلد ہفتم - در اقسام انشاء و بیان ارکان ضروریہ - احوال شعرا و کلام منتخبہ آن -

خلد ہشتم - در مکتوبات متفرقہ کہ مؤلف بعزیزان و محبان خود نوشتہ -

خاتمہ - در بعض اشعار متخبہ و اختتام کلام بر مواعظہ افلاطونیہ -

یہ کتاب ۱۱۹۴ھ میں تمام ہوئی - مؤلف نے خود قطعہ تاریخ لکھا ہے :

بیمن مدحت نواب جم جاہ
بخاص و عام شد این نسخہ مشہور
چو منظور اولو الابصار گردید
سر زد تاریخ آن ہم لفظ منظور

اس کتاب کا جو نسخہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری ، مجموعۂ شیرانی میں شمارہ ۱۶۱۷ پر موجود ہے ، اس میں صرف چھ ابواب ہیں - آخر میں دو اور رسالے ہیں -

پہلے میں فائدہ در بیان نفس و سبب آن - اس میں تین فصلیں ہیں - کتاب اول - در بیان قواعد کلیہ نظریہ - کتاب دوم - در معالجات - کتاب سوم - در قرابادین و نسخہ ہای مجربہ -

دوسرے رسالے کا نام ، مجموعۂ آصفی منقول از کلیات قانون ، عنوان کے طور پر درج ہے -

—:o:—

محمد اسحاق

تذکرہ اسحاقیہ

تذکرۂ اسحاقیہ علم طب میں ایک جامع و مانع کتاب ہے۔ اس کے مؤلف محمد اسحاق بن شیخ نور محمد بن شیخ عبدالحمید بن شیخ محمد ملتانی الانصاری ہیں۔ مؤلف نے خود کتاب کے دیباچے میں اپنے احوال زندگی پر مختصر سی روشنی ڈالی ہے۔ مؤلف کے اجداد مدینہ منورہ میں رہتے تھے۔ بشارت معنوی پا کر خاندان کے ایک بزرگ ہندوستان کی طرف روانہ ہوئے۔ مسقط سے ہوتے ہوئے تھٹہ پہنچے۔ پھیتان قبیلہ کے ایک فرد نے اپنی بیٹی کی شادی ان سے کر دی اور وہ گھر داماد بن کر رہے۔ وہاں ان کے ہاں اولاد ہوئی۔ وہ اس قبیلے کی وجہ سے بھتی کہلائے۔ ان کی اولاد میں سے ایک صاحب اُچ ملتان کے راستے پنجاب میں آئے۔ کچھ عرصہ ملتان، اکھرور اور تلنبہ میں گزارکر چوہنیاں میں ٹھہرے۔ بعد میں دیپالپور کے قریب عبداللہ پور اور بعد میں کچھ عرصہ شیر گڑھ میں رہے۔ ان کے بیٹے نور محمد یعنی میرے والد لاہور آ کر نواب امانت خان کے ملازم ہو گئے۔ حکیم اتنون مسیح فرنگی سے علم طب میں صیدنت، عمل بید، تشخیص مرض اور علاج بدوا کی پوری تربیت حاصل کی۔ یہی تعلیم انھوں نے اپنے بڑے بیٹے حکیم محمد حیات کو دی جو اس فن میں ماہر ہوئے۔ مؤلف کہتے ہیں کہ میرے بڑے بھائی نے اپنا تمام سرمایۂ علمی مجھے دیا۔ میں نے اپنے دو بیٹوں خدا بخش اور عبداللہ کو بھی طبی تعلیم دی۔ چھوٹے بیٹے غلام محمد کو کسی دوسرے کام پر لگا دیا۔ میں گوشہ نشین ہو کر اس کتاب کی تسوید میں مصروف ہو گیا تاکہ خلق خدا مستفید ہو۔ اس کتاب کا نام تذکرۂ اسحاقیہ رکھا۔

کتاب مقدمہ، چار ذکر اور خاتمہ پر مشتمل ہے۔ مقدمہ میں آداب و

شرائط طبی پر بحث کی ہے۔

ذکر اول :

در معلومات اسحاقیہ۔ اس میں ارکان ۔ امزجہ ۔ اخلاط ۔ اعضا ۔ ارواح قوی اور افعال سے بحث ہے۔ اس کے بعد ستہ ضروریہ کا بیان ہے۔ جس میں ہوا ۔ اکل و شرب۔ حرکت و سکون ۔ خواب و بیداری ۔ استفراغ و احتباس بنیادی چیزیں ہیں ۔ معرفت امراض کے لیے جن اساسی چیزوں کا جاننا ضروری ہے ان میں سے علامات مزاج و امتلا ۔ احوال نبض ۔ احوال بول ۔ احوال عرق ۔ احوال نفث ہیں

ذکر دوم :

دربیان معمولات اسحاقیہ

اس باب میں

(۱) سر اور اس کے امراض مثلاً سرسام ۔ برسام ۔ نسیان ۔ جنون ۔ کابوس ۔ صرع ۔ فالج و استرخا ۔ تشنج ۔ تمدد ۔ مذر ۔ اختلاج ۔ زکام و نزلہ کے اسباب و علاج کی تفصیل موجود ہے ۔

(۲) آنکھ ۔ ناک ، لب ۔ دانت ۔ زبان ۔ حلق ۔ حنجرہ ۔ ریہ اور کلیہ

(۳) اورام و رعشہ عضلات ۔ ضیق النفس ۔ سرفہ

(۴) امراض القلب ۔ معدہ و امعاء ۔ جگر ۔ کبد ۔ طحال اور مثانہ

(۵) امراض خصوصی مردان ۔ در خصوص آبستن ۔ رحم ۔ تدبیر محافظت و پرورش اطفال ۔

(۶) امراض مفاصلہ ۔

(۷) حمیات ۔ جذام ۔ سرطان ۔ حصبہ و جدری ۔ برص ۔

(۸) امراض موی و ناخن ۔ سقط و ضربہ ۔ عرق مفرط ۔ اندمال قرحہ

(۸) سمیّات ۔

غرض انسانی جسم سے متعلق تمام قدیم و جدید بیماریوں کی تشخیص بتا کر مختلف النوع علاج بتائے ہیں ۔ پرورش اطفال کے سلسلے میں شیخ ابن سینا کا ایک عربی رسالہ اور ایک اور رسالہ در احوال اطفال بھی نقل کیا ہے ۔

ذکر سوم :

در مفردات اسحاقیہ ۔ اس میں حروف ہجائی کی ترتیب سے دواؤں کے عربی نام دیے ہیں ۔ آخر میں علاج امراض بادویہ مفردہ کا بھی ایک باب لکھا ہے ۔

علاج میں مرکب ادویات کے نسخے بھی بتائے ہیں اور مفرح ۔ معجون ۔ لعوق ۔ ضماد ۔ شیاف ۔ شربت ۔ سفوف ۔ روغن ۔ مراہم اور ادہان کے اجزا لکھے ہیں ۔

اس کتاب کا ایک نسخہ خطی پنجاب پبلک لائبریری میں شمارہ ۶۱۰ اسحا پر موجود ہے ۔ کل ۸۰۰ ورق ہیں آخر سے کچھ ورق کم ہیں ۔ اختتامیہ یا ترقیمہ موجود نہیں ۔

——:o:——

فضلی

عین التصوف

عین التصوف کے مصنف ایک بزرگ فضلی تخلص ہیں۔ انھوں نے اس کتاب میں مندرج اشعار میں اپنا تخلص فضلی استعمال کیا ہے۔ ان کا پورا نام نہیں معلوم ہو سکا۔ البتہ برگ ۱۰۵ الف پر انھوں نے اپنے اب و جد کا سلسلہ اس طرح بیان کیا ہے:

والد سید مصطفیٰ بن سید عبدالرزاق معروف بہ شاہ چراغ لاہوری بن سید عبدالوہاب بن سید عبدالقادر ثالث بن سید محمد غوث بالا پیر اوچی بن سید زین العابدین۔

اس مقدس و زریں سلسلۂ نسب سے مصنف کا تقدس قرابت ظاہر ہے۔ ۱۰۶۵ھ میں اپنے والد کی وفات پر وہ کم سن تھے۔ اس لیے ان کی تربیت ان کے چچا سید محمود (م - ۱۰۸۶ھ) نے کی۔ اپنی روحانی تربیت کے لئے وہ شاہ محمد فاضل لاہوری (م - ۱۰۹۹ھ) اور ملا فتوحی لاہوری کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ تصوف و سلوک سے نسبت اور اولیائے کرام سے قربت کی وجہ سے انھوں نے عین التصوف لکھی۔ بنیادی طور پر یہ تذکرۂ علماء و مشایخ ہے۔ ابتدا میں انھوں نے تصوف کے عمومی مسائل پر روشنی ڈالی ہے۔ آخر میں اپنے اساتذہ اور ہم مشرب احباب کا ذکر کیا ہے۔ اپنے اجداد میں سے محمد غوث، شاہ چراغ اور سید محمود کے احوال و کوائف قابل ملاحظہ ہیں۔ اس تذکرے میں شامل دوسرے بزرگوں کے نام یہ ہیں:

شاہ یتیم اللہ ابو الاسرار، شیخ محمد فاضل بن شیخ عبد الفتاح لاہوری،

حافظ محمد صادق ، ملا امام الدین ، میاں نور محمد ، بندگی شاہ عبد الصبور ، میاں عبد الرشید ، ملا فتوحی ، شاہ بازید افغان ، صوفی دوست ، شیخ یحییٰ بن شیخ عبد الکریم لاہوری ، شاہ دولہ گجراتی ، شیخ ضیاء الدین -

آخر میں دو شہدا یعنی میر احمد شہید اور دلدار بیگ شہید کا ذکر ہے جو ۱۰۹۴ھ اور ۱۰۹۶ھ میں بالترتیب درجۂ شہادت کو پہنچے -

کتاب کا سال تالیف معلوم نہیں - متن میں مؤخر ترین تاریخ ۱۱۲۰ھ مذکور ہے ، اس سے قیاس کیا جا سکتا ہے کہ یہ کتاب ۱۱۲۰ھ میں یا اس کے بعد کسی سال تالیف ہوئی - اس تذکرے کی اہمیت واضح ہے کیونکہ اس میں بعض ایسے مشایخ کا ذکر ہے جن کے احوال و کوائف دوسرے تذکروں میں نہیں ملتے - اس کی اہم خصوصیت یہ ہے کہ مؤلف نے سنین تولد و وفات دینے کی زحمت گوارا کی ہے -

اس کتاب کا نسخۂ خطی کتابخانۂ رشیدیہ لاہور کے مالک مولانا عبد الرشید سیالکوٹی کے پاس موجود ہے - مخطوطہ ۱۳۳ اوراق پر مشتمل ہے ، لیکن ناقص الاول ہے - متن میں کتابت کی بے شمار غلطیاں ہیں -

میں خود یہ مخطوطہ نہیں دیکھ سکا - اس کی تفصیل جناب محمد اقبال مجددی نے اپنے ایک مسودے میں محفوظ کر رکھی ہے - کتاب کا یہ تعارف ان کی عنایت سے ممکن ہو سکا -

——:o:——

اضافات

عبدالکریم لاہوری

رسالہ در تربیت سلوک :

اس نام کا ایک مختصر رسالہ کتابخانۂ مولوی محمد شفیع میں شمارہ ۴۰۷ پر موجود ہے ۔ دوسرے رسائل کے ساتھ ایک مجلد میں برگ ۳۸ سے ۴۵ تک محفوظ ہے ۔ اس کے مصنف عبدالکریم لاہوری ہیں ۔ یقینی طور پر مشخص نہیں ہو سکا کہ یہ عبدالکریم کون بزرگ ہیں ۔ اس نام کے ایک عالم و صوفی مخدوم الملک عبداللہ سلطان پوری کے خلف الرشید تھے ۔ تصوف کے موضوع پر ان کا ایک رسالہ مصابیح العارفین کے نام سے موجود ہے ۔ اس کا تعارف ہم 'پاکستان میں فارسی ادب' حصہ دوم میں کرا چکے ہیں ۔ وہ ۱۰۴۵ھ میں فوت ہوئے ۔ اس رسالہ کی تالیف کا زمانہ ان کی زندگی سے مطابقت رکھتا ہے لیکن صرف ایک بات مشتبہ ہے ۔ ان کے متعلق معلوم ہے کہ وہ تصوف کے چشتیہ سلسلہ سے وابستہ تھے ۔ لیکن اس رسالہ میں انھوں نے نقشبندیہ مسلک کے مطابق سلوک و طریقت کے مسائل پر روشنی ڈالی ہے ۔ اس رسالے کی تمہید میں مصنف نے لکھا ہے کہ سلوک کے اختلافی مسائل کی وضاحت کے لیے لوگوں نے 'میانجیو' سے درخواست کی ۔ میانجیو نے عبدالکریم کو اس کی توضیح و تشریح کے لیے رسالہ لکھنے کے متعلق ارشاد فرمایا ۔ ڈاکٹر محمد بشیر حسین کا خیال ہے کہ میانجیو سے مراد حضرت 'میاں میر' (م-۱۰۴۵ھ) ہیں[1] ۔ یہ قیاس صحیح نہیں ۔ ایک تو یہ قادریہ سلسلہ کے بزرگ ہیں ، دوسرے یہ کہ اس رسالے کے آخر میں مصنف نے لکھا ہے ۔

”کمال علم مجلس خاص کہ خاصہ کشف حضرت میانجیو است ، آنرا وصول دارد و شرح آن در کتاب خلاصۃ المعارف قسم ثانی از نکات الاسرار

از خود مبین و مفصل ساختہ اند ۔ آنجا مطالعہ نماید ۔[1]

خلاصۃ المعارف اور نکات الاسرار حضرت آدم بنوری نقشبندی (م ۔ ۱۰۵۲ھ) کی تالیفات ہیں ۔ اس لیے یہ بات یقینی ہے کہ میانجیو سے مراد آدم بنوری ہیں ۔ متن میں ایک کتاب کا نام "نکات الابرار" غلط لکھا گیا ہے ۔

رسالے میں مصنف نے توجہ دلائی ہے کہ حق تعالیٰ در توامت اور آیت قرآنی ، "فی انفسکم افلا تبصرون" سے استدلال کر کے تربیت و عرفان نفس کی ترغیب دلائی ہے ۔ نفس کی تربیت کے لیے مرشد کامل کی اطاعت ضروری ہے ۔ قرآنی آیت "ابتغوا الیہ الوسیلہ" اور حدیث "لا شیخ لہ فشیخہ الشیطان ۔" تائید کے لیے پیش کی ہیں ۔ اس کے بعد سلوک کے پانچ مراتب بتائے ہیں یعنی تزکیۂ نفس ، تصفیۂ قلب ، تنقیہ دماغ ، تجلیہ روح تخلیۂ روح سری اور پھر طریق نقشبندیہ کے مطابق ان کی تشریح و توضیح کی ہے ۔ ذکر خفی کی تین قسمیں بتائی ہیں ۔ یاد کرد ، یادداشت اور حضور ۔ حقیقت قلب کے متعلق چھ مراتب کی نشاندہی کی ہے جسے لطائف ستہ کہتے ہیں اور اس حدیث قدسی سے استنباط کیا ہے جس میں قلب ، فواد ، سر ، خفی اخفی ، انا کے کلمات آتے ہیں ۔ قلب کی تربیت کا بنیادی عنصر ذکر اللہ ہے ۔ جسے نفی و اثبات کہتے ہیں ۔ مصنف نے روش نقشبندیہ کے مطابق اسے بیان کیا ہے اور کہا ہے کہ "کسی را کہ دماغ زبون باشد ، بروش قادریہ بکند ۔" سلوک کے آخری مرتبہ تخلیہ کے متعلق یہ تشریح کی ہے کہ اس سے مراد قوت متخیلہ کو معزول کرنا اور مدرکات عشرہ سے باہر آنا ہے ۔ اس کے بعد حضور مطلق اور وصول حق کا مرتبہ حاصل ہوتا ہے ۔

تصوف کے بنیادی مسائل پر یہ ایک مفید رسالہ ہے ۔ خصوصاً مراتب

---

۱ ۔ فہرست مخطوطات شفیع ، مرتبہ ڈاکٹر محمد بشیر حسین ، لاہور ، ۱۹۷۲ع ، ص ۳۶۲ ۔

سلوک کی تشریح وضاحت سے کی گئی ہے۔ رسالے کا آغاز اس طرح ہے:

"الحمدللہ الذی ھدینا الی الاسلام و جعلنا من احق حبیب سیدنا محمد"

ڈاکٹر مولوی محمد شفیع کے فرزند ارجمند جناب احمد ربانی کی عنایت سے ہمیں یہ رسالہ اور دوسرے نوادر دیکھنے کا موقع ملا۔

——:o:——

پاکھرمل

فرح افزا

کتاب حکایات شوق انگیز اور مطائبات بہجت افزا کا مجموعہ ہے۔ اس کا مصنف پاکھرمل عرف تولے ساکن حافظ آباد (الکہ لاہور) ہے۔ کتاب ۱۰۳۷ھ میں مرتب ہوئی اور بقول مؤلف جہانگیر کے سامنے پیش کی گئی جس نے اسے پسند کیا۔

مؤلف شاعر بھی تھا اور ہندو تخلص کرتا تھا۔ کتاب کی تمہید و تعریف میں اس نے حسب ذیل قطعہ لکھا:

بدر کبریای جل و علا
میکنم در بقای شاه دعا
سالار بادشاه نورالدین
از بلیّات در پناه خدا
که در ایامش این رسالهٔ خاص
شد مسمی باسم فرح افزا
سی و هفت از هزار بود فزون
از رحیل نبی رسول هدا
کین دری چند منخرط گردید
ارمغانی بشاهِ وری
صیقل شیرین حکایاتش
از برای فواد زنگ زدا

قاری و سامع و نگہ دارش
شاد و مسرور و مبتہج بادا
بندوا این دعا بسلطان کن
خلد اللہ ملکہ ابدا

کتاب مرتب کرتے وقت مندرجہ ذیل موضوعات زیر نظر رکھے گئے ہیں :

۱ - علم بدانش کمال ۲ - تصوفات بی ملال - ۳ صدق براست نیت - سخاوت بعلوہمت - ۵ - برآوردن حاجات بعدالت ۶ - غیرت باستمالت ۷ - صفت لطافت قبول ۸ - مطایبات بظرافت موزون -

ذیل کے عنوانات کے تحت حکایات جمع کی گئی ہیں -

۱ - علم فضیلت ۲ - حکمت ۳ - نجوم ۴ - سیاق مرقوم ۵ -آموختن زبان موجودات ۶ - طلسم ۷ - نیرنجات ۸ - تناسخ ۹ - مسخرات ۱۰ - جادو ۱۱ - افسونات ۱۲ - کیمیا ۱۳ - موسیقات -

دوسرے موضوع یعنی 'تصوفات بی ملال' کے تحت مزید اکیس عنوانات لکھ کر درویشانہ اخلاق کے متعلق اظہار خیال کیا گیا ہے - اپنے بیان کی تقویت کے لیے اشعار و ابیات ، قطعات و غزلیات درج کی گئی ہیں - پندو موعظت کے اقوال درج کرتے وقت مخاطب کو جانم - جانمن - ای یار من لکھا ہے -

کتاب دانش و حکمت کے اقوال سے مالا مال ہے - اقوال کی نوعیت اور اسلوب بیان دیکھنے کے لیے ذیل کی عبارت ملاحظہ کیجیے -

"براقتادگان چہ زور آوری ، بفرقہ زنان چہ دلاوری - بکم آبی چہ شناوری - بہ ویران کردن چہ داوری - چون نگاشتہ ای

چہ خواہی درود ۔ چون نیاوردہ ای چہ خواہی نمود ۔ خود را با پیل دمان چہ وجود ۔ از کاشتن شورستان چہ سود ۔ از خراشیدگی مردم چہ فائدہ ۔ از یخنی کلاغ چہ مائدہ"۔

(ص ۲۳۶-۲۳۷)

مؤلف نے زندگی میں پیش آنے والے بعض مفید کار آمد مشورے قطعات میں منظوم کر کے پیش کیے ہیں ۔ ان قطعات میں اس نے اپنے آپ کو خود مخاطب کیا ہے مثلاً :

ہندوا وقتِ رفتہ نباید باز
غم مخور ۔ گر خوری ، نیابی ہیچ
عجلت از پیشۂ عزازیل است
اضطرابی مکن بہیچ مپیچ

ہندوا غم مخور زدردِ کسان
کہ ترا نیز غم شود روزی
گر بآسوال کس بہ پردازی
بغمت وا رسد غم افروزی

ہندوا راست باز باش بحق
کہ شوی رستگار وقت حساب
گفتہ عاقلانست گر دانی
مسئلہ لاجواب را چہ جواب

کتاب کا ایک قلمی نسخہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری ، مجموعۂ شیرانی میں شمارہ 6205 پر موجود ہے ۔ کل ۲۵ صفحات ہیں ۔

-:o:-

خواجہ صورت سنگھ عاقل

تذکرۃ الشیخ والخدم

اس تذکرہ کا دوسرا معروف نام تذکرۂ حسو تیلی بھی ہے۔ یہ تذکرہ ۱۰۵۷ھ میں تالیف ہوا۔ اس کی تکمیل میں تین سال صرف ہوئے۔ اشعار کی تعداد ۶۱۸۸ ہے۔

اس کے مصنف خواجہ صورت سنگھ عاقل ولد دونی چند تھے۔ ہندو کمبو خاندان سے ان کا تعلق تھا۔ لاہور سے سات فرسخ کے فاصلے پر قصور کے قریب ہنتر قصبہ کے رہنے والے تھے۔ تجارت کے سلسلے میں لاہور آئے اور یہیں مکان خرید کر قیام پذیر ہوئے۔ کچھ عرصہ کے لیے صورت سنگھ اور ان کے بھائی سدانند امانت خان کے ملازم رہے۔ اس کی وفات پر اس کے بیٹے عاقل خان کے ملازم ہوگئے۔ صورت سنگھ دفتر توجیہ میں اور بھائی خان سامانی کی خدمت پر مامور ہوئے۔

صورت سنگھ مولوی عبدالکریم لاہوری خلیفہ حسو تیلی کے مرید تھے۔ بعد میں ان کے پیر بھائی شیخ کمال کے مرید ہوئے جو ملامتیہ مشرب کے پیرو تھے۔ ان کے ہندو بھی مرید تھے۔

اصل تذکرہ شروع ہونے سے پہلے حمد خداوند، نعت رسول اکرم مدح شاہجہان میں اشعار لکھے ہیں۔ بعد میں حسو تیلی کا تذکرہ شروع ہوتا ہے۔ شیخ حسو دریائے چناب کے کنارے گاؤں ماکیوال کے رہنے والے تھے۔ باپ کا نام شیخ چندو اور ماں کا نام میلی تھا۔ بڑا بھائی شیخ تارو اور بہن مسماۃ پیاری تھی جو بعد میں ان کی مرید ہوئی۔ شیخ چاندو کا تیل بنانے والا کولھو تھا۔ ایک دن انھوں نے حسو کو

تیل خریدنے کے لیے بھیجا ۔ ایسے گئے کہ سالہا سال تک گھر واپس نہ آئے۔ وہ دوران سفر میں گورو گورکھناتھ کے مرید ہوگئے ۔ لاہور واپس آ کر انھوں نے چوک جھنڈا اندروں لاہوری دروازہ میں گندم کا کاروبار شروع کیا ۔ وہ گاہکوں کو خود کہتے کہ خود تول کر لے جاؤ ۔ ان کی راست بازی سے کاروبار میں برکت ہوئی کہ وہ سونے کے باٹ اور ترازو استعمال کرتے تھے ۔ یہ شاہ جمال لاہوری کی دعاؤں کے طفیل ایسا ہوا ۔ ایک دفعہ انھوں نے حسو سے کہا کہ باٹ اور ترازو دریا میں پھینک دو ۔ دو تین دن بعد کچھ غلہ فروش دریا کے پا یاب مقام سے گذر رہے تھے کہ ان کے پاؤں سے بھاری چیز ٹکرائی ۔ انھوں نے تلاش کیا تو باٹ اور ترازو ملے اور وہ شیخ حسو کے پاس لے آئے چونکہ انھیں معلوم تھا کہ یہ باٹ اور ترازو انھی کے ہو سکتے ہیں ۔ شیخ حسو نے یہ ماجرا شاہ جمال سے کہا ۔ انھوں نے فرمایا : "یہ تمھاری دیانتداری کا صلہ ہے ۔ حلال کی کمائی ضائع نہیں ہوتی"۔ شیخ حسو شاہ جمال کے مرید ہو گئے ۔[۱] تربیت و اجازت کے بعد خود دوسروں کی تربیت کرنے لگے ۔ اور کاروبار ترک کر کے درویش ہوگئے ۔ ان کے مریدین میں ہندو مسلمان دونوں شامل تھے ۔ شاہ دولہ گجراتی نے بھی ان سے فیض حاصل کیا ۔ وہ ۱۲۰ سال کی عمر میں ۱۰ شوال ۱۰۱۱ھ میں وفات پاگئے ۔ ان کا مزار ایبٹ روڈ پر واقع ہے ۔ ان کا حجرۂ عبادت چوک جھنڈا میں اب بھی مرجع خلایق ہے اور وہاں چراغ جلائے جاتے ہیں ۔

صورت سنگھ نے شیخ حسو کے معاصر اولیاء میں سے موسی آہنگر ، عبدالغنی مرید شیخ نظام نارنولی اور چھجو داؤد پنتھی کے ساتھ شیخ حسو کے دوستانہ روابط کا ذکر کیا ہے ۔ ان کے خدام میں خاص طور پر

---

۱ ۔ تذکرۃ الشیخ والخدم ، مقالہ مطبوعہ مجلہ المعارف ، شمارہ اکتوبر ۱۹۷۳ع ، از پروفیسر محمد اسلم ۔

نظام - بدھو - ککا جان - مہر علی - منگو - میاں بولا - شیخ لال - شیخ احمد شیر احمد - حسن اور عبدالکریم کا ذکر کیا ہے - خواتین میں بنی، مریم بختو اور شیخ کی اپنی بہن پیاری مریدین میں نامور تھیں -

عبدالرحیم خانخانان شیخ حسو کے بڑے معتقد تھے - صورت سنگھ کا بیان ہے کہ فتح تھٹہ اور دکن کی اکثر مہمات ان کی دعاؤں سے سرانجام ہوئیں - اکبر بادشاہ بھی شیخ حسو کا عقیدت مند تھا - ایک دفعہ بادشاہ کی درخواست پر شیخ نے دعا کی اور بارش ہونے سے قحط کا خطرہ ٹل گیا - اس تذکرے میں بعض معاصر سیاسی واقعات کا بھی ذکر ہے - جہانگیر کی وفات کے بعد نورجہاں نے اپنے بیٹے شہر یار کو لاہور میں تخت پر بٹھایا - آصف خاں نے اسے شکست دے کر خسرو کے فرزند داور بخش عرف بلاقی کو تخت پر بٹھایا - دکن سے شاہزادہ خرم بن شاہجہان تین ماہ کے بعد واپس آیا تو بلاقی، تیمور، شہر یار اور ہوشنگ قتل ہوئے اور شاہجہان کی بادشاہی کا اعلان ہوا - صورت سنگھ لکھتے ہیں کہ میرے مرشد شیخ کمال کی پیشگوئی کے عین مطابق ہوا -

فتح بلخ کے سلسلے میں شاہجہان کے تین ماہ قیام کابل کا ذکر کیا ہے اور بتایا ہے کہ والی بلخ کا وکیل دربار میں حاضر ہوا اور صلح کی درخواست کی - صورت سنگھ نے لاہور میں شاہجہان کی آمد کا ذکر بھی کیا ہے -

یہ پہلی کتاب ہے جس میں جہانگیر پور میں ہرن مینار کی تعمیر کا مفصل ذکر ہے - صورت سنگھ اپنے مرشد شیخ کمال کے ہمراہ اپنے دوست کی دعوت پر جہانگیر پور گئے - ہرن منار پر چڑھے اور اس کے ۱۰۴ زینے شمار کیے -

یہ تذکرہ منظوم ہے اور قصیدے کی ہیأت میں ہے - صورت سنگھ نے واقعات کو نظم کیا ہے اور محاسن شعری کی طرف توجہ نہیں

دی ۔ تین سال کی مدت میں بٹھنڈہ میں تمام ہوا جیسا کہ مندرجہ ذیل اشعار سے ظاہر ہے ۔

بیافت صورت اتمام در بتندہ کنون
ببارگاہ رتن حاجی این ہمہ اشعار
ہزار و پنجہ و ہفتم بود ز خاتمہ اش
کہ درسہ سال من این نسخہ ساختم طیار

اس تذکرے کا ایک منفرد نسخہ علی گڑھ یونیورسٹی لائبریری شعبہ' تاریخ میں موجود ہے ۔ پروفیسر محمد اسلم صاحب نے مجلہ المعارف شمارہ اکتوبر ۱۹۷۳ میں اس کا تعارف پیش کیا تھا ۔

—:o:—

مرکز ادب کشمیر

کشمیر عہد مغلیہ میں

(۱۱۱۹ھ—۱۱۶۶ھ)

سیاسی و معاشرتی پس منظر

عالمگیر اورنگزیب کے بعد محمد معظم شاہ عالم تخت نشین ہوا۔ ۵ سال ۱۹ روز حکومت رہی یعنی ۱۱۱۹ھ سے ۱۱۲۴ھ مطابق ۱۷۰۷ سے ۱۷۱۲ تک۔ اس عہد میں حسب معمول مندرجہ ذیل عہدیدار کشمیر میں نامزد ہوئے۔

جعفر خان۔ ایک سال ۳ ماہ۔ ۱۱۱۹-۱۱۲۱ھ

ابراہیم خان۔ تین ماہ ۱۱۲۱ھ

نوازش خان۔ ایک سال چھ ماہ ۱۱۲۱-۱۱۲۳ھ

عنایت اللہ خان۔ ایک سال ۱۱۲۳-۱۱۲۴ھ

جعفرخان اپنی بے اعتدالیوں کی وجہ سے مرا۔ ابراہیم طبعی موت مرا۔ درمیانی وقفہ میں قاضی محمد فاروق عرف عارف خان انتظام حکومت چلاتا رہا۔ نوازش خان کے عہد میں کثرت باراں کی وجہ سے فصلوں کو نقصان پہنچا پھر آگ کا ایسا خوفناک حادثہ ہوا کہ چالیس ہزار گھر تباہ ہو گئے۔

فرخ سیر (۱۱۲۴-۱۱۳۱ھ) کے عہد میں مندرجہ ذیل صوبیدار اور نائب صوبیدار مامور ہوئے۔

صوبیدار۔ سادات خان ۳ سال ۱۱ ماہ ۱۷ روز ۱۱۲۴-۱۱۲۸ھ

نائب صوبیدار: (۱) علی محمد خان ۲ سال ۱۱۲۴-۱۱۲۶ھ

(۲) اعظم خان ایک سال ۱۱ ماہ ۱۱۲۶-۱۱۲۷ھ

(۳) علی محمد خان ایک سال ۷ ۱۱۲۷-۱۱۲۸ھ

(۴) احترام خان ۷ ۱۷ روز ۱۱۲۸ ھ

۲ - صوبیدار - عنایت اللہ خان ۲ سال ۱۱ ماہ ۶ روز ۱۱۲۸-۱۱۳۱ھ

(۱) نائب صوبیدار - میر احمد خان ۳ سال ۱ ماہ ۶ روز ۱۱۲۸-۱۱۳۱ھ -

ان حاکموں میں سے عنایت اللہ خان اور اس کے نائب میر احمد خان نے عدل و استحکام سے حکومت کی -

ناصر الدین محمد شاہ نے (۱۱۳۱-۱۱۶۱ھ) ۲۸ سال ۸ ماہ ۲۰ روز تک حکومت کی - اس کے عہد میں مندرجہ ذیل صوبیدار و نائب صوبیدار نامزد ہوئے:

صوبیدار عنایت اللہ خان ایک سال ۳ ماہ ۱۱۳۱-۱۱۳۳ھ

نائب صوبیدار (۱) : میر احمد خان ۲ ماہ ۱۱۳۱ھ

(۲) عبداللہ خان دہ بیدی ۶ ماہ ۱۱۳۱-۱۱۳۲ھ

(۳) مومن خان ۷ ماہ ۱۱۳۲-۱۱۳۳ھ

۲ - صوبیدار عبد اللہ خان ۲ سال ۵ ماہ ۱۱۳۳-۱۱۳۵ھ

نائب صوبیدار

(۱) عبد اللہ خان دہ بیدی ۵ ماہ ۱۱۳۳

---

۱ - مکمل تاریخ کشمیر ، محمدالدین فوق ، لاہور ، ۱۹۱۰ ، حصہ دوم -

(۲) ابوالبرکات خان و عارف خان ۶ ماہ ۱۱۳۳-۱۱۳۴

(۳) نجیب خان ایک سال ۱۱۳۴-۱۱۳۵

۳ - صوبیدار اعظم خان بہادر ایک سال ۱۱۳۵-۱۱۳۶

۴ - صوبیدار عنایت اللہ خان ایک سال ۱۱۳۶-۱۱۳۷

نائب صوبیدار - فخر الدین خان ایک سال ۱۱۳۶-۱۱۳۷

۵ - صوبیدار عقیدت خان ۲ سال ۱۱۳۷-۱۱۳۹

نائب صوبیدار ابو البرکات خان ۲ سال ۱۱۳۷-۱۱۴۰

۶ - صوبیدار آغر خان ایک سال ۱۱۴۰-۱۱۴۱

۷ - صوبیدار امیر خان ۷ سال ۶ ماہ ۱۱۴۱-۱۱۴۸ھ

نائب صوبیدار

(۱) ابو البرکات خان ۵ سال ۱۱۴۱-۱۱۴۳

(۲) احترام خان ۶ ماہ ۱۱۴۳

(۳) ابو البرکات خان ۵ سال ۱۱۴۳-۱۱۴۸

۸ - صوبیدار دل دلیر خان ۲ سال ۸ ماہ ۱۱۴۸-۱۱۵۱

نائب صوبیدار

(۱) ابو البرکات خان ۲ سال ۱۱۴۸-۱۱۵۱

(۲) جلیل الدین خان ۸ ماہ ۱۱۵۰-۱۱۵۱

۹ - صوبیدار فخرالدولہ ۹ ماہ ۱۱۵۱-۱۱۵۲

۱۰ - صوبیدار عطیہ اللہ خان عرف عنایت اللہ خان ثانی - ۲ سال ۵ ماہ
۱۱۵۲-۱۱۵۴

۱۱ - صوبیدار اسعد باز خان ۴ سال ۱۱۵۴-۱۱۵۸

۱۲ - صوبیدار منصور خان بہادر صفدر خان ۲ سال ۸ ماہ ۳۰ روز
۱۱۵۸-۱۱۶۱ھ

امیر احمد خان اور مومن خان کے عہد میں محتوی خان نے فتنہ و فساد برپا کیا - ہندوؤں پر ظلم و ستم کیا - خود شیخ الاسلام بن بٹھا - اس کے بیٹے شرف الدین نے بھی ہندوؤں کی دلآزاری میں کسر نہ کی - چونکہ محتوی خان کے دو بیٹوں کو اہل تشیع نے قتل کیا تھا ، اس لیے اہل تسنن اور اہل تشیع میں نزاع و فساد برپا ہوا - اس فتنہ و غارتگری کے متعلق میر احسن اللہ خان اور فصاحت خان راضی نے شہر آشوبوں میں اس کا نقشہ کھینچا ہے - ذیل کے دو اشعار سے ایک جھلک دیکھی جا سکتی ہے :

ز شور انگیز چندی بی نمک شد
ز لوح سینہ نقشِ عیش حک شد
عجب ہنگامہ ای گردید ظاہر
ز جنگ شیعہ و سنی و کافر[1]

سید اظہر خان دیوانِ بیوتات نے ۱۲ذی قعدہ ۱۱۳۲ کو محتوی خان کو قتل کروایا اور عبد الصمد صوبیدار نے شرف الدین اور اس کے پچاس مفسدوں کو سولی پر چڑھایا - ہندوؤں کی دلجوئی کی - ان پر سے ناجائز پابندیاں دور کیں اور چھ مہینے کے اندر امن بحال کیا - ۱۱۳۷ میں بڑا قحط پڑا - "قحط عظیم" سے تاریخ نکلتی ہے - اس قحط کے متعلق محمد اعظم نے ایک مثنوی میں تصویر کھینچی ہے -

آغر خان نے بڑی بد نظمی کا ثبوت دیا اور ناجائز وسائل سے خلق خدا کا مال لوٹا - ۱۱۵۰ میں ابو البرکات کے عہد نیابت میں طوفانی

---

۱ - تاریخ کشمیر اعظمی ، لاہور ، ۲۳۱ -

بارشیں ہوئیں ۔ زلزلے آئے ۔ ہیبت خان والیٔ مظفر آباد نے بغاوت کی ۔ اہل پونچھ نے ابو البرکات کے خلاف بغاوت کی ۔ حالانکہ وہ انھی کی معاونت سے اقتدار سنبھالے ہوئے تھا ۔ آخر ابو البرکات نے ان پر تسلط جما کر پانچ سو گوجر قتل کیے :

خرد سال قتل ہمہ گوجران
بگفتا سزای بد طاعتیان (۱۱۵۵ھ)

۱۱۵۸ھ میں میر اللہ خان کی بغاوت سے پھر فتنہ و فساد برپا ہوا ۔ ابو البرکات بھی اس کا مقابلہ نہ کر سکا ۔ یہ سال بھی ابتری کی وجہ سے "عام التشویش" (۱۱۵۸ھ) مشہور ہے ۔

۱۱۵۹ھ میں سخت قحط ہوا ۔ ہزاروں جانیں تلف ہوئیں ۔ ۱۱۶۰ھ میں خوب طغیانی آئی ۔ لیکن اس "طغیانِ ملک" (۱۱۶۰ھ) سے قحط رفع ہونے کا موقع ملا ۔

۱۱۶۱ھ میں نادر شاہ مقتول ہوا اور احمد شاہ ابدالی درانی نے حکومت سنبھالی ۔ کشمیر کے بعض شر پسندوں نے احمد شاہ ابدالی کو کشمیر میں ناظم بھیجنے کے لیے درخواست دی لیکن یہ خط افراسیاب صوبیدار کشمیر کے ہاتھ لگ گیا لیکن اس نے مصاحت کی خاطر سازشیوں کے خلاف قدم نہ اٹھایا ۔ ۱۱۶۱ھ میں عصمت اللہ محدث خان پسر محتوی خان مرحوم پشاور سے تین چار ہزار سوار لے کر کشمیر میں وارد ہوا ۔ اگرچہ پہلے افراسیاب کو شکست ہوئی ۔ لیکن ایک سپاہی نے عصمت اللہ کو گولی کا نشانہ بنایا تو حالات بدل گئے اور افراسیاب کامیاب ہوا ۔ جان بیگ سامی نے اس واقعہ کی تاریخ قلمبند کی :

تاریخ چنین واقعہ میکرد بیان
بالتعمیۂ ملیح این ابجد خوان

از خطۂ کشمیر شدہ فوج پٹھان
اسپ و زر و نقد و اسلحہ ماند دران (۱۱۶۱ھ)

۱۱۶۱ھ میں محمد شاہ کی وفات کے بعد مجاہد الدین احمد شاہ تخت نشین ہوا - ٦ سال ۳ ماہ ۳ دن حکومت کی (۱۱۶۱-۱۱٦۷ھ) احمد شاہ کے عہد میں کشمیر میں مندرجہ ذیل صوبیدار مقرر ہوئے -

۱ - صوبیدار ابو المنصور خان بہادر صفدر جنگ - ۵ سال ۱۰ دن ۱۱۶۱ - ۱۱٦٦ھ

نائب صوبیدار

(۱) افراسیاب بیگ خان - ۴ سال ۸ ماہ ۱۱۶۱ - ۱۱٦٦

(۲) احمد علی خان - ۲ ماہ ۱۱٦۵ھ

(۳) ملک حسن ایرانی - ۲ ماہ ۱۱٦٦ھ

۲ - صوبیدار آغر قلی خان - ۵ ماہ ۱۱٦٦ھ

نائب صدر

(۱) میر مقیم کنٹھ - ۱۱٦٦ھ

ان صوبیداروں کے عہد میں باہمی ناچاقی اور انتظامی ابتری رہی - ایک دوسرے کے قتل کے در پے رہے اور اعیان سلطنت اپنا اقتدار قائم رکھنے کے لیے سازش کرتے رہے - میر مقیم اور خواجہ ظہیر دیدہ مری نے احمد شاہ ابدالی کو تسخیر کشمیر پر آمادہ کیا - اس نے ۱۱٦۵ھ میں عبد اللہ خان ایشک آقاسی کو سپاہ دے کر روانہ کیا - ابو القاسم صافی بن ابو البرکات خان سابق صوبیدار نے معزول سپاہیوں کو اکھٹا کر کے ایشک آقاسی کا مقابلہ کیا لیکن آخر مغلوب ہو کر گرفتار ہوا - اس واقعہ کے بعد کشمیر شاہان مغلیہ کے تسلط سے نکل کر شاہان افاغنہ

کے زیر تصرف آ گیا۔

کشمیر۔ عہد افاغنہ میں۔ (۱۱۶۶-۱۲۳۴ھ)

احمد شاہ ابدالی ۱۹ سال ۴ ماہ ۷ ۲ روز۔ ۱۱۶۶-۱۱۸۶ھ۔

عبداللہ ایشک آقاسی ۵ مہینے چوبیس روز تک کشمیر میں مقیم رہا۔ اس نے خوب تاخت و تاراج کیا اور ایک کروڑ روپے لے کر واپس چلا گیا۔ ملا احمد نے اس کے جبر و ستم کا حال یوں بیان کیا ہے:

شد نیٔ نغمۂ کوچہ فریاد
حرف افغان چو درمیان افتاد

شور افغان چو بشنوم بی قیل
یادم آید ز صور اسرافیل

بس کہ پر شور کار افغان است
شور محشر دیار افغان است

این زمان خاصہ گوشۂ کشمیر
شد ز افغان چو نی بہ نالہ اسیر

خو است حق کین زمین مینا رنگ
چو دل نی شود ز افغان تنگ

داشت دور از تصرف چغتہ
بی سرور از تصرف چغتہ

کرد بروی مسلط افغان را
باغ جمشید داد دیوان را

بود این گل زمین سلیمان باغ
شد ز دیوان کنون سراسر داغ

ناگہاں چو بلای دامنگیر
شاہ قاسی رسید در کشمیر

ایشک آقاسی کے بعد خواجہ عبد اللہ کابلی نے ۴ ماہ سات روز تک حکومت سنبھالی - ۱۱۶۷ھ میں راجہ سُکھ جیون مل نے عنان حکومت اپنے ہاتھ میں لی - بادشاہ نے خواجہ کیچک کو نائب صدر بنا کر بھیجا خواجہ کیچک سُکھ جیون کے مقابلے میں ناکام ہوا - ایشک آقاسی پھر سردیوں میں فوج لے کر آیا - لیکن اس نے بھی شکست کھائی - اس زمانے میں خواجہ ابوالحسن مدارالمہام تھا - اس نے ۱۱۶۸ اور ۱۱۶۹ میں قحط سالی کی روک تھام کے لیے خاطر خواہ انتظام کیا - خواجہ ابو الحسن نے دو تین مرتبہ راجہ کی حکومت الٹنے کی سازشیں کیں، لیکن کامیاب نہ ہوا - بعد میں راجہ اور پنڈت مہانند در مدارالمہام نے مسلمانوں کے ساتھ ناروا سلوک کیا - مسجدوں میں اذان کی ممانعت کر دی اور گؤ کشی جرم قرار دیا - آخر احمد شاہ کی طرف سے نور الدین بامیزی کو پچاس ہزار فوج دے کر کشمیر بھیجا گیا - اس نے سُکھ جیون کی آنکھیں نکلوا کر ہاتھی کے پاؤں تلے کچلوا دیا - سُکھ جیون نے بڑی شان اور خودسری سے ۱۱۶۷ سے ۱۱۷۵ تک حکومت کی -

احمد شاہ کے عہدِ حکومت میں دیگر صوبیداروں کی تفصیل حسب ذیل ہے :

(۱) بلند خان بامیزی ایک سال ۱۱ ماہ ۱۱۷۵-۱۱۷۷

(۲) نورالدین خان بامیزی ایک سال ۱۰ ماہ ۱۱۷۷-۱۱۷۹

(۳) خورم خان گیارہ ماہ ۱۹ روز ۱۱۷۹-۱۱۸۰

(۴) میر فقیر اللہ کنٹ دس ماہ ۲۰ روز ۱۱۸۰-۱۱۸۱

(۵) نورالدین خان بامیزی بارثانی ۲ سال ۱۰ ماہ ۱۱۸۱-۱۱۸۴

(۶) خورم خان بارڈانی ۶ ماہ ۱۱۸۴-۱۱۸۵

(۷) امیر خان جوانشیر ایک سال ۱۱ ماہ ۱۱۸۴-۱۱۸۶

ان ناظموں میں خورم خان تو کم ہمت تھا ۔ میر فقیر اللہ اور امیر خان شراب و نشاط کے دلدادہ تھے ۔ امیر خان نے جھیل ڈل میں مصنوعی جزیرہ بنایا ۔ امیرا کدل اور شیر گڑھی باغ اور عمارات تعمیر کرائیں ۔ کچھ امراء اندرونی بغاوتوں کو فرو کرنے میں مصروف رہے ۔ سنی شیعہ مناقشت بھی پیدا ہوئی ۔ آتش گیری تو یہاں کا معمول تھا ۔ بعض معتمدین سلطنت نے خود مختاری کی بھی کوشش کی ۔

عہد تیمور شاہ درانی ۲۱ سال ایک ماہ ۱۱۸۶-۱۲۰۷ھ

اس عرصہ میں مندرجہ ذیل صوبیدار متعین ہوئے ۔

(۱) امیر خان جوانشیر و دلیر جنگ ۴ سال ایک ماہ

۱۱۸۶-۱۱۹۰

(۲) حاجی کریم داد خان ۶ سال ۱۰ ماہ ۱۱۹۰-۱۱۹۷

(۳) آزاد خان ۲ سال ۴ ماہ ۱۱۹۷-۱۱۹۹

(۴) مدد خان اسحاقی زئی (سیف الدولہ) ۱۰ ماہ

۱۱۹۹-۱۲۰۰

(۵) میر داد خان ۲ سال ۱۲۰۰-۱۲۰۲

(۶) غفار خان ۴ ماہ ۱۲۰۲

(۷) جمعہ خان الکوزئی ۴ سال ۵ ماہ ۱۲۰۲-۱۲۰۷

(۸) میرزا خان ۴ ماہ ۱۲۰۷

امیر خان نے رعایا پر سخت تعدی سے کام لیا ۔ خود شیعہ ہونے کی وجہ سے اہل سنت پر سختیاں کیں ۔ رعایا باغی ہوئی ۔ آخر بادشاہ نے اسے کابل بلوا لیا ۔ کریم داد نے سکردو فتح کیا ۔ والیٔ جموں کو

شکست دی - اس کے ہمراہ قبایل کھکہ و بمبہ کو نیچا دکھایا - لیکن اس نے خود جور و ستم کیا - زبردستی مال وصول کیا - لوگوں نے میوہ دار درختوں کی لکڑیاں فروخت کر کے ٹیکس ادا کیے - ۱۱۹۲ میں چھ ماہ تک زلزلہ آتا رہا - ۱۱۹۴ میں دریا نے بہت اور جھیلیں یخ بستہ ہوگئیں - کریم داد نے اہل تشیع پر تعدی سے کام لیا - امیر آباد کو ویران کر دیا - آزاد خان پسر کریم داد خان نے باپ کی طرح رعایا پر جور و سختی سے کام لیا - راجوڑی ، پونچھ ، مظفرآباد اور بارہ مولا پر یلغاریں کیں - آخر بادشاہ کی طرف سے فوج بھیجی گئی اور اس کا سر کاٹ کر تیمور شاہ کے پاس روانہ کیا گیا - نئے صوبیدار مدد خان نے اپنے پیشرووں کے ظلم و ستم کی تلافی کے لیے کوشش کی اور علماء فضلا کا احترام کیا -

عہد زمان شاہ درانی ۸ سال ۱۰ ماہ ۱۲۰۷-۱۲۱۶ھ

کشمیر کے صوبیدار

(۱) میر ہزار خان	۸ ماہ	۱۲۰۷-۱۲۰۸
(۲) میر رحمت اللہ خان	۴ ماہ	۱۲۰۸
(۳) کفایت خان	ایک سال	۱۲۰۸-۱۲۰۹
(۴) ارسلا خان	ایک سال	۱۲۰۹-۱۲۱۰
(۵) عبد اللہ خان الکوزئی	۵ سال ۱۰ ماہ	۱۲۱۰-۱۲۱۶

زمان شاہ اپنے عہد حکومت میں بھائیوں سے لڑتا رہا - آخر بڑے بھائی محمود شاہ کے ہاتھوں اندھا ہوا اور اس نے باقی زندگی قندھار میں گزاری - وہ صوبہ کشمیر کے انصرام کے متعلق زیادہ توجہ نہ دے سکا - کفایت خان اور عبداللہ خان کے عہد میں کچھ عرصہ کے لیے امن و امان قائم رہا - اکثر ان کا وقت شورشیں اور بغاوتیں فرو کرنے میں گزرا - کامراج ، بارہ مولا اور مظفر آباد میں ہلچل رہی - شیعہ سنی فساد بھی ہوئے -

عہد محمود شاہ درانی و شجاع الملک ۱۷ سال ۳ ماہ

۱۲۱۶-۱۲۳۴ھ

خاندان شاہی میں خود افتراق رہا۔ آخر محمود شاہ گرفتار ہوا۔ ۱۲۱۸ھ میں مختار الدولہ شجاع الملک تخت نشین ہوا۔ کشمیر میں جو صوبیدار نامزد ہو کر آتے رہے، وہ بادشاہ کے نائب کہلاتے تھے لیکن اصل میں خود مختار تھے۔

اس عہد کے صوبیدار حسب ذیل رہے:

۱ - عبداللہ خان الکوزئی	۵ سال	۱۲۱۶-۱۲۲۱ھ
۲ - عطا محمد خان	۷ سال	۱۲۲۱-۱۲۲۸ھ
۳ - محمد عظیم خان	۶ سال	۱۲۲۸-۱۲۳۴ھ
۴ - جبار خان	۴ ماہ	۱۲۳۴ھ

محمود شاہ کے عہد میں عبداللہ خان نے خود مختاری اختیار کرلی۔ ۱۲۱۸ میں سخت زلزلہ آیا اور افراط باراں سے سیلاب آیا۔ ۱۲۱۹ میں سردی کی شدت سے دریاؤں، جھیلوں کے پانی منجمد ہو گئے۔ ۱۲۲۰ میں شجاع الملک نے عبداللہ خان کی سرکوبی کے لیے فوج بھیجی اور اس کو شکست ہوئی۔ ۱۲۲۱ میں دوران محاصرہ میں وہ مر گیا۔ عبداللہ خان اعلی منتظم تھا۔ ۱۲۱۹ تک اس نے عمدہ نظم و نسق سے حکومت چلائی۔ عطا محمد کے عہد میں رعایا خوشحال ہوئی۔ علماء کی بھی قدر، منزلت ہوئی۔ وہ مقدمات عدالت بھی خود طے کرتا۔ ۱۲۲۲ میں شجاع الملک، اعظم خان سے شکست کھا کر مہاراجہ رنجیت سنگھ والیٔ پنجاب کے پاس پناہ گزین ہوا۔ ۱۲۲۶ میں وہ شجاع الملک کو کشمیر میں لے آیا۔ وزیر فتح محمد خان نے مہاراجہ سے مدد طلب کی۔ اس نے آٹھ لاکھ روپیہ خراج مقرر کر کے دیوان محکم چند کو کشمیر فتح کرنے کے لیے بھیجا۔ اگرچہ عطا محمد کو شکست ہوئی لیکن وہ اور

دیوان شجاع الملک سے مل گئے۔ عطا محمد کچھ جواہرات وزیر کو دے کر پشاور آ گیا۔ ۱۲۲۸ میں اسے قلعہ اٹک کا قبضہ حاصل ہوا۔ محکم چند شجاع الملک کو ساتھ لے کر لاہور آ گیا۔

محمد عظم خان کے عہد میں رنجیت سنگھ نے کشمیر پر حملہ کیا لیکن سرما کی شدت کی وجہ سے منہزم ہو کر واپس آیا۔ تحقیق کرنے سے معلوم ہوا کہ ہندوؤں نے رنجیت سنگھ کو کشمیر آنے کی دعوت دی تھی۔ اس لیے اس نے ہندوؤں کو سخت سزائیں دیں۔ منصب چھین لیے اور جزیہ لگایا۔ ۱۲۲۸ میں قحط ہوا۔ قحط عظیم تاریخ نکلی۔ عظیم کے ہاتھوں دیوان ہیرا داس کے قتل کی تاریخ "جور عظیم" (۱۲۲۹) نکلی۔ شجاع الملک نے ایک مرتبہ اور کشمیر پر لشکر کشی کی لیکن پھر ہزیمت کھا کر لدھیانہ چلا آیا۔ وہاں سے جا کر اس نے کابل و قندھار فتح کیا۔ آخر زمان شاہ کے بیٹے نے اسے قتل کر دیا۔

سردار جبار خان کے عہدِ نظامت میں دیوان بیربل عظم خان کے ڈر سے بھاگ کر رنجیت سنگھ کے پاس پناہ گزین ہو چکا تھا۔ اس نے مہاراجہ کو اکسا کر فوج کشی پر مجبور کیا۔ آخر گھمسان کے معرکے کے بعد کشمیر سکھوں نے فتح کر لیا۔ اور افاغنہ کی حکومت ختم ہو گئی۔

فارسی ادب

ان تمام ناظموں یا نائب ناظموں میں اکا دکا صاحب ذوق تھا۔ علم و فن کا قدردان تھا یا خود بھی علم و ادب میں دستگاہ رکھتا تھا۔ ان میں سے بعض اہلِ علم و ادب کا ذکر کرتے ہیں۔

نوازش خان خط ثلث لکھنے اور شعر کہنے میں عجب مہارت رکھتا تھا۔ اس کا ایک یہ شعر ہے:

۱۔ تاریخ کشمیر اعظمی، اشاعت لاہور، ص ۲۱۰۔

دلم ربودۂ آن پنجۂ نگارین است
مخمسی کہ بدل ناخنم زند این است

آغر خان بھی شعر موزوں کر لیتا تھا۔ دیدہ تخلص کرتا تھا۔ آغازِ حکومت میں اس نے عدل و انصاف سے حکومت کرنے کا عہد کیا اور قسم اٹھائی لیکن بعد میں وہ اپنے قول و قرار پر پابند نہ رہا۔ مؤلف تاریخ کشمیر اعظمی نے اس کی ایک غزل نقل کی ہے جس میں محبوب کے لیے قسمیں کھائی ہیں:

بخم ابروی نگار قسم — بدم تیغ آبدار قسم
خط تو آیت ہدایت شد — بسر مصحف غبار قسم
کار شمشیر میکند ابرو — بعلی و بہ ذوالفقار قسم
دیدۂ غیر ترا نمی بیند — یک قسم صد قسم ہزار قسم

ابو البرکات خوشنویس، انشاپرداز اور شاعر تھا اور صوفی تخلص کرتا تھا اور شعراء و مشایخ کی تعظیم بھی کرتا تھا۔ اپنے متعلق ایک رباعی میں اس طرح کہتا ہے:

صوفی سخن تازہ و رنگین دارم
سر مشق خطی ز یار دیرین دارم
از طرز کلام من شکر می ریزد
فرہاد بیا کہ حرف شیرین دارم

ابو البرکات کا بیٹا ابو القاسم بھی شعر و سخن کا ذوق رکھتا تھا اور صافی تخلص کرتا تھا۔ ذیل کی رباعی اس کی یادگار ہے:

بر دورِ عارضت خط ریحان نوشتہ اند
با بوستان بگردِ گلستان نوشتہ اند

ننوشت ہمچو من کسی او اف زلف تو
جملہ نوشتہ لیک پریشان نوشتہ اند

راجہ سکھ جیون داس شروع شروع میں بے تعصب تھا۔ علماء و فضلا کا قدردان تھا۔ شعر و سخن کا اچھا ذوق رکھتا تھا۔ نورالدین بامیزی کے حملہ آور ہونے سے پہلے ایک غزل لکھی تھی جو ایک قسم کی پیشگوئی ثابت ہوئی کیونکہ بعد میں اس کی آنکھیں نکلوا دی گئیں :

چشم از وضع جہان پوشیدہ بہ
سربسر احوال آن نا دیدہ بہ
ہر کہ چون من داشت جا بر فرق گل
عاقبت در خاک و خون غلطیدہ بہ
چند روزی خود تماشا کردہ ام
زین چمن گلہای عبرت چیدہ بہ
گر دہی شیرش دہد زہرت عوض
زین سیہ مار جہان ترسیدہ بہ
باز اگر چشم جہان بینم دہند
چون گدایان در بدر گردیدہ بہ

حالت نابینائی میں یہ رباعی پڑھا کرتا تھا :

ہر چند گفتم نفس دنی را
باید نہ کردن نا کردنی را
این نفس سرکش نشنید از من
تا دید آخر نا دیدنی را

راجہ سکھ جیون داس نے کشمیر کی منظوم تاریخ مرتب کرانے

کا بھی منصوبہ بنایا ۔ محمد علی خان متین ، عبد الوہاب شائق ، ملا راجح ، محمد جان بیگ سامی ، ملا محمد توفیق ، رحمت اللہ ، نوید حسن جیسے معروف شعراء کو کشمیر کے سات مختلف حصے متعین کر کے تاریخ منظوم کرنے کے لیے مقرر کیا اور ہر شعر کے لیے ایک روپیہ انعام کا وعدہ کیا ۔ چنانچہ شائق نے ساٹھ ہزار ، ملا توفیق نے دو ہزار ، سامی نے ایک ہزار اشعار لکھے تھے کہ راجہ کو زوال آ گیا اور یہ منصوبہ نا مکمل رہا ۔

عہدِ افاغنہ میں کوئی صوبیدار صاحب علم و ذوق نظر نہیں آتا ۔ جس نے خود کچھ لکھا ہو یا علم و ادب کی سرپرستی کی ہو ۔

اہل کشمیر کی طبع لطیف سخن سرائی کی طرف زیادہ مائل رہی ہے ۔ اس سو سال کے عرصے میں بے شمار شاعر گزرے ہیں ۔ اصلح مرزا نے تذکرۂ شعرای کشمیر بھی مرتب کیا ہے ۔ ان میں سے کافی تعداد میں صاحب دیوان بھی ہوں گے لیکن دستبرد زمانہ سے بہت کم شعراء کے دیوان محفوظ رہ گئے ہیں ۔ شعرا نے ہر صنف سخن میں طبع آزمائی کی ہے محمد اشرف بلبل نے خمسۂ نظامی کے جواب میں پانچ مثنویاں لکھیں ۔ مرزا اکمل الدین نے عطار کے اتباع میں دس ہزار اشعار پر مشتمل مثنوی لکھی ۔ مسکین نے مثنوی معنوی کی بحر میں گنج مخفی کے نام سے مثنوی لکھی ۔ عبدالرشید بینوا نے کلمہ تہلیل کی فضیلت میں ۳۶۰ بیت کا قصیدہ لکھا ۔ تاریخ کشمیر اور واقعہ کربلا کو بھی نظم میں لکھا گیا ۔ صوفی مصنفین اور شعرا میں سے محمد مراد ، محمد اعظم اور خواجہ شاہ نیاز معروف ہیں ۔ شعرار میں سے بہت سے استاد شعراء بھی تھے جن کے بے شمار شاگرد ہوئے اور اس طرح سخنوری کا چرچا ہوا ۔ مثلاً عبدا الغنی قبول اور محمد افضل سرخوش ۔ کئی شعرا تلاش معاش میں اپنا وطن چھوڑ کر شاہجہاں آباد چلے گئے ۔ وہاں اساتذہ شعراء کی موجودگی سے ان کے کلام کو بھی جلا ملی ۔

شعر و سخنوری سے کمتر درجے میں سلوک و عرفان پر توجہ دی

گئی ۔ کشمیر میں اولیاءاللہ کا بڑا احترام رہا ہے ۔ اس لیے ان کے مریدین نے اپنے پیران طریقت کے احوال زندگی مرتب کرنے کو اپنے لیے سرمایۂ فلاح سمجھا ۔ اولیاء کے اجتماعی تذکروں میں تحفة الفقراء ، حسنات المقربین ، اشجارالخلد اور ثمرة الاشجار مرتب ہوئے ۔ انفرادی تذکروں میں فوایدرضائیہ ، علی رضا کے شرح احوال پر ۔ فیض مراد ، شیخ مراد ۔ روضتہ المشرف ، خواجہ عبدالرحیم ۔ روضتہ السلام ، مولانا عبدالسلام ۔ رسالہ قوامیہ ، خواجہ عبدالرحیم نقبشندی کے احوال و کوائف سے متعلق مرتب ہوئے ۔ ان کے ساتھ ساتھ مریدوں کی تربیت کے لئے عرفان و طریقت پر بے شمار رسائل لکھے گئے ۔ چونکہ اسلامی زندگی کا چرچا تھا ، شرعی احکام کی تدریس لازمی تھی ، اس لیے عربی و فارسی میں فقہی مباحث پر بہت سے رسائل وجود میں آئے ۔ کشمیر میں کچھ عرصہ کے لیے سنی و شیعہ کا اختلاف بھی رونما ہوا اور علماء میں بحث کا ایک سلسلہ چل نکلا ۔ رد روافض پر لکھے ہوئے رسائل کے نام بھی ملتے ہیں ۔

فارسی انشا سکھانے کے لیے بھی دو کتابیں تالیف ہوئیں ۔ خواجہ اعظم کے منشات اور میر کمال الدین کے رقعات رنگین ۔ تاریخ لکھنا لکھانا بھی محبوب مشغلہ رہا ہے ، چنانچہ اس قرن میں مندرجہ ذیل کتابیں مرتب ہوئیں :

واقعات کشمیر ۔ محمد اعظم

تاریخ کشمیر ۔ نرائن کول عاجز

گوہر عالم ۔ بدیع الدین محمد اسلم

تاریخ کشمیر منظوم وغیرہ

تاریخ کشمیر ہدایت اللہ متو

نظام الوقایع نظام الدین محمد

حساب و نجوم پر لکھنے والوں کے دو نام ملتے ہیں یعنی عمادالدین اور مولانا سلیمان جنھوں نے ان موضوعات پر رسائل اور شروح لکھیں ۔

اب ہم مختلف مصنفین اور مصنفات کا تعارف پیش کرتے ہیں :

—:o—:

بیغم بیراگی

بھوپت رائے نام تھا۔ بیغم تخلص۔ چونکہ ترک علائق کر کے سرگشتہ و وارستہ پھرتے تھے، اس لیے بیراگی مشہور ہوئے۔ ریاست جموں کے قصبہ پٹن کے رہنے والے تھے۔ تعلیم سے فراغت کے بعد حکام ضلع کے پاس وجہ معاش کے لیے انشا نویسی پر ملازم تھے۔ پھر یک دم تجرید و تفرید کا غلبہ ہوا تو سب کچھ چھوڑ چھاڑ فقیر ہو گئے اور نرائن بیراگی کے مرید بن گئے۔ دہلی آئے تو ایک ہندو نوجوان نرائن چند کے حسن پر فدا ہوگئے اور اس کے حسن مجازی میں جلوہ محبوب حقیقی دیکھتے رہے۔ خوشگو نے لکھا ہے کہ انھوں نے پربودھ چندر ناٹک کو ہندی سے فارسی میں منظوم کیا لیکن یہ غلط ہے۔ اصل میں بنوالی داس ولی نے اسے فارسی میں منتقل کیا۔ دیکھیے اس کے مخطوطات

Rieu, 1043, Ethe, 1995, Ivanov, 270, Abbasi, 402

کشن چند اخلاص نے لکھا ہے کہ بیراگی میرے والد کی وساطت سے شیخ الشیوخ محمد صادق کی خدمت میں حاضر ہو کر حقایق و معارف سنتے تھے اور فیض یاب ہوتے تھے۔ بندرابن داس خوشگو نے لکھا ہے کہ میں چودہ سال کی عمر سے بیغم کی خدمت میں حاضر ہو کر استفادہ معنوی کرتا تھا۔ آخر بہت بوڑھے ہو گئے تھے اور اونچا سنتے تھے۔ ۱۱۳۲ھ میں فوت ہوئے۔

شاعری میں محمد افضل سر خوش کے شاگرد تھے۔ سرخوش نے بتایا ہے:

۱۔ ہمیشہ بہار، مرتبہ ڈاکٹر وحید قریشی، مطبوعہ مجلہ اردو سہ ماہی، اکتوبر ۱۹۶۷، ص ۳۷۔

۲۔ سفینۂ خوشگو، پٹنہ، ۱۹۵۹، ص ۱۰۱ - ۱۰۲۔

"طبعکی دارد - پیش فقیر مشق سخن میکند و اصلاح میگیرد و کارش روز بروز در ترقیست"[۱]

بیغم کی کلیات پندرہ ہزار اشعار پر مشتمل ہے - غزلیات و رباعیات کے چھ ہزار اشعار ہیں - باقی اشعار مثنویات کے ہیں -

مثنوی بیغم[۲]

جس مثنوی کا ہم تعارف پیش کر رہے ہیں یہ گویا بیغم کے معتقدات کا خلاصہ ہے - اس کے معاصرین نے اس کا خاص طور پر ذکر نہیں کیا - خوشگو نے لکھا ہے کہ "قصص فقرای ہند در مثنوی بیان کردہ -" سر خوش نے کہا ہے "قصہ از کتب ہندی در زمین شاہنامہ بنظم در آوردہ و مطالب تصوف را خوب توضیح نمودہ -" لیکن یہ حوالہ مثنوی زیر بحث سے متعلق نہیں -

یہ مثنوی ، مثنوی معنوی مولانا روم کے تتبع میں لکھی گئی ہے - چنانچہ شروع کے اشعار مثنوی مولانا روم کے اشعار کی تکرار معلوم ہوتے ہیں مثلاً یہ دو شعر دیکھیے :

تا از اصل خود جدا افتادہ ام داد بی تابی چوبسمل دادہ ام
(ص ۱)

---

۱ - کلمات الشعراء ، لاہور ، ۱۹۴۲ ، ص ۱۹ -
مندرجہ بالا تذکروں کے علاوہ روز روشن ، نگارستانِ سخن ، مخزن الغرایب ، گلِ رعنا ، نتائج الافکار ، انیس العاشقین اور سفینہ بیخبر میں بھی ان کا ذکر موجود ہے لیکن ان کی زندگی سے متعلق کوئی اضافی معلومات نہیں -
۲ - نیز دیکھیے تفصیلی تعارف کے لیے مقالہ از مولوی محمد شفیع ، مطبوعہ بطور ضمیمہ ادبیات فارسی میں ہندوؤں کا حصہ از سید عبداللہ -

سینہ میخواہم نہ دردعشق چاک تابروں ریزم شرار سوز ناک
(ص ۳)

بیغم نے بھی مثنوی معنوی کی طرح بعض حکایات مطالب کی تفہیم کے لیے بیان کی ہیں ۔ بیغم ملا شاہ سے بھی متاثر تھے ۔ ملا شاہ کی مثنویات بھی ان کے زیر مطالعہ رہی ہوں گی ۔ ایک جگہ لکھا ہے :

در کتابم نیست فصل و بابہا در کتابم نیست ہیچ و تابہا
(ص ۱۶ الف)

تقریباً یہی الفاظ ملا شاہ نے اپنی مثنوی 'رسالہ نسبت' میں لکھے ہیں :

فصل و بابی نہ در کتاب من عددی ہم نہ در حسابی من

دوسری جگہ ملا شاہ کا قول اس طرح نقل کیا ہے :

وہ چہ خوش فرمود ملا شاہ من شاہ من ہم عارف آگاہ من
سین انسان گر نبودی درمیان اول و آخر نبودی غیر آن
(ص ۱۰۶ ب)

مثنوی کے موضوعات میں تقریباً تصوف کے وہ بنیادی مسائل زیر بحث آ گئے ہیں جن کا ایک وحدت‌الوجودی صوفی معتقد ہوتا ہے ۔ اہم مسائل میں ذات و صفات خداوندی ۔ توحید ۔ تنزیہہ و تشبیہ ۔ وحدت و کثرت ۔ وجود و عدم ۔ مہر و قہر ۔ جمال و جلال ۔ وحدت الوجود ۔ روح ۔ دہر ۔ انسان ۔ حقیقت الحقایق ۔ مراتب ستہ وغیرہ ہیں ۔ ایک صوفی کی طرح بیغم کے چیدہ چیدہ عقاید حسب ذیل ہیں :

دنیا کے متعلق :

آنچہ آمد در نظر وہم است و خواب
یا سرابی ہست یا نقشی بر آب

جہاں میں خدا ہی خدا ہے:

آنکہ غیر از حق بہ بیند در جہان
آن بود کناس پیش عارفان

(ص ۷٦)

خدا ہی حسن و عشق کا مظہر:

ہم توئی لیلی و ہم مجنون توئی
ہم توئی مسرور و ہم محزون توئی

(ص ۵۵)

حقیقت انسان:

چیست انسان مظہر ذات و صفات
چیست انسان چشمۂ آب حیات

(ص ۱۰٦)

آدمی راہست آن قدرت ز حق کو بگرداند دو عالم را ورق

(ص ۵۱)

روح ہر جگہ یکساں ہے اور رواں ہے:

ور ہزاران خانہ گردد ہم خراب ہمچنان ہر جاست نور آفتاب

(ص ۸۱ ب)

تمام کائنات میں تغیر و تجدد و ارتقا جاری ہے:

آدم و حیوان نبات ای نوجوان جامہ ہا پوشند تازہ ہر زمان

عشق مذہب و رسم سے بے نیاز ہے:

عشق نی داند خدا نی رام را　　می نداند وحی را الہام را
(ص ۴ ب)

بیغم عربی جانتے تھے اور قرآنی آیات سے بھی آشنا تھے چنانچہ بعض اشعار میں قرآنی آیات کو تضمین کیا ہے : مثلاً

رمز قرآن فہم کن ای مرد رہ　　کل شیئ ہالک الا و جہہ
(ص ۸۵ ب)

ہر زمان میگفت رب العالمین　　ہر زمان ایاک نعبد و نستعین
(ص ۹۱ ب)

مثنوی نگاری میں بیغم کو اچھی خاصی مہارت ہو گئی تھی - وہ اچھے خاصے پختہ و محکم اشعار نکال لیتے تھے - وصفیہ اشعار میں بھی تخیل کی کارفرمائی کے ساتھ ساتھ بیان میں ایجاز کو مد نظر رکھا ہے - ایک حکایت کے ضمن میں بادشاہ کا حال یوں بیان کیا ہے - اس سے قدرت کلام ظاہر ہوتی ہے :

شہر یاری بود در دور دکن
رونق افزای جہان جان و تن
زینت اورنگ فخر روزگار
آسمان خرگاہ و خورشید اشتہار
رنگریز گلشن مہر و وفا
غازہ پرداز رخ صدق و صفا
نگہتی گل کردی از دامان او
ہر دو عالم چون مگس بر خوان او
انجمن پرداز خلق بی ریا
جوشش اول محیط کبریا

مطلع انوار فیض سرمدی
منبع آثار فضل بیحدی
دوستدار دوستان حق مدام
محو فرمان خدا ہر صبح و شام
جز رعیت پروری آئین نداشت
داشت در دل مہر لیکن کین نداشت

(ص ٦٧ ب)

مثنوی بیغم کا ایک قلمی نسخہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری شمارہ Pivi ، 175 پر موجود ہے ۔ اوپر اشعار میں اسی کے صفحات مذکور ہیں ۔

بیغم کے دیوان کا ابھی تک سراغ نہیں مل سکا ۔ اس لیے مثنوی کے علاوہ جو اشعار مل سکے ہیں ، ہم نے انہیں یکجا محفوظ کر لیا ہے ۔

در فضای عشق جانان بولہوس را کار نیست
ہر سری شایستہ سنگ و سزای دار نیست
دل چوشد بیکار دست از کار باید داشتن
کار در بیکاری دل بود دیگر کار نیست

ہمچو صبح از جیب دل خورشید می آید برون
وہ چہ جام است این کزو جمشید می آید برون

مرد ابرو کمانی میکشد در بر ولی ترسم
کہ این در بر کشیدنہا چو ناوک دورم اندازد

مده از دست دامان یقین وصل ار میسر نیست
که این دلدار هم در خوبی از معشوق کمتر نیست
(کلیات الشعرا ص ۱۹)

فلک تا کی بدست مردم مغرورم اندازد
چو سنگ ره بپای هر که رفتم دورم اندازد

رباعیات :

با دهری بگفتم که گرت فهم و ذکاست
حرف من و تو هیچ نمی آید راست
تو منکر خالق و من منکر خلق
بنگر که تفاوت زکجا تا بکجاست

رفتم سحری به پیش زاهد ناگاه
پرسیدم ازو که چیست کیفیت راه
گفتا که همین صوم و صلوة است اینجا
برگشتم و گفتمش که الله الله

دریا در موج و موج اندر دریاست
در ذات و صفات حق تفاوت زکجاست
ای محو حقیقت نظر افگن به مجاز
بی رنگ به صد رنگ جهان جلوه نماست

ای آنکه ترا هوای معنیت به سر
زنهار ز آئینهٔ صورت مگذر
صورت آئینه است و معنی تمثال
بی آئینه کی فتد به تمثال نظر

(سفینهٔ خوشگو۔ ص ۱۰۲ ، ۱۰۳)
(همیشه بهار ص ۳۷)

—:o:—

محمد رضای مشتاق[1]

محمد اعظم نے لکھا ہے کہ مشتاق کا تعلق ناجی قبیلہ سے ہے۔ تحائف الابرار میں مذکور ہے کہ وہ سرینگر کے محلہ نوشہرہ میں رہتا تھا۔ کتابت اور خطاطی پر اس کی گذران تھی۔ ساری زندگی قلندرانہ انداز میں گزاردی۔ اگرچہ وہ معاشی لحاظ سے خوشحال نہیں تھا پھر بھی گھر صاف ستھرا رکھتا تھا۔ اس کے اخلاق شستہ اور شائستہ تھے۔ خدا داد استعداد پائی تھی اس لیے بقول محمد اعظم سخندانی اور نکتہ سنجی میں نامور ہوا۔ آرزو نے لکھا ہے۔ حاجی محمد اسلم سالم کے بعد 'خوش زبانی' میں اس جیسا شاعر کشمیر سے نہیں اٹھا۔ مشتاق ۱۱۴۳ھ میں فوت ہوا۔ تحالف الابرار میں سال وفات ۱۱۵۱ھ دیا ہے۔

مشتاق کے دیوان کا ایک قلمی نسخہ پنجاب پبلک لائبریری لاہور میں شمارۂ ۸۷۱۹ مشتاق پر موجود ہے۔ نسخہ شروع سے ناقص ہے تمام کرم خوردہ ہے۔ شروع اور آخر کے اوراق ضرر رسیدہ ہیں۔ نسخہ ۱۱۶۶ھ میں لکھا گیا۔ برگ ۱۲۳ تک غزلیات۔ ۱۲۳ ب سے ۱۲۵ ب تک ۳۰ رباعیاں۔ ۱۲۶ سے ۱۵۰ تک ۳ مخمس اور ۱۵ قصاید ہیں۔

مشتاق نے ذیل کے اشعار میں اپنی فقیرانہ و قلندرانہ زندگی کی طرف اشارہ کیا ہے:

۱۔ تحائف الابرار فی ذکر الاولیاء الاخیار، محمد مسکین، امرتسر، ۳۲۲ھ، ص ۳۴۶، تاریخ کشمیر اعظمی، محمد اعظم، لاہور، ۱۳۰۳ھ، ص ۲۴۶۔ تذکرۂ شعرای کشمیر، اصلح مرزا، مرتبہ حسام الدین راشدی، کراچی، ۱۹۶۷، انیس العاشقین، مجمع النفایس، نشترِ عشق، سفینۂ ہندی، ص ۲۱۰۔

نمد فقر فکندند بدوشم مشتاق
بہر پرواز حقیقت پر و بالم دادند

کیستم من عاشق سرگشتہ ای آوارہ ای
بیکسی بی خانمانی بیدلی بیچارہ ای

اس کا عقیدہ ہے جب تک دل میں درد نہ ہو عشق پیدا نہیں ہوتا اور ایسا دل جو فراق سے شق نہ ہو ، اس میں نور خداوندی نہیں سما سکتا۔

در زمین شورہ نبود دانۂ نشوونما
گردلت دردی ندارد نیست از تقصیر عشق

دل کہ چاک ندارد زنور محرومست
چو نیست روزن در خانہ روشنائی نیست

جب دل درد سے آشنا ہو تو سوز و آہ ہونا بھی لازم ہے۔ اسی سے کلام میں خون جگر کی آمیزش بھی ہوتی ہے۔ مشتاق کو اس کا احساس ہے اس لیے اس نے اپنے بارے میں لکھا ہے :

ع یک نفس در سینہام خالی زدرد و آہ نیست

دیوان محبتیم و مجنون ازخون جگر نوشت مارا

وہ اپنے کلام کے متعلق کہتا ہے کہ خون جگر سے ہی میرا کلام رنگین ہوا ہے :

خامۂ مشتاق از رنگین معانی گلبن است
بسکہ باغ فکرش از خون جگر سیراب شد

شعر کے علاوہ اگر موسیقی میں بھی مغنی کا سوز دروں شامل نہ ہو تو وہ بھی بے معنی ہے :

زدرد دل شکم برسینہ سالد ساقی مجلس
لب مطرب چنین با نی اگر دمساز میگردد

شب مغنی طرفہ سوزی در نوای ساز داشت
مرغ دلہا را کباب از شعلۂ آواز داشت

مشتاق کے ہاں روایت کے طور پر مے و معشوق کی باتیں ہیں ، مجازی بھی اور حقیقی بھی - مجازی میں دل کھول کر داد عیش دینے اور زندگی سے لطف اٹھانے کا جذبہ موجود ہے :

منعم مکن ای زاہد خشک ازمی و معشوق
لطف تو بلی فضل خدا را چہ کند کس
مشتاق بخور بادہ و از توبہ میندیش
لطف چمن و فیض ہوا را چہ کند کس

مئی حقیقی سے آگہی نصیب ہوتی ہے اور انسانوں کو پرکھنے کا شعور اور جلوہ دیدار نصیب ہوتا ہے . وہ کہتا ہے :

از بادۂ توحید تو مشتاق درین بزم
بشناخت کہ ہشیار کہ ومست کدام است
در می ما شعلۂ دیدار را حل کردہ اند
ہر خم میخانۂ ما کم زکوہ طور نیست

محبوب مجازی کے متعلق روایتی جوروجفا اور رشک و غیرت کے مضامین کو نئی اپچ اور ولولے سے بعض اشعار میں بیان کیا ہے جس

سے شاعر کی خیال آفرین طبعیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ مثلاً یہ دو مثالیں دیکھیے :

دگر از خوردن خون کہ آبش دادہ ای ظالم
کہ می بینم بآب و رنگ گلزار تبسم را
دگر مشتاق در دل جوش غیرت می زند خونم
مگر بوسید پای نازکت رنگ حنا امشب

مشتاق نے زندگی اور کائنات کے حقایق پر کم غور کیا ہے لیکن ایک جگہ زندگی کی حقیقت پر چبھتی ہوئی بات کہی ہے :

حیرتی داریم کاندر کاروان زندگی
شور غارت شد بلند و راہزن معلوم نیست

مشتاق خوددار ہے۔ وہ دوسروں کا احسان نہیں اٹھانا چاہتا۔ وہ پرورش خودی میں اپنی گردن بلند رکھنا چاہتا ہے۔ خاکسار کے سامنے وہ گردن بھی توڑنے کی ہمت رکھتا ہے۔ اس کے اشعار میں اس قسم کے اخلاق کی تبلیغ قابل ستایش ہے :

زاہدا۔ راہ طمع و حرص مپوی
کام دل خویش از قناعت میجوی

منشین بکنار خوان احسان کسی
یعنی کہ زآبروی خود دست مشوی

خاکسارانرا چونقش پای فرش راہ شو
سرکشانرا ہر کجابینی دم شمشیر باش

مشتاق کو قحط سخندان کا گلہ ہے ۔ وہ اپنے معاصرین میں سے مرزا جعفر اور فصیحی کی سخن سنجیوں سے تشویق پاتا ہے اور شعر کہنے کا سلسلہ جاری رکھتا ہے :

کی دماغ شعر گفتن داشت مشتاق حزین
شوق مرزا جعفرش زینسان غزلخوان میکند

———

خموشی کرده بودم پیشہ بررغم سخن سنجان
فصیحی کرد مشتاق این چنین مست وغزلخوانم

متقدمین میں سے مشتاق ، صایب اور جلال اسیر سے متاثر ہے ۔ وہ جابجا ان کے کلام کی تعریف کرتا ہے اور ان کے مصرعوں کی تضمین کرتا ہے :

شد دل مشتاق اسیر مصرع مرزا جلال
حیف اوقاتی کہ بی شغل محبت بگذرد

———

مشتاق ہر کہ بشنود این مطلع بلند
چون من غلام صایب روشن گہر شود

مشتاق کو اہل بیت رسول سے گہری عقیدت ہے ۔ اس نے جابجا اشعار میں اس کا اظہار کیا ہے :

ہوای خواجگی ار ہست در سرت مشتاق
بجان غلام نبی و ولی و عترت باش

اکثر قصاید میں نعت و منقبت ائمہ ، علی و باقر کے مضامین ہیں

مشتاق کو اپنے وطن سے والہانہ محبت ہے ۔ اس کی زمین اور اس کے پانیوں پر وہ فدا ہے ۔ جا بجا اس کے اشعار میں اس محبت کا اظہار

ملتا ہے ۔ مثلاً

آبروی جہان و ہرچہ دروست
خاک پاک دیار کشمیر است
طبع مشتاق ما ز رنگینی
جلوہ ای از بہار کشمیر است

بیا کہ حاجت می نیست درکنار بہت
شراب ناب بود آب خوشگوار بہت

نصیرالدین نصرت ۔ لطف اللہ بیگ صبا ۔ محمد توفیق اس کے شاگرد تھے ۔

مشتاق کی ایک مثنوی قضا و قدر کے نام سے پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں بیاض شمارہ ۸۲۷ میں موجود ہے ۔ کل بیس صفحات ہیں اور ہر صفحے میں گیارہ شعر ہیں ۔ قضا و قدر کے عنوان سے تقریباً بیس شعراء نے طبع آزمائی کی ہے ۔ سید حسام الدین راشدی نے مثنویات وقصاید میر علی شیر قانع کے دیباچے میں ان کے نام لکھے ہیں ۔ ان مثنویوں میں ہر شاعر نے کوئی نہ کوئی عجیب و غریب واقعہ بیان کیا ہے ۔ رضای مشتاق کی مثنوی کا قصہ یوں ہے ۔ عالمگیر عادل کے عہد میں ایک خوبصورت برہمن زادہ تھا ۔ ماں باپ کا لاڈلا ۔ چودہ سال کا ہوا تو اس کے لیے ایک مہ جبین دلھن تلاش کی ۔ قاصد کے ہاتھ پیغام بھیجا ۔ لڑکی کے ماں باپ شادی کے لیے راضی ہو گئے ۔ جہیز تیار ہوا ۔ برات گئی ۔ استقبال ہوا ۔ بزم نشاط اور محفل رقص و سرود برپا ہوئی ۔ ایک ہفتہ تک وہاں قیام رہا ۔ واپس ہوئے تو جنگل میں ایک فقیر کے مسکن میں سستانے کے لیے ٹھہرے ۔ فقیر کی نظر دلھن پر پڑ گئی جسے دیکھ کر وہ بے ہوش ہو گیا ۔ دلھن اور اس کے ہمراہی چلے گئے ۔ فقیر نے

دے دی ۔ لڑکے کے باپ نے دلھن سے کہا کہ فقیر نے تیرے عشق میں جان دے دی ۔ دلھن غم زدہ ہوئی اور اس نے فریاد و زاری کی ۔ دو دن کے بعد لڑکے والوں نے کہا کہ وہ ماں باپ بھائی بہنوں کو دو بارہ دیکھنے کے لیے چلی جائے ۔ اس نے اپنے آپ کو دلھن کی طرح آراستہ کیا اور راستے میں فقیر کی قبر پر پہنچی ۔ اس نے عاشق کو آواز دی ۔ قبر کا دروازہ کھلا ۔ اندر داخل ہوئی ، اس کے ساتھ لیٹ گئی اور دروزاہ بند ہو گیا ۔ ان کے ہمراہیوں نے عروس کو قبر سے نکالنا چاہا لیکن وہ ختم ہو چکی تھی ۔ آخر ان کو وہیں چھوڑ کر حسرت و یاس سے واپس چلے گئے ۔ اس قسم کے واقعات مشہور عشاق ہیر رانجھا اور سسی پنوں کے متعلق بھی معروف ہیں ۔ مشتاق کے اس قصے کی واقعیت کے متعلق ہم کچھ نہیں کہہ سکتے ۔ البتہ قصے کی جزئیات سے ظاہر ہوتا ہے کہ مشتاق نے افراد قصہ کے مناسبات کا خیال نہیں رکھا ۔ مثلاً بتایا ہے کہ لڑکا برہمن زادہ تھا ۔ لیکن دعوت میں لکھا ہے کہ پرندوں کے کباب حاضر تھے (کباب مختلف و دراج و تیہو) ۔ دو دن کی دلھن کے متعلق لکھا ہے کہ :

پس آنگہ ساغر می را طلب کرد
چو گل بشکفت و چون بلبل طرب کرد

مثنوی کا آغاز اس طرح ہے :

شنیدم از شکر پاسخ زبانی
حلاوت از بیانش داستانی
بہار گلشن رنگین بیانی
سحاب فیض گلزار معانی

—:o:—

عبدالغنی بیگ قبول

عبدالغنی بیگ نام ۔ قبول تخلص ۔ کشمیر کے رؤساء میں ان کا شمار ہوتا تھا ۔ ریاض الشعراء میں مرقوم ہے کہ ان کے اسلاف بدخشان کے رہنے والے تھے ۔ قبول کشمیر میں پیدا ہوئے ۔ ملا شاہ بدخشی ، مرشد دارا شکوہ و جہان آرا بیگم سے ان کی قرابت تھی ۔

شروع شروع میں قاسم خان مخلص کے شاگرد ہوئے ۔ بعد میں مرزا داراب بیگ جویا سے اکتساب فیض کیا ۔ کچھ عرصہ کے لیے شاہ عالم بہادر شاہ کے عہد میں (۱۱۱۹-۱۱۲۴ھ) ہدایت اللہ خان سعد اللہ خان کی ملازمت میں رہے ۔ بعد میں فرخ سیر (۱۱۲۴-۱۱۳۱) کے عہد میں سید صلابت خان کی ملازمت میں رہے ۔

۱۱۳۹ھ میں فوت ہوئے ۔ تاریخ وفات یہ ہے :

گنج معنی بود کرد افلاک در زیر زمین (۱۱۳۹ھ)

تمام تذکرہ نگاروں نے ان کے اخلاق حمیدہ کی تعریف کی ہے ۔

''شگفتہ پیشانی ، بزرگ منش ، فراخ حوصلہ ، بلند ہمت ، وارستہ ، خوش خیال'' دہلی کے پرانے قلعے میں فروکش تھے اور غربا اور شعراء کے ساتھ مہمان نوازی سے پیش آتے تھے ۔ (سفینہ خوشگو)

وسعت مشرب بمرتبہ داشت کہ باہفتا دو دو ملت میجوشید ۔
(''گل رعنا'')

اس نے خود لکھا ہے :

شیعہ و سنی و ملحد نیستم کم کسی داند کہ ہم مسلکی ہست

ان کی شاعری کے متعلق بھی سب تعریف کرتے ہیں اور عزت و احترام سے ان کا نام لیتے ہیں۔

''درین فن خیلی صاحب قدرت است۔ اشعارش مضبوط و متین واقع شدہ و تازگی الفاظ بیشتر دارد۔''

('صحف ابراہیم')

''در بند الفاظ تازہ بود۔ اکثر تتبع ادا بندان مثل سلیم وغیرہ می نمود بلکہ بالاتر ازان رفتہ بطریق کمال خجندی و سلمان ساوجی راہ می رفت''

(مجمع النفایس)

''نازک تلاش، ایہام بند و صاحب کمال بود۔ طبعش بہ طرز ایہام لفظی توجہ تمام فرمودہ بود بلکہ این طرز ادا درین جزو زمان بخصوصیت رواج دادہ چنانچہ در دعوی این معنی شعری گفتہ و دران شعر ہم رعایت طرز خاص خود از دست ندادہ :

با گوز شتر بود مقابل شعری کہ نباشدش دو محمل

(سفینۂ خوشگو)

قبول شعر کا بہت اچھا ذوق رکھتے تھے۔ اور شاعری کی توسیع و تقویت کے لیے کوشاں رہتے تھے۔ ان کے ہاں محفل شعر و سخن گرم رہتی تھی۔ ان کے چار بیٹوں کے نام ہم تک پہنچے ہیں۔ وہ چاروں شاعر تھے اور اپنے والد محترم کے شاگرد۔ بڑا بیٹا مرزا گرامی خود پایہ کا شاعر ہوا اور آگے آن کے شاگردوں کا سلسلہ چلا۔ ایک بیٹا ارجمند مرزا تھا جو آزاد اور جنوں تخلص کرتا تھا۔ دوسرے دو بیٹے مرزا محترم اور نامجو تھے۔ بیٹوں

کے علاوہ ان کے مندرجہ ذیل شاگردوں کے نام معلوم ہو سکے ہیں ۔

۱ ۔ کشن چند اخلاص ۲ ۔ نوراللہ بیگ نزھت ۳ ۔ رحمت اللہ تمکین
۴ ۔ احسن اللہ خان راضی ۵ ۔ صلابت خان سید ۶ ۔ نعمت اللہ خان نعمت
۷ ۔ خواجہ مقصود جامع ۸ ۔ مرزا علی بیگ کشمیری ۹ ۔ محمد علی حشمت
۱۰ ۔ علی قلی ولی ۔

مؤلف تذکرہ ہمیشہ بہار لکھتے ہیں

"بحر شعر آب دادۂ او ، گلہای معانی از طبع اش شگفتہ ، غبار سخن سینۂ طالبان را بآبیاری نم قلزم اعجاز رقم شستہ ۔"

یداللہ ، چون بتخمیرش فرو شد نم فیض آنچہ بد ، درکار او شد

قبول خود محاسن شعری کے متعلق یوں اظہار خیال کرتے ہیں :

اگر شعر خالی ز لطف و اداست
مبر نام آنرا کہ بیت الخلاست

خیال بندی یا خیال بافی اس دور کی شاعری کا طرۂ امتیاز ہے ۔ قبول بھی اس میں دقیقہ رسی سے کام لیتے ہیں ۔ خیال کو مرغوب بنانے کے لیے مبالغہ سے کام لیتے ہیں ۔ مبالغہ آنے سے غیر طبیعی اور خلاف قانونِ عادت باتیں داخل ہو جاتی ہیں ۔ مثال کے لیے یہ دو شعر دیکھیے :

می شود کاغذ اشعار حنائی در دست
سر کند چون قلمم وصف کف پای ترا

---

۱ ۔ تذکرۂ شعرای کشمیر ، مرتبہ سید حسام الدین راشدی ، ج ۱ ، ص ۲۹۲ ۔
Persian Poets of Kashmir by M. Zafar Khan, Ms. P.U.L,

بس در غنچہ دل یادآن گیسو بود مارا
لبالب جیب و دامن ازگل شبو بود مارا

پرانے گھسے پٹے مضامین مثلاً دہن ، کمر اور خط کے متعلق موشگافیاں اور نکتہ طرازیاں ان کے اشعار میں موجود ہیں -

قبول کا دیوان ابھی تک دستیاب نہیں ہو سکا۔ تذکرہ شعرای کشمیر مؤلفہ اصلح مرزا - مجمع النفایس - سفینہ خوشگو اور ہمیشہ بہار میں دیوان کے منتخب اشعار دیے گئے ہیں - ہم ان میں سے چیدہ چیدہ اشعار یہاں درج کرتے ہیں -

تذکرہ شعرای کشمیر مؤلفہ اصلح مرزا

تا گلستان کرد از رویت دل غمدیدہ را
بر سر خود میدہم جا ہمچو نرگس دیدہ را
سر بصحرا داد سودای آن زلفم قبول
فتنہ خوابیدہ دانم سبزۂ خوابیدہ را

ترا دیدن بکام دل بہ بیداری نمی باشد
مگر آید بخواب این دولت بیدار عاشق را

آن سیب زنخدان کہ بکام دگران است
چاک از غم او ہمچو انار است دل ما

کم نشد حسنش از دمیدن خط
کرم الله وجہہ ابدا

فزود از عرق شرم رنگ رخسارت
که همچو لاله بر افروزد این چراغ از آب

هر که آن چشم سیه را دیده است
همچو مژگان گرد رو گردیده است

این چنین منما گل عارض که چون مردم گیا
هر خسی از دولت حسن تو آدم میشود

گفتمش - میکنی بمن نگهی
از سر ناز گفت : باید دید !

زضعف دل زدم تادست بر سیب زنخدانش
ثمر شد در حلاوت همچو خرمای تو انگشتم

جنون خود سر بمحفل بود شب جای که من بودم
گریبان چاک بادل بود شب جای که من بودم

گر بآن هندی صنم دزدیده می بینم قبول
گوید از دست مغل فریاد ہے ، بیداد ہے

همیشه بهار

ناله ام چون دید در طفلی پدر
گفت - این بابا فغانی میشود

نه لازم است شجاعت نه شرط احسان است
بکام هر که فلک گشت خان دوران است

توان از خاکساری کرد جا در دیدهٔ مردم
قبول این معنی نازک مرا از سرمه روشن شد

بپایش جبهه سودم گاه گه ترک ادب کردم
ز روی او خجالت دارم از کاری که شب کردم

بسکه در سر هست زاهد را نهان ذوق جماع
می نماید گنبد چل دختران عمامه اش

دقت طبعم دوبالا گشت گردیدم چو پیر
قامت خم گشته آخر مصرع پیچیده شد

از طالعم که شبی میسر شراب شد
تا ریختم ز شیشه بجام ، آفتاب شد

غم روزی مخور که مردان را
سپر و تیغ آب و نان باشد

من از گزیدن رخسار یار دانستم
که زنده می شود از گوشت ، نفس حیوانی

مگر قاصد ، بلب پیغام از کوی تو می آید
که از خندیدنش ، مانند گل بوی تو می آید

از جهان مجنون برید و روی در ویرانه کرد
کم کند عاقل چنین کاری که این دیوانه کرد

ترا ، امروز ، بر خود مهربان از شب ، نمیدانم
سبب ، تقصیر ، باعث ، مدعا ، مطلب نمیدانم
دلم میسوخت ، از شب تا سحر ، چون شمع از غیرت
کرا آتش بجان زد آن پری ، دیشب ، نمی دانم

برای چرب و شیرین ، شکوه ای بر لب نیاوردم
بسان کرم دندان عمر در سختی بسر بردم

بادهٔ گلفام پنهان خور که خون در زیر پوست
تا بود پاکست و ناپاکست چون بیرون فتاد

ز قحط منعمان در کشور هند   هما ، نان مسی هم کیمیا شد

مانند نگینی که دعای ست برو نقش
در خانهٔ ما نیست بجز نام خدا هیچ

بوسه ای زان زقنم یومیه کرد
بعد ازین روز به است احوالم

گفتمش، کیست قبول؟ ازسرشوخی فرمود
پیر ما ، مرشد ما ، بندهٔ ما ، چاکر ما

مجمع النفایس

کرده ام بر خویشتن هموار نیک و بد ، قبول
رو نخواهم ساخت چون آئینه از رودادها

مجو از پست فطرت همت عالی که چون کرگس
بسوی جیفهٔ دنیا زبالا افگند خود را

بجز گرمی علاجی نیست سختی های دشمن را
که بی آتش بچیزی نرم نتوان کرد آهن را

ز درد باده خاک ما سیه بختان مخمر شد
درین بزم از حریفان نیست میل برتری ما را

رسید وقت که ما را ز خاک بر گیرند
برنگ طائر بسمل دمی است خواری ما

بود چون صدف هرکه پاکیزه گوهر
بتاج شهان ریزد آب دهان را

چو بسته شد ز قناعت لب سوال مرا
زبان بود بدهن لقمهٔ حلال مرا

تا بود کشتی می بر لب جوئی ما را
غم نداریم اگر آب برد دنیا را

ز بس هندی پسر ها تنگ میگیرند بر مردم
زنان اینجا ، ازان ره ، خصم می نامند شوهر را

گوش بر نالهٔ من افگن و می نوش مدام
کاتحاد می و نی ، هست عیان ، از مینا

دور پیری ، می بساغر کردن از مینا قبول
در چراغ زندگی از آب روغن کردن است

میرسد از غیب روزی ، غم چه بیجا میخوری
کور مادرزاد هم در وقت خوردن کورنیست

سرمه میگیرد فغان را دست آخر ، باک نیست
شور از افغان دگر در اصفهان افتاده است

بسم الله ، آنکه منکر شعری ، بگو جواب
موزون چراست ، آنچه بقرآن مقدمست

در شیشهٔ بلور ، می جانفزا ، قبول
هر کس که دید ، گفت که روح مجسم است

کنون که موسم هولی رسید باید دید
میان ما و بتان ، نقش با چه رنگ افتد

قبول ، گرم طلب اینچنین اگر باشی
چراغ راه چو شمعت عصا تواند شد

در پی ترتیب دیوانی چرا باشی قبول
میتوان چون آفتاب از مطلعی مشهور شد

پیش ابنای زمان که از قحط شعور
وزن شعر است از شعیری کم عیار ما مپرس

خامهٔ معجز رقم را تا غزلخوان ساختم
پوست کندم مدعی را جلد دیوان ساختم

پست فطرت ز کجا و می اندیشهٔ من
هست بر طاق بلندی چو فلک شیشهٔ من

دست میگیرد ترا ، آنرا که میگیری تو دست
دستگیری کن ، اگر خواهی ، لیفتی بر زمین

بوسه ام ، پان خورده داد ، از لعل لب
برگ پیوند است شفتالوی او

درین کشور ندارم همزبانی محرم رازی
بگوش من گهی از گوش خود می آید آوازی

روی نیکوی ترا میخواهم
این بود معنی نیکو خواهی

—:o:—

گرامی میرزا

عبد الغنی بیگ قبول کے بڑے بیٹے اور شاگرد تھے۔ خوشگو ان کے معاصر تھے۔ وہ ان کے متعلق لکھتے ہیں کہ وہ خلیق، شفیق، متواضع اور قلندرانہ وضع رکھنے والے جوان تھے۔ طبع بلند اور ذہن رسا رکھتے تھے۔ ان کے والد نے ایہام لفظی کی روایت کو زندہ کیا تھا۔ گرامی نے اسے منتہا تک پہنچا دیا۔ شاہجہان آباد میں ان کے پانچ سو شاگرد ہوں گے۔ جہاں کہیں مشاعرے میں جاتے کم از کم پچاس شاگرد ہمراہ ہوتے۔ انھیں استادان سلف کے بے شمار اشعار یاد تھے۔ شعر پڑھنے کا انداز ایسا نرالا تھا کہ خود بخود انسان سننے کے لیے متوجہ ہوتا تھا۔ وہ لوگ جنھیں شعر و شاعری سے لگاؤ نہیں تھا وہ بھی سننے کے لیے بیتاب ہوتے تھے۔ تذکرہ ہمیشہ بہار کے مصنف نے بھی کلام پڑھنے کی اس خصوصیت کو یوں بیان کیا ہے:

"شعر بطرزی میخواند کہ سامع صورت معنی را برای العین مشاہدہ مینماید و جلوۂ ابکار بچشم سیہ معائنہ کند۔"

گرامی آزادی اور لاقیدی کی زندگی بسر کرتے تھے۔ ہر مذہب و ملت کے ساتھ یکساں برتاؤ کرتے تھے۔ اس وسعت مشرب کی وجہ سے اکثر نوجوان ان کے مرید ہو جاتے تھے۔ وہ جوگیوں کی طرح لنگوٹا باندھا کرتے اور داڑھی مونچھ کا صفایا کراتے۔ مرآۃ آفتاب نما کے مؤلف نے لکھا ہے کہ گرامی روشن رائے دیوان قمر الدین وزیر اعظم کا مرید تھا۔ اس کے نگین کا سجع یہ تھا:

"شد گرامی مرید روشن رای"

وہ ۱۱۵۶ھ میں فوت ہوئے۔ خوشگو نے ان کی تاریخ وفات لکھی جس

میں ایک سال کم ہے۔

افسوس گرامی از جہان رفت (؟)

گرامی کی وفات پر شعر و شاعری کے ہنگامے سرد پڑ گئے۔ دیوان گرامی کا ایک نسخۂ خطی پیرس میں موجود ہے۔ کل ۵۵ برگ ہیں (۱)۔ تذکرۂ شعرای کشمیر مؤلف اصلح مرزا، ہمیشہ بہار، سفینۂ خوشگو اور مجمع النفایس میں مقابلتاً ان کے زیادہ منتخب اشعار نقل کیے گئے ہیں۔ ان میں سے چند اشعار درج ذیل ہیں:

ہمیشہ بہار

پوستیں پوش ہر کہ 'شد' داند
دارم اشعار کاتبی از بر

نیم در ہند غمگین با علی ابن ابی طالب
کہ شد ویرانۂ دل از ولایت حیدر آبادم

نیست ممکن کہ من از دست دہم داغ ترا
کاین چراغست انیس شب ہجران تو ام

چون خزان شیب آید، می لالہ گون طلب کن
کہ شراب در زمستان عرق بہار باشد

1- Catalogue des Manuscrripts Persan de la Bibliotheque Nationale Blochet. Vol. III, No. 1930.

همچو آن شمعی که روشن میکند صد شمع را
سوختم تا در غمِ او عالمی را سوختم

سفینهٔ خوشگو

هیچ کس بی داغ از دست بتان هند نیست
آتشی در هر طرف زین دودمان افتاده است

مردان بسان ترکشِ پر تیر در نبرد
بیرون هزار دست ز یک آستین کنند

مجمع النفایس

سجده گه ما نه تنها کعبه و بتخانه است
شش جهت در سجده باشد گوهر غلطان ما

ز فیض آه شود عقود وا دلِ ما را
کلید نیست بجز باد قفل دریا را

از هوس دائم دل شوریدگان خالی بود
ره مگسهارا ازین در خانهٔ زنبور نیست

بی بهره اند مردم دنیا ز مال خویش
باکس مگو که حرف گرامی امانت است

ما نخواندیم گر نماز رواست
خانهٔ دہر ہست پر تصویر

ز طوف کعبه و بتخانه معشوق است منظورم
بہر سنگی که کردم سجده از بہر خدا کردم

ہمچو گل بوی یار می آید
از گریبان پاره پارهٔ من

اگر از خاک بردارد ترا گردون مشو غافل
چو شاخ پر ثمر باید باصل خود نظر کردن

لطائف الابرار (ص ۳۴۶)

ہمیشه حکم کسی در دیار ما جاری است
که خامه‌اش چو رگ ابر درگہر باری است
ہزار داغ فلک خود زاختران دارد
ترا توقع مرہم ز چرخ زنگاری است

سفینهٔ ہندی (ص ۱۷۵)

ہمیں نه طالع من کرده است کوتاہی
بطاق ابروی او دست ہیچکس نرسد

خون عشاق برآن گردن سیمین باشد
چون بیاضی که پر از معنی رنگین باشد

گشت تسخیر من فلک از آه
ناله ام قلعهٔ ستاره گرفت

کسیکه جوش خط یار دید گریان است
چو مور پیش برآمد دلیل باران است

—:o:—

توفیق

لالہ جو توفیق (۱۱۰۸ھ/۱۶۹۶ - ۱۲۰۰ھ/۱۷۸۵ء) - ابتدائے سخن پردازی میں ملا ساطع اور محمد رضا مشتاق سے اصلاح لیا کرتے تھے راجہ سکھ جیون مل کے عہد حکمرانی (۱۱۶۹ھ/۱۷۵۴-۱۱۷۶ھ/۱۷۶۲ء) میں کشمیر کی منظوم تاریخ لکھنے کے لیے سات شاعر نامزد ہوئے تو توفیق ان کے سربراہ منصوب ہوئے - ان کی کلیات نظم کا نسخہ خطی کتابخانہ تحقیق کشمیر سرینگر میں محفوظ ہے - اس کے مشمولات حسب ذیل ہیں :

مثنوی احوال ملک کشمیر ۲۰۰۰ شعر - بحرطویل - متفرقات - سراپا قصیدہ شبیہہ غزلیات و رباعیات -

ٹیکو نے مثنوی احوال کشمیر کے چار صفحات ، ۴۰ غزلیں اور مندرجہ ذیل چار مخمس انتخاب کر کے اپنی کتاب میں نقل کیے ہیں -[1]

مخمس بر غزل صایب : ای ترا در سینۂ ہر ذرہ پنہان رازھا

" " حافظ : درد مارا نیست درمان الغیاث

" " جامی : سحر نسیم صبا مژدۂ حبیب آورد

" " کلیم : میدہد طغیان اشک ما خبر از سوز شوق -
گل بدامن بنگرد از خارخار ما مپرس

بوہر لائبریری کلکتہ میں شمارہ ۴۱۴ پر توفیق کا دیوان موجود ہے -[2]

---

۱ - برگزیدہ از پارسی سرایان کشمیر ، گ - ل - تیکو ، تہران ، ۱۳۴۲ ھش -
1- Catalogue of the Persian Manuscripts in the Buhar Library, Calcutta, 1923.

پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں شمارہ ۸۲۷، پر بیاض میں اس کی مندرجہ ذیل منظومات منقول ہیں ۔

قصیدہ شبیہہ ۔ سراپای (مثنوی) ۔ واسوخت (مثنوی) ۔ غزل ۔ مناجات اور جامی کی مندرجہ غزل پر مخمس :

ای ترک شوخ چشم این همه ناز و عتاب چیست
با دل شکستگان ستم بیحساب چیست

سراپا کے ۲۱۲ شعر ہیں ۔ ابرو سے لے کر ساق تک بدن کے ہر جزو کے متعلق محبوب کی تعریف و توصیف کی ہے اور ایک ایک عضو کے لیے مروجہ تشبیہات کے علاوہ بعض نئی تشبیہات بھی پیش کی ہیں ۔ مثنوی کا پہلا شعر یہ ہے :

آفرین باد بر آن صانع بیچون و چرا
کہ سراپای تو آراست باین ناز و ادا

دہن کی تشبیہ کے لیے وہ کہتے ہیں :

پی تشبیه دهان تو بسی گردیدم
نیست پیدا همه ذرات جهان را دیدم

پھر ایک نادر تشبیہہ خود نکالی ہے :

این دهانست ترا ای رخ تو صبح امید
یا دل ذره شده چاک ز تیغ خورشید

آخر میں اپنے عجز کا اقرار کرتے ہیں :

من کجا وصف سراپای تو گفتن زکجا
صفت قامت رعنای تو گفتن زکجا

آخر میں اسی موضوع پر ایک غزل بھی لکھی ہے جس کا مطلع یہ ہے :

آن سراپاست مزین شده خوش ترکیبی
جزو جزوش پرس و بند به بندش بنگر

واسوخت میں ۴۲ شعر ہیں۔ یہ گویا فراق یار میں غم نامہ ہے۔ آغاز اس طرح ہے :

حیرت عشق ببین شوخ پسندیدۂ من
حاضری پیش من و غایبی از دیدۂ من

اپنے غم کی کیفیت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

داد ازین مرغ دل در قفس سینہ طپان
کہ مرا چون قفس آورد بفریاد و فغان

بعد میں غم زدائی کے لیے مطرب کی خدمت میں عرضداشت لکھی ہے :

آتش از شعلۂ آواز بکوہ غم زن
چوب طنبور بحرف آر چو نخل ایمن

ان اشعار میں راگوں کے نام مثلاً عراق ۔ اصفہان ۔ قول ۔ سلیک ۔ رہاوی وغیرہ اور سازوں کے نام مثلاً کمانچہ ۔ طنبورہ وغیرہ مذکور ہیں ۔ ان اشعار سے ظاہر ہے کہ توفیق کو موسیقی سے اچھا خاصا لگاؤ تھا اور وہ اس کی اصطلاحات کو سمجھتے تھے ۔ مثنوی کے ساتھ انھوں نے غزل لکھی ہے جس کے پہلے شعر میں وہ موسیقی سے اپنی شیفتگی کا ذکر کرتے ہیں :

عاشق نغمہ ام و شیفتۂ آوازم
سرخوش کاسۂ طنبور و کدوی سازم

آخر میں مناجات لکھی ہے جس کے دو شعر یہ ہیں :

بار الٰہا رہ دامن گشتہ گم از ظلمت نفس
صبح روشن نفسم تیرہ شد از شامت نفس

نہ زر و مال نہ جاہ و حشمت دارم چشم
سیری چشم ز خوان کرمت دارم چشم

قصیدۂ شیبیہ : اس میں ۱۳۳ اشعار ہیں ۔ جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے توفیق نے اس قصیدے میں بڑھاپے کے آزار و مصائب کو بیان کیا ہے ۔ شروع کا شعر یہ ہے ۔ اس سے قصیدے کا رنگ ڈھنگ سمجھ میں آتا ہے :

عید ماہ نوجوانی رفت و خم شد جسم زار
گشت شہر ماتم پیری ہلالش آشکار

آخر میں دعا مانگی ہے :

یا رسول اللہ بفریادم برس جا کردہ تنگ
در حریم خاطرم بر صبر و آرام و قرار

—:o:—

مسکین کشمیری

گنج مخفی

گنج مخفی ایک مثنوی ہے جو مثنوی معنوی کی بحر میں لکھی گئی ہے۔ اس کا ایک قلمی نسخہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں شمارہ PIVI 233 پر موجود ہے۔ سال تالیف ۱۱۹۸ھ ہے۔ اشعار کی تعداد ۱۵۹۷ ہے۔ مصنف کا تخلص مسکین ہے اور کشمیر ان کا وطن ہے۔ یہ اطلاعات مثنوی کے متن سے ماخوذ ہیں۔

ابتدا میں بسم اللہ کی خصوصیت بتا کر سورۂ فاتحہ کو گنج معانی اور مخزن علوم بتایا ہے پھر قرآن کی برکت و عظمت پر تفصیل سے لکھا ہے اور نصیحت کی ہے کہ اسے صرف پڑھنا ہی نہیں بلکہ آیات پر تدبر بھی کرنا ہے۔ اہل اللہ ہی اہل قرآن ہوتے ہیں۔ ان کا نظریہ ہے کہ:

صورت قرآن بود حادث تمام
معنی قرآن قدیم است و السلام

قرآن سے فیض یابی کے متعلق اپنا تجربہ یوں بیان کیا ہے:

من ز ظرفی رفتم و دریا شدم
عین دریا من سر تا پا شدم (ص ۷۸)

قرآنی صفات بیان کرنے کے بعد کلمہ۔ نماز۔ زکوۃ اور حج کا تعارف کرایا ہے۔ ان عبادات کی رسمی شکل و صورت کے ساتھ ساتھ ان کی معنوی خصوصیات پر روشنی ڈالی ہے۔ کلمہ کے متعلق لکھا ہے۔

لااله پرده است الاالله حق است
زانکه اندر پرده ذات مطلق است

نماز کے متعلق کہا ہے :

شد نماز مردم ظاہر تمام
خاص را باشد صلوة بالدوام

چون مصلی شد مخاطب با خدا
فاسجدوہم واقترب آمد ندا (ص ۴۲)

روزہ کو صیقل گر دل کہا ہے :

گر تو خواہی دل شود آئنہ وار
صوم دار و صوم دار و صوم دار (ص ۴۳)

زکوٰۃ صرف مال کی ہی نہیں بلکہ چشم و گوش و زبان کی بھی ہے :

ہم زکوٰۃ چشم دیدن حق عیان
در خلا و در ملا و در نہان (ص ۴۶)

روز حشر و نشر کی کیفیت بیان کرکے بتایا ہے کہ اس وقت دیدار خداوندی ہوگا ۔

ہر طرف ہر سو بدیدم حق عیان
شی نشد ہرگز ہم درمیان

مثنوی کے باقی حصے میں تصوف و سلوک اور عشق و معرفت کی تعریف کی ہے اور ان کے حصول کے لیے جد و جہد کی تلقین کی ہے ۔ پہلا مرحلہ اطاعت شیخ ہے ۔ پھر ریاضت ہے ۔ بھوک ۔ بے خوابی اور مرگ نفس ہے ۔ ان کا قول ہے :

مردہ شو از خویش یابی حیات
تاقیامت زندہ باشد بی ممات

(ص ۷۱)

محو و صحو کی وضاحت کے بعد شرک کی قسمیں بتائی ہیں اور ان سے نجات کی تلقین کی ہے۔ ان کا عقیدہ ہے کہ بحر حق یا نور حق میں مدغم ہونا ہی کمال عرفان ہے:

گر تو خواہی کشف کلی زین وجود
نور حق دان نور حق بین در شہود

حق دیکھنے کے لیے حق بین آنکھ ہونی چاہیے:

چشم حق را حق تواند دید بس
جز خدا حق را نہ بیند ہیچ کس

مثنوی کے آخر میں بتایا ہے کہ میرے اس بیان سے حق و نور کا شعور حاصل ہوتا ہے۔ میرے اشعار ان اسرار نہانی کو اجاگر کرتے ہیں۔ اگرچہ بیرونی طور پر زیبا نہیں لیکن اندرونی طور پر فیض بخش ہیں:

شعر تو چون لجہ از بحر شہود
شعر تو پر فیض چون بحر وجود

شعر تو سرمایہ نزد عاشقان
شعر تو پیرایہ بہر عارفان

شعر تو امواج بحر و مدتست
گفت اینہا از زبان قدرتست

(ص ۱۲۱)

دیگر شعرای کشمیر

سید حسام الدین راشدی نے تذکرۂ شعرای کشمیر مؤلفہ اصلح مرزا کو ۱۹۶۷ء میں شایع کیا ۔ اور تعلیقات کے طور پر مزید چار مجلدات شایع کیں ۔ اور ان میں کشمیر کے تقریباً تمام شعرا اور دوسرے ان شعرا کا کلام جمع کر دیا ہے جنھوں نے کشمیر کے متعلق اشعار لکھے ہیں ۔ انھوں نے ان تمام منابع و ماخذ سے جو ان کی دسترس میں تھے، شعرا کے متعلق معلومات اور ان کا کلام یکجا کر دیا ہے ۔ اس لیے ہم نے دوبارہ ان شعرا کا ذکر کرنا مناسب نہیں سمجھا ۔ البتہ اگر کسی شاعر کے متعلق مزید معلومات حاصل ہوئی ہیں یا کسی شاعر کا دیوان مل گیا ہے، تو اس کے متعلق معلومات کا اضافہ کیا ہے اور اس کی شاعری کے متعلق تفصیل سے لکھا ہے ۔ فارسی ادب کی اس جلد میں مندرجہ ذیل شعرا کا ذکر آسکتا تھا ۔ ان کے کلام کے لیے اب تذکرۃ الشعرای کشمیر مرتبہ سیّد حسام الدین راشدی کی طرف رجوع کرنا چاہیے ۔ ان کے علاوہ اور بھی شعرا ہیں جو اس تذکرہ میں مذکور نہیں، ہم نے ان کے متعلق آئندہ صفحات میں معلومات فراہم کی ہیں ۔

آزاد، محمد علی ۔ آزاد، محمد مقیم ۔ آزر، دیوان شاہ ۔ احقر، سلطان حسین ۔ اظہر، شیخ قمرالدین ۔ بینا، محمد مومن ۔ تحسین، عبدالعلی ۔ تحقیق، خواجہ نوراللہ ۔ تسکین، مرزا فتح علی بیگ ۔ تمکین، ملا رحمت اللہ ۔ تمکین، ملک سلطان ۔ توفیق ۔ ثناء، آیت اللہ ۔ جامع، محمد مقصود ۔ جنون، ارجمند بیگ ۔ صحبت ۔ حشمت، محمد علی ۔ حمید، حمید اللہ ۔ خاشع ۔ خلت، عبداللہ ۔ خوشدل، دیارام ۔ دانا، فخرالدین ۔ راضی، فصاحت خان ۔ رافع، محمد رفیع ۔ رجا، محمد کاظم ۔ رشید، مرزا ۔ رضا، محمد رضا ۔ رضائی، عطاءاللہ ۔ رفعت، نواب ابراہیم خان ۔ زیرک ۔ ساطع، عبدالحکیم ۔ سامی،

مرزا جان بیگ - سرآمد - سرخوش ، محمد افضل - شایق ، عبدالوہاب - صافی ، ابوالقاسم - صبحی - صوفی ، ابوالبرکات - طاہر علوی - ظفر - عاصی ، عبدالرحمن - عشرت ، جے کشن - علی بیگ مرزا - غیرت ، محمد علی - غیرتی ، فتوت ، فتوت حسین - فتوت ، حبیب اللہ - فدا ، محتشم خان - فرحت ، محمد میران - فرصت ، محمد بیگ - قبول ، عبدالغنی - قلندر - متین ، محمد علی خان محرم ، عبداللہ - مخلص ، قاسم خان - معنی ، حاجی بابا - مقبل - مناسب ، میر شاہ حسین - میمنت خان - واصل خان - وحشت ، محمد ثنا خان - ہاشم - ہما ، عطاءاللہ - یکتا ، محمد اشرف -

مؤلف تحائف الابرار فی ذکر الاولیاء الاخیار ، نے اس دور کے مزید شعرا کا تذکرہ کیا ہے - ان کے متعلق معلومات کو یہاں محفوظ کیے لیتے ہیں -

ملا نصیر الدین نصرت :

محمد رضای مشتاق کا شاگرد تھا - ہجو و ظرافت سے کام لیتا تھا - مثلاً

منصبدارم دماغ عالی دارم　　ہر جا کہ بود ضیافتی طیار دارم
دادست پیادہ ھاگرد دستارم　　منصبدارم بگو چہ پروا دارم
(ص ۳۴۶)

ملا محمد اسحاق :

مرزا عبدالغنی بیگ کا شاگرد تھا - محلہ بوٹ کدل میں رہتا تھا - بہاءالدین خان پسر خلیل الدین خان کے ہمراہ دہلی گیا اور وہیں فوت ہوا - اس کا ایک شعر یہ ہے :

مرقد شاہ رسل دارالشفاست
از عمر تریاق فاروقی دواست　　(ص ۳۴۷)

میر محمد معروف پسر قاضی حسن

محمد امین ڈار کے معتقدین میں سے تھا ۔ خطاطی میں فرد یکتا تھا ۔ اس کا ایک شعر یہ ہے :

زاغ از جگرم ریود داغی افروخت ببزم خود چراغی
(ص ۳۴۷)

خواجہ امان اللہ

پسر خواجہ ابوالفتح سابونی ۔ حسن استعداد کی وجہ سے شعر کہنا شروع کر دیا ۔ ایک شعر یہ ہے :

این زمان از پنج نگذشت است عمرش آفت است
قامتش گردر قیامت چون بده خواہد رسید (ص ۳۴۷)

لطف اللہ بیگ صبا

ملا ساطع اور مشتاق کا شاگرد تھا اور نغز گو ۔

محمد فاروق :

میر محمد معروف کا شاگرد تھا ۔ اور علم و دانش سے آراستہ ۔ ایک شعر یہ ہے :

گرشوم مانند بدر از وصل یار
باز میکاہم زہجرش چون ہلال (ص ۳۴۷)

شرف الدین خان فرحت

فرزند محمد خان بن ملا کاظم جلالی ۔ شیر جنگ خان بہادر کے عہد

حکومت میں صدارت کے منصب پر فائز تھا ۔ بعد میں ترک منصب کرکے عزلت گزیں ہو گیا ۔ شعر یہ ہے :

عشقت کمی از چارہ و تدبیر ندارد
درمان تب شیر طباشیر ندارد (ص ۳۴۷)

محمد عاقل :

اپنے زمانے کا نامور سخنور ۔ امیر الامرائے شہید کا مداح ۔ یہ رباعی اس کی مدح میں کہی ہے :

اقبال تو اقبال سکندر گردید
دنیای تو از دین تو بہتر گردید
تارِ گرہِ عمرِ تو در روزِ ازل
با رشتۂ عمرِ خضر ہمسر گردید

مستزاد :

برتیغ تو النصر من اللہ مرقوم ۔ ای بازوی شاہ
ضرب المثل جہانست نادر معدوم ۔ با فوج سپاہ
(ص ۳۴۷)

محمد حیات ہادی :

تاجر کا بیٹا تھا اور پھل بیچتا تھا ۔ ملا دانا کا شاگرد اور شعر گوئی میں ممتاز تھا ۔

میخواہم کہ گردی گرد آن گلبرگ بر گردد
اگر گردد بگرد او نمی خواہم کہ بر گردد (ص ۳۴۷)

حکیم رحمت اللہ

بچپن سے ہی شعر خوانی اور شعر فہمی کی تربیت حاصل کی ۔ نمونہ کلام یہ ہے :

بجا نان جان رسد آندم کہ از تن جان برون آید
عزیزی میکند یوسف کہ از زندان برون آید

ملا محمد رفیع

علامہ شہید کا شاگرد تھا ۔ شاعری میں نام پایا ۔ انھی کے توسل سے امیر الامراء کا ملازم ہوا ۔ آخر میں سکھ جیون کے عہد حکومت میں کشمیر آ گیا اور اس کے زمرۂ شعرا میں داخل ہوا ۔ امیر الامراء کی خدمت میں ذیل کا شعر پیش کیا اور ایک ہزار روپیہ انعام پایا :

قدر دانی ہست ممدوحم کہ چون استاد خط
میدہد بر ہر حرف حرفی ہر دمی خلعت مرا (ص ۳۴۸)

محمد یحییٰ حیا

ملا محمد امین دانا کا بیٹا ۔ شعر گوئی اور خوش خلقی میں مشہور ۔ ۱۱۸۲ء میں فوت ہوا ۔ نمونۂ کلام :

نہ بیند سوی من ہرگز نمی دانم چہ دید از من
بحرفم گوش نگذارد چہ چیز آیا شنید از من
گرفتم آستینش آستین از ناز افشاند
کشیدم دامنش دامن از استغنا کشید از من (ص ۳۳۸)

محمد رضائی کنٹ :

فن شعر میں ملا ساطع کا شاگرد ۔ نمونۂ کلام :

شب کہ دل در یاد آل مصطفی در نالہ بود
تار اشکم در درایںها حسینی می سرود

میر عنایت اللہ

میر حسین کنٹ کا بیٹا تھا ۔ کثرت اشغال دنیوی کے باوجود روحانی امور میں بھی مصروف رہتا تھا ۔ اس کے دو شعر یہ ہیں :

این زخم دل ز غمزۂ چشم سیاہ کیست
وین نیم کشتۂ بسمل تیغ نگاہ کیست

در بزم بادہ ای بادہ نخوردن گناہ من
چون جام بادہ خوردن خونم گناہ کیست

حضرت محبوب العالم کی منقبت میں اس کا کلام یادگار ہے ۔ ۱۱۸۷ھ میں فوت ہوئے ۔

(ص ۳۴۸)

خواجہ عبدالغفور :

ترک وطن کرکے دہلی میں غازی الدین کی ملازمت میں داخل ہوا ۔ پھر لاہور میں معین الملک کا ملازم ہوا ۔ آخر اپنے وطن واپس گیا اور ۱۱۶۱ھ میں رحلت کی ۔ نمونۂ کلام :

بر تخت تجلی چو شہِ حسن بر آید
ملک دل عالم ہمہ تسخیر نماید

درویش و غنی بندہ شود از دل و از جان
ہر یک بسجود از رہِ اخلاص بر آید

(ص ۳۴۸)

ملا عطاء اللہ ھما :

ولد محمد بلاقی کاو ۔ شیخ رحمت اللہ اور مولانا سعد الدین صادق کی تربیت سے فیض یاب ہوئے اور سختوری میں امتیاز حاصل کیا ۔ نمونہ کلام یہ ہے :

موجود یکی دان یکی کن اقرار
ہر چیز کہ جز اوست معدوم شمار
ہر روز بنفی ماسوی کن اثبات
این لولوی لالا مدہ از کف زنہار (ص ۳۴۸)

محمد جان بیگ سامی :

بن سعید بیگ ۔ قلعہ کے باہر سنگین دروازہ میں مسکن تھا ۔ شاعری میں ملا عبدالرشید بینوا کا شاگرد تھا ۔ سکھ جیون کے دور اقتدار میں مقبول محفل تھا ۔ سکھ جیون اور دیوان مہانند پنڈت کی مدح میں قصیدہ کہا جس کے چند اشعار یہ ہیں :

کار پرداز تو مہانند است آنکہ ہست از قبیلہ در ھا
می نمائی بنام او تنخواہ نقد و جنس و برات چاکرھا
گفتہ در باب جستن روزی سعدی ، آن آگہ از مقدر ھا
رزق ہر چند بیگمان برسد شرط عقلست جستن از در ھا

سکھ جیون کی تباہی کے بعد دہلی میں ابوالقاسم خان کی ملازمت اختیار کر لی ۔ ۱۱۹۵ھ میں انتقال کیا ۔

غوث اعظم کے ساتھ اپنی ارادت کے متعلق کہا ہے :

قادری ہستم و غوث الثقلین پیر من است
سنگ آن شاہم و این سلسلۂ زنجیر من است (ص ۳۴۸)

اسد اللہ شگون

یکتا کا شاگرد تھا ۔ ہجو و استہزاء کی طرف طبیعت مائل تھی ۔ الفت شہداء میں ایک شعر یہ ہے :

ہر لحظہ بکربلا وطن می خواہم
آغشتہ بخاک و خون بدن می خواہم (ص ۳۴۹)

خواجہ بہاء الدین

فرزند خواجہ نور اللہ ۔ فن شعر گوئی میں عجیب مہارت رکھتا تھا ۔ اس کا شعر ہے :

بیادت در لحد خوابیدہ بودم
قیامت شد مرا بیدار کردن (ن ۳۴۹)

عبدالوہاب ہمت

صاحب طبع رسا ۔ اپنے زمانے میں فرد یکتا ۔

لطف کن لطف کہ از عین خطا آمدہ ام
نافۂ نافۂ سیاہی ز خطا آمدہ ام (ص ۳۴۹)

بابا کرم اللہ

فرزند ملا محمد صادق ۔ فن سخنوری میں نامور ۔ سال وفات ۱۱۹۷ھ ۔ نمونۂ کلام :

سودہ ام کف بورخ غیر گمان بد نبرد
مدعی ہرزہ مگو دست بمصحف دارم (ص ۳۴۹)

حبیب اللہ ڈلو

سخن‌رانی اور خوشنویسی میں بے مثال تھا ۔ سید کائنات کی نعت میں یہ رباعی کہی :

پادشاها ز کرم چشم نگاہی دارم
از عدو باک ندارم چو تو شاہی دارم
بگذر از کین من ای چرخ کہ افتادہ نیم
چون رسول عربی پشت و پناہی دارم (ص ۳۴۹)

فاخر

ملا عطاء اللہ ہما کا شاگرد ۔ نعت و منقبت میں بلند پایہ قصاید لکھے ہیں ۔ مخمس کا نمونہ یہ ہے :

للہ الحمد کز جناب امیر
نروم بر در امیر و وزیر
سوی ختلان روم من از کشمیر
گویم از سوز دل بخدمت پیر
یا امیر کبیر دستم گیر (ص ۳۵۰)

عصام الدین بن میرزا حسام الدین

ماہر فن اور بدیہہ گو تھا ۔ نمونۂ کلام

شد ما خم ز مہر ماہرویان چون ہلال
راست گر فہمی اسیر کج کلا ها نیم ما (ص ۳۵۰)

میر نورالدین شارق[1]

ایران کے سادات میں سے تھا ۔ جب اس کا بھائی میر رضی کشمیر کا دیوان مقرر ہوا تو وہ بھی کشمیر میں آیا ۔ فرخ سیر کے عہد میں دفتر دیوان کا داروغہ مقرر ہو کر دوبارہ کشمیر آیا ۔ میرزا صائب محمد سعید اشرف اور دوسرے شعرا سے خوب صحبتیں رہیں ۔ ایہام اور خیال بندی کے انداز میں شعر کہتا تھا ۔ دیوان بھی مرتب کیا تھا ۔ محمد اعظم مؤلف تاریخ اعظمی اس سے اصلاح لیا کرتے تھے ۔ وہ ۱۱۲۷ھ میں فوت ہوا ۔ نمونۂ کلام یہ ہے :

ز فیض بیکسی چو مصرع برجستہ مختارم
ہلال آسا بیک بال آسمان سیر است پروازم

اس نے ذیل کی غزل قزلباش اسید کے لیے لکھی تھی جب وہ کشمیر جا رہا تھا :

کی دهد شرح دل و دیدهٔ گریان کاغذ
کی شود بحرِ سیاہی و بیابان کاغذ

از سخن کام و دهان را چہ حلاوت دادی
شده از طوطی نطقت شکرستان کاغذ

ہمچو طومار من از رشک بخود می پیچم
چون فرستم برت این غنچۂ خندان کاغذ

---

۱ ۔ تاریخ کشمیر اعظمی ، لاہور ، ۱۳۰۳ھ ، ص ۲۸۸ ۔

نامہ از سوز دلم کاغذ آتش زدہ است
باشد از خونِ دل و دیدہ ام افشان کاغذ
قاصدِ آہ بامید روان کن شارق
کہ مگر آورد از نزد عزیزانِ کاغذ

نظم

سختی جان پشت ما را چون کمانم کردہ است
چرخ مست کش مشت استخوانم کردہ است
رستمم در ملک معنی طبع نظمم شاہد است
دشمنانرا عاجز اندر شیر عالم کردہ است
از شکایت چرخ سنگین دل نہ بیند ہیچکس
آنچہ باز از مہربا نیہا بجانم کردہ است

خواجہ علی اکبر

خواف و ابیورد کے اکابر کی اولاد میں سے تھا۔ شاہ عباس ثانی کے عہد حکومت میں ہندوستان آیا۔ ایک مرتبہ ایران واپس چلا گیا۔ پھر واپس آیا تو ملازمین شاہی میں شامل ہو کر ملازمت کے سلسلے میں کشمیر آیا۔ آخر میں سکونت اختیار کرکے کشمیر کو اپنا وطن بنا لیا۔ مرد صالح تھا۔ شعر بھی کہتا تھا۔ رقعات رنگین اس کی یادگار ہیں۔ یہ اشعار اس کے ہیں:

یاد آنروز کہ دل در خم گیسوی تو بود
توتیای بسرم خاک سر کوی تو بود
محو گر دیدن و بیخود شدہ افتادن من
اثری از نگہِ چشم سخنگوی تو بود

بی سبب رنجہ شدن در نظر انداختم
اینچہ ز تو طبع جفا جوی تو بود
اربود از چشم انداختن دگر از نظرم
چشم این چشم کہ از نرگس جادوی تو بود (ص ۲۹۹)

صوبیدار فاضل خان کے استعفاء کے بعد ۱۰۵۰ھ میں حفظ اللہ خان نئے صوبیدار مقرر ہو کر آئے تو خواجہ علی اکبر وقایع نگار نے یہ شعر پڑھا :

عید رمضان آمد و ماہ رمضان رفت
صد شکر کہ این آمد و صد حیف کہ آن رفت[1]

تذکرۂ شعرای کشمیر مرتبہ سید حسام الدین راشدی میں مجرم، متین اور شائق شعرائے کشمیر کا ذکر موجود ہے۔ مؤلف نے اپنے معلومہ مآخذ سے ان شعراء کے اشعار بھی نقل کیے ہیں۔ پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں بیاض شمارہ ۲۷۸ میں ان کے کچھ مزید اشعار ملے ہیں۔ اس لیے ہم ان کو یہاں محفوظ کر لیتے ہیں :

مجرم، عبد اللہ

سحر، زلف تو بود از باد، گاھی راست گاھی کج
برخسار تو می افتاد، گاھی راست گاھی کج
تو بودی جلوہ گر در باغ مست یار ما می شد
ز تحریک صبا شمشاد گاھی راست گاھی کج

۱۔ تذکرۂ شعرای کشمیر، اصلح مرزا، مرتبہ سید حسام الدین راشدی، کراچی ص ۹۹۔

همانا مست حسن است آن سهی قد ورنه کی گردد
نهال قد او از باد گاهی راست گاهی کج

بود بر بیستون سینه زخم ناخن محنت
چو زخمه تیشهٔ فرهاد گاهی راست گاهی کج

ز وصل قد و زلفش میرسد هر لحظه ای محرم
نوید بر من ناشاد گاهی راست گاهی کج

متین ، محمد علی

دی بسری غیر من ای بیوفا دیدن چه بود
در حضور من ازو احوال پرسیدن چه بود

دیدن و پرسیدن احوال هم سهلست سهل
باز از فریاد او از راه گردیدن چه بود

باز گردیدن ز فریادش مسلم داشتم
حرف پنهانی ازو در گوش پرسیدن چه بود

حرف پنهانی ازو پرسیدن هم پیشکش
پیش من دانسته زو اظهار رنجیدن چه بود

هم ازو رنجیدن و رنجش به پیش من قبول
در حکایت زیر لب انداز خندیدن چه بود

زیر لب خندیدنت هم بود اگر از راه ناز
غیر چون میرفت او را باز پس دیدن چه بود

گفت خامش ای متین اینها مگر نشنیده ای
بیوفائی راه و رسم ماست پرسیدن چه بود

شایق ، عبدالوهاب

بی تو می نیست بکام من ناکام لذیذ
بوسہ بی لعل تو نبود بلب جام لذیذ

تا بکی غنچہ کنی آن دهن شیرین را
پیش عاشق نبود هیچ چو دشنام لذیذ

گرچہ گلقند شفا بخش دل بیمار است
چون دہانت نبود ای بت خود کام لذیذ

کلبہ' تنگ مرا از سخن شیرینت
ہمچو زنبور عسل گشتہ در و بام لذیذ

ذہن قاصد تو پر ز شکر خواهم کرد
بسکہ دشنام لذیذ آرد و پیغام لذیذ

گرچہ شایق ز غم ہجر تو شد غرقہ' زہر
کام جانش نبود از لذت آن نام لذیذ

ڈاکٹر گ ۔ ل ۔ تیکو نے اپنی کتاب برگزیدۂ از پارسی سرایان کشمیر مطبوعہ' تہران ، ۱۳۴۲ هش میں چند نئے فارسی شعراء کا تعارف کرایا ہے اور ان کا منتخب کلام پیش کیا ہے ۔ سید حسام الدین راشدی نے اپنے مرتبہ تذکرۂ شعرای کشمیر میں ان میں سے اکثر شعراء کو شامل کر لیا ہے ۔ ہماری اس جلد سے متعلقہ دور میں دو شعراء کا ذکر نہیں ہو سکا ۔ انھیں ہم یہاں درج کرتے ہیں ۔ ان میں سے ایک ہیں محمد اشرف بلبل جو تحصیل پلوام کے گاؤں دیر میں ۱۰۹۳ھ/۱۶۸۲ء میں پیدا ہوئے اور ۱۱۶۹ھ/۱۷۵۵ء میں فوت ہوئے ۔ انھوں نے خمسہ' نظامی کے جواب میں مندرجہ ذیل پانچ مثنویاں لکھیں ۔

۱ ۔ ارژن و پیہ مال ۔ ۲ ۔ هشت اسرار ۔ ۳ ۔ مہر و ماہ ۔

۴ - ہشت تمہید - رضا نامہ -

ان میں سے صرف رضا نامہ کتابخانۂ تحقیق کشمیر، سرینگر میں موجود ہے - بلبل پہلے کشمیری شاعر ہیں جنھوں نے واقعۂ کربلا اور شہادت حسن و حسین کو مثنوی میں لکھا -

دوسرے شاعر بھوانی داس تیکو ہیں جو کاچرو خاندان سے تعلق رکھتے تھے - افغانوں کے عہد میں منصبدار تھے - ان کے کلام میں سے چند ترجیع بند ایک بحر طویل اور چند غزلیں باقی رہ گئی ہیں -

دیگر ماخذ میں مذکور شعراء

فرصت کشمیری[۱]

محمد شاہ کے عہد کا موزوں طبیعت شاعر تھا - اس کا ایک شعر یہ ہے :

پیری رسید و رفت سیہ مستی شباب
موی سفید من نمک این شراب شد

—:o:—

۱ - سفینۂ ہندی ، بھگوان داس ، مرتبہ محمد عطاء الرحمٰن ، پٹنہ ، ۱۹۵۸ع ص ۱۵۷ -

محمد مراد کشمیری

محمد مراد[1]، ملا محمد طاہر کے بیٹے تھے جو اپنے وقت کے مفتی اعظم تھے - شیخ مراد ۲۶ ربیع الاول ۱۰۵۶ھ کو پیدا ہوئے - قاضی عبدالرشید زرگر سے ابتدائی علوم حاصل کیے - خواجہ ابو الفتح کلو اور ملا یوسف کاوسی سے بھی استفادہ کیا - بیس سال کی عمر میں ریاضت و عبادت میں مشغول ہوئے اور روحانی اضطراب کی تسکین کے لیے بے تاب رہنے لگے - ۱۰۸۱ھ میں شیخ عبدالاحد المعروف بحضرت میاں گل خلف شیخ محمد سعید بن مجدد الف ثانی شیخ احمد فاروقی نقشبادی کشمیر میں تشریف لائے اور چار ماہ کشمیر میں ٹھہرے - شیخ مراد نے ان سے روحانی فیض حاصل کیا - اسی سال رجب میں سرہند گئے اور مرشد کی خانقاہ میں ڈیڑھ سال تک رہے - ارشادو خلافت کی اجازت لے کر واپس ہوئے - تین سال کے بعد پھر مرشد کو دیکھنے گئے - شاہجہان آباد میں ان سے ملاقات ہوئی کچھ عرصہ ان کی خدمت میں رہ کر کسب فیض کیا اور واپس کشمیر آ گئے - پھر سولہ سال تک حجرہ میں مقیم رہے - احتیاط کی خاطر خود اپنا کھانا پکاتے تھے - شیخ یوسف ان کے مرید چار پانچ مرتبہ ان کے عرایض لے کر سرہند میں گئے - ان ایام میں ان کو قبول عام حاصل ہوا ایک مرتبہ اقتصادی بدحالی، فتنہ و فساد ایام اور اہل و عیال کی بیکسی کے باوجود مرشد کی زیارت کے لیے ۱۱۰۱ھ میں سرہند پہنچے - چھ ماہ وہاں گزارے - طریق نقشبندیہ اور ارشاد سلسلۂ قادریہ کا اجازت نامہ مع عصا - طاق و فرجی خاص عنایت ہوئے حضرت مرشد کے علاوہ انھوں نے شیخ محمد یحیی بن حضرت مجدد الف ثانی - شیخ صبغتہ اللہ - حضرت حجۃ اللہ

---

۱ - تحائف الابرار، ص ۲۳۰ - ۲۳۱ - فیض مراد، محمد اعظم، نسخۂ خطی، مجموعہ شیرانی، شمارہ ۱۱۴۲ - اشجارالخلد، محمد اعظم - تحفۂ فقراء، محمد مراد -

قطب العالم خلیفہ اعظم خواجہ محمد نقشبند ۔ جناب میاں حضرت عرف شیخ عبیداللہ ۔ شیخ سیف الدین ، فرزندان شیخ معصوم بن حضرت مجدد کی صحبت سے بھی فیضان حاصل کیا ۔ شیخ الاسلام مولوی شیخ محمد فرخ ولد شیخ محمد سعید سے سلوک کے ضمن میں فقہ و حدیث کا بھی درس لیا ۔ علامہ بدرالدین یار خاص حضرت مجدد سے بھی علم حاصل کیا ۔ ۱۱۲۰ھ میں حضرت مرشد کے بھتیجا یعنی حضرت شاہ علی رضا بن علامہ شیخ محمد فرخ سرہندی کشمیر میں تشریف لائے ۔ شیخ مراد نے ان سے بھی چشتیہ ۔ کبرویہ اور سہروردیہ میں ارشاد و خلافت کا اجازت نامہ حاصل کیا ۔ ان بزرگوں کے علاوہ وقت کے اکابر اولیاء میں سے شیخ نجم الدین المعروف یہ نجی ریشہ بابا ۔ اخوند ملا محترم ۔ خواجہ معین الدین شیخ محمد امین ڈار ۔ میاں حاجی فتح محمد ۔ شیخ نور محمد پروانہ ۔ روپی ریشہ بابا سید محمد رضا دہلوی ۔ حاجی مصطفی ۔ اخوند ملا نازک کی معیت میں زندگی کے ۱۵ سال تقوی و اتباع سنت نبوی میں گزارے ۔ وہ تیس سال تک ناغہ کے بغیر نماز تسبیح ادا کرتے رہے ۔ فجر سے طلوع تک اصحاب کے ساتھ مراقبہ میں بیٹھتے تھے ۔ اکل حلال کا یہ عالم تھا کہ چالیس سال تک خود پکا کر کھاتے ہیں ۔

۱۸ رجب ۱۱۳۱ھ کو فوت ہوئے ۔

شیخ مراد نے تصنیف و تالیف اور ارشاد و تبلیغ سے شریعت و طریقت میں لوگوں کی رہنمائی کی اور اپنے فیوض روحانی سے دوسروں کو مالا مال کیا ۔ محمد اعظم نے فیض مراد میں روحانی تربیت کے طریقہ پر روشنی ڈالی ہے ۔ وہ پہلے ذکر خفی میں اپنی توجہ و تصرف سے مرید کے تمام جسم کو متغیر کرتے ہیں پھر نفی و اثبات سے حبس دم کے ذریعے تعلیم دیتے ہیں تاکہ دنیا و آخرت کا خطرہ دل سے نکل جائے ۔ اس کے بعد حبس دم کی ضروری نہیں سمجھتے ۔ دل و زبان سے ذکر کی اجازت دیتے ہیں تاکہ محاضرہ حاصل ہو جائے یعنی تجلی فعلی ۔ پھر نفی افعال کی تعلیم

دیتے ہیں ۔ بعد میں نفی صفات کی تلقین کرتے ہیں جس کو تجلی معانی و مکاشفہ کہتے ہیں ۔ اس کے بعد مشاہدہ تک رسائی ہوتی ہے جسے تجلی ذاتی کہتے ہیں ۔ مشاہدہ کے معنی یہ ہیں کہ اپنے آپ کو معدوم جانے تمام کمالات فعلی ۔ صفاتی و ذاتی اس سے دیکھے ۔ بعد میں مراقبہ احدیت مجردہ کا حکم دیتے ہیں ۔ ہر شخص اپنی استعداد کے مطابق مکاشفہ و معاینہ حاصل کرتا ہے یعنی تجلیات و واردات صوری و معنوی دیکھتا ہے ۔ اس کے بعد مرید تنزیہہ اثباتی سے بہرہ ور ہوتا ہے ۔ آخر میں منتہائے عمر تک تنزیہہ السلبی سے مستفیض ہوتا ہے ۔ یہ تمام مراتب شرع نبوی کے اتباع پر حاصل ہوتے ہیں ۔

تصانیف شیخ مراد

۱ - تاویلات قرآنی ۔ اس کا نام شرح اشارات لدنی بھی ہے ۔ اس کی تاریخ تالیف بشارات روح ہے ۔ یہ تفسیر مذہب صوفیہ کے مطابق لکھی گئی ہے ۔ ہر سورۃ کا مقام و شان نزول اور خصوصیات بیان کی گئی ہیں ۔ آیات ، کلمات اور حروف کی تعداد بھی بتائی ہے ۔

۲ - چہل حدیث متفق علیہ

۳ - شرح چہل حدیث ۔

۴ - عقاید مرادات ۔ وہ عقاید جو انھوں نے تمہیدات شیخ عبدالشکور سلمی سے اخذ کر کے فارسی میں لکھے ۔

۵ - شرح کیدانی ۔ فقہیہ مسایل کی توضیح ۔

۶ - شرح غوثیہ ۔ حضرت غوث اعظم کے حقایق وحدت اور حقایق تصوف پر روشنی ڈالی ہے ۔

۷ - کتاب تحقیقات در بیان معارف و تحقیقات کلمات لایقہ ۔

۸ - حسنات المقربین - احوال مشائخ سلسلۂ نقشبندیہ - منظوم - پندرہ ہزار اشعار -

۹ - رسالۂ فوائد احمدیہ - ہندوستان سے ایک درویش شاہ محمد فاضل قادری نے تیرہ سوال بھیجے تھے - شیخ نے تفصیل و توضیح اور دلائل سے ان کے جوابات لکھے -

۱۰ - اسرار وحدت - غلبۂ توحید کے وقت دو تین گھڑیوں میں تحریر کیے -

۱۱ - تاویلات علوم بوحدت اعلی ہر علم کہ با شد -

۱۲ - غربت نامہ - در شکست نفس و وعظ -

۱۳ - رجابخش - در بیان حدیث الایمان بین الخوف و الرجا و فواید آن

۱۴ - برہان خفی در ترجیح ذکر خفی بر ذکر جہر -

۱۵ - علی متشابہات -

۱۶ - صلح الفریقین - در منع تکفیر موحدان -

۱۷ - فقرات تنبیہ در نصایح و حکمت -

۱۸ - تاریخ کشمیر از اول آبادی تا سنہ ہزار و یک صد - تقریباً پانچ ہزار سال گذشتہ کی تاریخ - کتاب گم ہو گئی اور اس کی نقل موجود نہیں -

۱۹ - تحفۃ الفقراء - اس میں کشمیر - لاہور - دہلی اور سرہند کے صلحا و مشائخ اور مجاذیب کے احوال و کوائف مذکور ہیں جن کے ساتھ ان کی ملاقاتیں ہوئیں - حضرت شیخ مراد کے حکم سے محمد اعظم نے اس کو از سرنو مرتب کیا -

۲۰ - فواید رضائیہ - شاہ علی رضا کے احوال و کوائف پر مشتمل رسالہ -

۲۱ - شجرۂ پنج طریقہ - ان پانچ سلسلہ ھائے تصوف کا شجرہ جن

میں شیخ مراد کو ارشاد و خلافت کی اجازت ملی تھی ۔

۲۲ - رسالہ قدسیہ ۔ منع رویت در دنیا و اثبات کانک تراہ ۔

۲۳ - معراج الصلوٰۃ فی مدارج الفلاح ۔

۲۴ - خیرالکلام در مدح خیرالانام ۔

۲۵ - رسالہ در رد شیعہ ۔

۲۶ - درود استغاثہ ۔

۲۷ - رسالہ حجۃ الاحوال ۔ اس میں وہ مکتوبات جمع کیے گئے ہیں جو حضرت شیخ نے اپنے مرشد یا دوسرے احباب کو لکھے ۔

۲۸ - رسالہ در منع تنباکو کشی ۔

۲۹ - کلام الملوک در اثبات قطبیت مشائخ خویش ۔

۳۰ - ملوک الکلام در افضلیت صلواۃ ۔

۳۱ - رسالہ در منکران حضرت مجدد ۔

۳۲ - جنون العاشقین ۔ اس کا نام عشقیہ بھی ہے ۔

۳۳ - غایتہ التحقیق در توحید ۔

۳۴ - رسالہ بیان طریقت جو محمد اعظم کی درخواست پر مبادی و نہایات سلوک پر مرقوم ہوا ۔

۳۵ - رسالہ در توبہ و استغفار در اظہار عجز و زاری ۔

۳۶ - رسالہ منتخب جوامع الکلم ۔ حضرت شیخ علی متقی کے ملفوظات کا خلاصہ ۔

۳۷ - شرح رباعی ابو سعید ابو الخیر ۔

گلشن وحدت میں تین اور کتابوں کے نام بھی مذکور ہیں ۔[1]

---

۱ ۔ گلشن وحدت ، کراچی ، ۱۹۶۶ع ، ص ۳۷ ، مکتوب ۲۵ ۔

۳۸ - اسرار الفقر -

۳۹ - نواقض الروافض -

۴۰ - تصنیف شریف -

حضرت شیخ مراد کے مندرجہ ذیل اقوال و فرمودات سے ان کی علمی فضیلت اور تصوف و سلوک میں ان کی بصیرت ظاہر ہے -

رویای صادقه مبشر محض اند نه محصل مقامات و درجات

مقام توحید درضمن فنای قلبی میسراست

استقامت عبادت از تساوی حال و قال و فعل است

سایهٔ رہبر به است از ذکر حق

لا طاعة المخلوق فی معصیة الخالق

آخرین مراتب قرب مرتبه نماز است

کشف کار بصیرتست که چشم دلست

منتخب از رساله خوف و رجا

بامردم غافل و ضایع اوقات و سست اعتقاد وبی علم منشین وخوی و بوی بدان مگیر - تابع سلف و خلف باش

گر توبه مددگار گنه گار نبودی
زنگ غم از آئینه عاصی که زدودی

از غربت نامه

غربت این دار موجب غنای آن دار است

لذتی که از فرمانبر داریست ہیچ لذت دنیوی بآن نمی رسد

مطلب ازسیر و سلوک نه آه ہست نه شطحیات است بلکه مطلب عبادت خالق است ۔

اگر زبان و فرج را از منہیات نگہداری عاقبت کار خلاص یابی از تحقیقات

درویش مبتدی در عزلت کوشد تا از شر مردم خود را پوشد

کعبۂ مقصود خواہی رہبری باید نخست
شمع گر نباشد دامن پروانه گیر

منتہی بعشرت آمده بیاراید تا آزار مردم دلخواہش بردارد

—:o:—

محمد اعظم

محمد شاہ مفتی سعادت نے ۱۳۷۵ھ میں تاریخ اعظمی تصحیح کے بعد شایع کی۔ ضمیمہ کے طور پر مرتب نے محمد اعظم کے حالات ترتیب دے کر لکھے ہیں۔ خواجہ اعظم کے والد خواجہ خیرالدین اپنی لیاقت، لطافت طبع اور دیانت کی وجہ سے اورنگزیب عالمگیر کی نظروں میں مقبول ہوئے خیرالزمان کا خطاب ملا اور چند گاؤں جاگیر کے طور پر ملے۔ دربار کی ملازمت سے فارغ ہو کر اپنے وطن واپس آئے اور اپنے گھر کے نزدیک ایک مسجد اور حمام تعمیر کروایا۔ ۱۱۶۵ھ میں فوت ہوئے۔

محمد اعظم سرینگر کے محلہ دیدہ مر میں ۱۱۰۳ھ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم تین سال تک اخوند ملا عبداللہ شہید سعید کے مدرسہ میں حاصل کی۔ ادب۔ دینیات اور منطق، ملا ابوالحسن کاوہ داری سے پڑھی۔ ملا عبدالرزاق کے بھی شاگرد رہے۔ شاعری میں مرزا نورالدین شارق سے اصلاح لی۔ مرزا محمد رضای مشتاق اور عبدالحکیم ساطع کی صحبت سے بھی طبیعت نے جلا پائی۔

۱۱۱۹ھ میں ابھی جوان ہی تھے کہ طبیعت میں ہیجان پیدا ہوا اور سلوک و تصوف کی طرف مائل ہوئے۔ شیخ محمد مراد تنگ کے مرید ہوئے اور مجددیہ سلسلے کے مطابق مشاغل روحانی میں مصروف رہے۔ چھ سال اپنے پیر کی خدمت میں گزارے۔ پانچ مہینے مرزا اکمل الدین محمد کامل بیگ کی صحبت سے فیضیاب ہوئے۔ ۱۱۳۰ھ میں قاضی دولت بخاری سے فیض باطنی حاصل کیا۔ اور نکات ورموز تصوف سے آگہی حاصل کی۔ ۱۱۳۸ھ میں خلیفہ عبیداللہ بخاری فاروقی، بابا قائم پھلواری۔ محمد علی رضا دہلوی سرہندی عبدالرحیم قادری۔ عبداللطیف کھوسہ اور خواجہ محمد زاہد بلخی کی مجالس

سے روحانی فیض اخذ کیا ۔

محمد اعظم بڑے مخلص اور پاک سیرت تھے ۔ جود و سخا میں کم نظیر تھے ۔ ۱۱۷۹ھ میں فوت ہوئے ۔ ان کی اپنی کہی ہوئی تاریخ وفات درست ثابت ہوئی ۔

اگر پرسند اعظم از چہ مردہ   بگو سال وفاتش : ضعف کردہ

اعظم کو نثر و نظم میں یکساں مہارت تھی ۔ تاریخ لکھنے کا خاص ملکہ تھا ۔ ان کی تصانیف کے نام بھی تاریخی ہیں ۔ شیخ مراد کی وفات پر ۷۵ (پچھتر) اشعار تاریخ موزوں کیے ۔ ان کی تصانیف حسب ذیل ہیں ۔

۱ ۔ فیض مراد ۔ (۱۱۳۵ھ) ۔ شیخ محمد مراد کے احوال و آثار سے متعلق

۲ ۔ فوایدالرضا ۔ (۱۱۳۲ھ) ۔ شیخ محمد رضا دہلوی کے طریقۂ مجددیہ سے متعلق ۔

۳ ۔ فراق نامہ ۔ (۱۱۳۵ھ) خلیفہ عبیداللہ فاروقی کی وفات پر چند مرثیے اور ترکیب بند لکھے ۔

۴ ۔ قواعد المشائخ ۔ (۱۱۳۶ھ) در بارۂ آداب پیری و مریدی ۔

۵ ۔ اثبات جہر ۔ (۱۱۴۳ھ) ۔ طریقۂ یسویہ کے مطابق ذکر جہر کے دلایل و فوائد ۔

۶ ۔ تجربۃالطالبین ۔ ۱۱۴۳ھ)

۷ ۔ اشجار الخلد ۔ ۱۱۳۹ھ)

۸ ۔ ثمرۃ الا شجار ۔ ۱۱۴۰ھ)

۹ ۔ وسائل الاعظم ۱۱۴۹ھ) شرح کبریت احمر مصنفہ شیخ عبدالقادر جیلانی ۔

۱۰۔ واقعات کشمیر یا تاریخ اعظمی ۱۱۴۸ سے ۱۱۴۹ھ تک مکمل ہوئی۔

کشمیر میں ۱۱۳۶ھ میں سخت قحط پڑا۔ اعظم نے اس کے متعلق ایک طولاتی مثنوی لکھی۔ انھوں نے تاریخ اعظمی میں اس مثنوی کے چند اشعار درج کیے ہیں :

زبس در اضطرارند اہل کشمیر
غم خود هم نخورده هیچ کس سیر

ز سوز جوع از بس آتش افروخت
بیاد دانہ پختن اشتہا سوخت

نشان غلہ پیدا نیست بکسر
بغیر از حسن گندم گون دلبر

ترقی منحصر دانند مردم
در افزونی نرخ و کال گندم

تنور آسا شکمہا گشتہ بریان
بسوز آرزوی یک لبِ نان

بجز ماہی کہ دل فارغ ز غم داشت
میسر نان آبی از درم داشت

ز ماکولات حاصل غصہ خوردن
بہای مشت شالیِ جان سپردن

جہان پامال سرچنگ جفا شد
ز قحط آب و دانہ کربلا شد

بیادِ کال ارزن محو خا کند
برایِ جو چو گندم سینہ چا کند

شده ہر فرقہ غرق بحر تشویش
نخوردہ بہرہ غیر از حسرتِ خویش

خلایق بر سر دریا و بازار
چو مور دانہ جو خوارو لکد خوار

سپاہی بسکہ دادہ تن بمردن
غنیمت می شمارد زخم خوردن

تسلی میدہد مادر پی خواب
بطفل خویشتن از شیرِ مہتاب

طبیب از دیدن اہل مرض سیر
ز جستن ہمچو نبض مردہ جاگیر

غذای اہل سودا غصہ خوردن
محالست از تجارت سود بردن

ہمہ افتادہ در فکرِ محالند
ز شب تا روز محو این خیالند

شیخ مراد کی تاریخہائے وفات میں کہے ہوئے اشعار میں سے دو شعر:

در خیال سال وصل مرشد عالی جناب
کرد دی در چار مصرع ہشت تاریخ انتخاب

شیخ اہل علم و حال ، و خازن اسرار ہو
قطب شیخان جہان و صاحب خلت بیاب

قدوۂ اہل شریعت نغتم و غواص دل
باز بحرالفیض و شیخ دہر بود ، آمد خطاب

از فراقنامہ :

یا شاہ نقشبند بہ بین ، حال زار ما
رحمی بکن بحالت پر اضطرار ما
گر نہ بمن حمایت آن مقتدا رسد
در چنگ نفس دون چہ بود اقتدار ما
بادا بیمن جاذبہ زائران تو
ریگ روان براہ تو مشت غبار ما
اعظم خموش باش کہ خوش گفت ہر کہ گفت
با اختیار حق چہ بود اختیار ما

منشآت اعظم :

حکام و امراء کے دفتروں کے لیے منشی یا دبیر کی شخصیت بھی اہم تھی ۔ حاکم و امیر خود بہت کم خط لکھتے تھے ۔ عموماً روزمرہ کے کاموں کے لیے اور حساب کتاب رکھنے کے لیے منشی کا ہونا ضروری تھا ۔ چونکہ فارسی سرکاری زبان تھی اس لیے ماہر فن اور ادیب ہونا ضروری تھا ۔ فن انشاء سیکھنے کے لیے تمام مراتب سے آشنا ہونا لازم تھا ۔ مکتوب نویسی کے ساتھ خوش نویسی بھی لازم سمجھی جاتی تھی ۔ اس لیے مبتدی کے لیے آداب املا کا جاننا ضروری ہوتا تھا ۔ اس لیے زمانے کی ضرورت کے پیش نظر فن انشاء پر بہت سی کتابیں لکھی گئیں ۔ ان میں محمد اعظم کی یہ کتاب نہایت مفید ہے اور اس فن کی جزئیات جاننے کے لیے کارآمد ہے ۔

مقدمے میں بتایا ہے کہ منشی کے لیے ضروری ہے کہ اپنا دل اور وسیع کرے ۔ اشعار و امثال یاد رکھے ۔ کتب انشاء کا مطالعہ کرے ۔ ان سے اصلاح لے ۔ اپنے اندر ایسی صلاحیت پیدا کرے کہ اس کی طبیعت

تخلیق عبارات پر قادر ہو ۔

یہ کتاب پانچ ابواب اور خاتمہ پر مشتمل ہے ۔

پہلے باب میں بنیادی باتوں کی طرف توجہ دلائی گئی ہے ۔ کاغذ قلم اور آداب کتابت کے اصول بتائے ہیں ۔ مثلاً ۔ مکتوب الیہ کے مراتب اور مقصد کے پیش نظر کاغذ کی پیمایش اور تقسیم کا خیال رکھنا چاہیے ۔ کاتب عبارت میں زیادہ نقطے اور اعراب نہ لگائے کیونکہ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مکتوب الیہ کم پڑھا لکھا ہے کہ وہ نقطوں اور اعراب کے بغیر عبارت نہیں پڑھ سکتا ۔ سرنامے کے لیے خطابات کا لحاظ رکھے ۔ خط لکھتے وقت سکون قلب کا ہونا ضروری ہے ۔ گھبراہٹ میں خط نہیں لکھنا چاہیے ۔ خط لکھنے کا مناسب وقت بھی مقرر ہو ۔ بتایا گیا ہے کہ قلم تراشنا ، قلم پکڑنا ، لکھتے وقت ٹھیک طرح بیٹھنا یعنی آداب کتابت سیکھنا ضروری ہے ۔

دوسرے باب میں زبان و بیان کی خوبیاں پیدا کرنے کے طریق بتائے ہیں ۔ استعارہ کے مختلف اطوار ، اضمار قبل الذکر ، وصل ماقبل در ربط کلام ۔ صنایع لفظی کا استعمال ۔ خاص طور پر مراعات‌النظیر ۔ تناسب و تلازم الفاظ کے طریقے بتائے ہیں ۔ مؤلف کے خیال میں منشی کا شاعر ہونا اور دستور شعر سے آگاہ ہونا لازم ہے تاکہ وہ موقع و محل کے مناسب اشعار استعمال کر سکے ۔

تیسرے باب میں ایسی بے شمار موزوں عبارتوں کے نمونے دیے ہیں جو عموماً مختلف خیالات و احساسات کے اظہار کے لیے ضروری ہوتی ہیں مثلاً خط کی آمد پر اظہار شادمانی ۔ خط نہ لکھنے اور یاد نہ کرنے پر شکوہ ۔ احسان و تشکر ، تعزیت و تہنیت ، استفسار احوال اور عفو تقصیر کے موقعوں پر عبارات کے نئے انداز بتائے گئے ہیں ۔ اسی طرح خط کے آغاز ، اختتام اور دعا و تسلیمات کے مختلف اسالیب لکھے گئے ہیں ۔

خطوط میں عموماً مکتوب الیہ سے منسوب اشیاء کی تعریف کرنا مقصود ہوتا ہے۔ منشی ان کے لیے ہر خط میں نئی سے نئی صفت بیان کرتا ہے۔ مؤلف نے مکتوب الیہ کی رائے۔ ضمیر۔ زبان۔ مزاج۔ طبع۔ دیدار۔ دست۔ قلم۔ سایہ۔ خدمت وغیرہ کے لیے پر تکلف مرکبات پیش کیے ہیں۔ اسی طرح امید و رجا۔ تاخیرو غفلت۔ خوشی و سرور۔ غم و اندوہ۔ ہجر و وصل۔ محبت و کم توجہی جیسے احساسات کے اظہار کے لیے رنگ رنگ کے مترادفات لکھ کر فنی مہارت کا ثبوت دیا ہے۔

چوتھے باب میں القاب اور سرنامہ لکھنے کے مختلف طریقے بتائے ہیں۔ پھر روز مرہ زندگی سے متعلق چند رقعات لکھ کر نمونے پیش کیے ہیں۔ اسی باب میں زمین، باغ اور حویلی بیچنے یا خریدنے کا وثیقہ۔ ہبہ نامہ وصیت نامہ۔ نکاح نامہ۔ طلاق نامہ۔ کرایہ نامہ اور دوسرے قسم کے تمسکات کے نمونے درج کیے ہیں تاکہ ہندی منشیوں کے سامنے مثالی نمونے رہیں۔ انھی تحریروں سے ملتی جلتی مختصر وہ تحریریں یا اسناد ہیں جو دفتری انتظامی اور سرکاری امور میں لکھنے اور اجرا کرنے کے کام آتی ہیں۔ مثلاً قانونگوئی۔ مشرفی اور داروغگی پر تعین کے سلسلے میں اسناد راہداری۔ سزا ولی سے متعلق دستک۔ پروانچہ۔ عرضداشت وغیرہ۔

پانچویں باب میں سیاق و ضوابط اور حساب و ہندسہ کے مسائل بیان کیے گئے ہیں، مؤلف نے عام مروجہ طریقوں سے سوالات حل کرنے کے علاوہ اپنے خاص طریقے بھی بتائے ہیں۔ مینار اور سنگ کو ماپنا۔ مخلوط انبار میں سے چیزوں کو الگ الگ کرنا۔ زرعیار معلوم کرنا۔ انار اور تربوز کے دانوں کی تعداد معلوم کرنا خاص الخاص چیزیں ہیں۔

خاتمے میں تدبیر منزل اور سیاست مال۔ آداب صحبت اور قیافہ شناسی پر مفید مشورے دیے ہیں۔

اس کتاب کی متذکرہ تفصیلات سے معلوم ہوتا ہے کہ منشی محض کاتب

نہیں ہوتا تھا بلکہ وہ ایک دبیر، سیکرٹری، وقت شناس عہدہ دار ہوتا تھا۔ اسے بلند پایہ منشی بننے کے لیے بڑی لیاقت پیدا کرنی پڑتی تھی۔ اور اس کے حصول کے لیے ریاض کرنا پڑتا تھا۔

واقعات کشمیر

اس تاریخ کے مؤلف محمد اعظم تمہید میں لکھتے ہیں کہ بعض احباب نے پرانی تاریخوں کا فارسی میں ترجمہ کیا پھر اپنے زمانے تک کے حالات و واقعات کا اضافہ کیا۔ ان میں سے ایک ملا حسین قادری نے مختصر تاریخ لکھی۔ اس کے بعد حیدر ملک چادرو نے احوال کشمیر پر تاریخ مرتب کی۔ لیکن اس نے بعض ضروری واقعات قلم انداز کر دیے۔ دو تین صدی کے بعد ایک اور شخص نے پہلی کتابوں کو سامنے رکھ کر اپنے زمانے کے واقعات شامل کر لیے اور کتاب مرتب کر لی۔ ایک ہندو نے اختصار سے ایک نسخہ لکھا۔ لیکن اس نے ارباب کمال اور بزرگان عالی پایہ کے احوال مفصل نہیں لکھے۔ ان صدیوں میں عجیب و غریب واقعات رونما ہوئے ہیں۔ میرے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ میں کشمیر کے متعلق تمام واقعات کو مختصر بیان کروں اور واقعات کے ضمن میں ہر عہد کے علماء، صوفیہ اور شعرا کا ذکر کروں۔

اس تاریخ کا نام "واقعات کشمیر" رکھا گیا۔ مؤلف نے ۱۱۴۸ھ میں اسے لکھنا شروع کیا اور ۱۱۶۰ھ میں مکمل کیا۔ "کہ زیب و زینت کشمیر این بود" سے سال تکمیل نکلتا ہے۔

مقدمہ میں کشمیر کے احوال و صفات بیان کیے گئے ہیں۔ حدود اربعہ دریا۔ پہاڑ۔ نباتات اور پھلوں کے نام بتائے ہیں۔ بعد میں کشمیر کی صفات میں معروف شعرا کے اشعار نقل کیے ہیں۔ اسلام سے پہلے کے سلاطین کا حال مختصر بیان کیا ہے۔ بعد کے سلاطین و حکام کے حالات تفصیل سے لکھے ہیں۔ ہر بادشاہ کے عہد میں صوبیداروں اور نائب

صوبیداروں کے نام اور سنین حکومت درج کیے ہیں ۔ خاص طور پر سادات و مشائخ کا تذکرہ لکھنا مؤلف کے پیش نظر رہا ہے ۔ مشائخ کے علاوہ علماء و اساتذہ کا بھی ذکر ہے جن کے علم و فضل سے اہل کشمیر فیضیاب ہوئے ۔ ان شعراء کا بھی ذکر ہے جو باہر سے کشمیر میں آئے پھر وہیں رہے اور اسی جگہ پیوند خاک ہوئے ۔ اس تاریخ میں قادریہ ۔ سہروردیہ ۔ نقشبندیہ ۔ کبرویہ اور سلسلہ ہائے تصوف کے اکثر مشائخ کا ذکر کیا گیا ہے ۔ اس سے کشمیر میں تصوف کی تاریخ مرتب کرنے میں بڑی مدد مل سکتی ہے اور ان مواقع کا بھی سراغ ملتا ہے جو اہل کشمیر کی روحانی تربیت کے لیے فراہم ہوئے ۔

کتاب کے آخر میں کشمیر کی پرگنہ وار تقسیم کے مدِ نظر جغرافیائی کوائف بیان کیے گئے ہیں ۔ مصنف نے اس تاریخ کی تالیف میں مندرجہ ذیل کتابوں سے استفادہ کیا ہے ۔

تاریخ رشہدی از مرزا حیدر ۔

منتخب التواریخ از حسین بیگ ۔

تاریخ حیدر ملک چادرو ۔

ریشی نامہ از بابا نصیب ۔

در حالات السادات از خواجہ اسحاق ناوچو ۔

اسرار الابرار از بابا داؤد مشکوتی ۔

تحفہ الفقرا از شاہ مراد ۔

مآثر عالمگیری از مستعد خان ۔ اور دوسری تاریخیں جو عہد عالمگیری میں بعض مشائخ نے لکھیں ۔

—:o:—

فیض مراد

اعظم حضرت شیخ مراد کشمیری کے مرید باصفا تھے ۔ اور ان کی زندگی کے آخری ایام میں ان کی صحبت سے فیضیاب ہوتے رہے ۔ انھوں نے یہ تذکرہ اپنے مرشد کے احوال و کوائف کے متعلق پوری تحقیق سے لکھا ہے ۔ یہ تذکرہ مقدمہ ، دس ابواب اور خاتمہ پر مشتمل ہے جن کی تفصیل مندرجہ ذیل ہے :

مقدمہ ۔ در ایراد مناجات بتوسل حضرت خواجگان عالیشان

باب اول ۔ در ذکر احوال کثیرالافضال از ابتدا تا انتہا بطریق اجمال

باب دوم ۔ در بیان حسب آنحضرت و تعداد وسایط ایشان در طریق صوفیہ

باب سوم ۔ بیان قدری از مبشرات بزرگان در بارۂ ایشان

باب چہارم ۔ در ذکر عبادات لیل و نہار و اخلاق آن برگزیدہ آفاق

باب پنجم ۔ در ذکر شطری از ملفوظات آنحضرت

باب ششم ۔ تعداد مصنفات و انتخاب از مرقومات ایشان

باب ہفتم ۔ ذکر پارۂ از کشوفات و تصرفات والہامات ایشیان

باب ہشتم ۔ در شرح احوال واقعۂ وصال آنحضرت

باب نہم ۔ در تعداد تواریخ آن حادثۂ عظیم ۔ ۷۵ تاریخیں خود مؤلف نے لکھیں

باب دہم ۔ در احوال حضرت مخدوم زادگان و بعض اصحاب سعادت انتساب

خاتمہ ۔ در مناجات بحضرت بی نیاز بتوسل حضرات قادریہ ۔

فیض مراد کا ایک نسخۂ خطی مجموعۂ شیرانی میں شمارہ ۱۱۳۲ پر موجود ہے لیکن افسوس کہ اس نسخے میں باب دہم مفقود ہے ۔

——:o:——

نرائن کول عاجز

تاریخ کشمیر

اس کے مؤلف نرائن کول عاجز ہیں ۔ کتاب ۱۱۲۲ھ میں تالیف ہوئی تمہید میں قطب الدین محمد شاہ عالم بادشاہ کی تعریف میں اشعار لکھے ہیں جن میں سے چند یہ ہیں ۔ ان سے ظاہر ہے کہ مؤلف شعر موزوں کر لیتے تھے ۔

تخت طرازندۂ شاہنشہی
چتر فرازندۂ ظل اللہی

خلق بآن عنصر والا درون
عنبر ساراست بدریا درون

روز شرف طلعت غرای او
صبح ظفر جبہہ طغرای او

خلق نیک دل زگرا نباریش
فتنہ گر ان خواب زبیداریش

مؤلف نے تمہید میں بتایا ہے کہ پنڈت کلھن کی تاریخ قدیم کشمیر (سنسکرت) کا ترجمہ ملک حیدر نے کیا تھا لیکن اس میں مبالغہ وطول کلام ہے ۔ میں نے دوسرے محقیقین کے تعاون سے اصل کتاب کے ساتھ مقابلہ کر کے اسے تکلفات زبان سے عاری نثر میں اختصار کے ساتھ لکھا ہے ۔

کتاب میں ۱۸۴۶ء مطابق ۱۲۶۳ھ تک یعنی سکھوں کے عہد سلطنت کے اختتام اور انگریزوں کے تصرف کے آغاز تک کے احوال و کوائف مندرج ہیں ۔ لیکن جیسا کہ کتاب کی تمہید میں مذکور ہے یہ

کتاب ۱۱۲۲ھ میں تالیف ہوئی - اس سے ظاہر ہے کہ بعد میں کسی اور شخص نے مؤلف کے مسودے میں اضافہ کیا ہے -

کتاب میں کشمیر کے سلاطین و حکام و ناظمین کا مختصر ذکر ہے سیاسی حالات کا بیان بھی اختصار سے کیا ہے - لڑائیوں کا حال بھی سرسری ہے - کہیں کہیں مشہور واقعات مثلاً ولادت و وفات اور جلوس تخت کے متعلق قطعات تاریخ درج کیے ہیں -

کتاب شایع نہیں ہوئی - پنجاب یونیورسٹی لائبریری کا مخطوطہ شمارہ APE III 5 ۲۵۹ برگ پر مشتمل ہے - اصل متن ۲۵۱ اوراق تک ہے - ۲۵۲ سے ۲۵۹ تک کشمیر کے پرگنوں اور بستیوں کی تفصیل موجود ہے -

—:o:—

بدیع الدین ابو القاسم
محمد اسلم بن محمد اعظم

گوہر عالم

ایوانوف نے اس کتاب کا نام گوہر عالم تحفۂ دلکشا لکھا ہے - بوڈلین لائبریری کی فہرست مخطوطات میں اس کا نام گوہر نامۂ عالم لکھا ہے - بعض جگہ 'گوہر عالم تحفہ للشاہ' لکھا ہے - یہ قدیم زمانے سے لے کر ۱۲۰۰ھ تک کشمیر کی تاریخ ہے - اس کا مؤالف بدیع الدین ابوالقاسم محمد اسلم بن محمد اعظم کول منعمی ہے - کتاب بادشاہ تیموری شاہ عالم (۱۱۷۳ - ۱۲۲۱ھ) سے منسوب ہے - اصل کتاب ۱۱۶۰ھ میں تالیف ہوئی بعد میں ۱۲۰۰ھ تک کے احوال شامل ہوتے رہے - ایک مقدمہ - چھ طبق اور خاتمے پر مشتمل ہے - مقدمہ میں کشمیر کے عمومی حالات کا بیان ہے - اس کا ایک قلمی نسخہ ایشیاٹک سوسائٹی بنگال کلکتہ میں شمارہ ۱۸۹ پر موجود ہے - اس نسخے میں پانچ طبق شامل ہیں - مقدمہ میں کشمیر کے جغرافیائی حالات بیان کیے گئے ہیں -

۱ - قبل التاریخ عہد

۲ - افسانوی خاندان سے لے کر اسلام کی آمد تک

۳ - خاندان شاہمیر

۴ - خاندان چکان

1- Catalogue of the Persian, Turkish. Hindustani and Pushtw. manuscripts in the Bodlein Library by Ed. Sachau and H. Ethe. Part I Oxford, 1889 P. 172-173.

۵ - خاندان تیموریاں (نامکمل) یعنی ۱۱۴۹ھ کے وسط تک کے حالات بیان ہوئے ہیں -

بوڈلین لائبریری کے نسخے میں ۱۱۵۰ھ تک کے واقعات قلمبند ہیں - کتاب کے آغاز میں مندرجات کی فہرست سے ظاہر ہے کہ مؤلف کتاب نے چھٹاطبق لکھا یا لکھنے کا ارادہ کیا تھا - اس کے مشمولات حسب ذیل تھے یا ہوتے -

افغانوں کا عروج اور احمد شاہ ابدالی کے ہاتھوں کشمیر پر تصرف - آخر میں مصنف کی اپنی زندگی کے واقعات - خاتمہ میں کشمیر کے عجایب و غرایب کا تذکرہ -

اس کتاب کا بیشتر حصہ واقعات کشمیر مؤلفہ محمد اعظم پر مبنی ہے اور اکثر جگہ رد و بدل کے بغیر پوزے کا پورا حصہ نقل کر لیا گیا ہے - مؤلف نے برگ ۹ پر مندرجہ ذیل ماخذ کا ذکر کیا ہے -

تاریخ سید علی - تاریخ رشیدی از میرزا حیدر - ترجمۂ نور نامہ از ملا احمد - منتخب التواریخ از حسن بیگ - تاریخ حیدر ملک چاڈورا - درویش نامۂ حضرت بابا نصیب - درجات السادات از خواجہ محمد اسحق - اسرار لابرار از بابا داؤد مشکواتی - تحفۃالفقراء از شیخ محمد مراد نقشبندی - ماثرعالمگیری از مستعد خان - اقبالنامہ جہانگیری از معتمد خان - نوادر الاخبار از خواجہ محمد امین بلخی - مجالس المومنین - دستورالعمل سلاطین از سعید مبارک خان - مجلد ثامن روضۃ الصفاء - یک دو تاریخ دیگر از بعضی متاخرین تا عہد محمد شاہ بالتخصیص واقعات کشمیر تصنیف خواجہ اعظم دیدہ مری غفران پناہ -

—:o:—

عبدالکریم کشمیری

بیان واقع

بیان واقع کا مؤلف عبدالکریم کشمیری ہے - اس نے اپنی اس کتاب کی تمہید میں اپنے اجداد کا ذکر اس طرح کیا ہے - عبدالکریم بن خواجہ عاقبت محمود بن خواجہ محمد بلاقی بن خواجہ محمد رضا عفی عنہم ان کا اصل وطن کشمیر تھا - وہ ۱۱۵۱ھ میں شاہجہان آباد میں مقیم تھے - ان کی انتہائی آرزو تھی کہ وہ کسی طریق سے حج بیت اللہ اور دوسرے مقامات زیارت سے مستفیض ہو سکیں - اس لیے وہ ایسے موقع کی تلاش میں تھے - قدرت نے انھیں موقع فراہم کیا - جن دنوں نادر شاہ فاتح کی حیثیت سے دہلی میں مقیم تھا - عبدالکریم کی ملاقات مرزا علی اکبر خراسانی داروغہ دفتر خانہ سے ہوئی - اس شخص کا کافی اثر و رسوخ تھا چنانچہ اس کی سفارش پر عبدالکریم کو ملازمت شاہی میں قبول کر لیا گیا اس شرط کے ساتھ کہ ایران پہنچ کر اسے حج کعبہ پر جانے کی اجازت مل جائے گی - چنانچہ اس کی یہ خواہش پوری ہوئی - صفر ۱۱۵۲ھ کو جب نادر شاہ اپنے لاؤ لشکر ، مال غنیمت اور اسیران جنگ کے ہمراہ واپس ایران روانہ ہوا تو عبدالکریم بھی فوج کے ہمراہ گیا اور مختلف خدمات انجام دیتا رہا تھا - یہاں تک کہ ۲۵ ربیع الاول ۱۱۵۴ھ کو دارلسلطنت قزوین میں پہنچا - وہاں اسے شاہی طبیب حکیم سید علوی خان حکیم باشی کے ہمراہ حج پر جانے کی اجازت مل گئی - نادر شاہ اپنے علاج کے لیے حکیم پاشی کو دہلی سے اپنے ہمراہ لایا تھا - عبدالکریم یکم ربیع الاول ۱۱۵۵ھ کو مکہ معظمہ میں تین ماہ قیام کے بعد جدہ پہنچے - پھر بحری جہاز کے ذریعے ہوگلی (کلکتہ) ہوتا ہوا ۱۰ جمادی الثانی ۱۱۵۶ھ کو شاہجہان آباد وارد ہوا - اس کے بعد اس کی زندگی کا

حال معلوم نہیں ۔ وہ ۱۱۹۳ھ تک زندہ تھا ۔ کیونکہ اس نے بیان واقع کی تکمیل اس سال میں کی ۔

عبدالکریم کو نادر شاہی افواج کے ساتھ سفر کرتے ہوئے واقعات و احوال کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا ۔ جیسا کہ اس کے بیان کردہ ایک واقعہ سے پتہ چلتا ہے ۔ وہ بخارا میں مرزا محمد ابراہیم صاحب کارخانجات و بیوتات کے ساتھ خدمات انجام دینے پر مامور تھا ۔ جسے والی توران کی مہمانداری کے لیے مقرر کیا گیا تھا ۔ اس لیے اسے بخارا کے اماکن و مقابر دیکھنے کا اچھا موقع ملا ۔ دوسری جگہوں میں بھی سر رشتہ داری کارخانجات مالی کی وجہ سے اسے اول درجہ کے کھانوں اور پھلوں سے بہرہ‌ور ہونے کا موقع ملتا رہا ۔[۱]

عبد الکریم نے دوستوں کی فرمایش پر اپنے سفر کی سرگزشت لکھنا قبول کیا اور کتاب کو چار ابواب اور خاتمے پر مشتمل کیا اور دیباچے میں اس کی تفصیل اس طرح بتائی :

باب اول

ذکر عروج و خروج نادر السلطان و آمدن او بہندوستان ۔

باب دوم

در بیان معاودت از ہندوستان ۔ توران ، خراسان اور مازندران کی طرف سفر اور قزوین میں ورود ۔ وہاں سے حج بیت اللہ کے لیے رخصت ۔

باب سوم

عراق عرب ، شام ، حجاز اور بحری سفر کے واقعات کا حال اور ہوگلی میں نزول ۔

---

۱ ۔ بیان واقع ، عبدالکریم مرتبہ کے ۔ بی ۔ نسیم ، لاہور ، ۱۹۷۸ ، ص ۷۲-۷۳

باب چہارم

ورود ہوگلی سے وفات محمد شاہ کے حالات کا ذکر ۔

خاتمہ

اس میں دو مقدمے ہیں ۔ مقدمۂ اول میں دو باب ۔

باب اول ۔ در ذکر بعضی کلمات لطیف مردم ظریف ۔

باب دوم ۔ بعضی عجایب و غرایب کا بیان ۔

مقدمۂ دوم ۔ اس میں دو فصلیں ہوں گی :

فصل اول میں اخیار و ابرار کا ذکر ۔

فصل دوم میں اشرار و مردم آزار گروہ کا ذکر ۔

مؤلف نے یہ خاکہ تو تیار کر لیا لیکن بعد میں اس پر عمل نہ ہو سکا ۔ باب چہارم تک تو تفاصیل اس خاکے کے مطابق درج کی ہیں ۔ خاتمے کے بجائے باب پنجم کا اضافہ کیا ہے جس میں احمد شاہ (١١٦١-١١٦٧ھ) کے دوران حکومت کے احوال و واقعات منضبط کیے ہیں ۔ آخر میں ایک صفحے میں عالمگیر ثانی اور شاہ عالم ثانی کے عہد حکومت پر سرسری تبصرہ کرکے ہفتم ذی قعدہ ١١٩٣ھ کو اپنا بیان ختم کیا ہے ۔

تاریخی اہمیت

بیانِ واقع میں پہلا ، دوسرا ، چوتھا اور پانچواں باب تاریخی اہمیت کا حامل ہے ۔

پہلے باب کا ابتدائی حصہ نادر شاہ کی ابتدائی زندگی کے کوائف پر مشتمل ہے جو مؤلف نے کسی ماخذ سے حاصل کیا ہوگا ۔ نادر شاہ کی ہندوستان میں آمد اور محمد شاہ کے ساتھ جنگ اور اس کے بعد کے واقعات

کچھ شنیدہ اور کچھ دیدہ تھے ۔ دہلی میں نادر شاہ کی آمد ۔ قتلِ عام ۔ بادشاہوں کی ملاقات ۔ معاہدہ ۔ جشن نشاط ۔ مجرائے نور بائی ۔ مال غنیمت کا بیان وغیرہ چشم دید مشاہدات پر مبنی ہے ۔ دوسرا باب تو گویا اس کی آپ بیتی ہے کیونکہ وہ لشکر شاہی کے ساتھ ساتھ سفر کر رہا تھا ۔ چوتھے اور پانچویں باب میں ۱۱۵۶ سے ۱۱۶۷ھ تک کے جن واقعات کا ذکر موجود ہے ، اس مدت میں بھی وہ دہلی میں موجود تھا اور روزمرہ کے احوال و کوائف گویا اس کے معاصر واقعات تھے ۔ اگر ان واقعات کا بیان دوسرے تاریخی مآخذ میں بھی مل سکتا ہے لیکن عبدالکریم نے بعض ایسے گوشوں پر روشنی ڈالی ہے جو دوسرے مؤرخین نے بیان نہیں کیے ۔

بیان واقع کا وہ حصہ نہایت اہم ہے جو نادر شاہ سے متعلق ہے ۔ اگرچہ دربار کا مؤرخ مرزا محمد مہدی موجود تھا اور احوال و واقعات منضبط کرنے پر متعین تھا لیکن وہ بادشاہ کے مزاج کے خلاف کوئی بات درج نہیں کر سکتا تھا اور نہ واقعات پر آزادانہ تبصرہ کر سکتا تھا ۔ عبدالکریم نے آزادانہ ماحول میں کسی سیاسی جبر کے بغیر اپنے چشم دید واقعات کو لکھا اور بعض ایسی چیزوں کا ذکر کیا ہے جو اس زمانے کے متعلق دوسری تاریخوں میں موجود نہیں ۔ اس کے بیانات سے نادر شاہ کی شخصیت کے بعض گوشے اجاگر ہوتے ہیں ۔

نادر شاہ جفاکش ، سخت گیر اور بے رحم تھا ۔ ذرا سی غفلت اور کوتاہی سے قتل کرا دینا اشارۂ ابرو پر منحصر تھا ۔ اس کے مغلوب الغضب ہونے کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ وہ مراق ، استسقا اور غلبۂ خون کا مریض تھا ۔ حکیم علوی خان نے دوائیں دے کر اس کی شعلہ سامانیوں کو قابو میں رکھا ۔ چنانچہ مازندران کے جنگل میں جب دو اجنبیوں نے اس پر گولی چلا کر زخمی کر دیا تو اس نے فوراً محض شک کی بنا پر قتل و غارت کا عام حکم نہیں دیا بلکہ تحقیق و تفتیش

آکے بعد مجرموں کو سزا دی ۔ حکیم علوی خان کے جانے کے بعد اس کا مزاج برہم ہونے لگا تھا اور قتل کے واقعات زیادہ ہو گئے تھے اور امرا اور رؤسا کو ہر وقت جان کے لالے پڑے رہتے تھے ۔

وہ بڑا دور اندیش فوجی کمانڈر تھا ۔ اس نے توران فتح کرنے کے لیے ہندوستان میں ہی منصوبہ بنا لیا اور مختلف شہروں سے ایک ہزار تجار اکھٹے کرکے بلخ بھجوائے تاکہ وہ اس کی آمد تک کشتیاں بنائیں تاکہ دریا عبور کرنے اور غلہ لے جانے کے لئے کام آ سکیں ۔

وہ بڑا با ہوش اور زیرک تھا ۔ اٹک کے اس پار رات کے وقت دو یوسف زئی پٹھان اس کے خیمے میں گھس آئے ۔ وہ ان کی چاپ سن کر چپکے سے خیمے سے کھسک گیا اور ان کو مال لوٹنے کا موقع دیا اور اپنی جان بچا لی ۔ اسی طرح مازندران کے جنگل میں اسے ایک گولی لگی تو وہ بڑی ہوشیاری سے زمین پر دانستہ گر گیا ۔ حملہ آوروں نے یہ سمجھا کہ اس کا کام تمام ہوا ، دوسری گولی چلائے بغیر چلے گئے اور اور نادر شاہ نے اپنی جان بچا لی ۔

وہ بڑا ذہین تھا ۔ نازک وقت پر فوراً تدبیر کرتا تھا ۔ کشتیوں کے محافظوں نے کہا کہ غلہ پانی میں بھیگ رہا ہے اس کا تدارک کیا جائے اس نے مال خانے سے پیراہن و پاجاموں کے ہزاروں جوڑے منگوا کر ان میں غلہ ڈلوا کر لکڑیوں پر رکھوا دیے تاکہ وہ پانی کی نمی سے محفوظ رہیں ۔

اس کی فتوحات کا دار و مدار بدوی زندگی کے عادی اس کے کرد ، افغان ۔ افشار اور بختیاری قبایل پر تھا جن کی جفاکشی اور سخت مزاجی کے سامنے ٹھہرنا مشکل تھا ۔

بیان واقع سے ایرانی افواج کی میدان جنگ میں صف آرائی اور جنگ کے طریق کار پر روشنی پڑتی ہے ۔

نادر شاہ نے اپنے بڑے بیٹے رضا قلی خان کو اندھا کروا دیا تھا۔ عبد الکریم نے اس کی جو ایک وجہ بیان کی ہے۔ دوسرے مؤرخین نے اس کا ذکر نہیں کیا۔

دہلی میں قتل عام کا حکم دینے سے جو خصوصی واقعات پیش آئے، عبد الکریم نے اس کی اہم تفاصیل فراہم کی ہیں۔

بیان واقع میں بعض عجیب واقعات کا ذکر ملتا ہے مثلاً:

نادر شاہ نے تیمور بادشاہ کے مزار کا تختہ اور مدرسۂ سمرقند کا دروازہ اکھڑوا کر مشہد میں بھجوا دیا تاکہ مقبرۂ امام علی بن موسیٰ رضا کے لیے کام آ سکے۔ بعد میں یہ دونوں چیزیں واپس بھجوا دیں۔

ابیورد کے قریب نادر شاہ نے اپنی مولود گاہ پر دہلی کی طرز پر مختصر سا شہر آباد کیا اور اس کا نام خیوقی آباد رکھا اور خوارزم کے شہر خیوق سے لوگوں کو لا کر آباد کیا۔

قلعۂ بغداد کی تعمیر اس نوعیت کی تھی اور اس کے ارد گرد ایسی خندق تھی کہ نو مہینے کے محاصرے کے بعد بھی نادر شاہ اس کو تسخیر نہ کر سکا۔

چوتھے اور پانچویں باب میں محمد شاہ اور احمد شاہ کے دورِ حکومت کے بعض چیدہ چیدہ واقعات بیان کیے گئے ہیں جو دوسرے مؤرخین کے بیان کے ساتھ تقابلی مطالعہ کے لئے مفید ہو سکتے ہیں۔ نواب زکریا خان صوبیدار لاہور کی وفات کے بعد کمان اقتدار سنبھالنے کے لیے ان کے بیٹوں میر یحییٰ اور شاہنواز خان کے درمیان کشمکش ہوئی۔ اس ضمن میں احمد شاہ درانی لاہور پر متصرف ہوا۔ بعد میں مغلیہ افواج اور افغان افواج میں زبردست جنگ ہوئی جس میں احمد شاہ کو شکست ہوئی۔ عبد الکریم

نے ان تمام واقعات کی تفاصیل مہیا کی ہیں جو تاریخی لحاظ سے اہم ہیں ۔

احمد شاہ کے حصہ میں روہیلوں کے خلاف بادشاہ کی فوج کشی ۔ صفدر جنگ کی عیاری سے نواب وزیر کا قتل ۔ صفدر جنگ اور ذوالفقار خان کی سازش اور فساد عظیم کے پس منظر کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے جس سے اس وقت کے دربار اور اندرون حرم میں تخریب حکومت کے متعلق سازشوں کا انکشاف ہوتا ہے ۔ اس حصے میں سید علوی خان حکیم باشی اور عاقبت محمود صاحبقران کشمیر کے متعلق احوالِ زندگی اہم ہیں اور تاریخی حیثیت کے حامل ہیں ۔

سفر نامہ

بیان واقع کا وہ حصہ بھی قابل اعتماد ہے جس میں سفر کے احوال و کوائف بیان کیے گئے ہیں ۔ سفر کے پہلے حصے میں جو نادر شاہی افواج کے ساتھ طے ہوا ۔ مندرجہ ذیل مقامات سے گزر ہوا ۔ دہلی ، سیالکوٹ ، ملتان ، چناب ، جہلم ، راولپنڈی ، حسن ابدال ، اٹک ، کابل ، واپس سندھ لاڑکانہ ، عمر کوٹ ۔ پھر واپس قندھار ، ہرات ، بلخ ، بخارا ، سمرقند ، ماوراء النہر ، چہارجو ۔ خوارزم ۔ واپس کلات ، خیوق آباد ، ابیورد ، مشہد ، استر آباد ، مازندران ، قزوین ۔ عبدالکریم نے اس زمانے میں سفر کی دشواریوں اور صعوبتوں کا ذکر کیا ہے ۔ خاص طور پر سندھ ، کوہ قراقرم ، جیحون سے مرو شاہجہان تک بیابان کو عبور کرنے میں اور بارش و دلدل میں چلنے سے جان و مال کے اتلاف کا حال بیان کیا ہے ۔ جغرافیائی معلومات پر بھی روشنی پڑتی ہے ۔ بعض شہروں کی قابل دید عمارات و باغات کا بھی ذکر کیا ہے ۔ دوسرے سفر میں اس کا گزر مندرجہ ذیل مقامات سے ہوا ۔ ہمدان ، کوہ بیستون ، کرمان شاہان ، بغداد ، سرمن رای ، کرکوک ، موصل ، عرفہ ، قلعہ ماردین ، حلب ، دمشق ، علا ، خیبر ، مدینہ ، مکہ ، بندرمخا ، جدہ ، سیلان ، پانڈیچری ، بندرچینانین ۔ بندر بالیسر ، ہوگلی ، عظیم آباد اور واپس شاہ جہان آباد ۔

مؤلف نے ان مقامات کے متعلق بعض غریب اور نادر معلومات فراہم کی ہیں ۔ عراق و شام کے راستے مدینہ پہنچنے تک کاروان کے ذریعے جن منازل سے گزرنا پڑتا ہے اور ایک منزل سے دوسری منزل تک پہنچنے میں جتنا وقت صرف ہوتا ہے ، اس کی تمام تفاصیل ایک جدول کے ذریعے بتائی ہیں ۔ تقریباً ہر شہر کے متعلق کوئی نہ کوئی خاص بات بتائی ہے اور بعض چونکا دینے والی باتوں کا بیان کیا ہے ۔ ہمدان کے متعلق بتایا ہے کہ وہاں قبریں تہ خانوں میں بناتے ہیں ۔ میت دفنانے کے بعد دیوار چنتے ہیں تاکہ وہاں قبر ہونے کا کسی کو گمان نہ ہو ۔ ایسا اس لیے کیا جاتا تھا کہیں کوئی ظالم منتقم حکمران میت کو قبر سے نکال کر بے حرمتی نہ کرے ۔ بغداد میں اس وقت کے موجودہ مقابر علماء و اولیا کا ذکر کیا ہے ۔ شام کے دوسرے شہروں میں اولیاء کے مقابر کی نشاندہی کی ہے ۔ قلعۂ ماردین کے استحکام کے متعلق بتایا ہے کہ تیمور ایک مدت محاصرہ کرنے کے بعد بھی اسے مسخر کرنے میں ناکام رہا ۔

عبدالکریم نے بیان واقع لکھتے ہوئے دوسرے مؤرخین کی طرح پر تکلف و پر پیچ طرز بیان اختیار نہیں کیا بلکہ تفہیمی اور مستقیم انداز اختیار کیا ہے ۔ جا بجا موزوں اشعار لکھے ہیں ۔ ایک جگہ احمد شاہ ابدالی اور محمد شاہ کے درمیان جنگ کا حال بیان کرتے ہوئے محمد بخش آشوب کی مثنوی کا طویل انتخاب درج کیا ہے ۔ غوث اعظم کی منقبت میں میامن خان کشمیری کا عربی قصیدہ نقل کیا ہے ۔ نور بائی طوائف نے نادر شاہ کے سامنے مجرا کے وقت جو غزل گائی تھی اس کے دو شعر نقل کیے ہیں جن سے جذبات کی ہیجانی کیفیت کا اظہار ہوتا ہے ۔ نادر شاہ اتنا متأثر ہوا تھا کہ وہ نور بائی کو اپنے ساتھ لے جانا چاہتا تھا لیکن یہ حکم سن کر نور بائی کی جان پر بن آئی ۔ وہ بیمار پڑ گئی اور اس طرح جانے سے بچ گئی ۔ وہ دو شعر یہ ہیں :

دلربایانہ دگر بر سر ناز آمدہ ای
از دل ما چہ بجا ماندہ کہ باز آمدہ ای

می بدہ می بستان دست بزن پای بکوب
در خرابات نہ از بہر نماز آمدہ ای

عبدالکریم اکثر جگہ سلاطین و امرا اور حوادث زمانہ پر تبصرہ کرتے ہوئے طنز بھی کرتا ہے اور چوٹیں بھی کرتا ہے۔

——:o——:

دیگر مصنفین

شیخ شرف الدین آہنگر[1]

کشمیر کے مشہور مشائخ میں شمار ہوتے تھے۔ ملا عبدالسلام وکیل کی خدمت میں رہ کر سلوک و طریقت کی منازل طے کیں۔ انھی سے تعلیم و ارشاد کی اجازت ملی اور خلق خدا کی تربیت میں مشغول رہے۔ انھوں نے خواجہ عبدالرحیم شیخ کمال کی خدمت میں بھی حاضر ہو کر طریقۂ نقشبندیہ میں تربیت حاصل کی۔ ریاضت و عبادت میں نام پیدا کیا۔ طبیعت بھی موزوں پائی تھی۔ انھوں نے مولانا عبدالسلام اور خواجہ عبدالرحیم کے حالات و کمالات کے متعلق روضۃ السلام و روضۃ الشرف کے عنوان سے رسائل تالیف کیے۔ یکم جمادی الاول ۱۲۰۵ھ میں فوت ہوئے۔

ملا محمد سعید گندسو دوم مشہور بہ بخاری[2]

ایک فاضل اور عالم با عمل تھے۔ ملا محمد مقیم کے شاگرد اور ملا عبدالسلام وکیل کے مرید تھے۔ ساری زندگی شیخ محمد افضل زونیمری کے گھر میں تجرد میں گزار دی۔ اپنے مرشد سے صحاح ستہ بڑھیں اور انھی سے درس و سند کی اجازت حاصل کی۔ بخاری زبانی یاد تھی اس لیے بخاری کے نام سے مشہور تھے۔ انھوں نے مفاتیح البرکات کے نام سے کلام اللہ کا ترجمہ کیا۔ اور کبریت احمر کی دو شرحیں فارسی اور عربی میں لکھیں۔ عمر کے اواخر میں موضع منڈاہ پرگنہ شاہ آباد میں خلوت گزیں ہو گئے۔

۱۔ تحائف الابرار فی ذکر الاولیاء الاخیار، محمد مسکین، امرتسر، ۱۳۲۲ھ ص ۲۶۵۔

۲۔ ایضاً۔ ص ۲۶۷۔

وہیں ۱۲۰۸ھ میں فوت ہوئے۔

شیخ عبدالرزاق نقشبندی[1]

قصبہ سوپور میں رہتے تھے۔ جوانی میں پکھلی گئے۔ کسی بزرگ کی خدمت میں آداب طریقت سیکھے۔ پھر ملا عبدالسلام وکیل کی خدمت میں رہ کر مجاہدات روحانی پورے کرکے ارشاد کی اجازت ملی۔ ۱۲۰۹ھ میں فوت ہوئے۔ اپنے مرشد کے احوال زندگی کے متعلق کتاب 'دارالسلام' تالیف کی۔

مرزا اکمل الدین کامل بیگ خان بدخشی[2]

باپ کا نام مرزا عادل خان تھا۔ دادا مرزا ملک محمد خان بدخشی سلطان خواجہ احمد یسوی علوی ترکستانی کی اولاد میں سے تھے۔ تاشقند سے ہجرت کر کے بدخشان میں مقیم ہو گئے۔ اسی لیے بدخشانی معروف ہوئے۔ جلال الدین اکبر بادشاہ کے عہد میں ہندوستان آئے۔ وہ کچھ عرصہ کے لیے صوبۂ کشمیر کے دیوان بھی رہے۔ ان کے بیٹے مرزا عادل خان کشمیر میں آ کر سکونت پذیر ہو گئے۔ مرزا اکمل الدین نے لڑکپن میں ہی خواجہ حبیب اللہ عطار سے تعلیم و تربیت حاصل کی۔ عبادات و ریاضات میں مشغول ہو گئے۔ اور مقامات سلوک طے کیے۔ پچیس سال کی عمر میں ان کے خلیفہ نامزد ہوئے اور ارشاد طریقت کی اجازت ملی۔ مشائخ عظام میں ان کا شمار ہوا اور ان کے بے شمار مرید ہوئے۔ ۲۹ ذی الحجہ ۱۱۳۱ھ کو فوت ہوئے۔

ان کی طبیعت موزوں تھی اور شعر کہہ لیتے تھے۔ شیخ فریدالدین عطار کے اتباع میں انھوں نے بحر العرفان کے نام سے دس ہزار اشعار پر مشتمل ایک مثنوی لکھی۔ اس تصنیف کے متعلق انھوں نے بتایا کہ

۱۔ تحائف الابرار، ۲۶۷۔

۲۔ ایضاً۔ ۲۳۲۔ ۲۳۵۔

ان کے مرشد خواجہ صاحب خواب میں نظر آئے۔ ان کے ہاتھ میں جزدان تھا۔ میرے استفسار پر انھوں نے بتایا کہ یہ تیری کتاب 'بحرالعرفان' ہے۔ پھر اس کے یہ پانچ مصرعے پڑھے:

حمد الله حامد و محمود قوت فعل خویش را معبود

از جمال و جلال خود مشحون کرد چون را پدید خود بیچون

جلوه گر ذاتش از صفات آمد۔

خواب سے بیدار ہوئے تو چھٹا مصرع یوں القا ہوا:

این صفتها دلیل ذات آمد

ان کا ایک قصیدہ مخبر الاسرار کے نام سے بھی ہے۔ اس کے چند اشعار یہ ہیں:

چون بدیدم دوجهانرا که سواد تو جند (؟)
چشم پوشیدم و بر هر دو نظر نکشادم

خویش و بیگانه ازاو منکر و من زین دلشاد
هیچ در گوش نمی آید ازان فریادم

فکری از دل متولد شد و بر دل برسید
رستم از باطل و حق راه بخود بکشادم

سرپس زانوی خود مانده‌ام از فکرت دل
دل معلم شد و تعلیم تصوف دادم

تلخ شیریں شد و غم شادی و وسواس برفت
مرکبم رایض و من چابک و ره بادم

مخبرالاسرار کے مندرجہ ذیل اشعار تاریخ کشمیر اعظمی میں مندرج ہیں۔[1]

انس حق وحشتم از غیر بجان و دل داد
کرد از ظلمت کثرت ز جهان آزادم

فتح کارم شد و امراض بصحت پیوست
ذائقه نیز بحال آمد و لذت دادم

شد تمیزم که چه تلخست و چه شیرین زغذا
چیست نافع بدلم وآنچه مضر افتادم

طاعت و ذکر غذا گشت بجانم چو ملک
نیست آرام شب و روز بجز اورادم

آکل نور شدم نیست غذایم خاکی
للّٰه‌الحمد که من درچه مقام افتادم

خلعت فقر که فخرست مرا بخشیدند
چون بخاک در مرشد سرخود بنهادم

سالها خاک درش راچو بمژگان رفتم
تاکه بالغ شدم و چشم خرد بکشادم

دید مرشد که شدم پخته و آماده بکار
درهمه قید تعلق زجهان آزادم

جبروتست ازین پیش منازل در واه
گوش دل جانب من کن که بشرح افتادم

آنگهان گفت که بی مرگ نخواهی راه یافت
در زنان مردم و مردانه براه افتادم

---

۱ . تاریخ کشمیر اعظمی ، محمد اعظم ، لاہور - ۱۳۰۳ھ ، ص ۲۲۵ -

مردم از خویش ولی زندگیم حضرت اوست
جان باقی عوضم داد چو این جان دادم

قالبم قلب شد روح صفت بسیار است
بر قدم آنچه نظر داشت درین راه دادم

اصل ثابت شده از فرع منزه شده‌ام
لازوالیست خود دیدم زاندل شادم

من چه هر کس کو بدل گشت تو ابدال شناس
خیر مقدم همه عالم که بخیر افتادم

لذتی یافته‌ام من که کنون سی سالست
جان من مست همانست و برفت از یادم

کاشکی بر سر مویم به تنم جان بودی
کاندرین راه بشکرانه آن میدادم

تا دو سه سال درین حال بسرمی بردم
نه زماضی و نه مستقبل ازان در یادم

تحائف الابرار میں ہی ان کی ایک غزل منقول ہے :

ہستی من زمن بدر کرد ، که کرد؟ یار کرد
محو خودم بیک نظر کرد که کرد؟ یار کرد

سازج ذات بخت او ہست ہمہ صفات او
مظہرخیر و شر دگر کرد ؟ که کرد؟ یار کرد

بوده ام دل جان جان منبع فرع کن فکان
باز مرا در بدر کرد که کرد؟ یار کرد

ہست بصاحب نظر از ہمہ دوست جلوه گر
ہک ز دگر خوبتر کرد ۔ که کرد؟ یار کرد

خود پدر است و خود حجراست و خود مادر
جلوہ زروی یک دگر کرد ۔ کہ کرد؟ یار کرد
اکمل ازین غزل کہ گفت کرد عیان ہمہ نہفت
بروی ازین جہان خبر کرد ۔ کہ کرد؟ یار کرد

ایک واقعہ کے سلسلے میں ان کی ایک رباعی محفوظ ہے ۔ کہتے ہیں کہ سنگین دروازہ کے بازار میں جمی نام کی ایک خوبصورت عورت دکان کیا کرتی تھی ۔ حضرت نے اسے دیکھ کر یہ رباعی کہی :

ہر جا کہ جمال دوست لامع گردد
عاشق ز نیاز و عجز طامع گردد
زاعجاز حسن و جمال میدانم
دکان جمی مسجد جامع گردد

کچھ مدت کے بعد اہل محلہ نے جمی کی دکان دوسری ملحقہ دکانوں سمیت مسجد میں شامل کر لی ۔

ملا عبدالرشید بینوا[1]

بابا عثمان قادری کے مریدوں میں سے تھے ۔ خانقاہ معلی اور خانقاہ محبوب العالم میں وعظ کہنے پر مقرر تھے ۔ موزوں طبیعت پائی تھی ۔ کلمۂ تہلیل کی فضیلت میں ۳۶۰ بیت کا قصیدہ لکھا جس کا مطلع اس طرح ہے :

افضل الذکر یا عباد اللہ　　　قولنا لاالہ الااللہ

وہ یہ قصیدہ حریری کاغذ پر لکھ کر اپنے پاس رکھتے تھے اور

---

۱ ۔ تحائف الابرار مذکور ، ص ۲۵۳ ۔

ورثاء کو وصیت کی تھی کہ میرے مرنے کے بعد اس قصیدے کو میرے کفن میں رکھ دیں تاکہ اگر پوچھا جائے کہ تونے شاعری کیوں کی تو جواب میں کہوں گا - اے کریم - یہ قصیدہ ہدیۂ شاعرانہ لایا ہوں - اپنے کرم سے قبول کر - فن شاعری میں انہوں نے ایک کتاب روضۃالاشعار تالیف کی - بقول مؤلف تحائف الابرار ان کی یادگار غزلیات بھی ہیں جن میں تصوف کا رنگ زیادہ ہے -

ملا شرف منٹو[1]

مولانا حیدر منٹو کی اولاد میں سے تھے - ملا محسن کھتو سے تعلیم حاصل کی - ۱۱۳۰ھ میں انتقال کیا - مندرجہ ذیل رسائل ان کی تالیف ہیں :

رسالہ در رد شیعہ رسالۂ قرأت

مولوی ہدایت اللہ متو[2]

مولوی کرم اللہ متو کے بیٹے تھے - ملا سلیمان سے تعلیم حاصل کی اپنے معاصرین میں ممتاز ہوئے - پھر درس و تدریس میں مشغول رہے -

انہوں نے کئی رسائل لکھے جن میں سے رسالہ تحفۃ الاخوان فی مناقب النعمان مشہور ہے -

انھوں نے تاریخ کشمیر بھی تالیف کی اور اپنے زمانے یعنی صوبیدار جمعہ خاں کے عہد تک (۱۲۰۲-۱۲۰۷) کے واقعات کو قلمبند کیا -

---

۱ - تحائف الابرار - ص ۲۹۸ -

۲ - ایضاً - ص ۳۰۲ -

مولوی قوام الدین[1]

ان کے والد مولانا سعدالدین صادق تھے ۔ شیخ رحمت اللہ ۔ ملا مقیم السنہ ۔ مولانا نور اللہ سے تعلیم حاصل کی ۔ حاجی عبدالولی عرفان بابا محسن اور حاجی نعمت اللہ نوشہری سے علم حدیث کی اجازت حاصل کی ۔ میر قاری شاگرد ابوالفقرا سے فن قرآت سیکھا ۔ بلند خاں صوبیدار کے عہد حکومت میں احمد شاہ درانی کے حکم سے قاضی و امین کا منصب عطا ہوا اور شیخ الاسلام کا لقب ملا ۔ منصبی مصروفیات کے باوجود شاہ زین الدین قادری ۔ میاں محمد زکریا لاہوری اور شیخ الاسلام احمد اکدلی سے فیوض روحانی حاصل کرتے رہے ۔ بعد میں خواجہ عبدالرحیم نقشبندیہ المعروف بہ خواجہ شیخ کمال کے مرید ہوئے ۔ انھوں نے اپنے مرشد کے حالات و کمالات کے متعلق رسالہ قوامیہ مرتب کیا ۔ ان کی اور بھی تصالیف ہیں ۔ اپنے زمانے کے جید علماء میں شمار ہوتے تھے ۔ ۱۲۱۹ھ میں فوت ہوئے ۔

بابا محمد خلیل واعظ[2]

اچھے عالم تھے ۔ لوگ ان کے علم وعظ سے مستفید ہوئے ۔ انھوں نے ایک کتاب روضتہ الریاضات المشہور بہ 'نوزنامہ' رنگین عبارت میں تالیف کی ۔

اخوند ابوالوفا کشمیری[1]

عالم و فاضل اور فقیہ کامل تھے ۔ استخراج مسائل میں یگانۂ روزگار تھے ۔ مولانا اشرف چرخی اور شیخ الاسلام امان اللہ سے علوم متداولہ

---

۱ ۔ تحائف الابرار مذکور ۔ ص ۳۰۴ ۔
۲ ۔ ایضاً ۔ ص ۳۰۵ ۔
۱ ۔ تحائف الابرار ، ص ۳۰۶ ۔

پڑھے۔ ابتدائے جوانی میں شاہی لشکر میں پہنچ کر جاگیر حاصل کی۔ اور کشمیر کے مفتی متعین ہوئے۔ بڑی تحقیق سے مسائل شرعیہ فقہیہ کو چار جلدوں میں جمع کیا اور ایک رسالہ خصائص آنحضرت میں انوارالنبوۃ کے نام سے تالیف کیا۔ ۱۱۷۹ھ میں وفات پائی "پیوستہ برحمت الٰہی" تاریخ وفات ہے۔

(حدایق حنفیہ)

شیخ عبدالوہاب نوری[1]

شیخ اکمل بیگ کے مرید و خلیفہ تھے۔ تمام زندگی اتقاو انزوا میں گزاری۔ کتاب فتحیات اور عین العرفان در احوال حضرات کبرویہ تالیف کیں۔ ۱۱۸۶ھ میں فوت ہوئے۔

مولانا سلیمان الکشمیری[2]

مفتی ابو الفتح کشمیری کے بیٹے تھے۔ مولانا عنایت اللہ کشمیری سے علم حاصل کیا۔ مدرسۂ عنایت اللہ خاں میں مدرس ہوئے۔ انھوں نے خلاصۃ الحساب (عاملی) کی شرح لب اللباب لکھی۔ ۱۱۶۶ھ میں فوت ہوئے۔

میر کمال الدین[3]

کشمیر کے شرفا زادوں میں سے تھے۔ جوانی میں نظم و نثر میں کافی استعداد تھی۔ نستعلیق اور شکستہ لکھنے میں خوب مہارت حاصل کی۔ شاہزادہ سلطان اکبر کی ملازمین میں شامل ہو کر کچھ عرصے کے لیے

۱۔ روضۃ الابرار، محمد الدین۔ جہلم، ۱۳۰۲ھ، ص ٦٨۔
۲۔ نزہتہ الخواطر، ج ٦، ص ٢٠٠۔
۳۔ تاریخ کشمیر اعظمی، محمد اعظم، لاہور ۱۳۰۳ھ، ص ٢٢٨ - ٢٢٩۔

دیوان انشاء میں خدمات انجام دیں۔ جب شاہزادہ بغاوت کرکے ایران چلا گیا تو وہ کشمیر واپس آئے اور خط انشاء کی تدریس میں مشغول رہے۔ فاضل خاں کی سفارش سے کچھ جاگیر مل گئی تھی، اسی پر قناعت سے گزر بسر کرتے تھے۔ ۱۱۳۱ھ کے اواخر یا ۱۱۳۲ھ کے اوائل میں فوت ہوئے۔

ان کے رقعات رنگین انشائے میر کمال کے نام سے مشہور ہیں۔ مثال کے طور پر ایک رقعہ ملاحظہ کیجیے جو انھوں نے میاں حضور اللہ کو شہد وصول کرنے پر لکھا تھا:

یاریکہ مخالفست قول و عملش
بگریز ز لابہ سراسر دغلش
چو طفل بشیر بینیش از راہ مرو
زہر ماراست در حقیقت عسلش

طبق اصل صفا کہ از شربتخانۂ خلوت آن عطوفت انتما حصہ تلخکامان حنظلستان اختلاط ابنای زمان شدہ بود، ذائقۂ نا امیدی را شیرین ساخت و سنگ در زنبور خانۂ شوخی این روستا پروردۂ بی باک انداخت۔ بحکم الازاء یترشح بمافیہ حقیقت مسطور بر منصۂ ظہور جلوہ نمود۔ باخود گفتم جو فروش گندم نما، می شنیدیم، زر فروش شہد نما ہم دیدیم۔ باز نظر بر آنچہ افعال بزرگان خالی از حکمتی نباشد، جاسوس فکر را بہر سو دوانیدم، سراغی از مدعا نیافتم۔ گاہ تصور می کنم کہ آنچہ سالکان طریق بیشتر (؟) ازانست کہ از کثرت ذکر یاقہار تصور باری بر آمدہ نگاہ خیال می بندم کہ زنار مشرکان خفی است کہ از شدت سیاہ کفر باطن رنگ سیاہی درون شان را گرفتہ۔ گہی حداثت سن ابشانرا منظور داشتہ میدانم کہ بمقتضای مقولہ الصبی صبی ولو لقی النبی۔ از طفل مزاجی من در غلط افتادہ بازیچہ بچہ ترسائی بخاطر آوردہ از تن غافل کہ این فقیر بصورت

حقیر در نابودن چنین این نوع ہوام حالی همان حال عصای موسی دارم و گاهی ریاضت و جهاد ایشانرا ملحوظ داشته بخاطر میگذرانم که تو هم کشتن مار نفس که در طبعت چنین حلقه عکس زده کردند - این بی خبر که یکه تازان معرکه جهاد اکبر ہیولای نفس را قابل فتراک علو همت خود نمی شمارند - عاملی که هر چند بار اندیشه از عذر عدم دریافت گنج حقیقت این آبخوره بر خود می پیچیده بسوراخ مطلب راه نمی برد مگر خود ارشاد می فرمایند و این عقده بناخن بیان بکشایند -

مولوی نظام الدین محمد[1]

ملا قوام الدین مفتی کے بیٹے تھے - اپنے والد سے ہی تعلیم مکمل کی - شاہان افاغنہ کے عہد میں منصب صدارت تفویض ہوا - قضائے کشمیر اور امینی عدالت کا اہتمام ان کے ذمے تھا - بابا محی الدین پاندانی جیسے بزرگوں سے معنوی تربیت حاصل کی تھی - ۱۲۴۰ھ میں فوت ہوئے -

انھوں نے نظام الواقع کے نام سے تاریخ لکھی جس میں تیمور شاہ درانی سے دیوان کرپا رام کے عہد تک احوال و واقعات مندرج ہیں -

مولوی عماد الدین

مولوی نظام الدین محمد شاہ مصنف وقائع نظامی کے خلف الرشید تھے - باپ کی وفات کے بعد شیخ الاسلام بنے - تیس سال کی عمر میں ۱۲۳۲ھ میں فوت ہوئے -

---

۱ - تحائف الابرار ، ص ۲۷ - تاریخ وفات غلط ہے - بقول مؤلف تحائف الابرار ، عمادلدین کے والد نظام الدین ، ۱۲۴۰ھ میں فوت ہوئے -

تالیفات

رسالہ در حساب (عربی و فارسی)
رسالہ در اصطرلاب برستن رسالۂ عاملی ۔

شجرۃ الاثمار فی ذکر الاخبار

لاہور عجائب گھر میں شجرۃ الاثمار فی ذکر الاخبار من مجموعات ملا محمود طیار کشمیری کے عنوان سے ایک نسخۂ خطی موجود ہے ۔ کتاب دو جلدوں میں ہے ۔ پہلی کے ۱۰۱ ورق ہیں اور دوسری کے ۱۴۲ ورق ۔ تقطیع ۲۸ سم × ۱۶ سم ۔ نسخۂ مکتوبہ ۱۱۸۰ھ ہے ۔ مؤلف کے متعلق معلومات فراہم نہیں ہو سکیں ۔ اس نے پہلی جلد کے آخر میں لکھا ہے :

حالات و اسرار اولیاء اللہ ہر چند کہ در کتب متقدمین مرقوم است بتسوید رسانیدم ۔

اکثر اولیاء تیسری ، چوتھی اور پانچویں صدی سے متعلق ہیں اور اکثریت عرب و عجم سے متعلق ہے ۔ برصغیر پاک و ہند میں سے محمد غوث گوالیاری ، وجیہہ الدین گجراتی ، بایزید ثانی سہرندی کا ذکر ہے

کتاب کے ماخذ میں سے مؤلف نے مندرجہ ذیل کتابوں کا ذکر کیا ہے :

تاریخ صوفیہ ، ابو عبدالرحمان سلمی

کشف المحجوب ۔ مکتوبات عین القضاۃ ہمدانی ۔

طبقات سیوطی

ناموں کی ترتیب میں ہجائی ترتیب ملحوظ نہیں رکھی اور نہ سنین وفات کی ترتیب کا خیال رکھا ہے۔ اکثر اولیاء کے سالہائے وفات درج کیے ہیں۔

—:o:—

اضافات

خواجہ معین الدین نقشبندی

کنز السعادت

اس کے مؤلف خواجہ معین الدین نقشبندی (م - ۱۰۵۸ھ) ہیں۔ مصنف دیباچے میں لکھتے ہیں کہ غزالی نے کیمیائے سعادت لکھی۔ کیمیا دواؤں کے استعمال سے محنت و مشقت کے بعد گنج زر وسیم حاصل کرنے کے لیے بنائی جاتی ہے لیکن خدا نے مجھے کیمیا حاصل کیے بغیر یہ گنج سعادت دیا۔

رنج کیمیا برد غزالی　　گنج سعادت بنام من شد
رنج اکسیر کرد غزالی　　گنج بی رنج شد مرا حاصل
شاہِ کونین میشود بی شک　　ہر کہ این گنج را بود عامل

کتاب چہار رکن، خاتمہ اور ختم خاتمہ پر مشتمل ہے۔

ہر رکن ابواب و فصول میں منقسم ہے۔

رکن اول۔ عالم آخرت کے معتقدات پر منحصر ہے۔ مصنف نے خلافت آدم اور منکران خلافت پر بحث کی ہے۔

صفات خداوندی بتا کر احوال آخرت، سوال منکر نکیر مرگ، نفخ صور، حشر و نشر، بہشت و دوزخ کے متعلق تفاصیل بتائی ہیں۔

رکن دوم۔ دینی ضروریات اور فقہی مسائل پر مبنی ہے۔ طہارت، نماز، روزہ، زکواۃ اور حج کے متعلق ضروری مسائل بیان کیے ہیں۔

رکن سوم۔ رسول اکرم کے معجزات، معراج کی فضیلت،

فضائل خلفائے راشدین ، اہل بیت اور دوازدہ امام پر مشتمل ہے۔

رکن چہارم ۔ تصوف اور اس کے عملی مسائل پر گفتگو کی ہے۔ اخلاق میں سے زہد ، توکل ، توبہ ، رضا کے اوصاف بتا کر عزلت ، سماع و وجد کی خصوصیات بیان کی ہیں ۔ امر معروف اور احتساب کے فضائل بیان کیے ہیں ۔ سلسلۂ حضرات خواجگان کے احوال و اقوال اور ان کے مؤلفہ رسائل کا ذکر کیا ہے ۔

خاتمہ ۔ سلاطین کے اوصاف پسندیدہ کا ذکر کرکے انھیں رعیت پروری اور معدلت گستری کی تلقین کی ہے ۔

ختم خاتمہ ۔ خطا کاروں کو معاف کرنے اور ضیافت دینے کے اقوال و واقعات بیان کرکے جنت میں اعلیٰ مقام حاصل کرنے کی بشارت دی ہے۔

کتاب ۱۰۶۱ھ میں تالیف ہوئی ۔ مصنف نے خود ہی قطعۂ تاریخ لکھا ہے ۔

سال تاریخ این کتاب مرا
خرد خردہ دان نکتہ گزین
از دل من کہ مخزن معنیست
تابجست از کمال فکر مبین
ہاتف گفت 'بی ریا' بشمار
"ہست این تحفۂ معین الدین

کنز السعادت کا ایک ناقص الآخر نسخۂ خطی پنجاب پبلک لائبریری لاہور میں شمارہ ش ۲۹۷۶ غزا ۔ نظا پر موجود ہے لیکن اس میں رکن چہارم ، خاتمہ اور ختم خاتمہ موجود نہیں ۔ درمیان میں بھی بعض

اوراق کم ہیں ۔ رکن سوم کا باب دوم بھی غائب ہے ۔

شرح القرآن معینی

یہ تفسیر خواجہ معین الدین نقشبندی کی تالیف ہے ۔ مؤلف نے اپنے منابع میں معالم التنزیل ، تفسیر مدارک ، تفسیر زاہدی ، جامع البیان اور تفسیر بیضاوی وغیرہ کا ذکر کیا ہے ۔ الفاظ کے معانی بتائے ہیں ۔ اسباب نزول کا ذکر کیا ہے ۔ مفسرین کے اختلافات کو بھی سامنے رکھا ہے ۔ تشریحات میں احادیث کو عربی عبارت کے بجائے فارسی میں منتقل کر کے لکھا ہے ۔ تفسیری امور میں صرف دوسرے مفسرین کی آراء نقل نہیں کیں بلکہ اپنی ذاتی رائے کا بھی اظہار کیا ہے ۔ یہ کتاب رجب ۱۰۷۱ھ اور محرم ۱۰۷۲ء کے درمیان تکمیل پذیر ہوئی ۔

اس کتاب کا ایک نسخہ مولانا محمد زاہد الحسینی خطیب جامع مدینہ کیمبلپور کے کتب خانے میں موجود ہے ۔ کتاب کا دوسرا ورق موجود نہیں ۔ نسخہ کرم خوردہ ہے اور جا بجا متن ضرر رسیدہ ہے ۔ کل ٦٢٩ صفحات ہیں اور ہر صفحے میں ۲۱ سطریں ہیں ۔ کتاب کا آغاز اس طرح ہے ۔

"هوالمعین بسم الله الرحمن الرحیم ۔ حمد نامحدود و ثنای نا معدود معبودی را سزاست که حمد جمیع حامدان و ثنای جمیع ثنا خوانان راجع بذات پاک اوست ۔"

آخر کی عبارت یوں ہے :

"قد وقع الفراغ من تصنیف شرح القرآن بعدستة اشهر یزید علیها عشرون عند وسط یوم الخمیس من آخر شهر اول من سنة ثانیة السبعین بعد الالف حول عن هجرة سید الانبیاء و المرسلین و افضل الصلوة الله

و سلامه و علیه و علی آله صحبه اجمعین ۔"[1]

کتاب کے دیباچے میں مؤلف نے اپنی دیگر تالیفات کا ذکر کیا ہے جو انھوں نے ۱۰۷۲ھ اور ۱۰۷۵ھ کے درمیان مکمل کیں ۔ وہ ان تالیفات کی تکمیل کو تائید ایزدی سمجھتے ہیں ۔ ان کی تالیفات میں سے بعض کے نام ہم پاکستان میں فارسی ادب ، جلد دوم میں لکھ آئے ہیں یہاں ہم دیباچے میں مذکورہ تالیفات کے نام درج کرتے ہیں ۔

۱ ۔ انتخاب صحیح بخاری ۔ بخاری کے علاوہ صحیح مسلم اور جامع ترمذی کی احادیث بھی نقل کی ہیں ۔

۲ ۔ زبدۃ التقاسیر (عربی) ۔

۳ ۔ فتاوی نقشبندیہ من خزائن فقہ المعینیہ ۔

۴ ۔ مرفقۃ القلوب ۔ (تصوف)

۵ ۔ مرآۃ العدالت ۔ (فارسی)

۶ ۔ رسالہ رد الملاحدہ (فارسی)

شرح القرآن کا ایک اور نسخہ سعیدیہ لائبریری ریاست ٹونک میں موجود ہے ۔[1]

میں یہ نسخہ نہیں دیکھ سکا ۔ اس کا تعارف نامہ جناب نذر صابری ، لائبریرین گورنمنٹ کالج کیمبل پور نے لکھ کر بھیجا جس کے لیے ان کا سپاسگزار ہوں ۔

—:o:—

۱ ۔ مجلہ معارف ، شمارہ مارچ ۱۹۶۷ع ، مقالہ معین بن محمود کشمیری اور ان کی تصانیف ، از مولوی محمد عمران ٹونکی ۔

مرکز ادب سندھ

تاریخی پس منظر

اورنگزیب کے بعد بہادر شاہ تخت نشین ہوا ۔ اس نے نواب سعید خان بہادر کو ۱۱۱۹ھ میں ناظم سندھ مقرر کیا ۔ وہ ایک سال چند ماہ نظم و نسق چلانے کے بعد معزول ہوا ۔ ۱۱۲۱ھ میں نواب معین خان اور ۱۱۲۳ھ میں نواب شاکر خان والی تھٹہ نامزد ہوئے ۔ اسی سال دوبارہ نواب معین خان برسراقتدار آیا ۔ ۱۱۲۴ میں بہادر شاہ فوت ہوا اور اس کا بیٹا معزالدین جہاندار شاہ تخت نشین ہوا ۔ سندھ میں خواجہ محمد خلیل خان ناظم مقرر ہوا ۔ نو مہینے کے بعد جہاندار شاہ کا تختہ الٹ کر فرخ سیر نے تخت سنبھالا تو نواب عطر خان بن سعید خان عہدۂ نظامت پر مامور ہوا ۔ چونکہ یہ نوجوان نا تجربہ کار تھا اس لیے نظم و نسق درہم برہم رہا اور اسے میر لطف علی خان سے مسلسل ایک سال تک جنگ و جدال میں مصروف رہنا پڑا ۔ آخر وہ اچانک قتل ہوا ۔ میر لطف علی کا نام میر محمد شفیع تھا ۔ یہ میر محمد یوسف سہدی رضوی البکری کا پوتا تھا ۔ اس نے عطر خان سے عنان حکومت چھین کر ۱۱۲۵ھ سے ۱۱۲۷ھ تک صوبے کا نظم و نسق چلایا ۔ میر لطف علی صاحب استعداد شخص تھا ۔ نظم و نثر میں بھی سلیقہ رکھتا تھا ۔ ہمت تخلص کرتا تھا ۔

نواب اعظم خان ولد صالح خان ۱۱۲۸ھ میں میر لطف علی خان کی معزولی پر ناظم تھٹہ متعین ہوا اور چار سال تک حکومت کی ۔ اس کے عہد میں قحط سالی کی وجہ سے اہل خطہ تکلیف میں رہے ۔ اس کے حکم سے

شاہ عنایت اللہ صوفی زمینداروں اور فقیروں کے جھگڑے کی بنا پر محبوس و مقتول ہوئے۔ فرخ سیر اور بعد میں رفیع الدوجات اور رفیع الدولہ کے زوال کے بعد محمد شاہ تخت نشین ہوا تو نواب مہابت خان بن محمد منعم خان ۱۱۳۲ھ میں ناظم صوبہ منصوب ہوا۔ مہابت خان غریب پرور تھا۔ فقراء و شعراء سے صحبتیں رہتی تھیں۔ خود بھی شاعر تھا اور کاظم تخلص کرتا تھا۔ اتفاق سے ۱۱۳۵ھ میں اس کا انتقال ہوا۔ اس کا چھوٹا بیٹا سلطان محمود خان جانشین ہوا۔ بیگم نواب نے رضی محمد خان کو بھیجا تاکہ بیٹے کے کام میں مدد دے لیکن وہ ایک سال تک قلعہ کے اندر نہ جا سکا۔ ۱۱۳۶ھ میں نواب سیف اللہ ناظم صوبہ متعین ہوا۔ عبدالسمیع خان اس کی نیابت کے لیے ٹھٹھہ میں وارد ہوا اور محمود خان معزول ہوا۔ سیف اللہ خان ۱۱۳۷ھ میں ٹھٹھہ میں پہنچا۔ وہ عالی رتبہ امیر تھا۔ اس کے عہد میں ٹھٹھہ کو بہت رونق نصیب ہوئی۔ مشرب تشیع کو رواج ہوا۔ اس نے تمام نشہ آور اشیا کے استعمال کو ممنوع قرار دیا۔ ۱۱۴۳ میں بیمار ہو کر وفات پا گیا۔ کوہ مکلی میں اس کی قبر پر یہ تاریخ کندہ ہے:

ع دست وی با دامن آل عباست

۱۱۴۳ھ کے اواخر میں نواب دلیر خان ناظم مقرر ہوا۔ دو سال امن سے گزرے۔ اسی اثنا میں صوبہ ٹھٹھہ امیر خان کو جاگیر کے طور پر ملا۔ نواب دلیر خان کے بیٹے ہمت دلیر خان نے امیر خان سے معاہدہ کر لیا تاکہ اس کے باپ کے ساتھ برا سلوک نہ ہو۔ وہ ۱۱۴۵ کو وہاں پہنچا چنانچہ چار سال امن سے گزر گئے اور نواب دلیر دل خان کی موقوفی پر نواب صادق علی خان ولد نواب سیف اللہ خان، امیر خان کا اجارہ دار بن کر ۱۱۴۹ میں وارد ہوا۔ پہلا سال تو مشکل سے گزر گیا۔ دوسرے سال میں نقصان ہوا۔ آخر صادق علی خان نے غلام محمد یعنی نواب خدا یار خان المعروف بہ میاں نور محمد کلھوڑہ عباسی کے وکیل کو ملک اجارہ کے طور

پر دے دیا۔ اس طرح سندھ میں خاندان تیموریہ کا تسلط ختم ہوا اور عنان حکومت کلھوڑہ عباسی کے پاس منتقل ہوئی۔

۱۱۵۰ھ میں نادر شاہ نے سندھ پر حملہ کیا۔ محمد مراد خان ملک کے دفاع کے لیے ٹھٹہ گیا۔ خدا یار خان عمر کوٹ میں تھا۔ نادر شاہ اچانک آپہنچا۔ خدا یار خان مجبوراً دست بستہ حاضر ہوا۔ نادر شاہ نے ایک کروڑ روپیہ حاصل کیا۔ سیوی افاغنہ کو اور شکار پور داؤد پوترہ کو سپرد کیا۔ محمد مراد اور غلام شاہ کو یرغمال کے طور پر لے کر لاڑکانہ میں پہنچا۔ ۱۱۶۰ھ یعنی نادر شاہ کی وفات تک سندھ میں طوائف الملوکی رہی۔ نادر شاہ کے نامزد حکمران مقامی حکمران سے دست و گریبان رہے۔ ۱۱۶۱ھ میں احمد شاہ درانی نے والی سندھ میاں نور محمد کو شاہ نواز کا خطاب دیا۔

خاندان کلہوڑا

نور محمد نے باقاعدہ خراج نہ ادا کیا، اس لیے ۱۷۵۲ء/۱۱۶۶ھ میں احمد شاہ درانی نے سندھ پر حملہ کیا۔ نور محمد کلہوڑا جیسلمیر بھاگ گیا اور وہیں فوت ہوا۔ نور محمد خان کے بعد محمد مراد یاب خان نے حکومت سنبھالی۔ پانچ سال کے بعد میاں غلام شاہ کلہوڑا ۱۷۵۷ء/۱۱۷۱ھ ۱۷۷۱/۱۱۸۵ تک حکمران رہے۔ ان کی وفات کے بعد اس کا بیٹا محمد سرفراز خان حاکم ہوا۔ اس نے اپنے افراد خاندان اور امرائے دربار سے اچھا سلوک نہ کیا۔ ۱۷۷۲ء/۱۱۸۶ھ میں اس نے سابق صدر اعظم میاں بہرام خان اور اس کے بیٹے میر صوبدار خان کو قتل کروا دیا۔ میر فتح علی خان نے اپنے باپ اور دادا کا انتقام لینے کے لیے مرکز حکومت خانپور پر حملہ کر دیا۔ محمد سرفراز خان بھاگ گیا لیکن قلعۂ حیدر آباد میں قید ہوا۔ اس کی معزولی کے بعد اس کا چچا میاں عبدالنبی کلہوڑا تخت حکومت پر بیٹھا۔ اس نے سرفراز خان کو قتل کروا دیا۔ اس سال حاکم قندھار نے حملہ کیا۔ میر بجار خان نے شکار پور پر لشکر قندھار کو شکست دی۔ لیکن عبدالنبی نے حسد کی وجہ سے میر بجار خان کو بھی قتل

کروا دیا ۔ آخر میر فتح علی خان نبیرۂ بہرام خان اور میر سہراب خان اس کے بھتیجے نے حیدر آباد پر حملہ کیا اور عبدالنبی خان شکست کھا کر موستان کی طرف بھاگ گیا اور جودھپور میں جا کر پناہ لی ۔ ۱۲۰۱ھ/۱۷۸۶ء سے خاندان تالپوران کی حکومت شروع ہوئی ۔

خاندان تالپوران

میر فتح علی خان نے براہ راست شاہ زمان حاکم قندھار سے فرمان حکومت حاصل کیا ۔ اس نے سندھ کو تین حصوں میں تقسیم کر کے ان کا نظم و نسق اپنے افراد خاندان کے سپرد کیا ۔

۱ ۔ میر فتح علی خان اور اس کے بھائی حیدر آباد اور سندھ کے وسطی حصے میں حکمران ہوئے ۔

۲ ۔ میر تھاری خان ، میر فتح علی خان کا چچیرا بھائی شاہ بندر کے حصے پر قابض ہوا ۔

۳ ۔ میر سہراب علی خان ، میر فتح علی خان کا چچا اور اس کے فرزند خیرپور کے علاقے پر متسلط ہوئے ۔

میر فتح علی خان کے چار بھائی تھے ۔ دوسروں کے نام میر غلام علی خان میر کرم علی خان اور میر مراد علی خان تھے ۔ انھوں نے اتفاق و اتحاد سے بڑے سلیقے کے ساتھ حکومت کا نظم و نسق سنبھالا اور امن و امان قائم رکھا ۔ ۱۲۱۷ھ میں میر فتح علی فوت ہوا اور اس کا بیٹا میر صوبدار خان حکومت میں حصہ دار ہوا ۔ ۱۲۲۷ھ میں میر غلام علی خان شکار کھیلتا ہوا مارا گیا ۔ اس کا بیٹا اٹھارہ سالہ میر محمد خان اپنے باپ کا جانشین ہوا ۔ میر کرم علی خان اور میر مراد علی خان بدستور حکومت کا کاروبار چلاتے رہے ۱۲۲۴ھ/۱۸۰۹ء میں میر غلام علی نے انگریزوں کے ساتھ ایک عہد نامہ کر لیا لیکن میر کرم علی اور میر مراد علی

نے اس کی خلاف ورزی کی - ۱۲۵۴ھ/۱۸۳۸ء میں میر کرم علی خان اپنا جانشین چھوڑے بغیر وفات پاگیا اور میر مراد علی خان اکیلے ہی کاروبار حکومت سنبھالتے رہے - اس نے انگریزوں کے ساتھ دو عہد نامے کیے اور سندھ میں انگریزوں کا عمل دخل شروع ہو گیا - ۱۲۴۹ء میں میر مراد علی خان کی وفات کے بعد اس کے بیٹے نور محمد خان - میر نصیر خان اور اس کے چچیرے بھائی میر صوبدار خان بن میر فتح علی خان اور میر محمد خان بن غلام علی خان حکومت میں حصہ دار ہوئے - میر نور محمد خان سربراہ حکومت مقرر ہوا - اس نے حکومت کا کام اپنے بیٹوں میر شہداد خان اور میر حسن علی خان اور اپنے بھائی میر نصیر خان کے حوالے کیا- میر نور محمد ۱۲۵۵ھ/۱۸۴۱ء میں فوت ہوا ۱۲۵۹ء میں انگریزوں نے سندھ پر قبضہ کر لیا -

سندھ میں مغلیہ سلاطین کی طرف سے نامزد حکام و نواب کے نام اور سنین حکومت حسب ذیل ہیں :

عہد بہادر شاہ

سعید خان عرف عطر خان	۱۱۲۱ھ
معین خان	۱۱۲۱ھ
شاکر خان	۱۱۲۳ھ
معین خان	۱۱۲۳ھ

عہد معزالدین جہاندار شاہ و فرخ سیر

خواجہ محمد خلیل	۱۱۲۴ھ
عطر خان	۱۱۲۵ھ
میر لطف علی خان	۱۱۲۵ھ

اعظم خان	١١٢٨ھ
محمد شاہ	
بھائی خان	١١٣٢ھ
سلطان محمود خان	١١٣٥ھ
سیف اللہ خان	١١٣٧ھ
دلیر دل خان	١١٤٣ھ
ھمت خان	١١٤٥ھ
صادق علی خان	١١٤٩ھ

سندھ میں کلہوڑہ خاندان کے حکمران

میاں نور محمد	١١٢٣ - ١١٦٧ھ
محمد مراد خان	١١٦٧ - ١١٧٠ھ
غلام شاہ	١١٧٠ - ١١٨٦ھ
محمد سرفراز خان	١١٨٦ - ١١٨٩ھ
محمود خان	١١٨٩ھ
غلام نبی	١١٨٥ - ١١٩٠ھ
عبدالنبی	١١٩٠ - ١٢٢٠ھ

تالپور خاندان کے حکمران

میر فتح علی خان	١١٩٩ - ١٢٠٧ھ
میر غلام علی خان	١٢٠٧ - ١٢٢٧ھ

میر کرم علی خان	۱۲۲۷ - ۱۲۴۴ھ
میر مراد علی خان	۱۲۴۴ - ۱۲۴۹ھ
میر نور محمد خان و میر محمد نصیر خان	۱۲۴۹ - ۱۲۵۵ھ

میران خیر پور

میر سہراب خان	۱۱۹۹ - ۱۲۴۶ھ
میر رستم خان	۱۲۴۶ - ۱۲۶۲

میران میرپور

میر ٹھارہ خان	مقتول ۱۱۹۶ھ
میر علی مراد خان	م - ۱۲۵۲ھ

خاندان کلھوڑہ کے عہد میں علم و ادب کی سرپرستی

والیان سندھ نے تیموری سلاطین و امراء کی طرح فیاضانہ انعامات تو نہیں دیے۔ البتہ علماء و شعرا کی مدد معاش کے لیے روزینے مقرر کر دیے تا کہ وہ اطمینان سے علم و شعر کی خدمت کر سکیں۔ عہد کلھوڑہ کے نامور شعراء میں سے محسن ٹھٹوی، علی شیر قانع، محمد پناہ رجا، میر مرتضی الہام، محمد احسن احسن، محمد اکرم اکرم، آسا رام، بال چند آزاد، ابو الحسن بے تکلف، ابو المکارم حسن، سرخوش، محمد حسین شوقی عبد الشکور، محمد شفیع، محمد صادق، محمد ضیا، محمد علی عاقل، محمد علی سیوستانی، شیوک رام عطارد، غلام علی مداح، شیخ محمد مرید مرید، جان محمد میر بھکری، میر عظیم الدین۔ منشی عبد الرؤف نامور ہیں۔

تالپوروں کے عہد میں علم و شعر کی سرپرستی

تالپور ایک بہادر بلوچ قبیلے سے تعلق رکھتے تھے اس لیے انہیں

رزمیہ اشعار پسند تھے۔ میر عظیم الدین عظیم ، میر فتح علی خان کے دربار کا ملک الشعرا تھا۔ اس نے فتح نامہ کے نام سے اپنے ممدوح کی جنگوں کے واقعات بیان کیے۔ دربار میں شہنامہ بھی پڑھا جاتا تھا اور پڑھ کر سنانے والے خاص طور پر ایران سے بلائے جاتے تھے۔ میر کرم علی خان کے ساتھ شاہ ایران فتح علی قاچار کے دوستانہ روابط تھے۔ اس عہد میں خطاط و مصور اور دوسرے ہنرمند ایران سے سندھ میں آئے۔ امرائے تالپور کو قدیم و جدید کتابوں کے جمع کرنے کا بھی بڑا شوق تھا اور ان کا ایک بیش بہا کتب خانہ تھا۔ میر کرم علی خان نے فارسی گو شعرا کے اشعار کا مجموعہ تیار کیا تھا اور اس کا نام مجموعہ' دلکشا رکھا تھا اور اس طرح میر مراد علی خان کے حکم سے ایک اور مجموعہ 'محک خسروی' کے نام سے مرتب ہوا۔ میر حسین الحسنی شیرازی نے ١٢٤٠ھ میں زبدۃ المعاصرین کے نام سے شعرا کا تذکرہ تالیف کیا۔ میر کرم علی خان اور میر مراد علی خان خود شعر بھی کہتے تھے اور علی الترتیب کرم اور علی تخلص کرتے تھے۔ دونوں نے دیوان بھی مرتب کیے تھے۔ میر مراد علی کی ایک اور فارسی تالیف طب مراد بھی ہے۔ سرفراز خان ، میر نصیر خان جعفری ، میر شہداد خان حیدری ، میر صوبیدار میر خود بھی شاعر تھے اور مربی شعرا بھی۔

میر کرم علی خان کے دیوان کی ابتدا منقبت سے ہوتی ہے۔ اس کے چند اشعار یہ ہیں :[1]

یک شب اندر خواب بودم سر ببالین قرار
دیدۂ دل محو حیرت در خیال روی یار
ناگہان آمد ندای ہاتفی در گوش من
گفت کی مداح شاہ دین امیر نامدار

---

١ ۔ مثنویات ہیر و رانجھا ، مرتبہ حفیظ ہوشیار پوری ، کراچی ، ١٩٥٧ع ، مقدمہ ص ٥٠ - ٥١ ۔

زود بر خیزو بگو مدح شهنشاہِ دو کون
آن شهنشاهی که باشد در دو عالم شهریار

شاہ دین شیر خدا ابن عم خیر الوری
آن وصی مصطفیٰ و نائب پروردگار

واقف علم لدنی محرم اسرار حق
صاحب سیف و قلم شاہنشہ دلدل سوار

میر مراد علی کے تین شعر درج ذیل ہیں :

ز دل صبر برداشت و آرام را
چہ گویم من آن نازک اندام را

بجز لعل شیرین نخواهم شکر
بگوئید آن یار خوش نام را

ز رخ زلف مشکین بہالہ فگن
مپوشان مہِ روی گلفام را

اس دور کے نامور شعراء مندرجہ ذیل ہیں :

شیوک رام عطارد ، سید عظیم الدین ، میر ضیاء الدین ، غلام علی مائل ، منشی صاحب رای آزاد ، نواب ولی محمد خان لغاری میرزا مظہر ۔ سید طباطبائی ، میر ہوتک افغان ، مخدوم نور محمد بوبکانی ، اخوند نور محمد ہالائی ، میرزا خسرو بیگ ، میر صابر علی صابر ، اخوند محمد قاسم ہالائی ، محمد رفیق ، سید علی مشتاق ، میر کاظم شاہ سرخوش ، سلیمان صباحی ، عبد المجید جوگیو ، آقا محمد عاشق ، منشی دولہ رام ۔

فارسی ادب

اس دور میں شاعری کا کافی زور رہا ہے ۔ حکام و امراء میں اکثر

خود شاعر تھے یا شعر کا ذوق رکھتے تھے ، اس لیے مربی علم و فن بھی تھے ۔ اگرچہ ان کی داد و دہش تیموری سلاطین و امرا جیسی نہیں تھی ۔ پھر بھی ان کے دورۂ حکومت میں اچھے اچھے شاعر نمایاں ہوئے ۔ دستبرد زمانہ سے بہت سے شعرا کے دیوان ضائع ہو گئے ہیں ۔ مقالات الشعراء اور تکملۂ مقالات الشعراء جیسے تذکروں کی تالیف سے سندھ کے بے شمار شعراء کے نام اور ان کا کلام محفوظ رہ گیا ہے ۔ علی شیر قانع کا سندھ پر بہت بڑا احسان ہے کہ اس نے سندھ کی تاریخ ، جغرافیہ ، شعر و ادب اور رجال پر تالیفات لکھ کر سندھ کو زندۂ جاوید کر دیا ۔

اس عہد میں نامور صوفیہ و اولیا ہوئے ۔ انھوں نے سلوک و معرفت پر تصانیف لکھیں اور شعر و سخن سے اپنے جذبات و احساسات کی ترجمانی کی ۔ ان میں سے میر جان اللہ رضوی ، نجم الدین عزلت ، سچل سر مست اور فقیر اللہ علوی نامور ہیں ۔ علماء میں سے مخدوم محمد معین ، مخدوم محمد ابراہیم اور مخدوم محمد ہاشم علم و فن میں با کمال بزرگ تھے ۔ انھوں نے عربی اور فارسی میں بے شمار تصانیف لکھ کر مذہبی مسائل کو حل کیا اور اپنا فیض عام کیا ۔

نجی طور پر اور سرکاری سرپرستی میں بھی تاریخ لکھنے کا خیال محکم رہا ۔

تحفة الکرام ، مکلی نامہ ، فتح نامہ اور نامۂ لغز جیسی کتابوں کی تالیف سے اس دور کی تاریخ محفوظ ہو گئی ہے ۔ مثنوی لکھنے کا بھی اچھا خاصا رواج رہا ۔ عظیم کی ہشت بہشت نمایاں ہیں جو متقدمین کی مشہور مثنویوں کے تتبع میں لکھی گئیں ۔ ہیر و رانجھا کی داستان شعرا کو مرغوب رہی ۔ چنانچہ اس دور میں پانچ چھ مرتبہ منظوم ہوئی ۔

انسائیکلوپیڈیا جیسی دو کتابیں معلومات الآفاق اور رشحات الفنون مرتب ہوئیں جن میں مروجہ علوم و فنون کے تعارف کے لیے مفید

کتابیں لکھنے کا خیال پیدا ہوا۔ طب اور شکار پر بھی دو کتابیں تالیف ہوئیں۔

ابو النغم کے عنوان سے موسیقی کی ایک کتاب بھی اس عہد کا نمایاں تالیفی کارنامہ ہے۔

اخلاق و آداب پر محمد شفیع ہمت کی طلسم سعادت اور آداب سیاست و آگہی پر میاں نور محمد کی منشور الوصیت ، دستور الحکومت عمدہ کتابیں ہیں جو اپنے دور کو ممتاز کرتی ہیں۔

جن مصنفین کی تالیفات یا شعرا کے دیوان ہم دیکھ سکے ہیں ان پر ہم نے تفصیل سے لکھا ہے اور ان کی خصوصیات کو واضح کیا ہے۔ باقی تالیفات کے متعلق ہم صرف سرسری تعارف ہی پیش کر سکے ہیں۔ بعض کتابوں کے صرف نام اور ان کے مصنفین کے نام ہی معلوم ہو سکے ہیں مثلاً تذکرۃ الاولیاء پر مندرجہ ذیل کتابیں اس دور کی یادگار ہیں۔

۱ ۔ لطیفۃ التحقیق تالیف سید رفیق علی حسینی پشنگی متوفی ۱۱۲۰ھ سال تالیف ۱۱۲۰ھ

۲ ۔ فردوس العارفین مؤلفہ میر بلوچ خان تالپور ، سال تالیف ۱۲۰۱ھ شرح حال سلطان الاولیا

۳ ۔ الجواہر البدایع تالیف بلال ، سال تالیف ۱۲۲۱ھ شرح حال سلطان الاولیا و حضرت محبوب الصمد۔

سب سے بڑا تذکرہ علی شیر قانع کی تالیف معیار سالکان طریقت مؤلفہ ۱۲۰۲ھ ہے جس میں ایک ہزار صوفیہ و مشاہیر اور بزرگان دین کے احوال و کوائف اور سنین وفات دیے گئے ہیں۔

—— :o: ——

غلام علی شیر قانع[1]

نام غلام علی شیر - ان کے اجداد میں سے قاضی سید شکر اللہ شیرازی شاہ بیگ ارغون کے عہد ۹۲۶-۹۲۸ میں ٹھٹہ میں آ کر آباد ہوئے اور شاہ حسن نے (۹۲۸-۹۶۲ھ) انھیں شیخ الاسلام مقرر کیا - ان کے بیٹے سید میر ظہیر الدین بھی ان کے ہمراہ تھے - سید ظہیر الدین کے دو بیٹے ہوئے - سید شکر اللہ ثانی اور سید عبد الرحمان - میر علی شیر سید شکر اللہ ثانی کے سلسلۂ نسب میں پانچویں درجے میں منسلک ہوتے ہیں یعنی علی شیر بن میر عزت اللہ بن سید محمد کاظم ان سید محمد مقیم بن سید ظہیر الدین ثانی - علی شیر ۱۱۴۰ھ میں پیدا ہوئے - ٹھٹہ میں اپنے وقت کے جید علما سے تعلیم حاصل کی - ان میں سے چند کے نام یہ ہیں - میاں نعمت اللہ میاں محمد صادق ، اخوند محمد شفیع ، اخوند ابو الحسن بی تکلف ، میرزا محمد جعفر شیرازی - انھوں نے خود بتایا ہے کہ میاں نعمت اللہ سے میزان صرف سے لے کر شرح ملا تک کی تعلیم حاصل کی[2] - اخوند محمد شفیع سے قصائد عرفی ، عروض سیفی اور چند دوسرے سبق پڑھے[3] -

میاں غلام شاہ کلھوڑہ والیٔ سندھ (۱۱۷۰-۱۱۸۶ھ) نے قانع کو ۱۱۷۵ھ میں تاریخ نویسی پر مامور کیا - ایک شاہنامہ کی طرز پر نظم میں اور دوسری نثر میں - لیکن یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ اس نے ان دو تاریخوں کو کیوں مکمل نہ کیا اور ۱۱۸۰ھ میں ٹھٹہ میں تحفۃ الکرام لکھنے میں

---

۱ - تحفۃ الکرام ، علی شیر قانع ، مترجمہ اختر رضوی ، کراچی ، ۱۹۵۹ع ، دیباچہ از مخدوم امیر احمد ، ص ۱ - ۸۸ -

۲ - مقالات الشعراء ، ص ۲۹۵ -

۳ - ایضاً - ص ۱۳۵ -

مشغول ہو گیا۔ اس نے اپنی زندگی میں ایک مرتبہ سورت، کچھ اور احمد آباد کا سفر کیا ہے۔ باقی ساری زندگی تصنیف و تالیف میں گزاری۔ مختلف منابع سے اس کی مؤلفہ مندرجہ ذیل کتب و رسائل کا سراغ مل سکا ہے۔

١ - دیوان علی شیر - (١١٥٢ھ) - پہلا دیوان جو بارہ سال کی عمر میں مرتب کیا تھا۔ بعد میں اسے دریا میں پھینک دیا۔

٢ - مثنوی شمہ ای از قدرت حق۔ تالیف (١١٦٥ھ)۔ اس کا نسخہ ناپید ہے۔ فقط مقالات الشعراء میں اس کے چند بیت مذکور ہیں۔

٣ - مثنوی قضا و قدر۔ (١١٦٧ھ) آقا رضا نکہت شیرازی کی فرمائش پر لکھی گئی۔ اس کا قلمی نسخہ سندھی ادبی بورڈ کے پاس موجود ہے۔

٤ - نو آئین خیالات - (١١٦٩ھ)۔ یہ کتاب نثر میں تھی۔ کہیں کہیں اشعار بھی داخل تھے۔ یہ کتاب ناپید ہے۔

٥ - مثنوی قصہ کامروپ (١١٦٩ھ)۔ نسخہ موجود نہیں۔

٦ - دیوان فال غم - ١١٧١ھ۔ اس میں نو ہزار اشعار تھے۔ نسخہ موجود نہیں۔

٧ - ساقی نامہ - ١١٧٤ھ۔ کامل نسخہ دستیاب نہیں۔

٨ - واقعات حضرت شاہ - (١١٧٤ھ) - ایک ہزار اشعار پر مشتمل۔ نسخہ موجود نہیں۔

٩ - چہار منزلہ - (١١٧٤ھ) ایک ہزار اشعار پر مشتمل مثنوی۔ نسخہ ناپید۔

١٠ - تزویج نامۂ حسن و عشق۔ (١١٧٤ھ) یہ کتاب نثر میں تھی۔ کوئی نسخہ موجود نہیں۔

۱۱ - اشعار متفرقہ در صنایع و تاریخ - ۱۱۷۴ھ ایک ہزا اشعار پر مشتمل - نسخہ ناپید -

۱۲ - بوستان بہار معروف بہ مکلی نامہ - (۱۱۷۴ھ) - یہ رسالہ نظم و نثر میں ہے - اس میں قبرستان مکلی کی تفصیلات درج ہیں - سید حسام الدین راشدی نے مجلہ مہران سال ۱۹۵۶ء میں شمارہ ۲ سے ۴ تک اسے شائع کر دیا تھا - الگ کتابی صورت میں بھی شائع ہو چکا ہے -

۱۳ - مقالات الشعراء -

۱۴ - تاریخ عباسیہ - (۱۱۷۵ھ) خاندان کلھوڑہ کی نامکمل تاریخ -

۱۵ - تاریخ عباسیہ - (۱۱۷۵) نظم میں نا تمام

۱۶ - تحفۃ الکرام - (۱۱۸۰ھ) تین جلدوں میں -

۱۷ - مثنوی اعلانِ غم - (۱۱۹۲ھ) برٹش میوزیم میں اس کا نسخہ موجود ہے - کل ۱۱۷۳۳ اشعار ہیں -

۱۸ - زبدۃ المناقب - ۱۱۹۲ھ - ۳۶۲ صفحات - ۱۲۰۰۰ اشعار -

۱۹ - مختار نامہ - ۱۱۹۴ھ - مختار ثقفی کے حالات پر مبنی سات ہزار اشعار - اس کا قلمی نسخہ سندھ ادبی بورڈ میں موجود ہے -

۲۰ - نصاب البلغاء ۱۱۹۸ھ - حیات انسانی کے مختلف شعبوں سے متعلق الفاظ و اصطلاحات کا قاموس - اس کا قلمی نسخہ مولانا ابراہیم ساکن گڑھی یاسین کے پاس موجود ہے -

۲۱ - مثنوی ختم السلوک - ۱۱۹۹ھ رموز و نکات تصوف پر مشتمل مثنوی - نسخۂ خطی سندھ ادبی بورڈ میں موجود ہے -

۲۲ - طومار سلاسل گزیدہ - ۱۲۰۲ھ - مشاہیر صوفیہ سندھ کے سلسلہ ہای طریقت - مخطوطہ سندھ ادبی بورڈ میں موجود ہے -

۲۳ - شجرۂ اطہر اہل بیت - اس کا نسخہ ناپید ہے -

۲۴ - معیار سالکان طریقت - ۱۲۰۲ھ اس میں ایک ہزار صوفیہ و مشاہیر و بزرگانِ دین کا تذکرہ ہے جس میں ہر ایک کی تاریخ وفات درج کی ہے - اس کا نسخۂ خطی برٹش میوزیم میں شمارہ Add ۲۱۵۸۹ پر موجود ہے -

۲۵ - روضۃ الانبیاء سال تالیف معلوم نہیں - منظوم - نسخہ دستیاب نہیں ہوا -

۲۶ - زینت الاخلاق - منظوم مشتمل بر نصایح -

۲۷ - غوثیہ - منظوم - سلوک و طریقت کے موضوع پر مشتمل -

۲۸ - مثنوی قصاب نامہ - ایک قصاب زادہ کی دردناک جوان مرگی کی داستان مثنوی میں -

۲۹ - میزان الافکار - منظوم -

۳۰ - تذہیب طباع -

۳۱ - سرفراز نامہ -

۳۲ - حدیقہ غلبا - شعرای فارسی کے منتخب کلام کا مجموعہ - سندھ ادبی بورڈ میں مصنف کا خود نوشت نسخہ موجود ہے -

۳۳ - مثنوی کان جواہر -

۳۴ - میزان فارسی -

۳۵ - رسالۂ معما مع شرح - نظم و نثر -

۳۶ - لب تاریخِ کلھوڑہ -

۳۷ - بیاض محک الشعراء - شعراء کا منتخب کلام - سندھ ادبی بورڈ میں مؤلف کا خود نوشت نسخہ موجود ہے -

۳۸ - دیوانِ اشعار - نسخہ نایاب -

۳۹ - قصاید و منقبت - ۲۶۵ اشعار پر مشتمل ایک قصیدہ لامیہ بھی

موجود ہے ۔

۴۰ ۔ انشای قانع ۔ ۳۲ صفحے کا ایک مختصر رسالہ ۔ سندھی ادبی بورڈ میں موجود ہے ۔

۴۱ ۔ مثنوی محبت نامہ ۔

میر قانع کے بیانات سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ شیعہ تفضیلی تھے لیکن دوسری طرف 'طومار سلاسل گزیدہ' میں مندرجہ سلسلہ طریقت سے ظاہر ہے کہ و سلسلۂ نقشبندیہ سے منسلک تھے ۔ ان کے بعض اشعار سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ مذہبی نقطۂ نظر سے تنگ نظر نہیں تھے مثلاً ان کے ان اشعار سے ان کی بے تعصبی ظاہر ہے :

چو رافضی نکنم سرد دل ببغض کسی
ز چار یار درین دہر گرم محفل ماست

ز بغض و حب احدی بیش وکم بر لب نمی آرم
بود چون چار عنصر اعتدال مہر اصحابم

قانع ۶۴ سال کی عمرمیں ۱۲۰۳ھ میں وفات پا گئے ۔ وہ کوہچہ مکلی میں دفن ہوئے ۔

شاعر

قانع کو قدرت کی طرف سے موزوں طبیعت ملی تھی ۔ انھوں نے بارہ سال کی عمر میں شعر کہنا شروع کیا اور دو سال میں آٹھ ہزار اشعار پر مشتمل دیوان مرتب کیا ۔ لیکن انھوں نے خود ہی اسے دریا برد کر دیا ۔ اس دیوان میں وہ اپنا نام ہی تخلص کے طور پر استعمال کرتے تھے ۔ دو سال کی خاموشی کے بعد انھوں نے پھر شعر کہنا شروع کیا ۔ وہ مقالات الشعراء میں لکھتے ہیں کہ مظفر علی خان شاعر ٹھٹے میں آئے ۔ ان کی ایک غزل ۔ مردمک در آب اور نمک در آب ، قافیہ ردیف کے

ساتھ بہت مقبول ہوئی اور دوسرے شعراء نے اس پر طبع آزمائی کی ۔ انھوں نے بھی اساتذہ کے مقابل میں اس زمین میں شعر نکالے ۔ اس زمانے کا ایک شعر ہے :

با صاف مشربان چہ زنی لافِ سرکشی
صد بار دیدہ ایم ترا ای فلک در آب[1]

۱۱۵۵ھ میں انھیں میر حیدر الدین ابو تراب کامل جیسے استاد شاعر کی صحبت میسر آئی ۔ استاد کے کہنے پر انھوں نے مظہری تخلص اختیار کیا لیکن بعد میں قانع تخلص کرنے لگے ۔

ان کے زندگی بھر کے شعری سرمائے کے متعلق مندرجہ ذیل اطلاعات فراہم ہوئی ہیں :

۱ - مثنوی شمہ از قدرت حق

تالیف ۱۱۶۵ھ ، مقالات الشعراء میں اس مثنوی کے چند اشعار مندرج ہیں ۔ اس مثنوی میں کوئی داستان بیان ہوئی ہے ۔ نمونے کے دو شعر یہ ہیں ۔

در تعریف بر دکان نشستن آن جوھری پسر

پسر چون دکاندار شد در دیار
چو خورشید اندر حمل بستہ بار
کفش بر ترازو چو گشتی فرو
قمر در ترازو مکان یافت گو

---

۱ - مقالات الشعراء ، ص ۶۶ ۔

۲ - مثنوی قضا و قدر

سال تالیف ۱۱۶۷ھ -

۳ - مثنوی قصہ کامروپ

سال تالیف ۱۱۶۹ھ - یہ مثنوی ناپید ہے - اس کے تخمیناً تین ہزار اشعار تھے - مقالات الشعراء میں اس کے اقتباسات مندرج ہیں - ان میں سے جنگ کے متعلق چند اشعار نقل کیے جاتے ہیں :

صور سرافیل دمیدہ چو نای
مغزِ ہزبران بچکیدہ ز نای
بسکہ بپا گشت دم گاؤ دم
گاوِ زمین و فلک انداخت سم
بحر ستیز آنکہ طوفان گرفت
پنجۂ خورشید بہجران گرفت
تیرِ فلک ریخت برنگ خدنگ
کاہکشان پا زدہ در نیم لنگ
مغز پراگندہ شد از عطسۂ تیغ
در سر پیکار کنان بیدریغ
ہر طرفی خاست ترنگا ترنگ
پنجۂ خورشید شدہ پر خدنگ
بستہ بخون بود یلان را کمر
لالہ صفت کردہ سپر در سپر

۴ - دیوان قال غم

سال ترتیب ۱۱۷۱ھ - اس میں نو ہزار اشعار تھے - دیوانِ غزلیات ،

قصاید ، مخمس اور ترجیع بند پر مشتمل تھا ۔ اس کا بھی کوئی نسخہ موجود نہیں ۔

۵ - ساقی نامہ

سال تالیف ۱۱۷۴ھ ۔ ذیل کے چند اشعار سے اس کے اسلوب کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے :

بیا ساقیا زان مـی نـاب ده
بلب تشنگان یـک دم آب ده
کـہ در آتشـم از خـمارِ شـراب
بـآتـش ز آتـش تـوان داد آب
وضـو را بـآب عـنب می کـنم
نمـازِ سرِ شام و شب می کـنم
همی بیـنم از دور محرابِ جـام
کہ پیشش صراحی ست اندر قیام
مؤذن چـو گلبانـگ می در زند
صـراحی درِ جام مـی در زنـد
مغـنی نـوای کـہ مستی دهـد
رهی زن کہ ذوق الستی دهـد
چـو در کاسۂ سـر نـداریم آب
لبم تر نمـائی ز موجِ ربـاب

۶ - واقعات حضرت شاہ

۱۱۷۴ھ سے پہلے کی تصنیف ہے ۔ تقریباً ایک ہزار اشعار پر مشتمل

تھی - یہ بھی ناپید ہے - یہ غالباً واقعات کربلا سے متعلق ہے جیسا کہ مقالات الشعراء میں اس کے اقتباس سے ظاہر ہے :

مگو ھلال کہ یک کشتی است طوفانی
تنورِ فتنہ ز بس جوش کردہ عمانی
دو نیمہ گشتہ دلِ روزگار روزِ عزا
یکی بزیرِ زمین شد دگر بروی سما
ز بس گریست محابا زین مصیبت خون
فتاد ناخنہ در چشم ارزقِ گردون
پر از ستارہ نباشد بچشمِ اندھناک
ز ناوک غم گشتہ مشبک این افلاک

۷ - چہار منزلہ

یہ مثنوی ۱۱۷۳ھ یا اس سے پہلے کی تصنیف ہے - اس کا کوئی نسخہ دستیاب نہیں ہوا - موضوع بھی متعین نہیں کیا جا سکا - مقالات الشعرا میں اس کا اقتباس درج ہے - چند اشعار یہ ہیں :

در شکایت زمانہ

مرا از بی زری شد آنچہ حاصل
ندیدہ عشر آن قارون تہ گل
مر او را کردہ زر مردود ایزد
منم از بے زری در مرد مان بد
کلیم اللہ بغرض آید اگر باز
ازین قارون سرشتان نیستش ساز

کسانیکہ چنین کالا کشیدند
مگر از خانۂ خالا کشیدند

۸ - اشعار متفرقہ در صنایع و تاریخ

یہ مجموعہ ۱۱۷۴ھ تک مرتب ہو چکا تھا ۔ اس میں قطعات تاریخ اور صنایع بدایع سے متعلق ایک ہزار اشعار شامل تھے ۔ اس کا کوئی نسخہ موجود نہیں ۔

۹ - اعلان غم

سال تالیف ۱۱۹۲ھ ۔ اس مثنوی میں انبیائے کرام کی تکالیف اور شہدائے کربلا کے مصائب کا ذکر ہے ۔ ابھی تک اس کا کوئی نسخہ نہیں ملا ۔

۱۰ - زبدۃ المناقب

سال تصنیف ۱۱۹۲ھ - ۱۲۰۰ ۔ اشعار اس میں خلفائے راشدین اور چہاردہ معصومین کے مناقب بیان کیے گئے ہیں ۔

۱۱ - مختار نامہ

سال تصنیف ۱۱۹۳ھ ۔ یہ مثنوی مختار ثقفی کے حالات پر مشتمل ہے ۔ کل سات ہزار اشعار ہیں ۔ اس کا ایک نسخہ سندھی ادبی بورڈ میں موجود ہے ۔ اس کا پہلا شعر یہ ہے :

بنام جہان داور کردگار
کہ بر قدرت اوست مختار کار

۱۲ - مثنوی ختم السلوک

سال تصنیف ۱۱۹۹ھ ۔ موضوع تصوف و اخلاق درویشان ، غیب و

شہود ، محبت اور تجلی ، سماع ، لبس خرقہ وغیرہ - پہلا شعر یہ ہے :

من کہ باشم تا زنم دم از ثنا
چون بہ لا احصی محمد زد ندا

اس کا ایک نسخہ سندھ ادبی بورڈ کے کتابخانے میں موجود ہے -

۱۳ - روضۃ الانبیاء

سال تالیف معلوم نہیں - یہ کتاب بھی نظم میں تھی - نسخہ ناپید ہے -

۱۴ - زینت الاخلاق

یہ کتاب منظوم تھی - تفصیل معلوم نہیں -

۱۵ - غوثیہ

سلوک و معرفت پر منظوم کتاب - نسخہ ناپید -

۱۶ - میزان الافکار

سلوک و معرفت پر منظوم کتاب - نسخہ ناپید -

۱۷ - تہذیب طباع

سلوک و معرفت پر منظوم کتاب - نسخہ ناپید -

۱۸ - سرفراز نامہ

پند و نصایح کا مجموعہ منظوم -

۱۹ - قصاب نامہ

منظوم ۔ ایک قصاب زادہ کی جوان مرگی کی درد ناک داستان ۔

۲۰ - مثنوی کان جواہر

منظوم ۔ تفصیل معلوم نہیں ۔

۲۱ - دیوان اشعار

کوئی نسخہ موجود نہیں ۔

۲۲ - قصاید و منقبت

جس بیاض میں مکلی نامہ درج ہے اسی میں ۲۶ قصاید ، چند رباعیاں اور ایک نامکمل مثنوی درج ہے ۔

۲۳ - مثنوی محبت نامہ

مؤرخ

تاریخ سے متعلق قانع نے مندرجہ ذیل کتابیں مرتب کیں ۔

۱ - تاریخ عباسیہ

میاں غلام شاہ کلھوڑہ نے ۱۱۷۵ھ میں قانع کو کلھوڑوں کی تاریخ لکھنے پر مامور کیا ۔ اس تاریخ میں سندھ میں کلھوڑوں کی آمد ۔ ان کا سلسلۂ نسب ۔ سندھ میں زمینداری اور حکومت کا حصول ۔ بعد میں ان کے دورِ سلطنت کے احوال و واقعات بیان کیے گئے ۔ یہ تاریخ نظم و نثر میں تھی ۔ منظوم تاریخ میں تقریباً بیس ہزار اشعار تھے ۔ نسخہ نایاب ہے ۔

٢ - تحفۃ الکرام - ٣ جلد -

٣ - لب تاریخ کلھوڑہ

اس کا نسخہ بھی ناپید ہے -

٤ - زبدۃ المناقب

٥ - مختار نامہ

٦ - بوستان بہار معروف بہ مکلی نامہ -

تحفتہ الکرام

یہ ایک تاریخی اور جغرافیائی معلومات کی حامل کتاب ہے - خاص طور پر سندھ کی تاریخ کے متعلق بالخصوص مفید اطلاعات حاصل ہوتی ہیں -

یہ کتاب تین جلدوں میں منقسم ہے - پہلی جلد میں مقدمہ اور تین دفتر ہیں - مقدمہ میں کائنات کی آفرینش اور جنات کی پیدایش کے متعلق تفصیلات بتائی ہیں - دفتر اول میں تین طبقات ہیں - ان میں انبیاء ، ملوک قبل از اسلام اور اسی زمانے کے حکماء ، زہاد اور شعرا کا ذکر ہے - دفتر دوم میں پانچ مجلسیں ہیں جن میں رسول اکرم ، خلفائے راشدین ، ائمۂ معصومین اور اہل بیت کے حالات مندرج ہیں - دفتر سوم طویل ہے - اس میں تین طبقات ہیں جن میں خلفاے بنو امیہ ، خلفائے عباسیہ ، امراء ، وزرا ، بغاۃ اور قرامطہ کا ذکر ہے - تیسرے طبقے میں بنو عباس کے عہد میں دوسرے سلسلہ ہائے سلطنتی کے احوال مذکور ہیں - اس کو نو اساس میں تقسیم کیا گیا ہے - ان میں طاہری - صفاری - سامانی - غزنوی - غوری - آل بویہ - دیلمی - سلجوقی - خوارزمشاہی - اتابک - اسماعیلی - کرمانی - قراختائی - ایشیائے کوچک قیصر - سلجوقی - دانشمندی - سلیقی منکرچکی -

قراماں ۔ ذوالقدر اور عثمانی خاندان ۔ شرفائے حرمین ۔ خوانین ترکستان ۔ شاہان قراقوینلو اور آق قوینلو ۔ خاندان صفوی ۔ امیر تیمور اور ان کی اولاد کے سلاطین کے متعلق تفاصیل دی گئی ہیں ۔

جلد دوم میں سات مقامات ہیں اور ایک تتمہ ہے ۔ مقالات میں ہفت اقلیم کا جغرافیہ بیان کیا گیا ہے پھر ان اقالیم کے سلاطین ، امرا ، وزرا ، اولیا اور علماء کا بیان ہے ۔ تتمہ میں دو نمود ہیں ۔ پہلے میں مشہور اور اہم شہر اور ان کا درمیانی فاصلہ بتایا گیا ہے دوسرے نمود میں ہفت اقلیم سے باہر ممالک کا مختصر بیان ہے ۔

جلد سوم تمام کی تمام سندھ کی تاریخ اور جغرافیے سے متعلق ہے ۔ اس کے دو حصے ہیں ۔ مقدمے میر سندھ کی تعریف اور خصوصیات کا ذکر کیا ہے ۔ پھر بارہ طبقات میں سندھ کے مندرجہ ذیل سلسلہ ہائے سلطنتی کا ذکر کیا ہے :

۱ ۔ رائے خاندان ۔ ۲ ۔ برہمن ۔ ۳ خلفائے بنوامیہ کے گورنر ۔ ۴ ۔ خلفائے بنو عباس کے گورنر ۔ ۵ ۔غزنوی ، غوری اور سلاطین دہلی کے گورنر ۔ ۶ ،۔ سومرہ سمہ ۔ ۸ ۔ ارغون ۔ ۹ ۔ ترخان ۔ ۱۰ ۔ مغل اور ان کے گورنر ۔ ۱۱ ۔ امرائے عہد مغلیہ ۱۲ ۔ عباسی کلھوڑا ۔

حصہ دوم میں ۱۴ طبقات ہیں ۔ قدیم سندھ کو چودہ حصوں میں تقسیم کیا ہے اور ملتان ، آچ ، مئو سے لے کر شہر ٹھٹھہ اور مغربی کوہستانی علاقے تک کے شہروں کے احوال و کوائف بیان کیے ہیں اور پھر ان شہروں کے علما ، عرفا ، شعرا اور دوسرے بزرگوں کے حالات قلمبند کیے ہیں ۔

تحفتہ الکرام ۱۱۸۱ھ میں پایۂ تکمیل کو پہنچی جیسا کہ قانع نے مندرجہ ذیل تاریخوں میں واضح کیا ہے :

شکر خدا کہ تذکرۂ تحفتہ الکرام
اندر سہ جلد یافتہ تزئین اختتام

سال تمامیت چو نمود از خرد سوال
"اینک چہ منتخب" زدل آمد مرا پیام
شکر خدا کہ یافتہ تزئین انتخاب
"این تحفتہ الکرام" باذین انتخاب
سال تمامیت چو نمودم زدل سوال
ہاتف زدہ ندا کہ "نوآئین انتخاب" ١١٨١ھ

مؤلف خود تحفتہ الکرام کو انتخاب اور منتخب کہہ رہے ہیں۔ اس سے ظاہر ہے کہ انھوں نے معلومہ کتب تواریخ سے اپنے مقصد کے پیش نظر احوال و کوائف کو انتخاب کر کے جمع کیا ہے۔ اسلامی دنیا کی تاریخ اور اس کی سر زمین کا سرسری جائزہ لینے کے لیے اسے مفید کتاب کہا جا سکتا ہے۔ اس کی اصلی افادیت سندھ کی تاریخ اور اس کی سر زمین سے متعلق معلومات کی وجہ سے ہے۔ سندھ کی سیاسی تاریخ کے لیے تو انھوں نے چچ نامہ، تاریخ معصومی، ارغون نامہ۔ ترخان نامہ اور بیگلر نامہ سے استفادہ کیا ہے لیکن انھوں نے مظہر شاہجہانی کا ذکر نہیں کیا۔ حالانکہ اس میں سندھ کے شہروں، قصبوں، نہروں اور مختلف قبیلوں کا ذکر تھا۔ بہر حال قانع نے عہد اورنگزیب سے لے کر ١١٨١ھ تک یعنی کتاب کے سال تالیف تک اپنی کوشش سے معلومات فراہم کی ہیں۔ چھوٹوں کے اسلاف اور بزرگوں کے اخلاف سے پوچھ کر حالات اکھٹے کیے ہیں۔ شہروں کی تفصیل اور وہاں کے علماء، شعرا اور عرفا کا حال اور ان کے آباء و اجداد اور اولاد کا ذکر اہتمام سے کیا ہے۔ یہ حصہ سب سے اہم ہے۔ اس حصہ کی موجودگی سے سندھ کی علمی و فکری تاریخ محفوظ ہو گئی ہے۔ اس تاریخ کا وہ امتیازی وصف بھی شمار ہونے کے قابل ہے۔ جس میں سندھ عوام کے معتقدات اور عجیب و غریب رسوم کا ذکر کیا گیا ہے۔ سسی پنوں، عمر ماروئی، مومل اور میندھرا، چنیسر نامہ اور نوری جام جیسی عشقیہ داستانوں کی تفصیل بتائی

گئی ہے۔ ان داستانوں کو سن کر لوگوں کے ذہن میں عشق حقیقی کی طرف جو میلان اور رجحان پیدا ہوتا تھا ، اس کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔

سندھ کے سمہ ۔ سومرو اور جام سلسلہ ہائے سلطنتی کے سنین حکومت مستند نہیں۔ تحفتہ الکرام کے ماخذ تاریخ معصومی کے مندرجات سے بھی اختلاف ہے۔ اور نام بھی پس و پیش بیان کیے گئے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے۔ کہ مؤلف کو تاریخ سندھ کے ان ادوار کا حتمی ماخذ میسر نہیں آسکا۔

تذکرہ نگار

قانع نے دو مفصل تذکرے لکھے ہیں۔ ایک شعراء کے متعلق یعنی مقالات الشعراء اور دوسرا مشائخ کرام کا تذکرہ۔ معیار سالکان طریقت۔ مؤخرالذکر تذکرہ ابھی شائع نہیں ہوا اس لیے اس کے متعلق مفصل تعارف پیش نہیں کیا جا سکتا۔

مقالات الشعراء ۔ یہ ایک نہایت مفید تذکرہ ہے جس میں ۷۱۹ شعراء کا ذکر موجود ہے۔ ان میں عموماً وہ شعراء شامل ہیں جن کا مولد و منشا سندھ میں تھا لیکن ان شعراء کا بھی ذکر کیا گیا ہے جو غیر ممالک سے آکر یہاں آباد ہوگئے۔ بعض ان شعراء کا بھی ذکر ہے جو مختصر مدت کے لیے سندھ میں آئے اور مؤلف تذکرہ سے ان کی ملاقات ہوئی۔ اس تذکرہ سے پہلے شعراء کا ایک تذکرہ روضۃ السلاطین مؤلفہ فخری ہروی موجود ہے جس میں شاہ بیگ اور شاہ حسن ارغون اور دیگر سلاطین کا ذکر ہے۔

مؤلف نے یہ تذکرہ ۱۱۶۹ھ میں لکھنا شروع کیا اور پانچ سال کی تلاش و زحمت کے بعد ۱۱۷۴ھ میں مکمل کیا۔ اس تذکرے سے سندھ کی ادبی تاریخ کا بیش بہا حصہ محفوظ ہو گیا ہے۔ اس کی ناموجودگی سے

ہم کثیر التعداد شعراء کے اسماء اور ان کے کلام سے محروم رہ جاتے ۔

مؤلف کے پیش نظر ید بیضا مؤلفہ میر غلام علی آزاد بلگرامی اور کلمات الشعراء مؤلفہ سرخوش تھے ۔ انھی کو دیکھ کر ان کے دل میں مقالات الشعراء کی تالیف کا خیال پیدا ہوا ۔

بعض شعراء کے متعلق بہت کم معلومات فراہم کی گئی ہیں ۔ نام اور مقام ، سکونت کا ذکر کیا ہے اور ایک ایک دو دو شعر نقل کیے ہیں ۔

مقالات الشعراء ۱۹۵۷ع میں سندھ ادبی بورڈ کے زیر اہتمام شائع ہو چکا ہے ۔ سید حسام الدین راشدی نے بڑی محنت اور دقت نظر سے تصحیح کر کے مقدمہ و حواشی کے ساتھ مرتب کیا ہے ۔

معیار سالکان طریقت کی تاریخی حیثیت مسلّم ہے ۔ سندھ کے پانچ سو بزرگان طریقت اور صوفیان کرام کے احوال ، سنین ولادت و وفات کے ساتھ جمع کرنا بڑا محنت طلب کام تھا ۔ مؤلف نے یہ اہم کام انجام دے کر سندھ کی روحانی تاریخ محفوظ کر دی ہے ۔

نثر نگار

مکلی نامہ

ٹھٹہ کے قریب مکلی ایک پہاڑی ہے ۔ محکمہ آثار قدیمہ کی پیمائش کے مطابق اس کا رقبہ ۹۱۲ ایکڑ ہے ۔ یہ کوہستان صدیوں سے قبرستان کے طور پر استعمال ہوتا رہا ہے ۔ سمہ خاندان (   ) یعنی تقریباً جام نظام الدین سمہ کے زمانے سے لے کر اس رسالے کے مصنف کی وفات یعنی ۱۲۰۳ھ تک ہزاروں اولیاء ، علماء ، شعراء ، ادبا اور حکام و سلاطین یہاں دفن ہوئے ۔ یہیں درسگاہیں بنیں ، مسجدیں تعمیر ہوئیں اور عالیشان مقابر و مزارات بنے ۔ میر علی شیر قانع نے ۱۱۷۴ھ میں اس خطہ

مبارکہ کی سیر و گردش کی ۔ ایک ایک جگہ کا مطالعہ کیا اور تقریباً ۳۲ مقامات کا دلکش و تصویری نقشہ ہمارے سامنے پیش کیا ۔ یہ رسالہ ۱۱۷۴ھ میں تالیف ہوا جیسا کہ مصنف نے خود اس کی تاریخ لکھی ہے :

سال وی گفت بلبل الہام
بوستان بہار تازۂ دل ۱۱۷۴ھ

مکلی نامہ میں اولیاء میں سے سید حسین مراد ، شیخ عیسی لنگوٹی ، شیخ حماد جمالی اور پیر آسات ۔ حکام و سلاطین میں سے جام نظام الدین ، عیسی ثانی ترخان ، میر صالح ترخان ، میرزا خسرو چرکس کے مقابر ، مسجد جامع ، تالاب ، سبزہ زار ، شیخ داؤد درس ، جلوہ گاہ اماميں ، شاہ پریان ، عبادتگاہ ہندوان وغیرہ کا ذکر کیا ہے ۔ مصنف نے مسجع و مقفی عبارت اور توصیفی اشعار میں اس زمانے کی کیفیات و مناظر کو ہماری آنکھوں کے سامنے پیش کیا ہے ۔ مکلی پر جو میلے ٹھیلے ہوتے تھے ۔ بزرگوں کے عرس منائے جاتے تھے ۔ تفریح گاہوں کی سیر کے لیے مرد عورتیں اکھٹے ہوتے تھے ۔ موسیقی کی محفلیں جمتی تھیں ۔ مشاعرے برپا ہوتے تھے ۔ رنگ رلیاں منائی جاتی تھیں ۔ اس وقت کے لوگوں میں خوشدلی ، نرمی اور خوشباشی سے زندگی گزارنے کے جو ولولے تھے ، مصنف نے اپنے جادو نگار قلم سے ان کو بیان کیا ہے اور ہمارے لیے اپنے زمانے کے تقریباً سو سال کی تمدنی جھلکیاں محفوظ کر دی ہیں ۔ قانع نے مکلی نامہ لکھ کر مؤرخین کے لیے تاریخ کے ایک گوشے کی نقاب کشائی کی ہے تاکہ اپنے وطن کی تاریخ سے دلچسپی رکھنے والے جستجو و تلاش میں اس گورستان کی طرف بھی نکل آئیں اور اس مدفون تاریخ کو بھی دیکھیں ۔ مزارات و تعمیرات پر کتبے ہیں جن پر نثر و نظم میں تاریخہائے وفات کندہ ہیں ۔ ان کتبوں سے ہزاروں گمنام شخصیتوں کے متعلق معلومات حاصل ہوتی ہیں اور بعض چھپے گوشے عیاں ہوتے ہیں ۔

مکلی میں ہی گویا فن تعمیر کی تاریخ عیاں ہے۔ فن خطاطی کے درجہ بدرجہ ارتقا کا مطالعہ بھی کیا جا سکتا ہے۔

یہ رسالہ سید حسام الدین راشدی نے ۱۹۵٦ء میں مجلہ مہران (سندھ) کے شمارہ ۳، ۴ میں شائع کرایا تھا۔ بعد میں ۱۹٦٦ میں حواشی و تعلیقات کے ساتھ سندھی ادبی بورڈ کی طرف سے شائع ہوا۔ سندھ کے اس بلند پایہ محقق نے محنت شاقہ اور صبر آزما کوشش سے تعلیقات جمع کیے ہیں۔ رسالے کا متن تو چھیانوے صفحات پر مشتمل ہے۔ باقی تفصیل اس طرح ہے۔ فہرست مندرجات ۸ صفحات۔ تعارف ۱ تا ۵، مقدمہ ١٦ تا ۴۰، متن ۹٦ صفحات، حواشی و تعلیقات کل ۷۴۳ صفحات۔ خاندانوں کے نسب نامے اور مقابر و عمارات کی تصویریں ۷۴۷ تا ۸۸۸ صفحات تعلیقات میں دیبل، ٹھٹھہ، ساموی، جام خاندان، میرزا خسرو چرکسی، میرزا عیسی ثانی، میرزا محمد صالح اور ترخان خاندان کے متعلق بڑی تلاش سے تاریخی معلومات فراہم کی گئی ہیں۔ مکلی نامے کی اشاعت کے دوران میں مزید اطلاعات حاصل ہونے پر پانچ ضمیموں کا اضافہ کیا گیا ہے۔ مرتب نے مقابر کے کتبوں کے عکس شایع کیے ہیں اور ان پر متعدد عبارتوں کو نقل کیا ہے۔ تاریخ کے طالب علم ان بیش بہا معلومات کے لیے راشدی صاحب کے ممنون ہیں۔

مکلی نامہ اپنی تاریخی اور ثقافتی اہمیت کے علاوہ ادبی اہمیت کا بھی حامل ہے۔ قانع نے اپنی دوسری نثر کی کتابوں میں اس قدر رنگین ادیبانہ عبارت لکھنے کا اہتمام نہیں کیا جتنا کہ مکلی نامہ میں کیا ہے۔ اس کی تمام کی تمام عبارتیں مسجع و مقفی ہیں۔ مصنف چونکہ شاعر ہے اس لیے وہ کمتر تکلف و تصنع سے رواں دواں مسجع و مرصع جملے لکھتا چلا جاتا ہے۔ یہ کتاب ادبی حیثیت سے اپنے زمانے کے بلند پایہ انشاء کا نمونہ کہی جا سکتی ہے مثال کے لیے یہ عبارت نقل کی جاتی ہے:

"میکرا نام زمینی است مطرا و اسم ارض است فرح افزا کہ سبزہ اش

با سبزه عذار مه رویان همرنگ و بر فضایش فضای گلشن خضرای سما صد پیرهن تنگ! غباری که ازان زمین خیزد، رنگ طاؤسی نماید و شراری که سنگهایش انگیزد بگونه سند دوسی باشد۔ خضرت آسمان رشحه ای از تراوش رنگ او و کان زمرد عکس آئینه پر سنگ او۔"

مصنف نے عبارت آرائی میں مراعات لفظی کا خاص اہتمام کیا ہے یا ایک ہی فن کی مصطلحات کو یکجا استعمال کیا ہے۔ اس کے ساتھ ہی تلمیحات لانے سے اپنے وسعت مطالعہ اور دقت نظر کا ثبوت پیش کیا ہے۔ اس قسم کی عبارتوں کے دو ٹکڑے ملاحظہ کیجیے:

(۱) در تعریف سواد ارضش بیاض مہر پر از خطوط شعاعی است و در توصیف بیاض فضایش سواد ماہ صرف روشنائی۔ طغرای کتاب ملاحت کائنات است یا دیباچہ نسخہ نزاہت سماوات۔ مرغانش را منطق الطیر ازبر و سبزہ زارش گلشن راز را مفسر۔ رباعیات سحابی بشادابی منتہای سلیسش نرسند و قطعات انوری ہم مضمون فرح باری قطعہ ای از ارضش نباشند۔"

۲۔ مطربان باربدخو سرگرم صدای نی۔ سوزن مضراب رفو ساز صد چاک دل و زخمہ رباب زندہ کن مرغ نیم بسمل۔ سرود ہندی عراقیان را جامہ برتن درد و ترانہ خسروی مجازیان را یبندگی خرد۔ کلانو تان خوش آہنگ دست بر مردنگ و قوالان سرگرم نغمہ بار صف بستہ رنگ۔ سینہای موسیقار مطربان زیروبم کہ کوک کنند آتش بنای منصور دمند۔"

مکلی نامہ کے توسط سے قانع کی توصیفی شاعری کے بڑے اچھے نمونے محفوظ ہو گئے ہیں۔ تذکرہ میخانہ عبدالبسی میں اپنے زمانے تک کے ساقی ناموں کو محفوظ کرنے کی کوشش کی گئی تھی۔ اس کے بعد

کے زمانے میں بھی اس صنف خاص کی طرف اکثر شعرا نے توجہ دی اور اپنی طبع وقاد کے جوہر دکھائے۔ قانع نے بھی ایک بزم نشاط کے سلسلے میں ساقی نامہ لکھا ہے صفحہ ۸ تا ۱۰ پر ملاحظہ ہو۔ اس کے چند اشعار یہ ہیں :

بیا ساقی آن آب عشرت سرشت
کہ در مرز دل تخم کلفت نہ کشت
بیا ساقی آن سیم بگداختہ
بدہ ساقی آن آتش ساختہ
بدہ ساقی آن منشاء انبساط
بدہ ساقی آن شمع بزم نشاط
بدہ ساقی آن روح جسم طرب
بدہ ساقی آن داروی جملہ تب

بیانیہ اور توصیفی نظموں میں جہاں شاعر کی قوت بیان اور قوت مشاہدہ کا اظہار ہو رہا ہے وہاں اس کے زمانے کی تمدنی جھلکیاں اپنی پوری وضاحت اور رعنائی سے جلوہ گر ہوگئی ہیں۔ نثر کے ساتھ ساتھ اس کتاب میں بہت سی مثنویاں جمع ہو گئی ہیں جن میں شاعر کو جشن۔ بزم۔ تالاب۔ منظر۔ باغ۔ سبزہ‌زار کی کیفیت بیان کرنے کے مواقع پیش آئے ہیں اور اس نے پورے جوش اور ولولے سے ان کو بیان کیا ہے۔ بعض جگہ اصلیت اور واقعیت کا رنگ دینے کے لیے اس نے مقامی الفاظ استعمال کیے ہیں۔ اس قسم کی نظموں میں سے نمونے کے طور پر ہم چند اشعار یہاں نقل کرتے ہیں :

معبد ہندواں میں لوگوں کے اجتماع کے متعلق لکھا ہے :

یکی را زعفرانی چیرہ بر سر
بسنتی پھیتہ دیگر راست افسر

بهگت بازند اینجا مجمع حور
لب شان وقت جوش است نای منصور
قطار بسملان بستند از فن
نمی دارند از مرجان سمرن
بهر گوشه نشسته حلقه حلقه
بتان ماه رو و رشک زهره
بود خورشید و مه وقف یک آهنگ
بدست شان نباشد تال و مردنگ
بلب گویند رام و رام سازند
دو گیسو بشکنند و دام سازند

(ص ٣٦)

تالاب کی تعریف و توصیف :

چه گویم وصف آن تالاب شیرین
که شیرجوی فرہادش بود طین
نهفته چشمه‌ای در وی بطرحی
رموز حکمت العین راست شرحی
میان چشمه چشمه حیرت افزاست
مگر دل را میان قلب ماوی مت
نشسته خوبرویان بر کناره
سپهر حسن را رخشان ستاره
بسوی دلبران گنجفه باز
ورق گردان مهر و ماه از ناز
بطرف مجمعی 'چوپر' خوش آهنگ
ربایند از کف خورشید و مه رنگ

گروهی صرف شطرنج مجازی
زدست یار خود خوردند بازی
ز ململ مریکی را نیمه تنگی
بفن دلبرها شوخ و شنگی

(ص ۷۸ - ۸۰

درختوں کا ایک منظر:

درختان آزاد هر سو کنار
زانفاس قدسی همه بار دار
کشیده قدان همچو نخل بهشت
ز کوثر روان آب شان را بکشت
نهال مراد اند در زیب و فرح
که دهقان قدرت نکو داد طرح
سهی سرو از قامت شان خجل
رود ریشهٔ شان ببستان دل

(ص ۹۲)

مثنویات و قصاید

سندھ ادبی بورڈ کی طرف سے سید حسام الدین راشدی نے مثنویات و قصاید کا مجموعہ ۱۹۶۱ھ میں شایع کیا تھا۔ اس میں تین مثنویاں۔ گل از بهار قضا۔ قصاب نامہ اور محبت نامہ اور باقی نعت و منقبت ، قصاید، ترجیع بند اور مخمس شامل ہیں۔

گل از بهار قضا

سال تصنیف ۱۱۶۷ -

راشدی صاحب نے دیباچے میں قضاو قدر کے موضوع پر ۱۸ مثنویوں کے نام لیے ہیں ، جن میں سولہ قانع سے پہلے اور ایک قانع کے بعد لکھی گئی ہے - سب سے پہلے نور اللہ ضیاء اصفہانی کی مثنوی کا ذکر کیا ہے جو شاہ عباس اول (۹۰۶ - ۹۳۰ھ) کے عہد میں لکھی گئی - قانع نے اپنی مثنوی کے دیباچے میں محمد قلی سلیم تہرانی (م - ۱۰۵۷ھ) کی مثنوی کا ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ "درین وادی گوی سبقت از ہمگنان ربودہ"۔

قانع کی مثنوی کا خلاصہ یہ ہے - ایک آزاد مرد نے قصہ سنایا کہ میں کشمیر ، چین اور ہندوستان کے نوادر و عجائب یاد کر کے ان ممالک کا سفر کرنا چاہتا تھا - آخر مصر کی قدامت اور اس کے غرائب پر نظر ڈالی تو مصر جانے کا ارادہ کیا - کشتی میں بیٹھے - منزل پر پہنچنے کے قریب تھے کہ طوفان آ گیا - ایک خوبصوت جوان موجوں کی نذر ہو گیا - ملاحوں نے اسے تلاش کرنے کی کوشش کی - اتفاق سے جوان کو باہر نکالا لیکن پہلے کے بجائے یہ کوئی اور شخص تھا - اس جوان نے اپنا حال بتایا کہ میں حلب کا رہنے والا ہوں - میرا باپ بے مثال آئینہ ساز تھا - میں نے ہندوستان کے سفر کا ارادہ کیا - کشتی طوفان کی زد میں آ گئی - میں تیرتا ہوا آخر تھک کر ڈوب گیا - اب میں اپنے کو اس کشتی میں دوبارہ زندہ دیکھتا ہوں - ایک جوان کے جانے اور دوسرے کے پالینے سے سب حیران ہوئے - ایک عجیب بات اور ہوئی کشتی میں زنجیر تھی - نوجوان نے آزمایش کے طور پر پاؤں میں پہن لی اور تالا لگا لیا - اتفاق سے چابی کھو گئی - جب ساحل پر پہنچے تو شہر سے لوہار کو بلایا تاکہ وہ تالا کھولے - لوہار نے کہا - "بادشاہ کی طرف سے پاؤں کی زنجیر کھولنے کا حکم نہیں کیونکہ ممکن ہے پابہ زنجیر شخص غلام ، چور یا قاتل ہو - اسے بادشاہ کے پاس لے گئے - حاضرین میں سے ایک شخص پکار اٹھا کہ یہ میرے باپ کا قاتل ہے - وہ حلب میں مال لے کر گیا تھا کہ جھگڑا ہو گیا - اس شخص نے میرے باپ کو قتل کر

دیا ۔ قدرت نے سزا کے لیے اسے یہاں بھجوا دیا ۔ چنانچہ گواہ پیش ہوئے اور بادشاہ نے اس کے قتل کا حکم دے دیا ۔

خدا جانے یہ سچا واقعہ ہے یا محض قدرت کی ستم ظریفی دکھانے کے لیے کسی کے ذہن کی اختراع ہے ۔ بہرحال قضاوقدر کا یہ عجیب قصہ شعرا کے مرغوب خاطر رہا ہے اور اپنی فکر کی جولانی دکھانے کے لیے اسے کئی مرتبہ منظوم کیا گیا ہے ۔ اس قسم کا قصہ بیان کرنے میں شاعر کو منظر کشی کے کافی مواقع ملتے ہیں ۔ چنانچہ قانع نے بھی اپنی طبع وقاد کا زور دکھانے کے لیے بعض مشاہدات کو دقت نظر سے نظم کیا ہے ۔ اس مثنوی سے ہم صرف طوفان کا ایک منظر نقل کرتے ہیں :

قضارا درمیان قرب مقصود
جہان شد تیرہ اندر چشم بہبود
یکی طوفان آغازیدہ از سر
چہ طوفان رستخیز روز محشر
زمین تا آسمان پر دود گردید
ز دریا عافیت پدرود گردید
زبس بادش چو ابر دی ببارید
نگہ از چشم پا بیرون نیارید
قیامت در قیامت شد نمایان
تنور زال دہر آورد طوفان
اگر بالفرض نوح آنجا شتابد
ز دل تصویر جودی برزداید
زکشتی تختۂ تابوت گردید
ہمان آب آب غسل موت گردید

چو موجش اژدہای خشم بودہ
حبابش باقضا ہم چشم بودہ

بلای آسمانی ہمچو باران
ز چشم ماہیانش شد نمایان

چو چشم مردہ کشتی ماند از سیر
کفن از بادبانش دوخت تقدیر

براہ آخرت شد گرم رفتار
قدم میزد و لیکن در دم مار

زطوفان بسکہ دریا عرصہ تنگست
اگر راہ است در کام نہنگ است

ہمہ کشتی نشینان مضطر احوال
اجل را مرحبا گویان دران حال

جبل بالیدہ برخود گشتہ موجی
ز دریا برد کشتی را بر اوجی

مثنوی قصاب نامہ - ص ۲۳ تا ۳۲ -

یہ مختصر سی مثنوی ہے جس میں ایک قصاب نوجوان کا قصہ بیان کیا گیا ہے جو شادی کے دن مر گیا اور المناک یاد چھوڑ گیا ۔ مختصر قصہ یہ ہے ۔ ایک قصاب کا خوبصورت بیٹا تھا ۔ جوان ہوا ۔ اپنے پیشے میں ہنر مند نکلا ۔ ایک حسینہ سے ناطہ ہوا ۔ شادی کی تیاریاں ہوئیں ۔ کپڑے زیور بنے۔ دلھن کی آرائش ہوئی ۔ رسم نکاح انجام پائی ۔ مہر بندھا ۔ دلھن کو دلھا کے پاس لے گئے ۔ دلھن حجلۂ عروسی میں تھی کہ اچانک دلھا کے درد اٹھا اور وہ مر گیا ۔ محفل شادی بزم ماتم بن گئی ۔ مصنف

کو یہ دکھانا مقصود تھا کہ دنیا میں شادی و غم ساتھ ساتھ ہیں اور شادی انسان کے بس میں نہیں اور قدرت کو کسی کی خوشی و غمی کی پروا نہیں چنانچہ کہانی بیان کرتے کرتے وہ اپنے ان تاثرات کو بھی بیان کرتے جاتے ہیں مثلاً ذیل کے اشعار دیکھیے :

همین است حال این دار غم آما
که دار از دائر است در چشم دانا

قدر را قدر والا قدر دادند
که سور و سوگ یک بی عذر دادند

بسا در زیر این جاباب طوسی
برنگ ماتم آراید عروسی

اس مثنوی سے سندھ میں شادی بیاہ کے ان رسم و رواج پر روشنی پڑتی ہے جو مصنف کے زمانے میں رائج تھے۔ اس مثنوی کے بعض اشعار میں غریب اور نامانوس الفاظ بھی استعمال کیے گئے ہیں۔ فک اضافت عام ہے۔

مثنوی محبت نامہ۔ صفحہ ۳۴ تا ۴۲

یہ مثنوی اپنے انداز کی نئی چیز ہے۔ اس میں عاشق و معشوق کے درمیان دو طویل مناظرے یا مکالمے ہیں۔ مرد و عورت کے درمیان نہیں بلکہ شمع و پروانہ اور گل و بلبل کے درمیان۔ اچھے لطیف معترضانہ انداز میں ایک دوسرے کا نقطۂ نظر بیان کیا گیا ہے۔ ایک جگہ پھولوں اور پودوں میں عشق کے گونا گوں مظاہر کا حال بیان کیا ہے۔ پھولوں میں گل خیری۔ بابونہ۔ خطمی۔ نرگس۔ عباسی۔ سنبل اور نیلوفر کا ذکر ہے۔ اس طرح ان پرندوں کا بھی ذکر کیا ہے جن کی صورت و صوت

سے محبت کا اظہار ہوتا ہے مثلاً بلبل ۔ قمری ۔ چکور ۔ فاختہ ۔ کوئل ۔ پپیہا اور ہدہد ۔ تقریباً تیس اشعار میں ہندی سنگیت کے راگ راگنیوں کے نام لائے گئے ہیں ۔ ناموں کی تشخیص وہی شخص کر سکتا ہے جسے علم موسیقی سے آشنائی ہو کیونکہ نام لانے میں کمال صنعت یہ دکھایا ہے کہ الفاظ فارسی کے استعمال کیے ہیں لیکن مصرعے میں چند حروف کو باہم ملانے سے راگ کا نام بنتا ہے ۔ ویسے شعر کے معنی اپنی جگہ فارسی الفاظ سے درست نکلتے ہیں ۔

مثال کے طور پر یہ شعر دیکھیے :

مغنی تا براہ عشق زد چنگ
بریزد از رخ ہر پارسا رنگ

شعر اپنے الفاظ کی رو سے با معنی ہے لیکن شاعر نے پارسا رنگ کے کلمات اکھٹے لانے پر یہ نکتہ ملحوظ رکھا ہے کہ ان میں کلمہ سا رنگ کو باہم ملانے سے سارنگ بنتا ہے جو ایک راگ کا نام ہے ۔ اس طرح تقریباً ۲۳ اشعار میں اصطلاحات موسیقی لانے کا التزام کیا گیا ہے ۔ دو مثالیں اور دیکھیے :

شود امروز تو دی نزد عاقل
شوی گر از مقام عشق غافل

خورد آن کس کہ دارو زین شفادار
بپاس صحبتش عالم کند کار

ان اشعار میں تودی ، کدارو اور بپاس راگوں کے نام ہیں ۔ حسام الدین راشدی نے دیباچے میں اس بات کی نشاندہی کی ہے کہ ہندی سنگیت کے ناموں کا فارسی الفاظ کے ذریعے سے استعمال قانع کا اپنا خیال یا اپنی جدت نہیں بلکہ اس نے میر عبد الجلیل بلگرامی کی مثنوی

'امواج الخیال' کو دیکھ کر اس کے تتبع میں ایسا کیا ہے۔ میر عبد الجلیل ۱۱۱٦ھ سے ۱۱۳۰ھ تک وقایع نویس کی حیثیت سے سندھ میں مقیم رہے۔ ۱۱۲۷ھ میں انھوں نے فرخ سیر کی شادی پر یہ مثنوی لکھی اور اس میں راگوں کے نام لانے کا التزام کیا۔

محبت نامہ کے آخر میں شاعر نے شراب پینے اور لطف اندوز ہونے کی آرزو کی ہے اور کہا ہے:

ترحم بر سر این نو عذب کن
دلی جفتم بآن دخت عنب کن

مناظرے کا رنگ دیکھنے کے لیے ہم شمع و پروانہ کی گفتگو کے چند اشعار یہاں نقل کرتے ہیں تاکہ یہ ظاہر ہو جائے کہ دعوائے عشق میں کون سچا ہے اور ساتھ ہی قانع کی مثنوی نگاری کا رنگ بھی عیاں ہو جائے۔

شمع

گفت این دعوی عشقست مرا راست
کہ سوز او تنم را جملگی کاست
علم در جانفگاری کس چو من نیست
میان گریہ شبہایم غرض چیست
بیک پا ایستادہ جان سپارم
نشستن نیست غیر از مرگ کارم
بمن دادند خوبان آشنائی
کہ دارد دو ستیم روشنائی
بمن گویند راز خویش عشاق
بود سوزم فروغی پیش عشاق

سمندر مشربم در آتش شوق
مرا جز سوختن نبود دگر ذوق

سراپا شعلهٔ عشق است جانم
شرر بار است در هر جا زبانم

شود گل از زبانم نغمهٔ عشق
که کار است بر تنِ من زخمهٔ عشق

سرود عاشقانه می سرایم
اگر سوزم و گر سازم بجایم

نه گردد گرم محفل جز وجودم
معطر مغز ها گردد ز دودم

پروانه

ترا بر یک شرار این جمله نازش
که مجبوری برای سوز و سازش

بسوزِ عاشقی و عشق بسته
چه لافی پیش روی این شکسته

چه عشقست اینکه بر خود بسته داری
کم اندر حسرتش دل خسته داری

رسد چون بر سر تو یک شراری
ندیدم چون تو دیگر اشکباری

همیشه گریه ات نه از دل آمد
که این خاصیت اندر گل آمد

دم کازت فزاید روشنائی
بصرصر میری از رخ بر کشائی

مرا سوز نہان دادند اول
کہ نبود مر مرا از سوز منہل

تو جان افگاری و من جان نثارم
نکو روشن بود فرقی کہ دارم

مہنم موسی طور عشق بازی
زبانم را ولی نبود درازی

شوم خاکستر و کس نیست آگاہ
نیم من شہرہ دوست ای دوست باللہ

اگر صرصر بگیرد جملہ عالم
مرا در سوز نبود ذرہ ای کم

غریب آشیان و بی نشانم
چو قانع عشق ورز بی زبانم

سمندر خاصہ توصیف منست راست
گواہ دعویم قانع بس اینجاست

قصاید - ص ۸۵ تا ۲۳۶ -

قصاید کا موضوع نعت رسول اور منقبت علی مرتضی و آل اطہار ہے - نعت میں دو قصاید اور ترجیع بند ہیں - منقبت علی میں ۱۶ قصاید ہیں - مدح آل اطہار میں ایک مخمس ، ایک ترجیع بند اور ایک قصیدہ ہے - صرف تین مدحیہ قصاید ہیں جو حکام وقت یعنی سرفراز خان کلھوڑہ (م - ۱۱۹۱ھ) غلام نبی کلھوڑہ (م - ۱۱۹۰ھ) اور میر فتح علی خان تالپور (م - ۱۲۱۷ھ) کی مدح و ستایش میں لکھے گئے ہیں - سب سے طویل قصیدہ منقبت علی میں (ص ۱۴۲ تا ۱۶۲) ہے جو حکیم میر اسد اللہ خان غالب کے تتبع میں لکھا گیا ہے - مطلع یہ ہے :

شاہ خاور زدہ خرگاہ چو در شہر حمل
رایت روز بر اعلام شب آمد اعدل

اسی بحر میں نعت ہے جس کا مطلع یہ ہے:

یوسف مہر چو گردیدہ شہ مصر حمل
حوت ہمچو دل اخوان شدہ در رشک اضل

قانع نے اپنے علم و فضل کے بل پر اور اپنے عشق و اخلاص کی وجہ سے نعت و منقبت کے ان قصاید میں فنی شکوہ دکھانے کی کوشش کی ہے لیکن بعض اشعار میں تصنع و تکلف جھلکتا ہے۔ کیونکہ مضمون پیدا کرنے کے لیے موزوں و فصیح الفاظ نہیں ملتے۔

—:o:—

محمد عظیم الدین

عظیم الدین بن سید یار محمد بن عزت اللہ ، شکر اللّہی سید خاندان سے تعلق رکھتے تھے ۔ نامور شاعر مؤرخ اور تذکرہ نگار علی شیر قانع کے برادر زادہ تھے ۔ ۱۱۶۳ھ میں پیدا ہوئے۔ میر قانع نے تاریخ پیدایش لکھی : 'انا لہ الحافظون' ۔

جس دن عظیم پیدا ہوئے اسی دن محسن ٹھٹوی ، سندھ کے بلند پایہ شاعر وفات پا گئے ۔ میر کو بعد میں اس کا علم ہوا ہوگا چنانچہ میر نے محسن کے ایک مصراع پر تضمین کرتے ہوئے اس کی طرف اشارہ کیا ہے :

من بمجلس آمدم تو محسنا برخاستی
این روایت هیچ جا در روضة الاحباب نیست

انھوں نے اعلیٰ علمی تربیت پائی ۔ نثر و نظم دونوں میں مہارت حاصل کی ۔

میاں سرفراز خان اور میر فتح علی خان کے درباروں سے وابستہ رہے اور انعام و اکرام سے سرفراز کیا ۔ میر عظیم ۱۲۲۹ھ میں فوت ہوئے اور قبرستان کوہ مکلی میں مدفون ہوئے ۔ زبدة المعاصرین میں سال وفات ۱۲۲۴ھ لکھا ہے جو غلط ہے

---

۱ ۔ تکملہ مقالات الشعراء ۔ محمد ابراہیم خلیل ، مرتبہ حسام الدین راشدی ،کراچی ۱۹۵۸ع ، تعلیقات ۔ دیوان عظیم الدین مرتبہ غلام مصطفیٰ خان ، حیدر آباد دیباچہ ۔

عظیم نے جو قطعات تاریخ لکھے ہیں اور جو دیوان میں محفوظ ہو گئے ہیں ، ان سے عظیم کی زندگی کے بعض گوشوں پر روشنی پڑتی ہے اور بعض سے امراء و حکام سلطنت سے اس کے روابط معلوم ہوتے ہیں اور تاریخ کے بعض واقعات بھی اجاگر ہوتے ہیں ۔ ان قطعات سے ۱۱۸۹ھ سے لے کر اس کی وفات تک یعنی ۱۲۲۹ھ تک کی تاریخوں میں واقعات کی بعض جھلکیاں نظر آتی ہیں :

۱۱۸۹ھ ۔ اس نے میر بہرام خان اور اس کے بیٹے بیدار خان کے قتل پر قطعہ تاریخ لکھا ۔

۱۱۹۳ھ ۔ اس نے قاضی مسجد ٹھٹوی کے تحت اہلکاروں کے ظلم و ستم کے خلاف میر بجار کی خدمت میں منظوم شکایت نامہ لکھا اور اپنا باغ چھن جانے کی شکایت کی ۔

۱۱۹۶ھ ۔ میر عبداللہ خان ، میر فتح خان اور مرزا خان کے قتل پر قطعہ تاریخ لکھا ۔

۱۱۹۷ھ ۔ قلعہ حیدر آباد فتح ہوا ۔

۱۱۹۸ھ ۔ اختیار داؤد کی شکست ۔ تیمور شاہ درانی کی طرف سے میر فتح علی خان کو سندِ حکومت سندھ عطا ہوئی ۔

۱۲۰۱ھ ۔ ٹھٹہ میں میر غلام علی تالپور کی آمد ۔

۱۲۰۲ھ ۔ میر فتح علی خان کے ہاتھ پر احمد خان نورزئی کی شکست ۔

۱۲۰۳ھ ۔ میاں غلام محمد تالپور خالوی میر فتح علی خان کی وفات ۔

۱۲۰۴ھ ۔ شاہ کی طرف سے میر فتح علی خان کو خلعت بھیجی

گئی - میر مراد علی خان برادر میر فتح علی خان کی تقریب شادی -

۱۲۰۶ھ - مثنوی سیر دل لکھی - میر فتح علی خان ، اس کے بھائیوں اور میر عظیم الدین کے لیے بنگلے تعمیر ہوئے -

۱۲۰۷ھ - حیدر آباد میں میر غلام علی خان نے مسجد تعمیر کرائی -

۱۲۰۸ھ - شاہ زمان بن تیمور شاہ کی طرف سے خلعت و سند حکومت عطا ہوئی -

۱۲۰۹ - میر محمد بن میر غلام علی خان کی پیدائش پر قطعہائے تاریخ غلام علی مومن (شاعر) کی وفات - فتح نامہ کی تصنیف -

۱۲۱۰ - ترتیب دیوان -

۱۲۱۱ - حکیم ابراہیم اور بادشاہ کے بیٹوں کی شادیوں پر منظومات لکھیں -

۱۲۱۲ - عظیم کے بیٹے کی وفات -

۱۲۱۳ - مثنوی رانجھن و ہیر کی تالیف -

تصانیف

۱ - مثنوی فتح نامہ - ۱۲۰۹ھ میں تالیف ہوئی -

۲ - **دیوان عظیم** - یہ پہلا دیوان ہے جو فتح علی خان کے حکم سے ۱۲۱۰ھ میں مرتب ہوا - باقی ماندہ ۱۹ سال کا کلام بیاضوں میں موجود ہے جو سندھی ادبی بورڈ کے کتاب خانے میں موجود ہے -

دیوانِ عظیم مرتبہ پروفیسر غلام مصطفیٰ خان سندھی ادبی بورڈ کی طرف سے شائع ہو چکا ہے۔

۳ - **دیوان اردو** - اس کا ایک نسخۂ خطی سندھی ادبی بورڈ کے کتابخانے میں موجود ہے۔

۴ - **مثنوی ہیر و رانجھا** - یہ داستان ۱۲۱۳ھ میں منظوم ہوئی۔ ۱۹۵۷ء میں سندھی ادبی بورڈ نے شائع کر دی ہے۔ اس مثنوی پر تبصرہ کے لیے دیکھیے: "ہیر و رانجھا کی رومانی داستان" جہاں سندھ کے دوسرے شعرا کی مؤلفہ مثنویوں کا تقابلی مطالعہ پیش کیا گیا ہے۔

عظیم کو حضرت علی اور ائمہ و اہل بیت کے ساتھ بے پایاں محبت اور گہری عقیدت ہے۔ کوئی غزل، رباعی، قصیدہ اور مرثیہ ہوگا جس میں اپنی اس محبت و شیفتگی کا اظہار نہ کیا ہو۔

عظیما مدح حیدر مقطع بر مطلعم باشد

گر علی ورد ملائک است بر عرش عظیم
نزد اہل دل عجب نبود علی نام خداست

وہ حضرت علی کو بار بار مدد کے لیے پکارتے ہیں:

ای داور من دست خدا بہرِ خدا دستم بگیر

خوش نگر یا علی ولی اللہ
غم ببر یا علی ولی اللہ
دہ مرا تا بنام تو دہم
سیم و زر یا علی ولی اللہ

ایک طرف تو وہ انسان کو اپنی مدد کے لیے پکارتے ہیں لیکن دوسری طرف وہ یہ بھی سمجھتے ہیں کہ امور قضا میں سب بے اختیار ہیں :

در امور قضا نبی و ولی همه بی اختیار الا الله

حکام تالپور خود اہل تشیع تھے ۔ عظیم ان کے درباروں سے وابستہ رہے اس لیے بھی ان کے سراسر کلام میں مدح امراء کے ساتھ منقبت علی و ائمہ اور شہدائے کربلا جاری و ساری ہے ۔ اسی مدح کی برکت سے وہ اپنے آپ کو شعراء کا امام کہتے ہیں :

زیمن مدح سر تاج اساماں
شدم من خسرو شیریں کلاماں

کلیات

مطبوعہ دیوان میں عظیم کے کل سرمایۂ شعر کی تفصیل حسب ذیل ہے :

غزلیات ۔ صفحات ۱ تا ۹۸ - ۲۲۲ تا ۲۳۷ -

قطعات تاریخ - ۹۹ تا ۱۲۳ ، ۱۸۲ تا ۱۸۵ ، ۲۱۰ ، ۲۱۱ -

قصاید - ۱۲۴ تا ۱۵۱ -

رباعیات - ۱۵۲ تا ۱۵۷ ، ۱۷۹ تا ۱۸۲ -

مراثی و سلام (مخمسات و مسدسات) - ۱۵۸ تا ۱۶۱ ، ۱۶۲ تا ۱۷۸ ، ۲۳۸ -

مثنویات و منظومات - ۱۸۶ تا ۲۰۸ ، ۲۰۹ تا ۲۱۷ ، ۲۱۸ تا ۲۲۱ ۲۳۸ تا ۲۴۰ -

اردو کلام - ۲۴۲ تا ۲۴۶ (غزلیات اور دو مرثیے) .

مرتبہ دیوان کے علاوہ اس کی منظومات محک خسروی ، بیاض قانع ، بیاض ڈ کٹر بلوچ اور مکلی نامہ سے دستیاب ہوئی ہیں ۔

شاعری

عظیم حافظ سے متأثر ہیں ۔ اکثر اس کی بحروں کا تتبع کیا ہے ۔ انھوں نے لکھا ہے :

خواہد ز بادہ خانۂ حافظ عظیم می
ساقی بنور بادہ بر افروز جام ما

انھوں نے اپنے چچا قانع سے تربیت حاصل کی جس کا انھوں نے ذیل کے شعر میں اعتراف کیا ہے :

نہال طبعم آب از جوی فیض قانعا خوردم
کہ ہر شاخ خیالش داد صد گلہای معنی را

اپنے معاصرین میں سے محسن و صفی کے ساتھ ہم نوائی و ہم مشربی کا ذکر کیا ہے :

سرمست یک خمیم من و محسن و صفی
ما شیشہ را بساقی کوثر سپردہ ایم

عظیم کا دل درد آشنا ہے ۔ انھوں نے اس درد کا سبب حضرت علی کی محبت اور ان کی یاد بتایا ہے :

دردم بغیر نام علی العظیم نیست
جز ذکر یار نیست سخن در کتاب ما

یہ درد ایک وسیع جذبۂ عشق کا حامل ہے ۔ یہ وہ درد ہے جو شاعر کو پسند ہے ۔ اس عشق سے وہ سرشار رہتا ہے ۔ بڑھاپے میں بھی

اس کو جوان رکھتا ہے ۔ اسے محویت و بے خودی عطا کرتا ہے ۔ وہ عشق کی باتیں کر کے خوش ہوتا ہے ۔

اگرچہ اس کا ظاہری محبوب نہیں لیکن باطن میں وہ محبوب کے معنوی دیدار میں مست رہتا ہے :

چہ شد گر شاہد صورت ندارم
پراست از شاہد معنی کنارم
ز ذوق بادۂ دیدار مست است
خدا شاہد دلم شاہد پرست است
بجز معشوق و عشق از من مپرسید
ز بلبل جز گل و گلشن مپرسید
ز اولاد امام العاشقینم
محمد اللہ امام الشاعرینم

مستی جام عشق خوش مستی است
نشہ این شراب را دریاب

نا خوش از درد می شود ہر دل
دل عاشق بدرد یار خوش است
پیریم عشق نوجوان دارد
این خزان من از بہار خوش است

عظیم اپنے اس جذبۂ عشق کی بدولت صلح کل کے حامی ہیں ۔ وہ مذہب کے مسئلہ پر کسی سے الجھنا نہیں چاہتے ۔ ان کا خیال ہے کہ خدا سب کا خدا ہے ۔ عام اصطلاحوں میں کافروں اور دینداروں کا ایک ہی خدا ہے اس لیے سب اپنی اپنی جگہ سب خوش رہیں ۔ ہمیں اپنا عشق مبارک ہو :

دین بہ دینداران مبارک کفر با کفار خوش
ذرۂ دردی مرا از مہر جانان مدعاست

اصطلاح کفر ودین خال و خط یک چہرہ ات
گر رحیم است واگر رام ست اسم یک خداست

عظیم کی غزل روایتی ہے ۔ مضمون میں کوئی خاص اپج نہیں ۔ تشابیہ سب روایتی فرسودہ اور مستعمل ہیں ۔

عارضت گل ، زلف سنبل ، چشم نرگس ، چہرہ باغ
محو دیدار ترا باسہ گلشن کار بست

چند غزلوں میں فراق یار ، درد فرقت ، بے اعتنائی اور کم لطفی کی باتیں ہیں ۔ صحیح معنوں میں ان کی نمایندہ غزلیں یہیں ہیں ۔ ایک غزل میں اپنے ان جذبات کا اظہار کیا ہے :

گریہ و آہ و فغان و بی قراریہای دل
در فراق از بہر و صلش ساز و سامانم بس است

دست من از دامن دلدار گر کوتاہ ماند
از غم دوریش دست اندر گریبانم بس است

گہ بظاہر سوی من کم بیند آن محجوب یار
آن نگاہ زیر چشم و لطف پنہانم بس است

ان کے دیوان میں بہت کم غزلیں ایسی ہیں جو اپنے اندر تغزل کا سماں رکھتی ہوں ۔ یعنی غزل کی بحر مختصر ہو ۔ بیان میں سلاست و نغمگی ہو ، سوز و کرب ہو ، محبوب سے لاگ و لگاؤ کی باتیں ہوں اور دھیمہ دھیمی جذبے کی آنچ بھی محسوس ہو ۔ عظیم کے اس مختصر دیوان میں مندرجہ ذیل غزل ان او صاف کی نمائندہ غزل کہی جا سکتی ہے :

جان من بیا که آشنا شده ای
مرده ام تا زمن جدا شده ای

من برایت زخویش بیگانه
تو بمه بیگانه آشنا شده ای

چون شدم از وفا غبار رهت
دامن افشان ز من چرا شده ای

شب ندانم که می کجا خوردی
صبحدم سرگران بما شده ای

زلف کج ، ابروت کج و مژه کج
موبمو شوخ کج ادا شده ای

نور پاک از رخ تو جلوه گر است
دلبر من خدا نما شده ای

رخ نمودی و ما شهید شدیم
لالۂ دشت کربلا شده ای

می چکد از گلت گلاب عرق
جان من چشمۂ بقا شده ای

می برد دل زکف ہر اندامت
تو سراپا چه دلربا شده ای

بوسه شد مضطرب زسر تا پا
سر بمهر لعل بی بہا شده ای

بر نیاری چرا امید عظیم
ای که تو نائب خدا شده ای

صرف ایک آدھ غزل میں شاعر کی دعا قبول ہوئی ہے ۔ اسے محبوب کا وصال نصیب ہوا ہے اور وہ اپنی کامیابی پر اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں :

شبم آسمان حلقہ در گوش بود
کہ چون ہالہ ماہم در آغوش بود

رم کردہ رام است الحمدللہ
آہو بدام ست الحمدللہ

اکثر غزلیں کافی طویل ہیں ۔ صفحہ ۵۰ و ۵۱ پر ایک غزل ۲۸ اشعار پر مشتمل ہے ۔ ایسی غزلوں پر تو قصیدہ کا شبہ ہوتا ہے، کوئی غزل ایسی ہو گی جس میں حضرت علی ، میر فتح علی خان ، میر غلام علی میر کرم علی اور میر مراد علی کی مدح میں اشعار نہ ہوں ۔

قصاید

قصاید کے مضامین میں نعت ، منقبت علی ، مدح میر فتح علی خاں اور دوسرے حکام غلام علی ، کرم علی اور مراد علی شامل ہیں ۔ نعتیہ قصاید ۲ ، منقبت علی ۷ ، مدح میر فتح علی ۵ اور مدح مراد علی ۲ ہیں ۔

ان تمام قصاید میں چونکہ شاعر کی اپنی ارادت و عقیدت اور احسانمندی شامل ہے اس لیے ان میں جوش و اخلاص جھلکتا ہے اور ساتھ ہی زور بیان ظاہر ہے ۔ مطلعوں کی اٹھان سے ہی ولولہ نمودار ہے :

ای وجودت بخدا باعث ایجاد بشر
بہر تو گشت بپا ہفت خیام اخضر

ع خدا را یک نظر شاہ مردان

ع خسروا حق نگہبان تو باد

ایک قصیدے میں سات مطلعوں کے ساتھ ان تینوں اجزاء کو اکٹھا

کیا ہے ۔ یعنی توحید ایزد ۔ نعوت حضرات والا اور دعائے سلطان سندھ میر فتح علی خان ۔ دو مخمس ہیں جن میں مدح اماماں اور مدح میر فتح علی خان ہے ۔ ایک مسدس ہے جس کا ترجیعی شعر یہ ہے :

آنکہ از جان و دل غلام علی است
حرزِ جانش ہمیشہ نام علی است

پانچ نظمیں صنف سلام میں ہیں ۔ ایک سلام میں بہاریہ اور دوسری میں جواہر کی اصطلاحات استعمال کی گئی ہیں نظموں کے ابتدائیے یوں ہیں :

السلام ای گلشن آرزوی نبوت السلام
یا حبیب خدا سلام علیک

مراثی

مرثیہ بھی منقبت کی طرح عظیم کا دلپسند موضوع ہے ۔ چونکہ اس میں مذہبی شدت شامل ہے اس لیے یہ نظمیں ان کے دل کی آواز ہیں ۔ چونکہ پڑھنے والے اور سننے والے خود جذب و خلوص سے پڑھتے ہیں اور سنتے ہیں ، اس لیے تاثرو تجاذب کا عمل یقینی ہے ۔

مرثیے سات ہیں ۔ ایک مسدس ہے ۔ ایک مربع اور باقی قصیدے کی ہیأت میں ہیں ۔

چونکہ شہدائے کربلا کے لیے شاعر کا دل روتا ہے ، اس لیے وہ دوسروں کو بھی گریہ و زاری کی دعوت دیتے ہیں اور ثواب دارین حاصل کرنے کا مشورہ دیتے ہیں ۔

محرم آمد ای یاران بگریید ای عزاداران

ای شیعہ بیا ماتم شاہ شہدا کن
حسینا آہ واویلا حسینا جان من قربان

رباعیات میں مناجات ، نعت اور دعائیہ مضامین ہیں ۔ مثنویوں کے مختلف موضوع ہیں ۔ مناجات ، بہار ، فراق یار ، نامہ ہائے منظوم ۔ عریضہ دعا ۔ مبارکباد ۔ خلعت و فتح در جنگ ۔ مثنویات میں تین طویل مثنویاں قابل ذکر ہیں ۔ سیر دل ، فتح نامہ اور ساقی نامہ ۔

سیر دل

۱۹۴ تا ۲۰۷ صفحات پر مشتمل ہے ۔ یہ مثنوی ۱۲۰۶ھ میں تالیف ہوئی ۔ مصنف نے خود تاریخ تصنیف کہی :

چو کردم غور در تاریخ فی الفور
عیاں شد سال تالیف وی از غـور

(۱۲۰۶ھ)

مثنوی کے آغاز میں توحید الٰہی ۔ مشاہدۂ حسن معنی از صورت زیبا ۔ تعشق حضرت ابراہیم با بی بی سارہ ۔ در مذمت غافلاں بصورت بینا بمعنی نابینا ۔ مشاہدہ صانع و مصنوع جیسے موضوعات پر اظہار خیال کر کے محبوب کا سرتاپا بیان کیا ہے ۔ اور جسم کے تمام اعضاء یعنی سر سے لے کر ناخن تک پر طبع آزمائی کی ہے ۔ آخر میں مدح سلطان ، سبب تالیف اور اپنے احوال پر اظہار خیال کیا ہے ۔ سراپا میں تشابیہ روایتی ہیں مثلاً

بسرو قامت ورخسار چو گل
بچشم نرگس و زلف چو سنبل

مجموعی صفات بیان کرنے میں محبوب کی محبوبیت کو نمایاں کیا ہے۔

نگاری ہوشیاری نکتہ یابی
سخن سنجیدہ گو حاضر جوابی
بتی مہ طلعتی بس مہربانی
خوش الحانی ملیحی شعر خوانی

سراپا بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ محبوب کے حسن و جمال سے جمال الہٰی اور حضرت پنج تن کا مشاہدہ ہوتا ہے۔ مثلاً اس نقطہ کو سمجھنے کے لیے دو تین شعر ملاحظہ کیجیے :

زعین چشم عالمگیر دلبر
علی با چشم دل دیدم مکرر
ز دو رخسار دو حای مدور
دو شاہد حاضر از حسنین انور
درآن میم دہن آن سین دندان
بسین سیدہ بستو دپنہان

ساقی نامہ

عظیم نے ساقی نامہ لکھ کر ایک روایت کو برقرار رکھا ہے لیکن اس میں ساقی وجام و میخانہ اور مے سے مراد ظاہری و مادی اشیاء نہیں بلکہ یہ ساقی نامہ معنوی ہے اور یہ عظیم کی جدت ہے کہ انھوں نے می و میخانہ و صراحی و جام کے اوصاف مجازی و اصطلاحی معنوں میں بیان کیے ہیں۔ مندرجہ ذیل اشعار سے ساقی نامہ کی نوعیت سمجھ میں آ جائے گی :

بیا ساقی ای کام بخش الست
بہ مستان خود جام بخش الست

بیا و بدہ از کرم بی حجاب
ز انا عرضنا الامانتہ شراب

بیا تا بکام دل از چشم مست
تو می بخش باشی و من می پرست

چہ می سربسر مغز عرفان و عشق
چہ می مایۂ صدق و ایمان عشق

چہ میخانہ بیت الحرام قلوب
چہ میخانہ دار السلام قلوب

فتح نامہ

میر عظیم الدین نے یہ مثنوی شاہنامہ فردوسی کے تتبع میں لکھی۔ سبب نظم کتاب بتاتے ہوئے اپنا اور فردوسی کا مقابلہ کیا ہے اور اپنی کامیابی اور فردوسی کی محرومی کا ذکر کیا ہے۔ یہ مثنوی ۱۲۰۹ھ میں تمام ہوئی۔ عظیم نے خود تاریخ کہی۔

بفرمود آن ہاتف نیک فال
زہی فتح نامہ بتاریخ سال

میر فتح علی خان تالپور فاتح سندھ (م - ۱۲۲۶ھ) کے نام منسوب ہونے کی وجہ سے اس کا نام فتح نامہ رکھا گیا۔ اور چونکہ سندھ ایک خاندان کے تصرف سے نکل کر دوسرے خاندان کے تصرف میں آیا تھا، اس لیے فتح نامہ، ذو معنی نام بن گیا۔

یہ مثنوی تمہید اور پانچ مجالس میں منقسم ہے۔

تمہید میں مناجات ، نعت سید کائنات ، مدح حیدر کرار و ائمہ اطہار کے بعد میر فتح علی خان والی سندھ کی طویل مدح لکھی ہے ۔ اس کی شمشیر ۔ سپر ۔ تفنگ ۔ سنان اور اسپ وغیرہ کی توصیف و ستایش میں اشعار لکھے ہیں ۔ پھر میر فتح علی خان کے بھائی میر غلام علی خان کی مدح میں اشعار کہے ہیں ۔ اس کے بعد اپنے ذاتی حالات لکھ کر سبب نظم کتاب بتایا ہے ۔

مجلس اول میں فضایل اخلاق حمیدہ پر عمومی تبصرہ کیا ہے ۔ عبادت دینداری ۔ عدالت ۔ رعیت پروری ۔ سخاوت ۔ شجاعت کے فضایل بتائے ہیں اور علمیت اور سخن پروری کے مراتب پر بھی روشنی ڈالی ہے ۔

مجلس دوم میں میر بہرام رئیس بلوچان دلیر کا ذکر کر کے عباسی خاندان کا حال بیان کیا ہے اور سندھ میں ان کے کارہائے نمایاں بیان کیے ہیں ۔ مجلس دوم سے مجلس چہارم تک امیران کلہوڑۂ نور محمد الملقب بہ خدا یار خان ۔ میر مراد خان ۔ میاں غلام شاہ خان ۔ میاں سرفراز خان میاں غلام نبی اور میر عبدالنبی کے عہد حکومت کے چیدہ چیدہ واقعات بیان کیے ہیں ۔ ان کے باہمی مناقشات اور دوسرے سرداران قبایل کی آویزشوں کی تفصیل بتائی ہے ۔ ضمناً میر بجار خان ۔ راجہ لیکھی ۔ فتح خان ۔ محمد نصیر حاکم قلات کے احوال و کوائف کا بیان بھی ملتا ہے جس سے ان اشخاص کے اس کردار پر بھی روشنی پڑتی ہے جو انھوں نے سندھ کی تاریخ میں ادا کیا ۔

مجلس پنجم میں صرف میر فتح علی خان کے عہد حکومت کا ذکر کیا ہے ۔ آخری واقعہ وہ ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ عبدالنبی شاہی افواج کی حمایت کے ساتھ سندھ پر حملہ آور ہوا لیکن فوج واپس ہوئی اور میر فتح علی خان کو تیمور شاہ درانی کی طرف سے خلعت و شمشیر عطا ہوئی ۔ آخری واقعہ محفوظ خان کی وفات کا ہے ۔

اس مثنوی میں تقریباً ۱۱۳۱ھ سے ۱۲۰۸ھ تک کے تاریخی واقعات کا ذکر ہے۔

فتح نامہ کی تاریخی حیثیت مسلم ہے کیونکہ اسے ایک معاصر نے لکھا ہے اور بعض واقعات کا وہ عینی شاہد ہے۔ دوسرے واقعات بھی اس نے ان لوگوں کی زبانی سنے ہوں گے جنھوں نے ان واقعات میں حصہ لیا یا ان لوگوں سے جو ان کے قریبی معاصر تھے۔ لیکن چونکہ اسے درباری شاعر نے لکھا ہے، اس لیے ممدوح حاکم کی عظمت کا خیال تو اسے دامنگیر تھا اور اس کے مقابل حریفوں کا ذکر لازماً ادب سے کمتر درجے میں رکھ کر بیان کرنا تھا۔ چونکہ بیانات منظوم ہیں اس لیے عموماً ہر واقعہ کے سال و ماہ بیان کرنے کا التزام مشکل تھا۔ مصنف نے واقعات کا تاریخی تسلسل تو قائم رکھا ہے لیکن تاریخیں درج نہیں کیں۔ ایک آدھ جگہ کسی کی وفات یا قتل یا مشہور واقعہ پر تاریخ کہی ہے مثلاً راجہ لیکھی کی شکست پر لکھا ہے:

چو بگریخت آن خر پرست شقی
دلم گفت سالش شکست شقی

(۱۱۹۰ھ)

فتح نامہ کے مطالعہ سے نامور حکام کے اخلاق و کردار پر واضح روشنی پڑتی ہے۔ بعض کی علمی فضیلت اور علمی قدردانی کا بھی علم ہوتا ہے۔ میاں محمد سرفراز خان کے متعلق لکھا ہے:

سخن آفرین و سخن سنج بود
ز معنی دلش پر گہر گنج بود
امیر جہان قدر دان سخن
ز ہر یک گرفت امتحان سخن

من از بزم آن خان صاحب کمال
ہمی یافتم کام دل چند سال

میر غلام علی کے متعلق لکھا ہے ۔

بود نظم و نثرش زبس گلفشان
بیاضش گلستانست یا بوستان

میاں محمد مراد خان کی لاابالی زندگی کے متعلق لکھا ہے :

می و مطرب و لولیش یار بود
شب و روز او صرف این کار بود

مثنوی کی ادبی حیثیت بھی بلند ہے ۔ الفاظ کا دروبست پختہ ہے ۔ صنایع و بدایع سے بھی کام لیا ہے ۔ مراعات النظیر کا استعمال عام ہے اور شگفتہ ہے اور ساتھ ہی مصنف کی علمی فضیلت کا عکاس ہے ۔ اس کی ایک عمدہ مثال مندرجہ ذیل اشعار میں ملتی ہے :

یکی از غلامانش اقبال نام
بود حاضر خدمت او مدام
زبس شغل علمش بود دلپذیر
بدین نحو صرف است اوقات میر
گر از وی سوال مطول کنی
بیک نقطۂ مختصر حل کنی
کسی را کہ افلاس بیمار کرد
علاجش بمعجون دینار کرد

ایک جگہ جنگ میں میر کی مہارت کا حال شطرنج کی اصطلاحات

میں یوں بیان کیا ہے :

چو با میر منصوبہ بازد وزیر
چہ بر بازی خویش نازد وزیر
ہنوز او بیازی و طاسات بود
کہ با کشت بیدق شہش مات بود
بحربش چو قائم کند شاہ رخ
بضربش بتابد ازین راہ رخ
چو بر رزمگہ رخ بہ تعجیل زد
سم اسپ بر مہرۂ پیل زد
عدویش چہ بازی بشطرنج برد
ہمین از بساط جہان رنج برد

فتح نامہ سندھی ادبی بورڈ کی طرف سے ۱۹۶۷ء میں شایع ہو چکی ہے - شیر محمد نظامانی نے مقدمہ و تعلیقات کے ساتھ اسے مرتب کیا ہے -

—o:—

میر محمد نصیر جعفری[1]

میر محمد نصیر ، میر مراد علی خان والی سندھ (م - ۱۲۴۸ھ) کا بیٹا تھا - وہ قلعہ حیدر آباد میں ۱۲۱۹ھ کو پیدا ہوا - اخوند محمد بچل انور سے دینی و دنیوی تعلیم حاصل کی - اپنے بھائی میر نور محمد خان (م-۱۲۵۶ھ) کی وفات پر تخت نشین ہوا - ۱۲۵۹ھ میں انگریزوں نے سندھ پر قبضہ کر لیا اور ان کو دیگر افراد خاندان شاہی کے ساتھ گرفتار کر کے پہلے بمبئی پھر پونہ اور ساسور میں مقید رکھا - آخر میں کلکتہ لے گئے - ۱۱۶۱ھ میں وہیں فوت ہوئے - نعش حیدر آباد لائی گئی - میر صوبدار خان نے مرثیہ لکھا جس کا ایک شعر یہ ہے :

داغ نصیر خان دل ما را چو لالہ سوخت
بر رغم بلبلان گلی زین بوستان برفت

وہ 'سخاوت منش کریم الطبع' تھا اور مربی شعر و ادب تھا - مندرجہ ذیل شعراء اس کے دربار سے وابستہ تھے :

محمد بچل انور ، محمد یوسف ، آغا زین العابدین ، مرزا فریدوں بیگ قانع ، میرزا احمد باقر ، میرزا عباس ، عبدالرضا صدر اعظم ، بہادر خان اخلاق ، میرزا طاہر ، قاضی گل محمد ملتانی ، قاضی اخوند احمد ، اخوند غلام حیدر ، نور محمد جوہری ، ملا روشن ، دیوان نتھا رام مسرور ، سید ، شایق ، وفا -

تصانیف

۱ - دیوان فارسی مرتبہ ۱۲۳۳ھ -

---

۱ - تکملہ مقالات الشعراء ، محمد ابراہیم خلیل ، مرتبہ حسام الدین راشدی ، کراچی ۱۹۵۸ ع -

۲ - دیوان اردو مرتبہ ۱۲۶۱ھ - اس میں ۱۲۲ غزلیں - ۸ مسدس اور ۳ مخمس ہیں -

۳ - سفر نامہ جعفری (۱۲۶۰ھ) -

۴ - مثنوی مرزا و صاحبہ -

۵ - مکاتیب جعفری - یہ وہ خطوط ہیں جو انھوں نے دمدمہ سے اپنی بیگم کو لکھے ہیں - خطوں کا یہ مجموعہ ۱۲۸۲ ورق پر مشتمل ہے - اسے میر حسن علی خان نے ترتیب دیا ہے -

۶ - مثنوی مختار نامہ (۱۲۴۱ھ) -

سفر نامہ جعفری منظوم ہے - اس کے دو حصے ہیں - پہلا حصہ ۹۵ اشعار پر مشتمل ہے جس میں حیدر آباد سے بمبئی ، پونہ اور ساسور تک کے حالات مندرج ہیں - دوسرے حصے میں سفر کلکتہ کے احوال قلمبند کیے ہیں -

اس کے چند اشعار یہ ہیں :

شب تیرہ و موج دریای شور
مبیناد کس این چنین شب بگور

جدائی بود سخت اندر جہان
بپیش کہان و بپیش مہان

خصوصاً جدائی ز اولاد خویش
کہ بس جانگداز است و از مرگ بیش

بوقتیکہ از ما بگردید ہور
بغارت ببردند ہژدہ کرور

وہم ملک و ناموس ما سر بسر
ببردند در دوستی بی خبر

مثنوی مرزا و صاحباں ۱۲۳۵ھ میں صرف دو ماہ کی مدت میں تمام ہوئی - اس کے ۱۲۲۴ اشعار ہیں -

دیوان

دیوان کا ایک نسخہ خطی پنجاب یونیورسٹی لائبریری ، مجموعہ شیرانی ، شمارہ Pivi 282 پر موجود ہے - کل ۱۳۸ ورق ہیں - ہر صفحے میں تقریباً چودہ پندرہ اشعار ہیں - دیوان غزلیات پر مشتمل ہے - غزل کا موضوع محدود ہے - عموماً ہر غزل میں محبوب کی صفات بیان کی گئی ہیں خصوصاً اس کے اعضاء کا حسن واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے - تشابیہہ مستعمل اور بے لطف ہیں - مثلاً

رخ - روز ، لالہ - زلف - شام - سنبل ، کمند - چشم - آہو - مژگاں - تیر ، خنجر - لب - لعل ، مرجاں - نطق - طوطی ، معجزۂ عیسیٰ - قد - سرو ، طوبیٰ ، صنوبر ، شمشاد - ابرو - ہلال عید - زنخداں - سیب - ابرو - کماں - کمر - مو - محبوب - حور لقا ، حوروش ، سیم تن وغیرہ - پستان - انار و ترنج و بہی -

محبوب کے متعلق اشعار رسمی ہیں لیکن ان اشعار میں جذبۂ ہوس کا اظہار ہے اور جسمانی لذت اندوزی کا احساس کارفرما ہے - ان میں کچھ شگفتگی ، گرمی اور واقعیت نظر آتی ہے چونکہ شاعر والی سلطنت تھے اور حسین محبوب کا حاصل ہو جانا کوئی مشکل مسئلہ نہیں تھا ، اس لیے اس سے لطف اندوز ہونے کے مواقع بھی آسانی سے میسر ہو سکتے تھے چنانچہ ہر غزل میں ایک آدھ شعر ایسا بھی آ جاتا ہے جس سے غزل کے اس رجحان کا علم ہو سکتا ہے -

خواہم کہ بیوسم لب ناز کبدنی را
در بر کشم آن مہ رخ گل پیرہنی را

خواہم کہ ہمہ بند قبایش بکشایم
زان بعد کشم تنگ بہر سیم تنی را

چو آمد از رہِ مہر آن پری در آغوشم
میسرم بشدہ جملہ مدعا امشب

ع - بدہ صد بوسہ و صد بار دیگر ای دلبر

من ندانم چیست ای دلدار در پیر ہفت
از پی بشناختن ید در گریبانت کنم

ایسے محبوب کے ساتھ اگر مے و مینا اور چنگ و رباب کی محفل ہو تو اور لطف ہے - چنانچہ ایسے مواقع کی بڑی آرزو کی ہے -

وہ چہ خوش باشد این تفصیل بہار
می و معشوق و باغ و چنگ و رباب

این دل از وصل تو من خوردم و گلشن کردم
با تو می خوردم و ہم دست بگردن کردم

شاعر کا محبوب ہرجائی ہے اس لیے وہ رقیب کو برداشت نہیں کر سکتا - اس کو برے نام سے پکارتا ہے اور گالیاں تک دیتا ہے - دو شعر ملاحظہ کیجیے :

در کنارم ترا بدید رقیب
جامہ ز آن غم دریدہ می آید

(۵۲ ب)

رقیب ملحد شوم سگ بیدین و بی ایمان
ہمی خواہم کہ بینم روز و شب بیمار و رنجورش

(۸۸ ب)

شاعر کو سبز رنگ محبوب بہت مرغوب ہے۔ چنانچہ اشعار میں اس کا اظہار کیا ہے، مثلاً:

در گوشهٔ بیت حزن صبحم شده شام وطن
از سبز رنگان دکن شد سینهٔ من پاره ها

غزل کا دوسرا موضوع حضرت علی، اہل بیت اور ائمهٔ اطہار سے عقیدت ہے۔ ہر غزل میں دو تین شعر ایسے ہیں جن میں اس عقیدت کا اظہار ملتا ہے۔ ہر غزل کا مقطع اس عقیدت کا مظہر ہے۔ حضرت علی کو مشکل کشا اور کام روا لکھا ہے:

نصیب من ز ازل شد محبت حسنین
زحب آل محمد دلم سرخوش عملی است

باشد مطیع حکم تو این ملک سندوہند
ای خسرو عراق و عجم یا علی مدد (ص ۶۳)

مخالف عقیدہ رکھنے والوں کو برا بھلا بھی کہا ہے:

ہزار رحمت به خیل شیعه ہزار لعنت به قوم اغیار

ہر چه باغ فدک زہرا برد
ہمچو فرعون در یقین من است (ص ۲۳)

سنیا نزدیک من ذکر فدک ہرگز مکن
در تبرا تیغ عریانم نام ما مہر (۷۷)

تو ای دشمن خدا سنی ز دینداری نمی دانی
(ص ۱۳۳)

چل پاره بود مصحف دلہای عاشقان
ده پاره ز آن نمود رقیب لعین نہان
(ص ۱۱۷ ب)

جعفری کی طبیعت موزوں تھی لیکن تخیل میں اپچ اور نظر میں وسعت نہیں تھی۔ موضوع کے اعتبار سے بہت کم ایسے اشعار ملیں گے جس میں فکر کی بلندی یا خیال کی گہرائی ہو۔ البتہ شعر کا ذوق تنہا۔ اچھی دلپذیر بحروں کا انتخاب کرتے تھے۔ سعدی، حافظ، ، قتیل، واقف اور غنی کا تتبع کیا ہے۔ ایک جگہ تو وہ کہتے ہیں کہ میرے اشعار ارباب ذوق میں پسندیدہ ہیں:

شعر من درمیان موزونان
شکرللہ چہ خوش مضامین است (ص ۱۸۱)

دوسری جگہ کہتے ہیں:

در ہند کسی قدر شناس نبود حیف
از ہند بایران ز خود اشعار فرستم

(۱۰۴ ب)

جعفری راچو صائب کس نمی بخشد خیر
مدتی شد کز دل افگار دور افتادہ ام (ص ۱۱۱)

مندرجہ ذیل اشعار سے ظاہر ہے کہ انھوں نے کس کس شاعر کا کلام مطمح نظر رکھا ہے:

جعفری مصرع موزوں بود از بیرم خان
نازکی بدن از پیرہن معلوم است

—— ——

حسن سبزش بخط سبز مرا والہ ساخت (ص ۹۱ ب)

یہ مصرع غنی کے مندرجہ ذیل مصراع سے ماخوذ ہے۔

حسن سبزی بخط سبز مرا کرد اسیر

برقع برخ کشید و حیا را بہانہ ساخت
با تیر غمزہ خست و قضارا بہانہ ساخت (۳۳ ب)

قتیل کے اس شعر سے ماخوذ ہے۔

خود سوی ما ندید و حیا را بہانہ ساخت

ع شاد گشتم زغم ہجر نجاتم دادند

اور ع نہ ہر کہ یار شود طرز دلبری داند
میں حافظ کا تتبع ہے:

واقف ایں مصرع برجستہ بگفت
سرو با آن قد رعنا نرسد (۴۴ ب)

نامدی در بر من فصل بہار آخر شد (۵۸)

غزل کے روایتی مضامین کے علاوہ کہیں کہیں حکمت و دانش یا تجربہ و سیاست کے موضوع پر بھی ایک آدھ شعر دیوان میں نظر آ جاتا ہے۔ مندرجہ ذیل شعر شاید ان کی اپنی سیاسی زندگی کا نچوڑ ہے:

شہر یاری بی سیاست بر سر تخت شہی
بی مہابت در جہان مانندۂ شیر طلاست

(ص ۳۲ ب)

—:o:—

عبدالحکیم عطا

عبدالحکیم عطا نے اپنی مثنوی کنزالاحسان مصنفہ ۱۱۱۷ھ میں اپنی زندگی کے حالات قلمبند کیے ہیں ۔ انھوں نے بتایا ہے کہ ان کے دادا محمد عہد ترخان میں تھٹہ آئے اور وہیں مقیم ہوگئے ۔ وہ بڑے عالم اور موحد بزرگ تھے ۔ وہ ۱۰۱۰ء میں فوت ہوئے :

دهم صد بعد نہصد سال ہجرت
دریـن مہمان سـرای جـای رحلت

عطا کے والد نے لمبی عمر پائی ۔ ان کے ہاں بیس اولادیں ہوئیں لیکن کوئی بچہ زندہ نہیں رہتا تھا ۔ ساٹھ ستر سال کی عمر میں اولاد زندہ رہنے لگی ۔ عطا لکھتے ہیں کہ میری عمر نو دس سال ہوگی کہ میرے والد وفات پاگئے اور ہم دو بھائی یتیم و مفلس رہ گئے ۔

عطا نے اپنی تاریخ پیدائش نہیں لکھی لیکن اپنی شادی کی تاریخ اور اسی وقت اپنی عمر بتائی ہے اس لیے سال ولادت بھی متعین ہوسکا ہے ۔ وہ اپنی شادی اور عمر کے متعلق لکھتے ہیں ۔

کہ سال غین و ف جیمش اضافی
شـدہ در سنِ لام آنـرا تـلافی (ص ۸۹)

---

۱ ۔ ہشت بہشت ۔ عبدالحکیم عطا تتوی ، مرتبہ حسام الدین راشدی ، حیدر آباد ، ۱۹۶۳ء ، دیباچہ ۔ دیوان عطا مرتبہ محمد مطیع اللہ راشد ، سندھی ادبی بورڈ ، کراچی ، دیباچہ ۔

غ+ف : ۱۰۸۰، جیم یعنی ۳ منفی - سال شادی ۱۰۷۷ھ - عمر لام یعنی ۳۰ سال اس حساب سے ان کی تاریخ پیدائش ۱۰۷۷-۳۰ یعنی ۱۰۴۷ھ متعین ہوتی ہے - انھوں نے لکھا ہے کہ میں نو دس سال کا تھا کہ میرے والد مرحوم ہو گئے گویا باپ کی تاریخ وفات 1056 ۱۰۵۷ھ ہو سکتی ہے -

عطا نے بتایا ہے کہ میری ابتدائی زندگی حرمان و کم نصیبی میں گزری - میں نے صرف ایک بوڑھا چچا دیکھا - اس کے بیٹے بڑے نافرمان تھے - ان کے ہاتھوں میں نے بڑے دکھ جھیلے - ماموں نے بھی ہم یتیموں کے حقوق غصب کیے - محمد رحیم نامی ایک ہمشیر زاد تھے جو میرے ہم درس و ہم نوا تھے لیکن رند و لاابالی تھے - تیس چالیس سال کے درمیان عمر ہوگی کہ ہندوستان کا سفر کیا اور وہیں واصل بحق ہوئے - عطا کے خسر نیک سیرت قاضی تھے - انھوں نے بڑا اچھا سلوک کیا - عطا کی پہلی بیوی ۱۰۸۲ھ میں فوت ہو گئی اور ان کو بڑا صدمہ ہوا قاضی صاحب نے اپنی دوسری بیٹی ان کے ساتھ بیاہ دی لیکن مزاج میں وہ پہلی سے مختلف تھی - عطا نے ہمیں یہ بھی بتایا ہے کہ بیوی کے بھائی مسرف و مفسد تھے اور انھوں نے گاؤں کا امن تہ و بالا کر رکھا تھا - آخر انھوں نے اپنے بد اعمال کی سزا پائی اور وہ منتشر ہو گئے -

عطا نے طویل عمر پائی - ایک جگہ لکھتے ہیں :

شد بسر ہشتاد سال در سن عمر این فقیر

دوسری جگہ لکھا ہے :

پاس ہشتاد و نود - - - جملہ بر ہم ساختی

دیوان میں قطعات تاریخ میں سے آخری تاریخ ۱۱۳۵ھ مندرج ہے -

اگر نوے سال بھی عمر شمار کریں تو ۱۰۴۷ھ میں نوے جمع کرنے سے ۱۱۳۷ھ سال وفات نکلتا ہے۔

ان کے کلام کے جستہ جستہ مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ قلندر مشرب۔ صوفی پاکباز قادری سلسلے سے متعلق تھے۔ سبز پوشی ان کا شعار تھا۔ وہ وسیع المشرب سنی تھے۔ جیسا کہ انھوں نے خود کہا ہے:

حب علی است مقتضی حب چار یار
نبود بجز کمال تسنن مکملی

وہ زود رنج۔ نازک مزاج تھے۔ خود پسندی کے ساتھ خودداری اور خود اعتمادی جیسی صفات سے بھی بہرہور تھے۔ اس لیے اپنے خیالات کے بیان میں جرأت و بے باکی سے کام لیتے تھے۔

عطا کی زندگی خوشحالی کے ساتھ نہیں گزری۔ عموماً وہ دکھیا اور زمانے کے شکوہ سنج نظر آتے ہیں مثلاً ذیل کے اشعار سے ان کے دل کی کیفیت آشکار ہے۔

درین گذرگہ ویران عطا چو مفلس بیکس
بجس شمار نہ گیرد بکس حساب ندارد

مگو کہ کیست عطا و مجو کہ حالش چیست
بجز شکستہ دلی غیر خستہ جانی نیست

غریب اندر وطن این پیر مسکین
سخنور پختہ لیک از بخت خامی

کہ در قحط الرجال قدر دانی
نشد پرسان ز حال من عطامی

ایک مرتبہ خاص ابتلا میں گرفتار ہو گئے۔ "ابتلای مصنف" کے

عنوان سے ایک خاص واقعہ لکھا ۔ جس کے ایک شعر سے اس مصیبت کا اندازہ ہو سکتا ہے :

شد بسر ہشتاد سال از سن عمر این فقیر
ہیچ در خواب و خیال این سان نبوده ابتلا

اپنی مصیبت کے ساتھ ساتھ عطا کے کلام میں اکثر ان کے زمانے کے معاشی و معاشرتی حالات پر روشنی پڑتی ہے ۔ ایک وقت کے انتشار وخلفشار کو یوں بیان کیا ہے :

نہ جای رفتن و نی جای ماندن مردم
بآن مثل کہ زمین سخت آسمان دور است
شوارع و طرق شہر و کوچہ و بازار
زبیم تفرقہ جمعیت از ہمہ دور است

عطا کے دیوان میں باقاعدہ قصاید مدحیہ تو نہیں البتہ مختصر سی مدحیہ نظمیں اور قطعات ہیں جن میں مندرجہ ذیل حکام و نواب کی مدح کی گئی ہے ۔ مدح و ستائش میر روایتی مبالغہ نہیں ۔ معلوم ہوتا ہے کہ ان ممدوحین سے انہیں فائدہ پہنچا ہے اور ان میں سے اکثر قابل ستائش تھے ۔

احمد یار خان یکتا ۔ نواب شاکر خان ۔ ظفر خان احسن ۔ کمال الدین احمد خان رضوی(م۔۱۱۲۲ھ)امیر لطف علی خان (م ۱۱۴۴ھ)۔ امین الدین خان (۱۱۲۷ھ ۔ ملا فاضل عثمان خان (م۔۱۰۹۲ھ) مہابت خان بن محمد منعم خان (م۔۱۱۲۲ھ) ۔

شاعری کے متعلق عطا کا نظریہ خوش آئند نہیں وہ کہتے ہیں کہ شاعری جو عزت نفس کو برباد کرے اور ہرزہ سرائی پر آمادہ کرے وہ قابل نفرین ہے :

بشعر و شاعری آخر بزار نفرین باد
بوفق والشعراء یتبعہم الغاوون
عطا ہنر نبود شاعری مرا حاشا
کہ کسب روزیم از شاعری بود مقرون
آزمودم شاعری مذموم تر از ساحری
دفتر ماخولیا املاء و انشا میکنم

ایک غزل میں شاعری کے متعلق اپنا نقطۂ نظر یوں بیان کیا ہے :

شعری کہ مدعاش نباشد بتر ز کفر
ہرچند شاعری نبود ہمچو کافری
از مدح و قدح و ہرزہ و ہذیان روز گار
حیف است مرمعارف اوقات شاعری
بودی کلید قفل حوائج لسان شعر
اکنون حجاب چہرۂ احتمال بنگری

عطا کی غزلیات میں تغزل بہت کم ہے یعنی عشق کی کسک موجود نہیں ۔ ظاہر ہے انھوں نے ہوا و ہوس والے عشق کی راہ نہیں دیکھی ۔ ان کا محبوب غزل کا روایتی کلاسیکی محبوب ہے جس میں ایک وقت میں ایسی صفات موجود ہیں جن کی ایک شخص میں موجودگی محال ہے ۔ ان کی تشابیہ بھی یکسر روایتی ہیں ۔ کوئی چیز نئی نہیں ۔ اچھا ہوا عطا نے محبوب کا تمام و کمال سراپا ایک ہی غزل میں بیان کر دیا ہے جو نمونہ کے لیے محفوظ رکھنا چاہیے :

صبر از دل و دل ہم ز کفش برد نگاری
عیاروشی ، عشوہ گری ، عربدہ کاری

گل پیرہنی ، سروقدی ، غنچہ دہانی
یاقوت لبی ، ماہ رخی ، لالہ عذاری
عنبر خطی ، الماس نگہ ، تیزادای
ناوک مژہ ، ابروچو کمان ، معرکہ داری
نازک بدنی ، سنگدلی ، آئینہ چشمی
آہو نگہی ، کبک پئی ، عشق شکاری
چہ در ذقنی ، سیم تنی ، سلسلہ موئی
نظارہ دہی ، تیغ زنی ، نیزہ گزاری

عطا کا محبوب پڑھا لکھا ہے جو قرآن کو سمجھتا ہے ۔ وہ ناراض ہوتا ہے تو وہ اسے قرآن مجید کی آیت کا واسطہ دے کر عذر خواہی کرتا ہے :

عذر تقصیر است جانا گر ز من رنجیدہ ای
آیہء و الکاظمین الغیظ را نشنیدہ ای

عطا کے مطبوعہ دیوان میں تقریباً چھ ہزار شعر ہوں گے ۔ ان میں غزلیات ۔ رباعیات ترجیع بند ۔ ترکیب بند ۔ ساقی نامہ ۔ قطعات اور مختصر مدحیہ نظمیں ہیں ۔ ہشت بہشت کی مثنویاں الگ ہیں ۔ ممکن ہے ۔ قصاید کا مجموعہ الگ بیاض میں جمع کیا ہو ۔ انھوں نے اپنے اشعار کی تعداد ایک جگہ تیس ہزار اور دوسری جگہ ایک لاکھ بتائی ہے :

نسخہ ابیات دیوانم گذشت از سی ہزار
لیکین این درو گہر رانیست اکنون جوہری

تصانیفم فزون از صد ہزار است
ز لک بیت است افزون خوش کلامی

کہنہ مشق ہونے کی وجہ سے عطا پختہ گو شاعر ہے۔ اس کے اشعار میں فنی پختگی ہے۔ اس نے تقریباً ہر صنف سخن میں طبع آزمائی کی ہے اور صنایع بدایع کے استعمال سے بھی اپنی فنی مہارت کا ثبوت دیا ہے۔ بے نقط غزل بھی لکھی ہے۔ مختلف الفاظ و حروف کے تلازمات کا خیال رکھ کر بھی غزلیں لکھی ہیں۔ حافظ۔ سعدی۔ جلال۔ اسیر کے مقابلے میں غزلیں کہی ہیں لیکن فکر کے اعتبار سے ان کا کوئی مقابلہ نہیں۔ بعض غزلوں میں غنائیت ہے اور موسیقی کے آہنگ کے ساتھ اشعار رواں دواں ہیں مثلاً ذیل کے اشعار دیکھیے:

بتو نامہ ای نوشتم کہ ز خون دل سرشتم
چو باشک دانہ کشتم نظری بزرع خامی

تو ندیدہ ای دریغا کہ ترا ندیدہ دیدہ
بنشین بدیدہ جانا کہ تو نوردیدہ باشی

نمودی رخ، اربودی جان، کشادی زلف بستی دل
نگندی، سوختی، کشتی، کباب انداختی رفتی

کہیں کہیں مثالیہ اور تشبیہ مرکب کے بھی اچھے نمونے موجود ہیں۔ مثلاً:

نشین بدیدۂ ما و نگر در آب روان
بیا کہ بیم خطر نیست در سفینۂ ما

ز راہ دیدہ درآ در سرای دل جانن
کہ دیدہ دیدہ بپای تو زینہ زینۂ ما

عطا کو چونکہ زندگی کا بڑا تجربہ حاصل ہوا۔ زمانے کے نشیب و فراز دیکھے۔ کٹھن راہوں سے گزرے۔ اعزاء و احباب کی بے وفائی اور اغیار کی آشنائی دیکھی۔ زمانے کی ناقدری کا شکار ہوئے۔ ان تمام

حوادث سے ان کا دل متاثر ہوا ۔ اسی بنا پر وہ اپنے اشعار میں زندگی کی ان کشمکشوں سے آگاہ کرتے اور آدمی کو اعلی قدروں کی پاسداری کے لیے نہایت مفید مشورے دیتے ہیں ۔ اس قسم کے خیالات کی ایک نمائندہ غزل مندرجہ ذیل ہے :

ز اهل دردمندی اگر ، یار درد مندان باش
چو شمع گریہ کنان میگداز و خندان باش

فتیلۂ جگر و آتش آہ و روغن اشک
چراغ سوختگی بر فروز و افشان باش

چو آب در جگر سنگ باش و جریان کن
چو نالہ در دھن نی نشین و نالان باش

گل نظارہ بدامان دیدہ پاک بچین
اگر صبا صفتی محو این گلستان باش

ہمیشہ دیدۂ پردار اگر تہیدستی
مشو چو بند گریبان کشادہ دامان باش

بدست تفرقہ مجموعۂ حواس منہ
شنو ، بگیر و ببو و بگو و بینان باش

ہشت بہشت

یہ عطا کی آٹھ مثنویوں کا مجموعہ ہے جو ۱۰۸۵ اور ۱۱۱۸ھ کے درمیان تالیف ہوئیں اور فارسی کی مشہور ترین مثنویوں کی بحروں کے تتبع میں منظوم کی گئی ہیں ۔ لیکن ان کے موضوعات مختلف ہیں ۔ ان آٹھوں مثنویوں کی مختصر تفصیل حسب ذیل ہے :

۱ - بہشت اول

مثنوی روح رضوان ۔ بحر حدیقتہ الحقایق سنائی ۔ سال تصنیف ۸۵ ۰ ھ

سال اصلاح ۱۱۰۷ھ - مطبوعہ صفحات ۱-۲۲ - موضوعات سخن - مناجات نعت سیدالرسل - تمثیل فی العجزالحال و سوال حسن مآل - عرض حال بحضرت خیر البریت - ذکر صحابہ و تابعین باوصاف خلفاء الراشدین - ذکر ائمہ اثناعشر - خدا اور رسول اکرم کے حضور ہدیہ عقیدت - دعا و عرضداشت .

پہلا شعر یہ ہے :

ای نگہبان خلیل را در نار
ای نگہدار مصطفا فی الغار

۲ - بہشت ثانی

خطالجنان - بحر بوستان سعدی - تاریخ تصنیف ماہ رمضان ۱۲۱۷ھ ص ص ۲۵-۴۷ موضوعات کے عنوانات یہ ہیں :

فی التقدیس ذاتہ و عجز من ادراک آیاتہ - تفکر فی العجائب آیاتہ فی الحیرت الجلال و غیرت الکمال فی المناجات و سوأل حاجات تمثیل حال از کیف مآل جنید کہ در یوم الحشر مغفور شود - تمثیل حال جوان عاصی کہ برحمت واسعہ ازلی فائز بود

پہلا شعر اس طرح ہے :

السہی تو وہاب عفو و عطا
پذیرندۂ عذر اہل خطا

۳ - بہشت ثالث کنزالاحسان

بحر یوسف زلیخای جامی - سال تصنیف ۱۱۱۷ھ تاریخ تصحیح ماہ شوال ۱۱۱۷ھ صفحات ۵۱ - ۱۰۶ -

عنوانات مثنوی ۔ حمد و مناجات ۔ فی ذکر صنایعہ و عجایب بدایعہ مناجات بتوسل اوصاف خیرالبشر ۔ حال جد و پدر مصنف ۔
پہلا شعر یہ ہے :

الہٰا واحدا احدا یگانا
منزہ پاک بی ہمتا توانا

بہشت رابع نورالاعیان

بحر تحفۃ العراقین خاقانی ۔ تاریخ تصنیف ذی‌قعد ۱۱۱۷ھ ۔ ص ص ۱۰۹-۱۵۰ عنوانات مثنوی ۔ مناجات و تذکرۃ الصفات مناجات و ذکر کمال قدرت ۔ مناجات و بیان کیفیت حالات بشریت ۔ مناجات و صفت العبر مناجات و صفت التوفیق ۔ مناجات و صفت برکات الطاعت ۔ در ذکر خلیل الرحمن ۔ وصف الطاعات مناجات و ذکر کیف وصف حالات ۔ مناجات بسؤال العفو و النجات ۔ حکایات علی دلیل الحیرت و تمثیل جذب الفکرت ۔
ابتدائی شعر یہ ہے :

ای فرد احد لک الثنایا
ای واحد واهب العطایا

۵ ۔ بہشت خامس ۔ معنی الامان

بحر مخزن‌الاسرار نظامی ۔ تاریخ تصنیف محرم ۱۱۱۸ھ ۔ ص ص ۱۵۳ ۔ ۱۹۷ ۔ عنوانات مثنوی ۔ حمد ۔ مناجات ۔ ذکر عجائب المصنوعات ۔ مناجات و ذکر عجزالحالات ۔ فی المناجات و سؤال حسن حال ۔ فی المناجات و ذکر حالات الحادثات ۔ مناجات فی ذکر تقدیم الذات و تقدیم الصفات ۔ فی بیان غفلت الانسان و طلب الاحسان ۔ مناجات و بیان مصارف الاوقات ۔ فی ذکر فیوض اللیل و تسلط نوم ۔ فی المناجات و ذکر تحمید و تمجید صفات

فی المناجات و بیان کیف حالی و سوال بالعفو والنجات ۔ نعت حضرت ۔ فی المناجات و دعا فی العفو و النجات ۔

پہلا شعر یہ ہے ۔

ای صفت بی حد و بی انتہا   ذات تو بی آخر و بی ابتدا

٦ - بہشت سادس - بحر العرفان

بحر سبحۃالابرار جامی ۔ تاریخ تصنیف ۱۰۹۰ھ ۔ تاریخ اصلاح ۱۸ صفر ۱۱۱۷ھ ۔ صفحات ۲۰۱ - ۲۳۶ ۔

عنوانات :

فی ذکر قدرت کاملہ و حکمت بالغہ ۔ فی المناجات و عجز من ادراک آیات مصنوعات ۔ فی المناجات و حیرت از ستر حال ۔ مناجات و عرض حال و سوال علی حصول الحاجات ۔ مناجات و مسئلت الحاجات ۔ مناجات و ذکر عجائب مخلوقات ۔ فی المناجات و ذکر کبریا ۔ فی ذکر حاصل الحالات ۔ فی نعت ۔ حکایت اعرابی بر سبیل تمثیل ۔

پہلا شعر یہ ہے :

ای کہ ذات تو بوحدت یکتا   بصفات احدی بی ہمتا

۷ - بہشت سابع - حرز الایمان

بحر مثنوی مولوی معنوی ۔ تاریخ تصنیف ۱۰۹۰ھ ۔ تاریخ تصحیح ربیع الاول ۱۱۱۸ھ ۔ ص ص ۲۳۹ - ۳۱۳ ۔

موضوعات مثنوی : ذکر اسمای احد یکتا - فی صفات الاسماء - مناجات فی ذکر التقدیس - مناجات فی ذکر صفات صنایعه - مناجات فی ذکر غرایب الحکم - مناجات فی ذکر نوادر الاحکام - مناجات فی ذکر تصنع الاشیاء - فی صفات کمال قدرت - فی عجز الانسان - فی تفرج الاشیاء فی الانکسار حال - فی مذمت النفس و الشیطان - فی حال الانسان و حرفته - مناجات فی ذکر طلب الحق - تمثیل مقدمة العشق - فی طلب الدنیا و مذمتها - فی سفر الاخرة - فی الموعظته و التأسف الغفلة - مناجات فی العفو - فی بیان ایجاد الانسان - فی ذکر الشباب - فی الطاعة - مناجات فی ذکر طلب التوفیق - فی ذکر السلف التلهف - فی بیان الموت و یوم الحشر - فی الانابت و الاجابت - فی نعت حضرت - مناجات فی سؤال الحفظ و حصول الحاجات - مناجات فی العفو و النجات - مناجات الانتها -

پہلا شعر یہ ہے :

یا الٰہی - ای اللہ لا سوی‌ٰ   ای بتوحید تو ہر ذرہ گوا

بہشت ثامن - عجز و نیاز -

بحر مثنوی زلالی - تاریخ تصنیف نامعلوم - تاریخ تصحیح جمادی الآخر ۱۱۱۷ھ ص ص ۳۱۷ - ۳۴۸ -

عنوانات : آغاز رسالہ - دعا - مناجات - اعتذار بالعجز و الانابت - فی التوحید و التقدیر - مناجات بالعجز - مناجات فی ذکر حال و سؤالی - مناجات من ظہور تصور الحال - مناجات فی الافتقار والاضطرار - مناجات فی وصول النجات مناجات فی ذکر الشیب - مناجات بحسن عواقب الامور - عرض عفو و نجاتی

بوسیلة الکریم۔ نعت حضرت اکرم ۔ ذکر تسمیہ عجز و نیاز ۔ مناجات العفو بالحق ۔ مناجات العفو بحق بسم اللہ ۔

پہلا شعر یہ ہے :

الٰہی بخش بر عجز و نیازم اگر ناپاکم و گر پاکبازم

مصنف نے ہر مثنوی کے آخر میں ختمیہ اور تاریخ تصنیف و تاریخ تصحیح درج کی ہے ۔

ان مثنویوں میں طویل ترین دو مثنویاں ہیں ۔ حرزالایمان اور کنزالاحسان ۔ اول الذکر اپنے موضوعات کے اعتبار سے اور مؤخرالذکر اپنی تاریخی اہمیت کے پیش نظر بہت قابل قدر ہیں کیونکہ مصنف نے اپنے شخصی احوال و کوائف پر روشنی ڈالی ہے ۔ مقالات الشعرا کے علاوہ ابھی تک کسی تذکرے میں مصنف کے متعلق معلومات حاصل نہیں ہوئیں ۔ علی شیر قانع مولف مقالات الشعرا عطا کے متعلق لکھتے ہیں :

"او جامع اخلاق حسنہ ، کامل التقوی و تورع بودہ ۔ سی سال کامل بقیام لیل و صیام نہار بیک وضو بعد نماز عشا تا دم صبح در انشاء نعت نبوی و منقبت مرتضوی و سایر کرام بسر بردہ لک بیت باختتام رسانیدہ ۔"

ممکن ہے اس بیان میں کچھ مبالغہ ہو لیکن اس بیان کی تصدیق ان مثنویوں کے موضوعات سے ہو سکتی ہے ۔ عطا مناجات اور نعت رسول لکھنے سے نہیں تھکتے ۔ تقریباً تمام مثنویوں میں اصل موضوع سخن ہی یہی ہے جیسا کہ متذکرہ صدر عنوانات سے ظاہر ہے ۔ وہ رنگ رنگ سے خدا کو مخاطب کرتے ہیں اور اس کی تقدیس و تحمید کے بعد اپنی زبوں حالی بیان کر کے استغاثت اور استعانت کرتے ہیں ۔ یہی حال نعتوں کا

ہے ۔ رسول اکرم کے صفات حمیدہ بیان کر کے ان کے توسل سے خدا کے حضور اپنی فریاد پہنچانا چاہتے ہیں اور اپنی دعاؤں کی استجابت چاہتے ہیں ۔ مناجاتوں اور نعتوں سے مصنف کے دل کا خلوص اور جذبات کی حدت اور صداقت ظاہر ہے ۔ ساتھ ہی شاعر کے بیان کی توانائی اور عربی زبان پر عبور ظاہر ہے مثال کے طور پر ہم ایک ٹکڑا نقل کرتے ہیں ۔

مناجات :

ای خدا مقصود جملہ واردات
ای خدا مسجود جملہ کائنات
ای خدا بخشندہ بخشائندہ ای
ای خدا پیوستہ و پائندہ ای
ای خدا مولای مالک مہربان
ای خدا داتای ہر دل پر زبان
یا ارحم الراحمین فریادرس
یا اکرم الاکرمین کافی و بس
ای خدای من احسن الخالقین
ای خدای خلق خیر الرازقین

(ص ۲۷۷)

نعت

محمد آیت نور علی نور
محمد طغرۂ این فیض منشور
محمد خیر خلق و حسن این باغ
محمد نو بہار باغ مازاغ

محمد مقصد طہٰ و یسین
محمد در بحر ماء والطین
محمد مطلع والشمس رویش
محمد مشعر واللیل مویش
محمد بس محمد بس محمد
محمد احمد و حامد ممجد
محمد سید و سرخیل ابرار
محمد سرور احرار و انصار
امام انبیا در بیت اقصا
رسل را مقتدا ملجا و منجا

—:o:—

محسن ٹھٹوی

محمد محسن ولد نور محمد بن ابراہیم بن یعقوب ٹھٹہ میں ۱۱۲۱ھ میں پیدا ہوئے۔ قانع نے لکھا ہے کہ ان کے خاندان کا پیشہ "ریشم فروشی" تھا۔[1] محمد ابراہیم خلیل اسے محسن صباغ لکھتے ہیں[2] یعنی رنگریز۔ اس کا مطلب ہے کہ خاندان میں سے بعض کپڑا یا ریشم رنگنے، بتانے اور بیچنے کا کاروبار کرتے تھے۔ نوجوانی میں اسے نواب مظفر علی خان صوبیدار ٹھٹہ (۱۱۲۵ - ۱۱۳۷ھ) کی سرپرستی حاصل ہوئی۔ نواب سیف اللہ ناظم صوبہ سندھ (۱۱۳۶ - ۱۱۴۳ھ) کے عہد میں اس کے دو بیٹے صادق علی خان اور محمد تقی خان بھی ٹھٹہ آئے تو ان دونوں سے اس کے روابط رہے۔ کلہوڑہ خاندان کے میاں نور محمد (م - ۱۱۶۲ھ) نے آٹھ آنے روزینہ مقرر کیا تھا جو بالکل ناکافی تھا۔ محسن نے دگنا کرنے کے لیے درخواست بھی کی۔

محسن ۱۱۶۳ھ میں فوت ہوا۔

محسن نے شکل و صورت کچھ اچھی نہیں پائی تھی، البتہ خوش طبع تھا۔ قانع نے لکھا ہے۔

"وضع شاعری درست داشتہ و صحبتش خالی از فیض نبود و ہموارہ سرشار و سر خوش می زیست۔"

۱۔ دیوان محسن تتوی، مرتبہ محمد حبیب اللہ رشدی، حیدرآباد '۱۹۶۳' دیباچہ۔

۲۔ مقالات الشعرائے علی شیر قانع۔

وہ شراب پیتا تھا ۔ بعد میں توبہ کر لی ۔ محسن سنی گھرانے میں پیدا ہوا تھا ۔ بعد میں شیعہ عقاید کا پیرو ہو گیا ۔ وہ اپنے آپ کو شیعہ پاک کہتا تھا اور تولا کے ساتھ تبرا کا بھی قائل تھا ۔ نواب سیف اللہ خان ناظم ٹھٹہ (۱۱۳٦ - ۱۱۴۳ھ) کے عہد حکومت میں شیعیت کا بڑا رواج ہوا ۔ محسن یقیناً ماحول سے متاثر ہوا ۔

تصنیفات

۱ - عقددوازدہ گوہر

ائمہٗ اطہار کی منقبت میں مثنوی ۔ اس کا نسخہ نایاب ہے مقالات الشعرا میں اس کے پانچ شعر درج ہیں ۔

ایک شعر یہ ہے :

علی مقصود از ترتیل آیت
امیر المومنین شاہ ولایت

۲ - طراز دانش

یہ ۲٦۵ اشعار کی مثنوی ہے جس میں حمد ، نعت ، منقبت علی مرتضی وجہ تصنیف اور محمد تقی خان کی مدح میں چند اشعار ہیں ۔ محسن نے یہ مثنوی محمد صادق ولد محمد جعفر کے کہنے پر لکھی تھی ۔ بقول قانع یہ محمد صادق ، شیخ عبدالغنی کا شاگرد تھا ۔ شعر فہمی اس پر ختم تھی ۔ موضوع مثنوی ولادت نامہٗ مہدی آخر الزمان تھا ۔ یقینی نہیں کہ موضوع پر لکھا گیا یا نہیں کیونکہ مثنوی کا وہ حصہ موجود نہیں ۔ محسن کے دعائیہ کلمات یہ ہیں :

بتائید خدای جود والمن
بساحل می رسد گر کشتی من

باتمامش قلم با کام سازم
'طراز دانش' آن را نام سازم

۳ - اعلام ماتم یا حملہ حسینی

مرزا محمد رفیع باذل نے حملۂ حیدری کے نام سے ایک مثنوی لکھی وہ مکمل کر نہ پایا اور وفات پا گیا۔ مرزا ابو طالب اصفہانی نے بقیہ واقعات کو منظوم کیا۔ محسن نے انہی واقعات سے آگے تاریخ کو مسلسل کیا اور واقعات کربلا کو بیان کیا اور حملہ حسینی نام رکھا۔ محسن مختار ثقفی کے حالات تک منظوم کر سکا۔ قانع نے اس داستان کو مکمل کیا اور اس کا نام مختار نامہ رکھا۔ حملۂ حیدری کے تقریباً نو ہزار اشعار ہوں گے۔

پہلا شعر یہ ہے:

بنام خداوند بسیار بخش
خرد بخش، دین بخش، دینار بخش،

حملۂ حیدری کا قلمی نسخہ سندھی ادبی بورڈ حیدر آباد کے کتب خانے میں موجود ہے۔

۴ - محک کمال

مختلف شعراء کی ہم وزن و ہم قافیہ غزلیات کا مجموعہ۔ اس سے پہلے فخری ہروی نے بھی تحفتہ الحبیب کے نام سے اسی قسم کا مجموعہ تیار کیا تھا۔

۵ - دیوان محسن

غزلیات، قصاید، ترکیب بند، مخمسات، مثنویات، قطعات اور رباعیات پر مشتمل ہے۔

محک الکمال

اس کا ایک نسخہٴ خطی پنجاب یونیورسٹی لائبریری مجموعہٴ شیرانی اشمارہ ۱۴۷۶ پر موجود ہے۔ یہ ایک بیاض ہے جس میں محسن نے متقدمین و متاخرین شعراء کی ہم وزن و ہم قافیہٴ غزلیات جمع کی ہیں۔ اس سے پہلے بھی جیب فخری ہروی نے تحفہٴ حبیب اور بستان خیال کے نام سے دو مجموعے مرتب کیے تھے۔ ان کی تفصیل ہم جلد اول میں لکھ آئے ہیں۔ محک الکمال میں معروف اور نامور شعرا میں سے بیدل۔ شوکت۔ کلیم۔ طالب۔ حافظ۔ نظیری۔ صائب۔ فطرت۔ بیخود۔ اسیر۔ قاسم دیوانہ۔ بینش۔ شیدا۔ ناصر علی۔ قدسی۔ امید۔ طغرا۔ فطرت۔ غنی۔ خالص اور کم معروف شعرا میں سے محمد کریم اصفہانی۔ ظفر بیگ۔ سخن شاہجہان آبادی۔ فدا ہندی۔ مرزا اسکندر۔ حکیم صدرالدین۔ کرم اللہ خان۔ تائب ہندی۔ نجات۔ بیغم۔ جشنی لاہوری۔ نوعی۔ نادم۔ صیدی۔ حسن۔ آشنا۔ کوکبی۔ کرامی کی منتخب غزلیات پیش کی گئی ہیں۔ ابتدائی اوراق میں مندرجہ ذیل معاصر شعرا کے منتخب اشعار درج ہیں۔

شیوک رام عطارد تتوی سلمہ۔ بالچند آزاد۔ محمد محفوظ خان سرخوش سلمہ۔ احسن الدین خان بیتاب۔ دیوان حافظ لاہوری سلمہ۔

آخری اوراق میں نواب غازی الدین خان۔ محمد محفوظ سرخوش اور الہور دیخان شاملو حیرت کا کلام مرقوم ہے۔ ان میں سے اکثر کے دیوان دستیاب نہیں۔ اور بعض منقولہ اشعار دوسرے معلومہ تذکروں میں درج نہیں، اس لیے یہ بیاض مفید اور اہم ہے۔

محسن کی غزلیات میں تغزل، رومان اور سوز نہیں ہے کیونکہ معلوم ہوتا ہے وہ عشق کا گداز نہیں رکھتا۔ اس کا محبوب کلاسیکی غزل کا روایتی محبوب ہے۔ اس میں نیاپن نہیں۔ محسن اس کے سراپا کے لیے تمام وہی تشبیہات استعمال کرتا ہے جو عموماً فارسی غزل میں استعمال

ہوتی ہیں۔ ان کا ایک حسین نمونہ مندرجہ ذیل غزل میں نظر آتا ہے جسے محسن نے آرایشات شعری اور ترنم و آہنگ سے آراستہ کیا ہے۔

لمعۂ رویت ، شمۂ بویت ، حقۂ مویت ، چشم نکویت
ماه دل آرا ، عنبرسارا ، نقش چلیپا ، گردش ساغر
ہم زتونالد ، ہم بتونازد ، ہم زتویابد ، ہم بتو زیبد
غنچہ دہانی ، مور میانی ، سرو چمانی ، زینت و زیور
رنگ حنایت ، برکف پایت ، جان گدایت ، داغ جفایت
خون شہیداں ، پنجۂ مرجان ، صحن گلستان ، لالۂ احمر
ہم بتکلم ، ہم بتبسم ، ہم بنگاہی ، ہم بادائی
زینت گوشی، راحت ہوشی ، آفت شہری ، غارت کشور

محسن کا محبوب صیاد 'قاتل' جلاد ہے جو

زد و افگند و بست و برد باخود
نگاهش آنچہ دل خواست آن کرد

ایک غزل سے ظاہر ہے کہ وہ ہولی باز ہندو لڑکا تھا۔ اس غزل سے ہندوؤں کی ایک رسم ہولی کا حال معلوم ہوتا ہے اور شاعر فارسی کی بجائے ہندی الفاظ بھی استعمال کرتا ہے۔ ان اشعار سے بھی محبوب کی خصوصیات کا نقشہ سامنے آتا ہے:

دلم را برد شوخی خوردسالی
پسر ہندو بتی ابرو ہلالی
نگار مست و ہولی باز و رنگین
کہ ریزد خون دلہا بی ملالی
بہ بچکاری مگر رنگ رخم بود
کہ زردی می زند بررنگ آلی

پری رو دلبری بی رحم و شوخی
بتی سنگین دلی نازک نہالی
ز ہولی بازیش افسوس محسن
نصیب ما نشد مشت گلالی

غزل کے روایتی عشقیہ مضامین کے علاوہ محسن نے می و مینا کی باتیں بھی کی ہیں ۔ چونکہ وہ خود پیتا تھا، اس لیے بیان میں کچھ خلوص ہے ۔ محسن کے خیال میں شراب اندوہ ربا ہے ۔ اس سے بے خودی و سکون حاصل ہوتا ہے ۔ وہ لکھتا ہے :

داروی درد دل نبود بہتر از شراب
از لای بادہ مرہم زخم الم کشید

کہیں کہیں یہ شراب ، شراب تصوف بن جاتی ہے ۔ وہ بہت کم جگہ قلندرانہ مستی کی باتیں کرتا ہے ۔ اگرچہ یہ اس کا میدان نہیں ہے لیکن جب بات کہتا ہے تو سچ کا گمان ہوتا ہے ۔ اس کے کلام میں جستہ جستہ اس قسم کی مثالیں ملتی ہیں ۔ مثلاً یہ اشعار دیکھیے :

ما جام و سبو نمی شناسیم
سر مست ز بادۂ الستیم
ز قید خودی شدیم آزاد
وز نیک و بد زمانہ رستیم
مستیم قلندریم محسن
ہستیم دگر ہر آنچہ ہستیم
ما فارغیم از غم و شادی روزگار
دستی بسرزدیم از گل بسر زدیم

محسن کو زندگی کا تجربہ حاصل ہوا ۔ اس کی معاشی حالت استوار نہیں تھی ۔ اسے ممدوحین بھی تلاش کرنے پڑے اور ان کی تعریف بھی کرنی پڑی ۔ اگر کہیں صلہ و انعام میں رکاوٹ ہوئی تو ہجو کا بھی حربہ استعمال کیا ۔ اسے رنج و الم سے واسطہ پڑا ہے اور اس نے مخالفتوں کو بھی برداشت کیا ہے ۔

در چار موج باد مخالف درین محیط
دل ناخدای کشتی طوفانی من است

لیکن اس کا حوصلہ بلند ہے ۔ وہ عزت نفس کا پاسبان ہے ۔ وہ دوسروں کو بھی گوہر آبرو کی حفاظت کی نصیحت کرتا ہے ۔

آبرو از کف مدہ ہر چند کار افتد بجان
کمتر از سنگ است گر بگوہر آب نیست

ایک جگہ اس نے لکھا ہے کہ مجھے سود و زیاں کی فکر نہیں ۔ اس کی یہ بات کچھ سچی نہیں لگتی ۔ اس کی زندگی کے کوائف اور اس کے کلام کو دیکھ کر اسے اس قدر بے نیاز نہیں سمجھا جا سکتا ۔ ممکن ہے اس نے اپنے دل کی تسلی کے لیے ایسا کہا ہو ۔

مردم بفکر سودوزیان می خورند خون
محسن ہزار شکر کہ ازین و آن گذشت

غزلیات کے علاوہ محسن نے قصاید ۔ ترجیع بند ۔ ترکیب بند ۔ مخمس ۔ مثنوی اور رباعی میں بھی طبع آزمائی کی ہے ۔ یہ تمام اصناف سخن محسنات کے حامل ہیں ۔ مدحیہ عقاید میں ان کے ممدوحین میں سے خاص طور پر میاں نور محمد حاکم سندھ ہیں جو اس کے مربی بھی تھے ۔ باقی اشخاص کے نام قصاید مختصر اور رسمی ہیں ۔ اکثر قصاید حضرت علی مرتضی کی منقبت میں ہیں ۔ اس طرح ترجیع بند ، ترکیب بند ۔ مخمس اور یہاں تک

کہ رباعیات بھی منقبت حضرت علی یا ماتم شہید کربلا یا منقبت چہاردہ معصومین میں ہیں ۔ مرثیہ کے دوازدہ بند محتشم کاشی کے ترکیب بند کے تتبع میں کہے گئے ہیں ۔ ان سب نظموں میں شاعر کا خلوص جھلکتا ہے ۔ لیکن کسی نظم کو غیر معمولی نہیں کہا جاسکتا کیونکہ اس موضوع پر شعراء نے زبردست شدت جذبات کا مظاہرہ کیا ہے اور بعض نظمیں تاثر انگیزی میں بلند پایہ ادب پارہ کہلانے کی مستحق ہیں ۔

محسن نے سعدی ۔ خسرو ۔ حافظ ۔ جامی ۔ طالب آملی ۔ صیدی ۔ اسیر کی غزلیات کا تتبع کیا ہے ۔ اور بعض کے اشعار پر تضمینیں بھی لکھی ہیں ۔ محسن فن شعر کو سمجھتا ہے ۔ بیان و بدیع کے لوازم کو بھی مد نظر رکھتا ہے ۔ مراعات لفظی اور ایہام کا التزام بڑا مشکل کام ہے لیکن محسن اس کو سلیقے سے استعمال کرتا ہے ۔ کلام کی روانی میں فرق نہیں آنے دیتا ۔ رنگینی کلام کے متعلق لکھتا ہے :

نوعروسان معانی را زدم گلگونہ ھا
گرچہ محسن رنگ من در نکتہ پیرائی شکست

چند ایک فکر انگیز نئی تشابیہ بھی پیدا کی ہیں مثلاً

ناخن پنجۂ شیر نی بیشۂ ما (ص ۵)

شعلۂ آواز (ص ٦)

رشتۂ نظارۂ ما موی آتش دیدہ شد
بسکہ شد گرم تجلی آتشین رخسار ما

محسن نے اپنے کلام کو ملیح قرار دیا ہے :

محسن سخن تو بس ملیح است
ای پر نمک این چہ خوش کلامی است

مراعات النظیر اور ایہام کے التزام کے ساتھ بعض اچھے اشعار نکالے ہیں مثلاً :

قانون شفای دل بیمار محبت
در چنگ غمت ای بت عشاق نواز است

دل بی‌غم بملک ہند نبود گرجہانگیر است
اگر ناگاہ کس خرم شود شاہ جہان باشد

مضمون آفرینی اور مبالغہ آرائی کے شوق میں محسن نے بھی بعض جگہ غیر فطری باتیں کہی ہیں۔ مثلاً

بسکہ محسن یاد چشمش تر دماغم کردہ است
از غبارم روغن بادام می باید گرفت

زمین قابل میخانہ دارد طرفہ تاثیری
اگر زاہد درو مسواک کارد تاکی برخیز

—:o:—

میر غلام علی مائل

غلام علی، میر علی شیر قانع، معروف شاعر، مؤرخ اور تذکرہ نگار کے بیٹے تھے - ۱۱۸۱ھ میں پیدا ہوئے۔ نوجوانی میں ہی شعر موزوں کرنے لگے تھے اور مائل تخلص کرتے تھے - تکملۂ مقالات الشعراء میں ایک موقع کا ذکر کیا ہے اور بتایا ہے کہ ایک مرتبہ مائل اپنے چچا میر عظیم الدین کے ساتھ جا رہے تھے کہ میر عظیم نے ایک حسین لڑکے کو دیکھا جس کی ناک کے نیچے تل تھا - میر عظیم نے یہ مصراع کہا :

زبس حیرت بلال از منبر افتاد

مائل نے پہلا مصراع یوں کہا :

چو دید آن خال زیر بینی یار   زبس حیرت بلال از منبر افتاد

میر عظیم نے شاباش دی اور کہا :

"الحمدللہ کہ در خاندان ما ، بحین حیات من ، آن قدر قابل برآمد کہ ببداہت بجواب من پر داخت"[۱] -

مائل عظیم کو اپنا رہنما مانتے تھے - وہ اپنے چچا میر ضیاءالدین ضیاء سے بھی متأثر تھے اور ان کے تتبع میں بھی نظمیں لکھتے تھے -

مائل ۱۲۲۲ھ تک میر غلام علی خان تالپر کے دربار سے متوسل رہے - ۱۲۲۷ھ میں میر کرم علی خان کی تخت نشینی پر اس سے وابستہ

---

۱ - تکملۂ مقالات الشعراء ، مخدوم محمد ابراہیم خلیل تتوی مرتبہ حسام الدین راشدی ، کراچی ، ۱۹۵۸ء -

ہو گئے ۔ اس کی مدح میں بہت سے قصاید لکھے ۔ قطعات ، غزلیات اور دوسری نظموں میں بھی اس کی مدح میں اشعار کہے ۔

مائل نے ولادت ، وفات ، یا فتح و تہنیت کے موقعوں پر اکثر قطعات تاریخ لکھے ہیں جو ۱۲۰۳ھ سے لے کر ۱۲۳۴ھ تک کے واقعات پر مشتمل ہیں ۔ اس آخری سال کے بعد ان کے کلام میں ان کے سال وفات یعنی ۱۲۵۱ھ تک کوئی قطعۂ تاریخ موجود نہیں ۔

کلیات مائل میں غزلیات کے علاوہ مناجات ، نعت اور منقبت میں قصاید موجود ہیں ۔ منقبت کے ساتھ ساتھ میر کرم علی خان والی سندھ کی مدح میں بھی سات قصیدے شامل ہیں ۔ منقبت کے علاوہ میر کرم علی خان کی مدح میں خالصتہً آٹھ مدحیہ قصاید الگ ہیں ۔ مائل چونکہ شیعہ مشرب سے وابستہ ہیں ، اس لیے اپنے عقیدے کی رو سے غزل میں بھی جا بجا حضرت علی کی منقبت اور ارادت اہل بیت پر اشعار لکھتے ہیں ۔ تیرہ مرثیے اور چھ سلام الگ ہیں ۔ ان میں مختلف اصناف سخن یعنی ترکیب بند ، مربع ، مخمس اور مسدس میں طبع آزمائی کی ہے ۔

کلیات کا بیشتر حصہ قطعات پر مشتمل ہے ۔ جن میں مندرجہ ذیل موضوعات شامل ہیں ۔ ۱ ۔ قطعات گذارش و مبارک باد ۔ ۲ ۔ قطعات تاریخ ۔ در تہنیت آمدن برای شکار ، عید ۔ فتح و نصرت ۔ ۳ ۔ در تاریخہای تعمیر و ترمیم امکنہ ۔ تعمیر و ترمیم مسجد و بنای بعض اماکنہ متبرکہ ، تواریخ ولادت و تعزیت و وفات اتنے بڑے ذخیرۂ اشعار سے ظاہر ہے کہ مائل کو تاریخ کہنے میں کافی مہارت تھی اور وہ آسانی سے موزوں اور شگفتہ تواریخ نکال لیتے تھے ۔ ان قطعات سے عہد تالپور کے حوادث و واقعات پر روشنی پڑتی ہے ۔ بعض شخصیات کے سالہائے ولادت اور سالہائے وفات کے متعلق مستند معلومات حاصل ہوتی ہیں ۔ مثلاً

فتح عمر کوٹ ۔ فتح بلوچان ، شکست فوج محمد صادق خان (۱۲۲۴ھ)

وفات میر فتح علی خان ۱۲۱۷ھ

جلوس میر غلام علی خان ۱۲۰۲ھ

تولد میر صوبدار خان ۱۲۱۷ھ

وفات میر غلام علی ۱۲۲۶ھ

وفات عظیم الدین ۱۲۲۹ھ

تالیف مثنوی رانجھن و ہیر ۱۲۱۴ھ

مثنوی سیر دل ۱۲۰۶ھ

ترتیب دیوان عظیم ۱۲۱۰ھ

شہر آشوب تھٹھہ ۔ گرانی غلہ ۔ نو مسلمہ کا قتل ۔ کفار اور کاردار شہر کی مذمت ۔ شاعر کی ذاتی احوال و کوائف کے متعلق بھی معلومات فراہم ہوتی ہیں مثلاً وہ اپنے ممدوح سے شادی کے اخراجات کے لیے عطائے صلہ اور عطای قبا پر شکریہ ادا کرتے ہیں ۔ اپنی بیوی سکینہ بی بی کی وفات (۱۲۲۹ھ) پر قطعہ لکھتے ہیں ۔ کوہ مکلی کی وجہ تسمیہ کے متعلق ایک شعر میں یوں توضیح کی ہے ۔

بسکہ سعی طوف مکلی شد صفابخش قلوب
گفت ھذا مکۃ لی ہر صغیر و ہر کبیر

مائل کا تغزل قدیم کلاسیکی روایت لیے ہوئے ہے ۔ معشوق و عاشق کی وہی صفات ہیں جو عموماً فارسی غزل میں چلی آتی ہیں ۔ ہجر و وصل کے پرانے قصے ۔ حاسد و رقیب اور زاہد و ملا پر طنز و تعریض ۔ معشوق کا سراپا بھی روایتی و قدیم ہے ۔ غزل میں نیاپن اور چمک نہیں ہے ۔ سیدھے خیالات کو سادہ الفاظ میں ادا کیا گیا ہے ۔ فکر میں گہرائی نہیں ۔

مائل عشق سے آشنا تھے یا نہیں یہ ہم کچھ نہیں کہہ سکتے۔ البتہ متصوفانہ عشق سے آگاہ تھے۔ ہم عہد الست کے عشق کے ساتھ وابستہ ہیں۔ خدا نے خود عشق پیدا کیا تاکہ وہ اپنے حسن پر شیدا ہو۔ وہ ہر جگہ جلوہ گر ہے۔ اس قسم کے خیالات کہیں کہیں نظر آتے ہیں۔ مثال کے طور پر اس غزل کے چند شعر دیکھیے۔

خود بود عاشق و خود است معشوق
طرفہ در عشق این خدای من است
بسکہ ایجاد عالم از عشق است
عالم عشق رخ نمای من است
نیست بیگانگی مرا باعشق
کز ازل عشق آشنای من است

مائل نے شراب نہیں پی جیسا کہ اس نے کہا ہے:

بادہ نوشی ز من نمی آید (ص ۶۳)

لیکن اس کے باوجود وہ جانتا ہے اور کہتا ہے کہ شراب دردِ دل کا درمان ہے:

جرعۂ می دوای دردِ دل است ساقی ما اگر شتاب شود
(ص ٦٧)

لیکن اس کی نظر میں شراب سے مراد شراب عشق ہے اور اسی نشہ کے متعلق اس نے جا بجا اظہار کیا ہے:

چہ بادہ بادۂ عشق الٰہی (ص۴۸)

منم لب تر زجام بادۂ عشق (ص۴۸)

محسن کی طرح یہ بھی ایک ہندو پسر پر فدا تھے جو ہولی کھیلتا تھا - ایک غزل میں اس کا حال بیان کیا ہے :

بتی ہندو نژادی خورد سالی
چو زلف پر شکن آشفتہ حالی
بہ گلگون چہرہ‌گی صاحب جمالی
بہ موزون قامتی چون نونہالی
ز ہولی بازیش شاید کہ مائل
نصیبت می شود مشت گلالی

قطعات کے علاوہ غزلوں میں بھی کہیں کہیں اپنے زمانے کی ناخوشگوار فضا ، بد کردار عناصر اور ریاکار بزرگان دین کے متعلق واضح طور پر لکھا ہے ، مثلاً

گفتمش مردم جہان چونند
گفت نامرد عشق زالی چند
گفتمش دیدی اہل دنیا را ؟
گفت دیو و ددی شغالی چند
گفتمش چون مشائخ دہراند
گفت ناخواندہ خورد سالی چند

صنعت سوال و جواب مائل کا مرغوب اسلوب ہے - کئی غزلوں میں اس نے گفتمش ، گفتم اور گفت کہکر پیارے انداز میں خیالات کا اظہار کیا ہے - اگرچہ اس کے افکار میں اپچ یا نیاپن نہیں لیکن کہنے کا انداز دلپسند ہے - ان کے اشعار کی سادگی و سلاست ان کا نشان امتیاز ہے - اگر انھوں نے غزل میں ردیف کا التزام کیا ہے تو ان میں سنگینی اور سختی نہیں - مثلاً بعض ردیفیں یہ ہیں -

می آید - چہ می شد - زمن نمی آید - چہ کنم - شنیدہ ام کہ میپرس

اس کی غزل کا انداز اور مبلغ فکر دیکھنے کے لیے مندرجہ ذیل غزل کے چند اچھے اشعار نقل کیے جاتے ہیں تا کہ قاری کو ایک اندازہ لگانے میں مدد مل سکے :

ہست پاینده دولت ایمان	عمر نا پائدار را چہ کنم
گردش جام بایدم شب و روز	گردش روزگار را چہ کنم
غیر از گیسو و رخ یار	ذکر لیل و نہار را چہ کنم
گر نہ باشد بہ گلشن آن گلرخ	عندلیبان بہار را چہ کنم
چون بصبر و رضا قرارش بود	این دل بیقرار را چہ کنم
دردِ یار اندرین دیار خوش است	شکوهٔ دردِ یار را چہ کنم
درد عشق نہان نمی ماند	گریۂ بی اختیار را چہ کنم

(ص ۱۴۱)

مائل کہیں کہیں اردو الفاظ بھی استعمال کر جاتے ہیں ۔ مثلاً :

زنقد سیم و زرم احتیاج تھیلی نیست (ص ۰۴)

زمن من و سلوی چہ خواہی بلبل
ز خون جگر چون 'نہاری' مراست

لفظ 'غصہ' کو اردو معنی میں یعنی غضب کے معنوں میں استعمال کیا ہے :

پیغام بوسہ کردم شد ز غصہ بر کنار از من (ص ۲۶)

ایک جگہ خلاف قاعدہ لفظ بنا کر استعمال کیا ہے ۔

ملبب ہمچو جام کوثر آید

——:o——:

غلام محمد خان لغاری

غلام محمد خان لغاری کے والد علی محمد خان لغاری عالم و صوفی تھے۔ وہ ٹھٹہ کے حاکم بھی مقرر ہوئے اور میر غلام علی خان(۱۸۰۲-۱۸۱۲ء) اور میر مراد خان (۱۸۲۸-۱۸۳۳) کے عہد حکومت میں انھیں جاگیریں بھی عطا ہوئیں۔ اواخر عمر میں وہ حکومت کے کاروبار سے الگ ہو کر عبادت و ریاضت میں مشغول ہو گئے۔ انھوں نے انیس السالکین کے نام سے تصوف و سلوک کے موضوع پر کتاب بھی لکھی۔ وہ ۸۸ سال کی عمر میں ۱۲۵۰ھ میں فوت ہوئے۔

غلام محمد خان ان کے اکلوتے بیٹے ۱۱۔ شعبان ۱۲۰۴ھ تاجپور ضلع حیدرآباد میں پیدا ہوئے۔ دستور کے مطابق تعلیم حاصل کی۔ پھر تالپور امرا کے دربار میں ملازم ہو گئے۔ خیال ہے کہ ان کی قدر و منزلت کی کئی ہو گی کیونکہ باپ کے علاوہ ان کے چچا ولی محمد خان (م-۱۸۳۲ء) وزیراعظم تھے۔ میر نور محمد خان اور میر نصیر خان کے عہد حکومت میں غلام محمد خان کو بڑا وقار حاصل ہوا۔ میر نور محمد خان (۱۸۳۳-۱۸۴۰ء) کی مدح میں یہ شعر کہا جس سے ان کے قریبی تعلقات پر روشنی پڑتی ہے:

نور محمد کہ میر من است همه لشکر فوج دین روشن است

(ص ۱۸)

اور محمد نصیر (۱۸۳۳-۱۸۴۳ء) کے لیے غزل کا مدحیہ شعر یہ لکھا۔

سرِ سروران شہ محمد نصیر مرید اماماں دین بینظیر

(ص ۴۸)

انگریزوں نے جب زبردستی سندھ پر قبضہ کرنا چاہا تو غلام محمد خان نے ان امراء کا ساتھ دیا جو مقابلہ کرنا چاہتے تھے ۔ آخر انگریزوں نے ۱۸۴۳ میں سندھ پر قبضہ کر لیا اور غلام محمد خان کو وہ تمام جاگیریں نہ مل سکیں جو امرائے تالپور نے ان کے اب وجد کو عطا کی تھیں ۔ غلام محمد خان ۱۲۷۹ھ/ ۱۸۶۲ء میں وفات پا گئے ۔

غلام محمد خان فیاض طبع اور باپ کی طرح صوفی منش تھے ۔ وہ سید قربان علی شاہ بھدائی کے مرید تھے اور طریقہٴ قادریہ کے پیرو ۔ حضرت علی اور ائمہ و اہل بیت کے ساتھ ان کی گہری عقیدت تھی ۔ حضرت علی کو مشکل کشا سمجھتے تھے ۔

بحال من کرم یا شاہِ مردان کشائی مشکلم ای شیر یزدان

(ص ۷۶)

یا علی از غمم رہائی دہ (ص ۹۰)

غلام محمد خان ، غلام تخلص کرتے تھے ۔ ان کے خاندان میں بھی شاعری کا چرچا تھا ۔ ان کے چچا ولی تخلص ۔ ان کے دادا غلام محمد نگاہ تخلص اور عم زاد اللہ داد خان صوفی تخلص کرتے تھے اور صاحب دیوان تھے ۔ غلام کا مختصر دیوان ہے جس میں ۲۲۱ غزلیات ، ۱۳۴ رباعیات ، ۳ مسدس اور ۶ فرد ہیں ۔

فن شعر کے نقطہٴ نظر سے غلام پختہ گو شاعر نہیں ۔ ان کے ہاں کہیں کہیں عیوب قافیہ موجود ہیں ۔ الفاظ کا غلط استعمال بھی کھٹکتا ہے ۔ مثلاً مختیار (مختار) (۲۰)تاہنوز (۵۰) لاچار (ص۹۲) بی شفقت (ص۹۵) انہیں خود بھی اپنی خامی کا احساس تھا چنانچہ وہ خود لکھتے ہیں :

غلاما نظم شعرت گرچہ خامست ولی گردد پسند نکتہ چینی

(ص ۹۲)

لیکن وہ غزل میں اچھے اچھے رواں شعر بھی نکال لیتے ہیں۔ ان کی منتخب بحریں چھوٹی اور موزوں ہیں۔ سعدی و حافظ کی غزلیات ان کے پیش نظر رہی ہیں۔

اس عہد میں امراء، رؤسا اور سلاطین شعراء کے پیش نظر غزل کے موضوعات محدود ہو گئے ہیں۔ غزل میں روایتی محبوب ہے۔ اس کی ظاہری اور اخلاقی صفات وہی ہیں جو فارسی غزل کا طرۂ امتیاز چلی آتی ہیں۔ محبوب کے اعضائے حسن یعنی اس کے رخسار و گیسو۔ ابرو و مژگان۔ لب و دہن۔ قد و میان کو بیان کرنے کے لیے وہی قدیم تشبیہیں مروج ہیں۔ ان میں شاید ہی کسی نئی تشبیہ کا اضافہ ہو۔ محبوب کی صفات میں ستم شعاری، بے وفائی اور رقیب دوستی موجود ہے۔ اس کی طنازی اور عشوہ گری عشاق کے لیے مایۂ کشش و اضطراب ہے۔

امراء کو چونکہ سامان تعیش حاصل تھا، می و مینا کے اسباب بھی میسر تھے اور محبوب آوارہ بھی دسترس میں تھے اس لیے اگرچہ غزل میں یہ مضامین روایتاً استعمال ہو رہے تھے لیکن اس قسم کے مضامین سے حقیقت کی پرچھائیں ملتی ہے۔ مثلاً جب غلام کہتے ہیں کہ

می و مینا و مطرب حاضر آرد　　بدست آرد نگار نازنینی

(ص ۹۰)

اور　نگار خویش را دارم در آغوش　　گہ از سوی یسار و گہ یمینی

از پی قوت این تن بیمار　　لب لعلش مکیدنم ہوس است

بتی سیمن بدن دارم درآغوش　　ز راح لعل او ہستیم مدہوش

(۴۵)

تو گمان گزرتا ہے کہ واقعی ان کے بیان میں صداقت ہے۔ ہرجائی محبوب کے بارے میں لکھتے ہیں :

کجا بودی و شب بسی با کہ خوردی
ہنوز اندر دہن بوی شراب است

(ص ۱۳)

ان کا محبوب جب سفر سے واپس آیا ہے تو ان کے جان مردہ میں جان آئی ہے۔ وہ کس خلوص سے کہتے ہیں :

شکر للہ کہ نگارم بہ وطن باز آمد
یعنی آن جان ز تن رفتہ بہ تن باز آمد (ص ۳۴)

غلام چونکہ عشق مجازی کے ساتھ ساتھ عشق حقیقی کے رموز سے بھی آشنا ہو گئے تھے اس لیے ان کے اشعار میں تصوف کے روایتی مضامین کی طرح عشق کے روایتی نظریہ کا بھی ذکر ملتا ہے۔ یعنی خدا نے پہلے حسن پیدا کیا۔ پھر ہمارے دل میں عشق پیدا کر دیا تاکہ اس کا حسن پہچانا جائے۔

زعشق من شدہ حسنت ہویدا چنین زیبا نگارت کرد عشقم

(ص ۷۵)

عشق شد رہنمای ما ز ازل عشق شد مبتلای ما ز ازل

مرشد طریقت کے ہاتھ پر بیعت کر لینے کے بعد غلام کی طبیعت میں بھی تبدیلی آئی ہو گی۔ عشق مجازی کے بعد انھوں نے عشق حقیقی کے متعلق توجہ دی۔ اب وہ صرف خدائے واحد کے ساتھ عشق کرنے کو بھی سرمایۂ نجات سمجھنے لگے اور اسرار کائنات کا ادراک اس کے عشق کی

برکت کا حاصل جاننے لگے - یاد خدا میں مشغول رہنے کے لیے اپنے آپ کو نصیحتیں کرتے ہیں - مندرجہ ذیل غزل ان خیالات کی آئینہ دار ہے :

محو شد در عشق دیدار خدا
تا بہ بینی سرِ اسرار خدا

جان تو از نور ذات پاک اوست
بیں بہ جان و دل تو انوار خدا

ہدیہٴ حسنش نمائی جان و دل
گر ھمی باشی خریدار خدا

غیر را در خانہٴ دل جا مدہ
ور تو میدانی شوی یار خدا

یک دم از یادش مشو غافل غلام
تا شوی مختار سرکار خدا

—:o:—

سچل سرمست[1]

ان کا نام عبدالوہاب تھا ۔ حق گوئی اور راست بازی شعار تھا ۔ اس لیے سچل یا سچو مشہور ہوئے ۔ ان کا سلسلۂ نسب حضرت عمر فاروق سے جا ملتا ہے ۔ ان کے اجداد محمد بن قاسم کے ہمراہ سندھ میں آئے اور یہیں آباد ہو گئے ۔ تالپروں کے عہد میں اس خاندان کے ایک شخص میاں احمد فاروقی کو رانی پور گمبٹ میں جاگیر ملی ۔ سچل کے دادا ایک نیک و برگزیدہ شخص خواجہ محمد حافظ معروف بہ صاحب ڈنہ رانی پور کے ایک گاؤں درازا میں مقیم ہوئے ۔ ان کے دو بیٹے تھے ۔ خواجہ صلاح الدین اور خواجہ عبدالحق ۔ عبدالوہاب ، خواجہ صلاح الدین کے بیٹے تھے ۔ وہ ۱۱۵۲ھ میں پیدا ہوئے ۔

سچل نے فارسی عربی کی ابتدائی تعلیم اخوند عبداللہ سے حاصل کی ۔ قرآن مجید حفظ کیا ۔ وہ بچپن سے ہی نماز روزہ کے پابند تھے ۔ نشہ آور چیز سے پرہیز کرتے تھے ۔ شروع ہی سے روحانیت کی طرف ان کا میلان تھا ۔ شاہ عبداللطیف بھٹائی نے انھیں دیکھ کر کہا تھا کہ ”یہ بچہ اس رتن کا ڈھکنا الٹ دے گا جس کی اندرونی چیز کو ہم کھولا رہے ہیں ۔“ سچل کے دادا ۱۱۹۲ھ میں وفات پا گئے ۔ ان کی وفات کے بعد سچل کے چچا عبدالحق نے ان کی روحانی تربیت کی ذمہ داری سنبھالی ۔ سچل اپنے اشعار میں اپنے رہبر و راہنما کی تعریف کرتے ہیں مثلاً :

---

۱ ۔ مجلہ مہران ، ج ۱۵ ، شمارہ ۱ و ۲ ۔ ۱۹۶۶ ؛ مقالہ بعنوان سرمست درازی از پروفیسر محبوب علی چنا ۔

مرشد ما پیر عبدالحق کامل اولیاء
رہنمائی کرد ما را در طریق نیست ، ہست

خواجہ عبدالحق رموز تصوف سے آشنا تھے۔ فارسی میں یہ شعر کہہ لیتے تھے۔ ان کے چند اشعار یہ ہیں جن سے ان کے طرز فکر کی ترجمانی ہوتی ہے :

ہر چہ بینی از فوق تا عرش علا ہستی اوست تا تحت الثرا
ماھی از آب زندگی دارد لیک او غافل است از دریا
غیر حق نیست ہیچ کس موجود ہمہ عالم از او شدہ برپا
نیست اشیا بجز معیت حق غیر خورشید روشنی ست کجا
مظہر اوست ہر چہ می بینی کس نمی داند این بجز دانا

سچل فکری طور پر منصور حلاج ، ابن عربی ، شاہ گردیزی ، عطار اور بو علی قلندر کے معتقدو پیرو تھے۔ چنانچہ اکثر اشعار میں ان کی طرف اشارہ کیا ہے :

در درون سینہ یابم بوی یار
شد معطر جان من از شہ عطار

خواجہ منصور شاہ عاشقان
قدر او دانند جملہ عارفان

خاک پا سلطان گردیزی شوی یکبار گر
می شوی آگہ ترا علم حقیقت سر بسر

زندگی کے آخری دور میں وہ سماع و رقص کے دلدادہ ہو گئے تھے اور اکثر وجد و استغراق کی حالت میں رہتے تھے۔ اس مستی و بیخودی

کے عالم میں وہ سندھی ، سرائیکی اور فارسی میں شعر کہے جاتے تھے۔ ان کے احباب و حواری اشعار لکھتے جاتے تھے۔ جب وہ ہوش میں آتے تو کہتے کہ میں نے تو یہ اشعار نہیں کہے ۔ بے تامل کہنے کی وجہ سے بھی ان کے اشعار میں فنی نقائص موجود ہیں۔ انھوں نے خود بھی تصحیح و تہذیب کی کوشش نہیں کی ۔

انھیں ہفت زبان شاعر کہا جاتا ہے۔ انھوں نے عربی ، فارسی ، اردو ، ہندی ، پنجابی ، سرائیکی اور سندھی میں خیالات منظوم کیے ہیں اور مختلف اصناف سخن میں طبع آزمائی کی ہے۔ مثلاً غزل ، مثنوی ، مسدس ، مخمس ، کافی ، بیت ، سہ حرفی ، حمد ، جھولنا ، گھرولی وغیرہ ۔

وہ فارسی میں آشکار اور فدائی تخلص کرتے تھے اور سندھی اور پنجابی میں سچو اور سچل ۔ فارسی میں ان کی مندرجہ تصانیف ہیں :

۱ ۔ دیوان آشکار ۲ ۔ دیوان فدائی ۔

۳ ۔ مثنوی عشق نامہ ۴ ۔ مثنوی درد نامہ

۵ ۔ مثنوی گداز نامہ ۶ ۔ مثنوی ناز نامہ

۷ ۔ مثنوی رخصت نامہ ۸ ۔ مثنوی رہبر نامہ

۹ ۔ مثنوی وصیت نامہ ۱۰ ۔ مثنوی راز نامہ

۱۱ ۔ ساقی نامہ ۱۲ ۔ غزل بحر طویل

سچل کا فارسی دیوان ، دیوان آشکار کے عنوان سے شائع ہو چکا ہے۔ دیوان آشکار کے نام سے ان کا ایک دیوان پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں شمارہ Pi VI , 311 پر موجود ہے۔ کل ۱۰۸ برگ ہیں۔ اس میں غزلیات کے علاوہ ۵ مستزاد ۔ ۴۲ رباعیاں ۔ ۱۳ فرد اور مندرجہ ذیل عنوانات پر چھوٹی چھوٹی مثنویاں ہیں :

در بیان ترک ہستی - در بیان دم - در بیان خاموشی - در بیان یقین کامل - در بیان خروج عشق - در بیان ذات و صفات - در بیان مدد و ارشاد پیر مرشد - تعریف مرشد - در بیان نفی و اثبات - در بیان حرف توحید و یگانگی حق - در بیان موحد و ملحد - در بیان کلام یکی حال است و دیگر قال است - در بیان حیرت و وحدانیت حق -

سچل کے فارسی کلام میں بھی محبوب حقیقی کے وصال سے سرشار ہونے ، اس کے درد و فراق میں تڑپنے اور اس کو اپنے اندر جذب کر لینے اور اس کی ذات میں فنا ہو جانے کے جذبات کا اظہار ملتا ہے - ان کا دل جذب و مستی سے بھرپور ہے - وہ شعلۂ عشق کو دبانا نہیں چاہتے بلکہ اس کا علانیہ اظہار چاہتے ہیں - وہ منصور کی طرح اناالحق کا نعرہ لگانا چاہتے ہیں - ان کے نزدیک کائنات عشق سے قائم ہے - اگر عشق نہیں تو کچھ نہیں - جس آدمی میں عشق نہیں وہ مرد نہیں - ان کا قول ہے :

در ہر دو جہان شرار عشقست (ص ۱۴ ب)

جز محبت راہ دیگر نیست نیست (ص ۱۲ ب)

نامرد ہمانست کہ بود بے خبر از عشق (ص ۱۸ ب)

لاف گر مردی زنی تا در صف مردان در آ
ای دلا جز عشق و مستی کار دیگر ہیچ نیست

ہمان دل کہ اندر و درد و غمش نیست
خراب ست و خراب ست و خراب ست

(۱۳ ب)

سچل "وحدت وجود" کے زبردست داعی ہیں۔ وہ ہر جگہ اس کے جلوے دیکھتے ہیں۔ انھیں خدا کے سوا اور کچھ نظر نہیں آتا، وہ اپنے آپ کو بھی لا موجود کہتے ہیں۔ جب سب جگہ وہی موجود ہے تو غیر کا کیا گذر۔

آن ہمہ اوست غیر ماند کجا (۶ ب)

جا بجا موجود شد از عرش تا تحت الثرا
آشکارا تو نہ ای آن ہرچہ باشد خود خدا

کجایم من کجایم من کجایم   توئی موجود در عالم ہویدا (۳ ب)

اگرچہ خدا ہر جگہ موجود ہے لیکن وہ کثرت میں نظروں سے اوجھل رہتا ہے۔ نظارہ وحدت میں سب سے بڑا حائل خود انسان کا نفس ہے انا اور خودی مانع ہے۔ اس لیے جب تک خودی کو راستے سے دور نہ کریں تصور وحدت ممکن نہیں۔ سچل کہتے ہیں:

آن کیست کہ با خودی بہ بیند
دیدار خدا بجز خدا نباشد (ص ۲۴)

دو نہ ای دو نگوئی دو مبین
پیر ما ارشاد کردہ ہمچنین (ص ۹۷)

ایک وقت ایسا آتا ہے کہ عاشق اپنی خودی مٹا کر فنا فی اللہ کا مرتبہ پا لیتا ہے۔ پھر وہ خود نہیں رہتا۔ وہی ہو جاتا ہے۔ سچل کے کلام سے ظاہر ہے کہ وہ اس عالی مقام پر پہنچے ہوئے تھے۔ وہ بار بار کہتے ہیں:

غرق گردید ما و حق ہمان جا

خیال از کثرت شد دور یکبار
بیامد وحدت شد کشف معنا

او توئی و تو اوئی نبود دگر

میان عاشق و معشوق ہیچ فرق نیست
ز شخص سایہ ہرگز جدا نمیگردد

چو جملہ او شدی پس تو کجائی (۷ب)

مائی و شہائی کا حجاب اٹھ جانے سے صوفی ناسوتی حدوں کو چھوڑ کر ملکوتی فضاؤں میں چلا جاتا ہے اور صاحب قدرت و اختیار ہو جاتا ہے۔

زین جہان و آن جہان یابی خبر پس کنی پرواز ہمچو شاہباز
(ص ۲۲)

ای مرغ نہ ای آشیانی پرواز کنندۂ لا مکانی
(۹ ب)

ان کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ فنائے ذات کے مرتبے پر پہنچ کر وہ جذب و مستی کے عالم میں رہتے تھے اور ان کی زبان سے ایسی باتیں نکل جاتی تھیں جن کو شرعی قوانین اجازت نہیں دیتے۔ کہنے والے کے لیے منصور کی طرح دار و رسن کھڑی کرتے ہیں۔ انھی دنوں شاہ عبداللطیف بھٹائی کی وہ پیش گوئی سچی ثابت ہوئی کہ یہ "بچہ اسرار کی ہنڈیا سے ڈھکنا الٹ دے گا۔" سچل نے ان دنوں اس قسم کے خیالات کا اظہار شروع کر دیا :

از کفر و دین بگذشته ام   از دو جهان آزاده ام

از خانقه و مدرسه رستیم از ہر وسوسه

من شدم زندیق و ملحد رہ مسلمانی کجا

رسول و خدا یکی داتم   ہر دو عالم گواہست حق الحق (۲۵)

کشیدم رو بیدنامی نہ بیدینم نہ اسلامی
نہ سندی ہندی و شامی اناالحق می زنم برحق   (۲۶)

گھی در رقص می آیم گھی عریاں سراپایم
گھی موجود ہر جایم گھی از خویش بیزارم

از گدائی در دو عالم بادشاہی میکنم   (۲۷ ب)

اگر خود را خدا دانی خدائی   وگر خود را گدا دانی گدائی

(۱۷ ب)

سچل نے طریقت و سلوک اور عشق و معرفت کی باتیں واضح اور صریح انداز میں کی ہیں ۔ اصطلاحات کے پردوں میں باتیں نہیں کیں ۔ رباعیات میں ساقی کو مخاطب کرکے شراب کی استدعا کی ہے ۔ یقیناً ان کی شراب شراب مادی نہیں لیکن انھوں نے ذیل کی رباعی میں کہا ہے کہ زاہد جس شراب کو ام الخبائث کہتا ہے وہی مجھے عزیز ہے ۔ حافظ نے ذیل کے شعر میں بھی یہی بات کہی ہے :

ساقیا می بدہ بجام بلور
کہ رود غم و الم فی الفور

گرچہ زاہد ام الخبائثش خواند
نور خورشید را چہ بیند کور (ص ۸۷)

آن می کہ صوفی ام الخبائثش خواند
اشہی لنا واحلی من قبلۃ العذارا

سچل نے زاہد سے ام الخبائث منگوایا ہے اور حافظ نے صوفی سے بظاہر تو شراب مادی کو ہی ام الخبائث کہا جاتا ہے لیکن یہاں فقیری و درویشی ، طریقت و عشق و محبت کو شراب کہہ کر ام الخبائث کہا گیا ہے کیونکہ ان کی نظر میں عموماً اس مسلک و مشرب کے پیرو شریعت کی پابندیوں سے آزادی چاہتے ہیں اور اس طرح لغزش و خطاء کے مرتکب ہوتے ہیں ۔

سچل اپنے کلام کے متعلق خود بھی بتاتے ہیں کہ اس میں سراسر عشق کی باتیں ہیں اور اہل دل ہی اس کو سمجھ سکتے ہیں :

این سخن عشق است نہ کار شاعریست
کی خسان دانند این اشعار ما (ص ۵)

سچل اپنے افکار میں خواجہ عطار اور شمس تبریز سے متاثر ہیں ۔ عطار کی مثنویوں میں سے وصلت نامہ اور منطق الطیر کو زیر مطالعہ رکھنے کی تاکید کرتے ہیں :

گر تو ہم عاشق شوی پس وصلت و منطق شنو (ص ۶۴)

کز کلامش مست باشم از جہان بگذ شتہ ام
ای دلا خوشبو ز شہ عطار در جانم رسید (ص ۱۸)

سچل کی مثنویوں میں بھی درد و محبت اور عشق و مستی کے مضامین ہیں - رہبر نامہ میں درد و محبت اور فنائے خودی بنیادی موضوع ہیں جن کے متعلق وہ بار بار تلقین کرتے ہیں - درد کے متعلق کہتے ہیں -

درد بود رہبر راہ خدا　　شاہ شوی گرچہ تو باشی گدا
درد کشاید عرف معرفت　　درجہ عالی شود حاصلت

خودی کے بارے میں کہتے ہیں :

روی خود از خویش چو بر تاقتی
از خودی رفتی خدا را یافتی
بگذر از خویش خودی را بسوز
تابتو گردد ہمہ عالم فروز
مرد کی خود بین نہ خدا بین بود
اوست خدا بین کہ ز خود میرود

وصلت نامہ کے متعلق لکھا ہے :

نام این کردم چو وصلت نامہ من
زانکہ وصلت دیدہ ام از خویشتن

(ص ۱۶)

اس میں بھی فنائے وصال کی بشارت دی ہے :

جون تنت فانی شود واصل شوی
در رہِ توحید حق کامل شوی
چون تنت باقی شود ای نیک بخت
ہمچو موسی نور بینی از درخت (۶۲)

اس مثنوی میں لقمان سرخسی اور منصور کی مناجات بیان کی گئی ہیں۔ وصال حاصل کرنے کے بعد ان کے دل و دماغ کی جو کیفیت ہوئی اس کا اظہار کیا گیا ہے:

لقمان سرخسی کی مناجات

ای ز وصلت کار ما زار آمده
همچو ابراهیم در نار آمده
ای ز وصلت جان ما بریان شده
همچو یوسف در چه زندان شده

(ص ۱۰۴)

منصور کی مناجات

ای وصالت کرده شیدائی مرا
ای وصالت داده بینائی مرا
ای وصالت آسمان و هم زمین
هست در تسبیح رب العالمین

—:o:—

میر جان اللہ شاہ رضوی[1]

میر جان اللہ روہڑی کے سادات میں نامور صوفی تھے - ان کے والد حیدر شاہ حقانی بھی اپنے وقت کے بزرگ صوفی تھے - میر جان اللہ صوفی شاہ عنایت کے ارشد خلفاء میں سے تھے - انھی کے زیر ہدایت انھوں نے تصوف و سلوک کے مراحل طے کیے اور ان سے گہری وابستگی رہی - عنایت شاہ کی شہادت (۱۱۳۰ھ) پر ان کو گہرا صدمہ ہوا جس کا اظہار انھوں نے قصیدہ حجتہ اللہ میں کیا ہے - اپنے مرشد کے متعلق لکھتے ہیں :

آن عارف محقق و آن کاشف مدقق
نامش عنایت اللہ و آن نور مصطفائی

ای بر قد تو زیبا تشریف کبریائی
و ای از تو شد ہویدا در بندگی خدائی

جز تو کسی ندارم جز تو کسی نخواہم
بی تو دمی نباشم باشد کہ رونمائی

میر جان اللہ کے فیض سے روہڑی کا علاقہ قادریہ سلسلہ کا مرکز بن گیا - وہ ۱۱۷۷ھ میں فوت ہوئے -

جان اللہ شاعر بھی تھے - میر تخلص کرتے تھے - ان کے دیوان کا ایک نسخہ خطی پنجاب یونیورسٹی لائبریری ، مجموعہ شیرانی میں شمارہ

---

۱ - تذکرۂ صوفیائے سندھ ، اعجاز الحق قدوسی ، کراچی ، ۱۹۵۹ ، مجلہ نئین زندگی (سندھی) ، شہید نمبر - فروری - ۱۹۵۷ ، مقالہ میر جان اللہ رضوی از پروفیسر لطف اللہ بدوی - تحفۃ الکرام -

4281 پر موجود ہے - کل ۱۳۸ برگ ہیں ۔ سال کتابت ۱۲۱۹ھ ہے ۔ ۷۵ برگ تک غزلیات ہیں ۷۶ - ۷۷ پر مدح حضرت امیر المومنین علی ۔ ۸۰ پر درصفت بیخودی - ۸۲ سے ۸۳ تک درصنعت عشق الہٰی - ۸۴ سے ۸۵ تک مدح شیخ عنایت اللہ - ۸۵ب سے ۹۰ تک ترکیب بند ۹۲ پر ترجیع بند - ۱۱۷ب تک حافظ اور صائب کی غزلیات پر چھ مخمس ہیں - ۱۱۹ب سے ۱۳۸ تک مثنوی معنوی کی بحر میں دلائل اللقا فی المناجات کے عنوان سے مثنوی ہے ۔

میر ایسے صوفی ہیں جو اپنے منتہائے مقصود یعنی عشق خداوندی حاصل کرنے کے لیے سب کچھ تیاگ دیتے ہیں ۔ محبوب حقیقی کے علاوہ ہر قسم کی خواہش کو خیر باد کہہ دیتے ہیں کیونکہ اس کے بغیر وصال ممکن نہیں ۔ انھوں نے اپنے اشعار میں بھی ان احساسات کا اظہار کیا ہے ۔

دل کہ بی مدعا نشد ہرگز
بوصال آشنا نشد ہرگز

از فنای خویشتن محبوب در بر کردہ ام
خاطرم سودای این بازار دیدن داشت دید

میر کا دل آتش عشق سے فروزاں ہے ۔ وہ سراپا آتش ہو گئے ہیں اور فنا فی اللہ ہو کر خود اناالحق کا نعرہ لگانے کے آرزو مند ہیں ۔ اپنی اس آگ کے متعلق کہتے ہیں ۔

ریخت عشق بی محابا آتشی در جان ما
شعلہ می بارد بدامان دیدۂ گریان ما

روز و شب ساز اناالحق می کند
میر سر بر دار میخواہد دلم

آبحیوان ز آتش انی انااللہ می کشم
خضربا موسی موافق می شود درحال ما

میر کے دل میں محبوب کے لیے جوش و اضطراب ہے۔ وہ صرف محبوب کے دیدار سے مطمئن نہیں ہوتے بلکہ محبوب مجازی کی طرح اس کو سمیٹ لینے اور جسمانی تماس سے لذت حاصل کرنا چاہتے ہیں۔

ع تا در آغوشش نمی بینم بخود راضی نیم۔

باتو برہنہ خفتہ ام سینہ بسینہ لب بلب
راز نہان نہفتہ ام سینہ بسینہ لب بلب

ان کی ایک غزل میں اس ہیجان انگیز آرزو کا اظہار ہوا ہے۔ اگر کسی شخص کو یہ معلوم نہ ہو کہ یہ غزل ایک صوفی پاکباز نے لکھی ہے تو یقیناً وہ گمان کرنے میں حق بجانب ہوگا کہ شاعر ہوس باز لذتیت پسند ہے۔ اشعار میں جوش و اخلاص موجود ہے اس لیے مجازی و حقیقی دونوں معنی پہنائے جا سکتے ہیں۔ غزل یہ ہے:

لب لعلت گزیدنم ہوس است
میوۂ جان چشیدنم ہوس است

سر بزیر قدم کشید مدام
راہ عشقت دویدنم ہوس است

سرو قدت کہ جان من باشد
تنگ در بر کشیدنم ہوس است

لب فرو بستہ‌ام ہمہ گوشم
سخنانت شنیدنم ہوس است

ہمچو پروانہ‌ای درین محفل
یار با جان خریدنم ہوس است

از بہار رخش بدست نگاہ
گل خورشید چیدنم ہوس است

بو کہ با یار بر خورم چون میر
از دو عالم رمیدنم ہوس است

مسلک کے لحاظ سے وہ وحدت الوجودی تھے۔ کائنات کی ہر جاندار و بیجان چیز میں انھیں اسی کی صفات جلوہ گر نظر آتی ہیں۔ دیوان میں جابجا اس کا اظہار ملتا ہے۔ مثلاً

ہم خاکی و ہم روحی ہم آدم و ہم نوحی
ہم شارح و مشروحی ہم قاری قرآنی
ہم کاتب و مکتوبی ہم راغب و مرغوبی
ہم طالب و مطلوبی ہم دردی و درمانی
ہم وحشی و مونس تو ہم ماہی و یونس تو
ہم میری و مجلس تو ہم بادہ و ریحانی

وہ اپنا تشخص مٹا کر عین ذات ہو جانا چاہتے تھے۔ وہ سمجھتے تھے کہ اس کے بغیر وصال محبوب ممکن نہیں۔

بی اسرار گر خواہی وصال یار گر خواہی
دوعالم را بہم برزن اناالحق زن اناالحق زن

اپنے ایک شعر میں انھوں نے بتایا ہے کہ انھیں یہ مرتبہ حاصل ہو گیا تھا۔

کردہام خود را خدایش موبمو
عین اویم عین اویم عین او

ان کے نزدیک زاہدانہ زندگی بے لطف و بے لذت زندگی ہے۔ زاہد خشک اور بے مزہ آدمی ہے۔ وہ انسانی اقدار سے بے خبر اور لطف کلام سے نا آشنا ہے۔

زاہد خودبیں چہ داند لذت دیدار یار
خر اگر از عیسی بود کی در حساب آدمیست

——

زاہدان را نبود قدر کلام من میر
بادہ در حلقۂ رندان تماشا دارد

میر کو دل کا سوز اور روح کا گداز حاصل ہے اس لیے ان کے کلام میں سوز و گداز موجود ہے۔ وہ کہتے ہیں۔

بلبل از جلوہ گل لعل در آتش دارد
نیست ممکن کہ شود میر غزلخوان بی تو

ان کی ہر غزل میں طپش دل کا اظہار ہے۔ گویا ان کا دیوان اسی طپش کا مرقع ہے۔

بسمل آسا میر از موج طپیدنہای دل
مصرعۂ چندین بہم آورد دیوان کردہ رفت

درد الفت اور جذبۂ عشق کے ساتھ ساتھ وہ متانت الفاظ اور ابکار معنی کا بھی خیال رکھتے تھے کیونکہ اس کے بغیر کلام میں ادبی پختگی اور دلکشی پیدا نہیں ہوتی۔ میر نے ان دو نکتوں کی طرف اشارہ کیا ہے:

ترصیع معانی کند از لفظ متین میر
آئنہ بود طوطی گفتار مرا صبح

——

آن لذتی کہ در بر ابکار معنویست
از شعر عاشقانۂ ما موج می زند

میر استاد شعرا میں سے مرزا جلال اسیر اور صائب تبریزی کے کلام سے استفادہ کرتے ہیں اور ان کے مصرعوں پر تضمین کرتے ہیں۔ صوفی شعرا میں حافظ و رومی ان کو مرغوب ہیں۔ مولانا روم کے کلام کو اعلیٰ و ارفع سمجھتے ہیں اور اس کے پڑھنے کی ترغیب دلاتے ہیں۔

چون کلام مولوی از ہر چہ گویم برتر است

از عارف رومی شنو گر میر از ما نشنوی
حیلہ رہا کن عاشقا دیوانہ شو دیوانہ شو

—:o:—

نجم الدین عزلت

نجم الدین ، سید محمد رفیع رضوی کے بیٹے تھے ۔ ان کے اجداد میں سید محمد یوسف رضوی بھکری ٹھٹوی بڑے پائے کے بزرگ و محترم شمار ہوتے ہیں ۔ وہ بھی شعر کہہ لیتے تھے ۔ نجم الدین کے ماموں محمد معین بھی عالم استاد تھے اور شعر بھی کہتے تھے ۔ فارسی میں تسلیم اور ہندی میں بیراگی تخلص کرتے تھے ۔ ان کا تذکرہ اسی جلد میں دوسری جگہ موجود ہے ۔ نجم الدین عزلت تخلص کرتے تھے ۔ قانع نے لکھا ہے کہ عربی میں ان کی عجیب و غریب تصانیف ہیں ۔ انھی میں سے ایک تتبع بکروزی منطق ہے جو انھوں نے ایک دن میں تالیف کی ۔ فارسی میں ایک طوطی نامہ بھی لکھا جو لطافت بیان میں نخشبی کے طوطی نامہ سے بہتر ہے ۔ انھوں نے علوم متداولہ میں مہارت حاصل کی اور اپنے استاد کی زندگی میں ہی صاحب درس و فتویٰ ہو گئے تھے[1] ۔ ان کے شاگردوں میں میاں احمد ، میاں محمد باقر حافظ نامور ہوئے ۔ عزلت ۱۱۶۰ھ میں فوت ہوئے ۔

عزلت کا مختصر سا دیوان پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں شمارہ Pi VI , 281 پر موجود ہے ۔ کل ۹۴ برگ ہیں ۔ نسخہ مکتوبہ ۱۲۷۶ھ ۔

فقیرانہ اور درویشانہ عقاید کی وجہ سے ہی شاید نجم الدین نے اپنا تخلص عزلت رکھا ہے ۔ ان کے دیوان میں اسی قسم کے عقاید کی جھلکیاں ملتی

---

۱ ۔ مقالات الشعراء ، ص ۴۳۷ ۔ مکلی نامہ ، ص ۶۳۹ ۔ تکملہ مقالات الشعراء ص ۶۵۶ ۔

ہیں ۔ فقیر عزلت پسند ہے ۔ علائق دنیوی سے منقطع ہو کر محبوب حقیقی کی یاد میں مگن رہنا چاہتا ہے ۔ اپنے آپ کو بھلانا اس کا بڑا کارنامہ ہے ۔ اس خود فراموشی سے عشق کی راہیں کھلتی ہیں ۔ مثلاً :

در لامکانست مرتع سلاک راہ عشق
از خویشتن رمیدہ مکان را چہ میکند

نکتۂ وحدتم از پیر طریقت یاد است
دامن از خویش بیفشان کہ شوی خاص الخاص

از خود رمیدگی حاصل کرنے کے لیے فقر و توکل کی زندگی اختیار کرنا اور مال و متاع دنیا سے احتراز کرنا ضروری ہے عزلت اس کے لیے عقلی جواز بھی پیش کرتے ہیں :

بود ز فقر و توکل حشمت انسان
وقار مرد بدنیا بمال و جاہی نیست
گذر زلذت دنیا کہ مال و ملک جہان
نظر بدیدۂ عارف بہ برگ کاہی نیست

دماغ کی تربیت کے بعد دل کی تربیت شروع ہوتی ہے ۔ خطاؤں اور لغزشوں کی معافی کے لیے توبہ و استغفار ، آہ نیم شبی اور اشک فشانی کی ضرورت ہوتی ہے ۔ عبادت و ریاضت سے دل کی کدورتیں دور ہوتی ہیں ۔ عزلت اسی سلسلے میں کہتے ہیں :

رنگ از آئینہ دل بریاضت بردار
عکس مرآۃ بپذیرد جو جلا میگردد
رجا کہ آئینہ دل صفا پذیر شود
ز فیض اشک دو چشمم سحاب میگردد

فنائے ذات اور جلائے قلب کے بعد عشق کی آگ جلنا شروع ہو جاتی ہے اور پھر آہستہ آہستہ بڑھتی رہتی ہے ۔ عزلت بتاتے ہیں :

ار بعد فنا آتش سودا شود افزوں
صد شعلہ توان یافت بجیب کفن ما

فقیر جب توحید کو پا لیتا ہے تو اسے ہر جگہ خدا کے ہی جلوے نظر آتے ہیں ۔ اس کی نگاہ میں سب انسان برابر ہو جاتے ہیں ۔ رنگ و نسل و مذہب کی تمیز ختم ہو جاتی ہے ۔ کفر و ایمان اور کعبہ و بت خانہ کا امتیاز اٹھ جاتا ہے ۔ ان کے نزدیک صلح کل انسانیت کا شیوۂ زندگی ٹھہرتا ہے ۔ عزلت اس سلسلے میں کہتے ہیں :

عزلت میان کعبہ و بتخانہ فرق نیست
در مشربی کہ کفر بایمان برابر است

تمیز در بد و نیک جہانست کفر طریق
یکیست مسجد و دیر و حرم و کنشت مرا

حسن بیرنگ بھر رنگ سرایت فرمود
جنگ ہفتاد و دو ملت بخدا اینجا نیست

عزلت کا دیوان تصوف و معرفت کے مضامین سے مالا مال ہے ۔ عشق مجازی کے بیان سے ان کی غزل خالی ہے ۔ تصوف کے علاوہ منقبت علی کے مضامین ملتے ہیں ۔ تین صفحوں پر محیط ایک طویل منقبت لکھی ہے جس کا پہلا شعر یوں ہے :

ای حیدر صفدر علی مستان سلامت میکنید
ای فاتح خیبر علی مستان سلامت میکنند

(ص ۴۳ ب - ۴۴ ب)

ایک جگہ حب علی کا اظہار یوں کیا ہے :

گرفتہ دل ز چہ عزلت شوم کہ حب علی
بود برای در بستہ طرفہ ام مفتاح

تشیع کا مسلک رکھنے کی وجہ سے یقیناً منقبت کے ان اشعار میں خلوص و شدت موجود ہے -

عزلت اپنے شعری اسلوب میں صائب ، شوکت اور ناصر علی سے متأثر نظر آتے ہیں - ان کے مصرعوں سے الہام لیتے ہیں اور ان پر تضمین کرتے ہیں - کہیں کہیں ان کے جواب میں غزل لکھ کر داد و تحسین چاہتے ہیں - مثلاً ان کے یہ اشعار دیکھیے :

آتش بخیالم زدہ این مصرع شوکت
چون چین جبین موج زند درد سر ما

در جواب مصرع صائب بشوخی گفتہ ام
خط عنبر بار گردی از بہار حسن اوست

در دل عزلت سا مصرع ناصر جاگیرد
دم شمشیر تـو تـا عربدہ بـا من دارد

وہ چہ خوش چسپیدہ در دل مصرع ناصر علی
سنگ طفلان صندل درد سر دیوانہ بود

ایک غزل میں عزلت نے اپنے مقام و مرتبہ کی طرف اشارہ کیا ہے اور بتایا ہے کہ وجود عنصری حق کی رسائی میں مانع نہیں ہوتا ۔ اس خیال کے اظہار میں تمثیل کے ساتھ استدلال کو بھی استعمال کیا ہے :

قطرہ در معنی حباب عین دریا کی شود
شہپر سیمرغ در بال مگس داریم ما
از وجود عنصری دیگر چہ خواہد طرف بست
طائر عرش آشیانرا در قفس داریم ما

—:o:-

محمد عارف صنعت[1]

محمد عارف نام، صنعت تخلص۔ تقریباً ۱۸۰۰ع کو شکار پور میں پیدا ہوئے۔ خیال ہے کہ وہ قبیلۂ اعوان کے ایک فرد تھے جو پنجاب سے ہجرت کرکے عہد داؤد پوتروں میں شکار پور میں آباد ہو گیا تھا انھوں نے علامہ اویس محمد اویس سے تعلیم و تربیت حاصل کی۔ انھی کے مدرسے میں کچھ عرصے کے لیے درس دیا۔ استاد کی وفات کے بعد خیاطی کا پیشہ اختیار کیا اور خیمہ دوزی میں خصوصی مہارت پیدا کی۔ وہ امیران سندھ کے لیے خیمے تیار کرتے تھے اور یہ اس زمانے میں معزز پیشہ شمار ہوتا تھا۔

صنعت شروع میں اپنے استاد اویس کی شاعری سے متأثر تھے۔ بعد میں صاحبڈنہ صاحب قاضی سندھی شکار پوری کے کمال سخن سے متأثر ہوئے اور ان کو اپنا استاد تسلیم کیا۔

سید میر اسماعیل وزیر مملکت سندھ کے صاحبزادے سید میر زین العابدین اور سید میر کاظم یکے بعد دیگرے شکار پور میں نائب مقرر ہوئے۔ زین العابدین خود شاعر تھے۔ عابد تخلص کرتے تھے۔ وہ علم و فضل کے قدردان تھے۔ صنعت اس کے دربار سے وابستہ رہے یا ان سے ان کے علمی و ادبی مراسم رہے۔ انھوں نے زین العابدین کی مدح میں قصیدہ بھی لکھا ہے جس میں وہ اس کے متعلق کہتے ہیں:

۱۔ دیوان صنعت مرتبہ عبدالخالق، شکار پور، ۱۳۱۳، دیباچہ دیوان صنعت مرتبہ لطف اللہ بدوی۔ حیدرآباد۔ ۱۹۶۸ء

امیر سید زین العابدین روشن رای
کہ نور حسن ز سیمای او درخشان است

سپہر فضل و کمالات و آفتاب ہنر
محیط علم الہیٰ دکان عرفان است

عابد و صنعت کی ہم وزن و قافیہ غزلیں بھی موجود ہیں ۔

میر کاظم بھی شاعر تھے ۔ سرخوش تخلص کرتے تھے ۔ صنعت و سرخوش کے بھی ہم وزن و قافیہ اشعار موجود ہیں ۔ میر کاظم سے بھی صنعت سے دوستانہ مراسم تھے ۔ میر کاظم شاہ شجاع کے خلاف لڑائی میں ۱۲۴۹ھ میں قتل ہوئے ۔ صنعت نے سندھی میں پرسوز مرثیہ لکھا ۔

صنعت ۱۲۶۶ھ میں انتقال کر گئے ۔

دیوان

صنعت کے دو بیٹے تھے ۔ محمد امین اور عبدالخالق ۔ عبدالخالق اپنے والد کی وفات کے وقت صرف دو سال کے تھے ۔ ان کے بھائی نے بڑی کوشش سے متفرق و منتشر کاغذات سے اپنے والد مرحوم کا کلام جمع کیا لیکن وہ ۱۲۷۸ھ میں انتقال کر گئے ۔ بعد میں عبدالخالق نے مقابلہ و اضافات کے ساتھ دوبارہ دیوان مرتب کیا ۔ ان کے دوست و مربی عبدالمجید وکیل نے اس پر نظرثانی کی اور کہیں کہیں اضافہ بھی کیا اور ۱۳۱۳ھ میں دیوان پہلی مرتبہ شائع کیا ۔ دوسری مرتبہ ۱۹۶۸ میں سندھ ادبی بورڈ حیدر آباد کی طرف سے لطف اللہ بدوی کے مقدمہ کے ساتھ دوبارہ شایع ہوا ۔ دیوان ۲۰۲ صفحات پر مشتمل ہے ۔

دیوان کی اشاعت دوم میں مثنوی ناگہاں یا جمجمہ سلطان کے عنوان سے ۶۸ شعر کی ایک مثنوی بھی شامل ہے ۔ حضرت عیسیٰؑ کو صحرا میں ایک بادشاہ کی کھوپڑی ملی ۔ وہ اپنی سرگذشت بیان کر رہی ہے اور کہتی ہے کہ جاہ و مال کے ہوتے ہوئے بھی موت سے نجات نہیں ملی ۔

دیوان ۱۴۷ صفحات پر مشتمل ہے جس کی تفصیل یہ ہے۔

قصیدہ در حمد باری تعالیٰ ، نعت رسول اکرم میں قصاید ، ایک ہفت بند ، مسدس در مدح شیخ عبدالقادر جیلانی ، در صنعت شکار پور وطن مصنف اور مدح سید زین العابدین حاکم وقت ، در تعریف نواب احمد خان مختار کار چانڈکہ (صفحہ ۳۴ تک) ، غزلیات (۳۵ تا ۱۳٦) ، رباعیات ، مثلث ، ۳ مخمس ، غزل در صنعت شجر (ص ۱۴۱) متفرقات میں مناجات۔ ۴ رباعیاں ، ایک قطعہ اور چار فرد (ص ۱۴۳) ، ۱۴۴ سے ۱۴۷ تک ٦ رقعات نثر میں مندرج ہیں :

صنعت اپنے نام کی مناسبت سے پہلے عارف تخلص کرتے تھے۔ بعد میں پیشے کی مناسبت سے صنعت تخلص کیا۔ انھوں نے اپنے منظومات میں کثرت سے غیر معمولی طور پر صنایع لفظی استعمال کی ہیں۔ ممکن ہے کمال صنعت دکھانے کی وجہ سے تخلص صنعت کر لیا ہو۔ انھوں نے خود بھی ذیل کے شعر میں اس کی طرف اشارہ کیا ہے :

نباشد خالی از صنعت قماش شعر من یا رب
کہ باشد گرمی بازار کالای دوکانم را

صنعت کے استاد صاحب نے اپنے شاگرد کے متعلق یوں اظہار خیال کیا ہے :

گر نیست صاف صحبت آئینہ دار صاحب
صنعت مثال طوطی شکر زبان نبود

صنعت نے استاد کے جواب میں لکھا :

بہ شعر صاحب ، صنعت چہ جای دم زدن است
کجاست حاجت مشاطہ روی زیبا را

صنعت کا خیال ہے کہ کائنات کے وجود میں آنے سے پہلے عشق موجود تھا ۔ اب کائنات کے وجود میں آنے سے محبوب کا جلوہ ہر جگہ موجود ہے ظاہر میں بھی باطن میں بھی :

پیش از محبت ز جہان یک نشان نبود
تا آن نبود گردش این آسمان نبود

در کعبہ و بت خانہ بہان جوش تماشاست
زانرو شدہ ام شیفتۂ آن شاہد ہرجائی

از رنگی بیرنگی تو حیران شدہ می مانم
قربان زنیرنگت پنہانی و پیدائی

صنعت اس جذبۂ عشق سے مالا مال ہیں ۔ اس عشق سے انھیں سوز دروں حاصل ہوا ۔ یہ سوز بچپن سے ہی شعلۂ آتش کی طرح دل میں جلتا رہا ۔ وہ اپنے جذبہ عشق کو کس نئے انداز سے بیان کرتے ہیں :

از درس من اوستاد بجان آمد و گفت
مجنون است بعشق این بچہ دانا شدنی نیست

اور یہ عشق ایسا مرض ہے جس کا کوئی علاج نہیں :

در رنگ رخم دید بگفتا کہ طبیب آن
دردیست ز عشقت کہ مداوا شدنی نیست

یا سینہ ام مجمر است از آتش
دود آہم شرارہا دارد

عشق کی بدولت جو غم حاصل ہوا ہے وہ بیش بہا ہے :

غمهای تو با راحت دنیا نفروشم
این دولت جاوید بعقبیٰ نفروشم

یہی سوز، آتش اور غم اس کے اشعار کی جان ہے جو پڑھتا ہے وہ بھی جلتا ہے:

از سوز دل نوشتم ترسم که بعد ازین
تا در نگیرد آتش غم این رساله را

نوای من دل عشاق در خروش آرد

غزلیات میں اگرچہ روایتی مضامین کم ہیں لیکن کہیں کہیں شراب و شاہد اور چنگ و رباب کی باتیں کی ہیں۔ شراب سے مراد شراب حقیقی بھی لی جا سکتی ہے۔ صنعت جو بات کہتے ہیں وہ صدق و اخلاص سے کہتے ہیں اور خوبصورت انداز سے کہتے ہیں۔ مثال کے طور پر دو شعر دیکھیے۔ وہ اپنے دوست کے لیے کس لہجے سے بات کرتے ہیں:

صنعت از بند بندم همچو نی نرگس شگفت
دیده ها در راه مقدم ای سهی شمشاد ما

ای خیمه دوز صنعت بهر خیام دوست
هر تاب از رگ جان رشتهٔ طناب را

صنعت علامات و تلمیحات میں عموماً مصر و یوسف و زلیخا۔ شمع و پروانہ۔ گل و بلبل و ہما اور بادہ و مینا سے کام لیتے ہیں۔ اکثر غزلوں میں انہوں نے مختلف صنایع لفظی سے کام لیا ہے۔ اگرچہ اس سے شاعر کی قوت و قدرت کلام ظاہر ہوتی ہے مگر اس قسم کے التزام سے تصنع و تکلف نظر آتا ہے۔ لیکن چونکہ شاعر کو زبان پر تسلط حاصل ہے اس لیے کلام کی روانی و سلاست میں فرق نہیں پڑتا۔ صنایع میں انہوں نے صنعت موصل۔

صنعت واصل الشفتین ۔ افتراق الشفتین صنعت منقوطہ ۔ صنعت تعطیل ۔ صنعت رقطا ۔ صنعت خیفا ۔ صنعت طرد عکس ۔ صنعت تضاد ۔ صنعت تجاہل العارف ۔ صنعت ردالعجز علی الصدر وغیرہ استعمال کی ہیں ۔ ان کے علاوہ تلازمات آب و آتش اور شیریں کا اہتمام بھی کیا ہے ۔ ان میں سے چند ایک کی مثالیں نقل کرتے ہیں تاکہ شاعر کے کمال فن کی داد دی جا سکے ۔

تلازم آب :

تشنگی پابوسی تو ساخت بیتاب آب را
ای نہال باغ حسن از لطف دریاب آب را

صنعت طرد عکس :

چہرہ ات ای دلربا مطلع نور خدا
مطلع نور خدا چہرہ ات ای دلربا

صنعت موصل : (سہ حرفی) ۔

پوش مہی حسن بتی صبح لقا

صنعت واصل الشفتین ۔

جام از مجمر غم ، ہمچو کباب است امشب

در تلازم آتش ۔

یا رب چہ آتشی تو کہ آب جلوہ ات
عالم تمام غرق بہ طوفان آتش است

صنعت منقوطہ -

قائم شود قیامت وقت قیام تو
با قامت تو کیست، کہ ہمدوشی آورد

صنعت خیفا - (یک کلمہ منقوطہ و دیگر غیر منقوطہ) -

نبی مرسل فیض کمال بیش کرم
شفیق داور جیش امام تیغ علم

ایک غزل میں پہلا شعر مقطع (یک حرفی) - دوسرا موصل (دو حرفی) تیسرا سہ حرفی - چوتھا چار حرفی - پانچواں پنج حرفی - مثلاً پانچواں شعر دیکھیے :

بطلعت مشعشہ بگیسو بنفشہ بخصلت ہمیشہ بصنعت ستمگر

صنعت مربع میں ایک رباعی بھی ان کی فنی مہارت کا ثبوت ہے :

از عشق تو	ای دلبر	من عاشق	رنجورم
ای دلبر	از دولتِ	دیدار تو	مہجورم
من عاشق	دیدار تو	گرمستم	معذورم
رنجورم	مہجورم	معذورم	مخمورم

صنعت کے زمانے میں انگریزی الفاظ عام ہو رہے تھے کہ ان کی دیسی صورتیں مزاحیہ انداز میں بھی فارسی اشعار میں جگہ پا رہی تھیں - صنعت کے یہ دو شعر ملاحظہ کیجیے :

چون پلٹن ہندی است صف مژگانش
وان غمزہ فرنگی است کہ شد کپتانش
برہم زند آفاق بیک چشم زدن
کپتان گر از فیر کند فرمائش

(ص ۱۴۳)

ہیر اور رانجھا کی رومانی داستان

اس قصے کی اصلیت اور تاریخ کے متعلق ہم پہلے لکھ آئے ہیں۔ یہ قصہ بہت مقبول رہا ہے۔ نواب احمد یار خان یکتا ۱۱۱۶ھ سے ۱۱۱۹ تک ٹھٹھہ کے حاکم رہے۔ وہ دقیقہ رس شاعر بھی تھے۔ انھوں نے ہیر و رانجھا کی داستان کو دلکش انداز میں پیش کیا۔ اس مثنوی کے محاسن سے متعلق ہم یکتا کے تعارف میں اشارہ کر آئے ہیں۔ سندھ میں امرائے تالپر اقتدار کے ساتھ ساتھ شعر فہم اور شعر دوست بھی تھے۔ جیسا کہ عظیم نے لکھا ہے:

شاہ و اخوان شہ سخندان اند   ببلاغت طراز دوران اند
صاحب سیف و القلم ہر یک   شد بسیف و قلم علم ہر یک

انھیں یہ قصہ بہت پسند آیا، چنانچہ انھوں نے اپنے دربار سے وابستہ شعرا کو یہ قصہ دوبارہ منظوم کرنے کے لیے کہا۔ اس طرح ان کے عہد حکومت میں چار مرتبہ یہ قصہ مثنوی کی صورت میں جلوہ گر ہوا۔ شعرا کے نام یہ ہیں:

۱۔ میر عظیم الدین ۲۔ ضیاء الدین ضیاء ۳۔ آزاد ۴۔ ولی محمد خان لغاری ۵۔ قادر بخش بیدل نے بھی اس قصے کو اختصار کے ساتھ ایک طویل قطعے میں منظوم کیا۔ قطعہ سمیت یہ چاروں مثنویاں حفیظ ہوشیارپوری کی تصحیح و مقدمہ کے ساتھ ۱۹۵۸ع میں سندھی ادبی بورڈ کراچی کی طرف سے شائع ہو چکی ہیں۔ ہم ان کا مختصر تعارف پیش کرتے ہیں۔

۱۔ ہیر و رانجھا از میر عظیم الدین۔ ص ۱ تا ۷۵ تک۔

یہ مثنوی ۱۲۱۴ھ میں تالیف ہوئی۔ کہانی کا خاکہ پہلی مثنویوں کی طرح ہے۔ ایک آدھ جگہ ناموں کا اختلاف ہے۔ ہیر کے شوہر کا نام نورنگ بتایا ہے، ایک عجیب واقعہ یہ بیان کیا ہے کہ ہیر کے بھائیوں

نے رانجھے پر تلواروں سے حملہ کیا لیکن رانجھا زخمی نہ ہوا بلکہ اس کے برعکس وہ خود زخمی ہوئے۔ کہانی کے اختتام میں بھی اختلاف ہے۔ ہیر و رانجھا صحرا میں پیاس سے مر رہے تھے کہ خضر علیہ السلام پہنچے اور انھوں نے آب حیات پلایا۔ چنانچہ وہ اب تک

ہر دو باہم ہنوز ہمسار اند لیک پنہاں ز چشم اغیار اند

شروع میں مناجات، حمد، نعت رسول، منقبت امیر علیہ السلام اور میر فتح علی خان، میر غلام علی خان، میر کرم علی خان، میر مراد علی خان کی مدح و ستایش میں اشعار لکھے ہیں۔ سبب تالیف کا ذکر کرتے ہوئے بتایا ہے کہ میر علی خان تالپر کی فرمائش پر یہ مثنوی لکھی گئی۔

نسخۂ نظم احمد یکتا کہ بہ لاہور داشتہ ماوی
در مقامات عشق رانجھا و ہیر فلک حسن را دو نجم منیر
کین سخن نظم تازہ می خواہد چہرۂ ذکر غازہ می خواہد
کردہ ام بسکہ می پرستی عشق سخنم ہست جوش مستی عشق

اس موضوع پر مثنوی نگاروں نے التزاماً پنجاب اور ہزارہ کی تعریف کی ہے لیکن ان کی تعریف میں تکلف ہے اور واقعیت نہیں۔ عظیم نے ذیل کے اشعار کچھ اچھے نکالے ہیں ورنہ حسن اور عشق، سنبل، سرو اور گل کی تعریف و توصیف میں کئی کئی اشعار لکھے ہیں جو محض اطناب نظر آتے ہیں۔

طرفہ دلکش سواد پنجاب است
حسن را بیت عشق را باب است
از سوادش سواد دیدۂ عشق
خاک او ہمچو سرمہ چیدۂ عشق

این زمین را چہ طرفہ آب و ہواست
آب حسن و ہوای عشق اینجاست

حسن را کشوریست آبادان
عشق را محشریست جاویدان

تخت پنجاب شہر لاہور است
دائم از حسن و عشق پر شور است

یہ مثنوی چونکہ یکتا کی مثنوی کو سامنے رکھ کر لکھی گئی ہے، اس لیے بعض اشعار مضمون کے اعتبار سے یکساں ہیں اور کسی ترمیم و اضافہ کے بغیر لے لیے گئے ہیں۔ سندھ میں لکھی ہوئی ایک ہی دور کی یہ چار مثنویاں اپنے متقدمین کا چربہ معلوم ہوتی ہیں۔ صرف آزاد نے کہیں کہیں اپچ کا ثبوت دیا ہے اور بعض مضامین کے اضافہ سے جدت پیدا کی ہے۔ مثال کے طور پر چاروں مثنویوں میں سے ہیر کے چچا کے متعلق جو صفات بیان کی گئی ہیں انھیں ہم یہاں نقل کرتے ہیں۔ ان بیانات سے ظاہر ہوگا کہ وہ زبان و بیان میں کس قدر ایک دوسرے سے مماثل ہیں۔

عظیم

از قریبان ہیر یک اقرب	نیش زن نابکار چون عقرب
گرچہ در قرب بود او عم ہیر	بسکہ غماز گشت وشدغم ہیر
نقطہ بردہ زغین غمازی	عم نشد آن ہمہ دغابازی
عالم علم مکر کیدو نام	ہمہ تحصیل فتنہ کرد تمام
ظاہر او لباس درویشی	باطن او اساس بد کیشی
عم چہ اظلم چوبولہب بودی	جفت حمالۃ الحطب بودی
خانہ بیرون شہر از نی داشت	کہ خوروخواب خویش دروی داشت

ضیاء

چو ابلیسی یکی مرد ود بیدین
که عم ببر بوده تند و پر کین
چو شیطان لعین رخنه انداز
که کیدو نام او پر مکرو غماز
اگرچه ظاهرش کرده چو درویش
بباطن سخت مکار و بد اندیش
ز شهرش دور از نی خانه‌ای بود
نهان از چشم مردم زیست مردود

آزاد

ببیر را بود خویش کیدو نام
چون عزازیل در جهان بد نام
روستای ز عقل و دین عاری
بیحیا چون سگان بازاری
آن غم عاشقان که بد عم ببیر
نی غلط گفته ام چه عم، غم ببیر
خانه بیرون شهرش از نی بود
تنگ و تاریک چون دل مردود

لغاری

عم آن ببیر بود کیدو نام
فتنه گر پر فساد بود تمام
بود او اوستاد غمازان
سر یک جمع فتنه پردازان

بود ہرفن چو روبہ مکار
استخوان جوی چون سگ بازار
آن سیہ فام کینہ خواہ ہیر
روز و شب سوی رانجھہ بی تاخیر
بسکہ او گشت چون گدایان کرد
خبر از ہر دو یافت از ہر فرد
ظاہرش بود ہمچو درویشان
باطن او سرشت بدکیشان
خانداش بود از خس و خاشاک
خود چو غولی کہ جا کند بمغاک

۲ - ہیر و رانجھا از ضیاء الدین ضیاء کل ۶۴ صفحات

یہ مثنوی ۱۲۱۵ھ میں تالیف ہوئی - ضیاء نے یہ قصہ امیر سندھ میر تھاری خان کے نام منسوب کیا - اس میں بھی سراسر یکتا کی پیروی کی گئی ہے - بعض مصرعے بعینہ اپنا لیے گئے ہیں - قصہ شروع کرنے سے پہلے دوسری مثنویوں کی طرح مناجات، حمد و منقبت کے بعد میر تھاری خان اور میر اللہ یار خان کی مدح میں اشعار لکھے ہیں - ضیاء نے ہر عنوان کے آخر میں دو شعر ساقی کو مخاطب کر کے لکھے ہیں -

روایت کے مطابق اس مثنوی میں بھی پنجاب اور جھنگ کی تعریف میں شاعر نے طبع آزمائی کی ہے - ان اشعار کو ہم محفوظ کیے لیتے ہیں :

عجب پنجاب باشد حسن پرور
کہ حسن و عشق را گوئی تو کشور
بود آبش گوارا تر زحیوان
ہمہ چون خضر آنجا زندہ با جان

زمینش سر بسر فردوس باشد
که رنگین چون پر طاوس باشد

سوادش عشق خیز از نو بهار است
که هر دل داغدار و لاله زار است

پری رویان همه با عشوه و ناز
بجادو همدم و با فتنه دمساز

همیشه با دل عشاق در جنگ
همه آدم فریب و گندمین رنگ

بود پنجاب نام از پنج تا آب
که حسن و عشق زان کردند سیراب

(ص ۹۱-۹۲)

تعریف شهر جهنگ سیالاں

وطن گاه من آن رود چناب است
که عشق از آب رودش کامیاب است

چه آبش آبروی عشق بیتاب
که باغ حسن سیراب است زان آب

عجب آبش چو آب زندگانی
اگر پیرش خورد یابد جوانی

عجب شهریست آن از حسن آباد
دل غمگین بحسنش می شود شاد

اگر پرسی ز نام شهر جهنگ است
فضایش پر ز حسن شوخ و شنگ است

شدہ آباد از قوم سیالان
سوادش خوشتر از چشم غزالان

(ص ۱۴-۹۵)

ہیر و رانجھا از آزاد ص ۱۳۱-۱۸۹ (۵۹ صفحات)

متعین نہیں ہو سکا کہ یہ کون سے آزاد ہیں ۔ تالپروں کے دربار سے وابستہ ایگ شخص وزیر مالیات صاحب رای آزاد تھا لیکن اسلوب بیان اور اسلامی تاریخ کی تلمیحات سے واضح ہے کہ یہ ہندو کی تصنیف نہیں ہو سکتی ۔ اس مثنوی کا سال تالیف بھی متعین نہیں ۔ حمد و ثنا ۔ مناجات نعت اور منقبت کے بعد میر غلام علی تالپور ۔ میر کرم علی ۔ میر مراد علی اور میر محمد خان تالپر کی مدح میں اشعار لکھے ہیں ۔ اگرچہ آزاد سے پہلے یکتا اور عظیم اس موضوع پر طبع آزمائی کر چکے تھے پھر بھی اس کہانی کو نئے سے لئے روپ میں دیکھنے کی تمنا باقی تھی ۔ مصنف میر محمد خان تالپر کی مدح کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ دربار میں دیگر موضوعات کے ضمن میں :

ناگہ آمد بیان این تقریر
سخن از سرگذشت رانجھن و ہیر
گرچہ بر قامتش بسی ست رسا
خلعت نظم سید و یکتا
حسن این نو عروس را باید
بلباس دگر بیارابد

اس مثنوی کا نامکمل نسخہ دستیاب ہوا ہے ۔ یہ معلوم نہیں کہ کاتب اتنا ہی لکھ سکا یا باقی حصہ مفقود ہو گیا یا ممکن ہے کہ مصنف اتنا حصہ ہی لکھ سکا ہو ۔ آخری حصے کا عنوان یہ ہے، " زندان بردن ہیر را

بار دیگر و خبر شدن رانجھا " یہ مثنوی دل جمعی سے لکھی گئی ہے۔ زبان و بیان کے لحاظ سے بھی باقی مثنویوں سے بہتر ہے۔ مصنف نے غور و فکر سے بعض مضامین کا اضافہ کیا ہے مثلاً بیان ماہیت عشق پر مذہب اطبا و حکما و عرفا۔ مقاصد حکمیہ۔ اشارہ در باب قضا و قدر۔ جہد و توکل۔ جبر و اختیار۔ مثنوی معنوی کی اقتدا میں مضمون کی دلچسپی اور اپنے عقاید کی تائید و تاکید کے لیے تمثیلیں لائی گئی ہیں مثلاً دزد و باغبان۔ شمع و پروانہ۔ عارف و سلطان وغیرہ کی تمثیلیں۔ کئی جگہ گلستان سعدی کے اشعار پر تضمین کی گئی ہے مثلاً یہ شعر :

گرگ زادہ گرگ شود
گرچہ با آدمی بزرگ شود

لطف بیان اور قدرت کلام کے اظہار کے لیے مختلف وسایل اختیار کیے گئے ہیں۔ مثلاً ہیر و رانجھا کے درمیان سوال و جواب بڑی ہنر مندی سے نظم کیے ہیں مثلاً :

گفت مقصود و آرزوی تو چیست
گفت واللہ بغیر روی تو نیست

ایک موقع پر مسلسل قسمیہ اشعار لکھے ہیں۔ یعنی بڑے لطیف احساسات کو شہادت کے طور پر پیش کیا گیا ہے مثلاً :

بنوای حزین مرغ اسیر
بتمنای عاشق دلگیر

بنیاز شہید تیغ جفا
بفغان غریب دشت وفا

۴ - مثنوی ہیر و رانجھا از ولی محمد خان لغاری ۔ (ص ۱۹۳-۱۲۷۰ کل ۷۸ صفحات)

ولی نے یہ مثنوی میر مراد علی کی فرمایش پر لکھی ۔ اسے معلوم تھا کہ اس سے پہلے احمد ، آزاد اور عظیم مثنویاں لکھ چکے ہیں ۔ اس نے ضیاء کی مثنوی کا ذکر نہیں کیا وہ کہتا ہے :

من بآن حکم اشرف شاہان
قصہ گویم چو کار آگاہان
گوی بر ای ولی بغہم عظیم
ہم ز آزاد و احمد و ز عظیم

مناجات ۔ نعت ۔ منقبت علی و ائمہ کے بعد میر کرم علی ۔ میر مراد علی اور میر محمد خان تالپور کی تعریف میں مدحیہ اشعار کہے ہیں ۔ اس کے بعد سندھ پر شاہ محمود بادشاہ کابل و قندہار کے حملے کی روداد بتاتی ہے ۔ بادشاہ کو اطلاع ملی کہ شکار پور کا امیر خراج دینے سے انکار کر رہا ہے ۔ بادشاہ نے اپنے وزیر فتح خان شاہ دوست کے مشورے سے شکار پور پر حملے کی تیاری کی ۔ شاہ محمود کے لکھنے پر قلات و ہرات سے کمک کے لیے لشکر پہنچے ۔ یہ لشکر قندہار سے چل کر دادھر (بلوچستان) میں پہنچا ۔ یہاں پہنچ کر یہ صلاح ٹھہری کہ اگر ناظمان سندھ اور میر سہراب خان حاکم خیر پور اپنا تمام خراج ادا کر دے تو پھر جنگ کی ضرورت نہیں ۔ امین الملک محمد رحیم خان کو قاصد بنا کر بھیجا گیا ۔ میر کرم علی اور میر مراد علی خان تالپور یہ خبر پا کر کہ شاہی لشکر دادھر میں پہنچ چکا ہے ، جنگ کے لیے تیار ہوئے اور شہر کے باہر پراول دستہ بھیجا ۔ اتنے میں قاصد آپہنچا ۔ میر کرم علی اور میر مراد علی نے ولی محمد خان لغاری کی معیت میں میر سہراب خان کو پیغام بھیجا کہ تمھارے خراج ادا نہ کرنے سے شاہ محمود حملہ آور

ہو رہا ہے ۔ جب متعلقہ اشخاص جمع ہوئے اور متنازعہ مسائل پر گفتگو ہوئی تو مولاداد افغانی کی وجہ سے گفتگو کا سلسلہ ٹوٹ گیا اور میران سندھ مقابلے کے لیے تیار ہوگئے ۔ لیکن بادشاہ نے حملے کا ارادہ بدل لیا اور دادھر سے دھرکی طرف چل دیا ۔ یہ واقعات ۱۲۲۷ھ سے ۱۲۳۲ھ کے درمیان کسی سال سے متعلق ہیں ۔

ولی نے بھی روایت کے مطابق پنجاب اور ہزارہ کی تعریف کی ہے مگر تعریف ہی تعریف ہے واقعیت نہیں ۔ پنجاب کے متعلق لکھا ہے :

رشک کشمیر ملک پنجاب است
خانۂ حسن خلد را باب است

تعریف میں خواہ مخواہ کی لفظی تکرار ہے :

گلعذاران و گلرخان و گلرو
در خرامش چو کبک از ہر سو

ہزارہ کے متعلق لکھا ہے :

نہرھایش چو نہر کشمیر است
آب آنجا چو شکر و شیر است

ہیر و رانجھا کی جائے ولاد لاہور بتائی ہے :

ہر دو را زاد بوم لاہور است
خلق از حسن شان پر از شور است

ہیر کے باغ کے متعلق بیان کیا ہے کہ اس میں ناروں ، سمن اور سوری کے پھول تھے ۔ نارنج ۔ خرما اور انجیر کے درخت تھے ۔ اس کے

محل میں آبشار تھی ۔ اس کی سہیلیاں شراب پیتی تھیں اور مدہوش ہوتی تھیں ۔ یہ پنجاب کے دور افتادہ جھنگ سیال کے گاؤں کا نقشہ نہیں ہو سکتا ۔ یہ تو کسی شاہزادی کا محل ہو سکتا ہے ۔

نامۂ نغز

یہ ایک تاریخی مثنوی ہے جو ۱۱۵۵ھ میں مکمل ہوئی لیکن کچھ اضافات بعد میں کیے گئے ۔ کل اشعار کی تعداد ۶۲۷۳ ہے ۔ اس مثنوی کا ایک منفرد نسخہ سندھ قومی کتب خانہ میں محفوظ ہے ۔ اس کی ایک نقل سندھ ادبی بورڈ میں بھی موجود ہے ۔

مثنوی کے آغاز کے دو شعر حسب ذیل ہیں :

خدایا توئی آفرینندۂ جان
تو دانندۂ آشکار و نہان

ز تو شادمانی ز تو غم بود
ز تو بر فزونی ز تو کم بود

اختتامی اشعار یہ ہیں :

زمین را زاسبان زنم درستوہ
ز سم ستوران درم دشت و کوہ
عنان سپہ گر بہ ایران کنم
بلشکر زمین کوہ ویران کنم

اس مثنوی کے مصنف باغ علی سندھی ہیں جن کے حالات زندگی کے متعلق معلومات میسر نہیں ہوئیں ۔ وہ پختہ گو شاعر نظر نہیں آتے ۔ اشعار کے درو بست میں استحکام نہیں ۔ تکرار الفاظ بھی ہے ۔ تعقید ات لفظی اور فصاحت و بلاغت کے منافی خامیاں بھی موجود ہیں ۔

مثنوی کی تاریخی حیثیت مسلم ہے۔ اس میں کلھوڑہ تاجدار خدا یار خان کے دور حکومت کے واقعات اور نادر شاہ کی ہندوستان اور سندھ پر یورش کے تفصیلی حالات موجود ہیں۔

خدا یار خان کے کارہائے نمایاں کا ذکر کرتے ہوئے اس کے آباد کیے ہوئے شہر خدا باد اور شکار گاہ کا حال بیان کیا ہے۔ خدا یار خان نے داؤد پوتروں اور عبداللہ خان کے خلاف سپہ کشی کی اور ان کی سرکشی کو توڑا۔ داؤد پوتروں نے اطاعت قبول کی اور عبداللہ خان مارا گیا۔ ہندوستان پر نادر شاہ کے حملے کی کافی تفصیلات بتائی ہیں۔ محمد شاہ سے خط کتابت، ناصر خان سے جنگ اور اس کی گرفتاری۔ نادر شاہ اور خان دوران کی جنگ، نظام الملک اور وزیر قمرالدین کی سازش سے توپ خانہ کو آگ لگائی گئی اور خان دوران مارا گیا۔ نادر شاہ نے محمد شاہ سے خزانہ و جواہر طلب کیے۔

سندھ میں نادر شاہ کی آمد کے متعلق مندرجہ ذیل معلومات حاصل ہوئی ہیں۔ سندھ میں محمد علی بیگ بہ وکیل نادر شاہ کی آمد اور خدا یار خان سے ملاقات۔ ماچھیاں، سہیری اور دالی پر نادر شاہی لشکر سے جنگ۔ نادر شاہ کے سامنے خدایار کی پیشی اور معافی۔ نادر شاہ مرادیاب خان اور غلام شاہ کو اپنے ساتھ خراسان لے گیا۔ نادر شاہ کی موت کے بعد احمد شاہ کی لشکر کشی۔ بادشاہ دہلی نے بیٹے کو جنگ کے لیے تیار کیا۔ تین مرتبہ جنگ ہوئی۔ تیسری لڑائی میں قمر الدین وزیر مارا گیا۔ میر منو کے ہاتھوں احمد شاہ نے شکست کھائی۔ احمد شاہ نے دوبارہ لشکر کشی کی۔ خدا بار خان نے بھائی گھوڑہ کو احمد شاہ کے پاس بطور ایلچی بھیجا۔

واقعات کے ضمن میں خدا یار کی تاجن قوم پر فتح مند کا ذکر کیا گیا ہے۔ خدا یار نے کانجی پر لشکرکشی کر کے اس کو فتح کر لیا تھا۔

سندھ پر نادر شاہ کی لشکر کشی سے متعلق مثنوی کا حصہ منشور الوصیت مؤلفہ میاں نور محمد کے ساتھ ضمیمہ کے طور پر شایع کر دیا گیا ہے۔

—:o:—

دیگر شعراء

سندھ کے شعرا سے متعلق تین تذکرے شایع ہو چکے ہیں :

"مقالات الشعرا" مؤلفہ علی شیر قانع

"تکملہ مقالات الشعرا" مؤلفہ مخدوم محمد ابراہیم خلیل :

Persian Poets of Sind از سدا رنگانی

ان میں بعض ایسے شعرا کا ذکر ہے جن کے چند ایک اشعار باقی رہ گئے ہیں۔ یا ان میں سے بعض شعرا ایسے تھے جو صاحب دیوان تھے لیکن ان کا کلام ضایع ہو گیا یا اگر کہیں موجود ہے تو عمومی دسترس سے باہر ہے۔ جن شعرا کے متعلق دیوان میسر آگئے ہیں یا ان کی دوسری تالیفات مل سکی ہیں، ہم نے ان کے متعلق تفصیل سے لکھا ہے۔ جن شعرا کے متعلق معلومات متذکرہ صدر تذکروں کے مؤلفین اور مرتبین نے شامل کر لی ہیں، ہم نے ان کو یہاں دوبارہ نقل کرنا مناسب نہیں سمجھا۔

جن شعرا کے نام اس موجودہ جلد میں آسکتے تھے، وہ یہ ہیں :

مقالات الشعراء

ناظمان سندھ میں سے اعظم خان (معزول ۱۱۳۳ھ)۔
داؤد خان خاف میاں یار محمد۔ سلطان شاہ۔ عالی،
محمد علی۔ غنی، عبدالغنی۔ فدائی، میر رضی الدین۔
کاظم، مہابت خان۔

دیگر شعراء

الہام ، میر مرتضیٰ ۔ احسن ، محمد احسن خان ۔ باقر ، میر باقر خان ۔ بال چند بی تکلف ۔ جمیل ، میاں عبدالجمیل ۔ چتربھوج منشی ۔ حسن ، معین الدین ۔ حسینی ، میر محمد منعم ۔ درویش ، اخوند علی بیگ ۔ رجا ، محمد پناہ ۔ رضا ، محمد رضا بھکری ، ۔ زمان ، محمد زمان ۔ سرخوش ، محمد محفوظ ۔ شفیع ، اخولد محمد شفیع ۔ صادق ولد میاں عبدالجلیل ۔ صادق ، محمد صادق ولد مخدوم عنایت اللہ ۔ طپش ، اخوند فیض اللہ ۔ عاشق ، محمد تقی خان ۔ عطارد ، شیوک رام ۔ قانع ، میر مرتضیٰ سو ستانی ۔ کامل ، میر حیدرالدین ۔ کلب علی عرف میر گدا ۔ مداح ، غلام علی ۔

تکملہٗ مقالات الشعراء

حکام سندھ میں سے بہرہ‌ور ، میر محمد علی خان ۔ حیدری ، میر شہداد خان ۔ خاکی ، میر نظر علی خان تالپر ۔ کرم ، کرم علی خان ۔ علی ، میر مراد علی خان ۔ مومن ، میر عباس علی خان ۔ میر ، صوبدار خان ۔

دیگر شعراء

محمد امین جترانی ۔ انور ، محمد بچل ۔ ثابت ، ثابت علی ۔ فقیر عبدالرحیم ولد سعد اللہ ۔ دلخوش ۔ روشن ، اخوند محمد ۔ زین العابدین ۔ ناطق ، گل محمد مکرانی ۔ علی ، نواب علی محمد خان لغاری ۔ فیض ، فیض محمد بابی ۔ محمد عالم ۔ نظام ، پیر نظام الدین ۔ ولی ، ولی محمد خان لغاری ۔ یوسف ، اخوند یوسف ۔

ابوالبقا بہرہ ور علی خان - عشرت ، قمرالدین - اظہر ، حسن بخش - سرفراز خان - عطارد ، شیوک رام - کرم ، میر کرم علی خان - ولی محمد خان - آزاد ، صاحب رای ملکانی - بھائی دلپت رام - صنعت ، محمد عارف - اخوند محمد قاسم بن محمود -

تحفتہ الکرام مؤلفہ علی شیر قانع میں تاریخ و جغرافیا کے علاوہ سندھ کے اولیا ، علما اور شعرا کا بھی ذکر ہے - ان میں سے مندرجہ ذیل شعرا کا ذکر بھی اس کتاب میں شامل ہو سکتا ہے :

محمد علی ولد شیخ عبدالواسع - وہ مختلف تخلص استعمال کرتے تھے - مثلاً عشقی ، ویسی ، انسی ، بقائی ، فنائی ، جائی ، مکانی [1]

محمد ضیاء برادرزادۂ ملا عبدالحکیم عطا - [2]

شوقی ، محمد حسین - مصنف مثنوی نغمات شوقی ، مثنوی ناز و نیاز -

زبدہ المعاصرین میں آزاد اور صابر کے متعلق ذیل کی دو غزلیں دستیاب ہوئی ہیں -

منشی صاحب رای آزاد [3]

یک دم ای ماہ مہربانۂ ما از کرم نہ قدم بخانۂ ما
از کفم می بری بعیاری دل ما گوہر یگانۂ ما

---

۱ - تحفۃالکرام ، علی شیر قانع ، ج ۳ ، ص ، ۲۲ -
۲ - ایضاً ص ۲۴۳ -
۳ - زبدۃ المعاصرین ، میر حسین ، مرتبہ محمد باقر - لاہور ۱۹۶۲ ، ص ۳۶ -

هر زمان حیلهٔ دگر دارد شوخ طرار پر بهانهٔ ما
سال وما هست کار ما آن هم آه آزین آه جاودانهٔ ما
بلبل باغ عشقم و نبود جز محبت دگر ترانهٔ ما
جز خیالات زلف و رخ نبود کار روزانه و شبانهٔ ما
هرشب تا سحر نبودت خواب گوش کردی مگر فسانهٔ ما
تیر مژگان آن کمان ابرو می رسد راست بر نشانهٔ ما
می کند وعدهٔ ترا باور این دل زار ابلهانهٔ ما
بر در آزاد دید گفت زبان چه نهی سر بر آستانهٔ ما

سید صابر علی صابر دیولی [1]

ای دل مشتاق روز عید قربان شما
زینت فتراک سرهای شهیدان شما
آب حیوان خورده ازلعل مسیحا تازه است
خال مشکین فام بر چاه زنخدان شما
آخرش چون زلف پرساعت شود آشفته‌تر
هر که ورزد عشق با زلف پریشان شما
آمده برلب ز شوق جانفشانی جان من
یا برآید یا در آید چیست فرمان شما
آئینه سان هر که می بیند بچشم شوق گر
میشود از خوش نگاهی محو حیران شما
ابروی تابندهٔ مستان میان کشتگان
گرشود تن بسمل و سرگوی چوگان شما

---

۱ - زبدة المعاصرین ص ۱۸۲ -

التجا آوروه‌ام بر در پیر مغان
مست گشتهٔ شراب عشق و پیمان شها

ولی محمد خان لغاری

ولی محمد خان ، غلام خان نگار کا بیٹا تھا جو تالپروں کے جد اعلی میر بہرام خان کا درباری تھا - ولی محمد خان ۱۱۶۵ میں پیدا ہوئے - تعلیم و تربیت کے بعد میر فتح علی خان تالپر کے دربار سے منسلک ہوئے ۱۱۹۶ میں میاں عبدالنبی کلہوڑہ کے خلاف جنگ میں بہادری سے لڑے - اس کے بعد میر فتح علی خان کے مدار المہام بنے - انھی کی کوششوں سے شاہ شجاع سے شکار پور کا علاقہ واپس ہوا - وہ ایک حصے کے حکمران بھی تھے اور سیوھن سے لے کر جیکب آباد تک کا علاقہ ان کے زیر حکومت تھا - قصبہ ٹنڈو ولی محمد ان کے نام سے منسوب ہے -

ولی محمد خان نے حسن تدبیر سے اندرونی و بیرونی معاملات کو سنبھالا - تالپوری امراء میں اتحاد و اتفاق قائم رکھا - وہ عزت و احترام سے زندگی گزار کر ۱۲۴۷ھ میں فوت ہوئے اور حیدر آباد میں دفن ہوئے -

اپنے منصب کی خدمات کے علاوہ وہ علم و ادب سے بھی دلچسپی رکھتے تھے - علوم و فنون کے مربی تھے - طب میں خاص شغف تھا - شاعر بھی تھے - ان کی مندرجہ ذیل تصانیف ہیں :

۱ - دیوان ولی فارسی - ۱۲۳۳ھ میں مرتب ہوا -

۲ - نزھتہ الابدان (فارسی) طب پر کتاب جو انھوں نے میر مراد علی خان کے نام منسوب کی -

---

۱ - تذکرهٔ تکملۂ مقالات الشعرا ، محمد ابراہیم خلیل ، مرتبہ سید حسام الدین ، کراچی - ۱۹۵۸ ، ۶۲۲-۶۲۹ - نوای معارک ، عطا محمد شکارپوری ، مرتبہ عبدالحی جیبی ، کراچی ، ۱۹۵۹ ، ص ۸۲۱-۸۲۲ -

۳ - ساقی نامہ ۔

۴ - موعظت نامہ ۔ ممکن ہے خرد نامہ بھی اسی کا نام ہو ۔

۵ - مثنوی ہیر و رانجھا ۔ رومانی مثنویوں کے ضمن میں اس مثنوی کا تعارف ہم پیش کر آئے ہیں ۔

میر حیدرالدین ابو تراب کامل[1]

حیدرالدین نام ، ابو تراب کنیت اور کامل تخلص ۔ میر رضی الدین فدائی کے اکلوتے بیٹے تھے ۔ انھوں نے ساری زندگی ترک تجرد میں گزاری ۔ خلایق سے اجتناب کیا اور یادالٰہی میں مستغرق رہے ۔ اگرچہ عسرت میں بسر ہوتی تھی لیکن ارباب ثروت سے نذر و نیاز قبول نہیں کرتے تھے ۔ نواب مہابت خان منت ساجت سے وظیفہ مقرر کرنا چاہتے تھے لیکن انھوں نے اجازت نہ دی ۔ ان کی صحبت سے لوگ فیضیاب ہوتے تھے ۔ وہ ۱۱۶۴ھ میں فوت ہوئے ۔

وہ سندھی ، ہندی (اردو) اور فارسی میں شعر کہتے تھے ۔ قانع بتاتے ہیں کہ ایہام گوئی ان کا خاص شیوۂ کلام تھا ۔ وہ پرگو شاعر تھے ۔ انھوں نے دس ضخیم جلدوں میں مسودات چھوڑے اور اپنے شاگرد محمد پناہ رجا کے حوالے کیے تاکہ وہ بعد میں ان کو مدون و مرتب کرے ۔ لیکن یہ معلوم نہیں کہ رجا نے دیوان مرتب کیا یا نہیں ۔ کیونکہ ابھی تک مرتب دیوان نہیں ملا ۔

شاعری میں میر علی شیر قانع ، محمد پناہ رجا اور مہر ابوالبقا ان کے نامور شاگرد ہوئے ۔ قانع نے ان کے فارسی اور اردو کلام

---

۱ - تحفتہ الکرام ، ج ۳ ، ص ۲۰۹ ، مقالات الشعرا ، ص ۲۵۳ ۔

کے منتخب اشعار نقل کیے ہیں۔ ہم نمونے کے طور پر ان کے چند فارسی اشعار یہاں درج کرتے ہیں:

پیر گشتیم و همان داغ تو گرم است بدل
این نه شمعی است که از صبح شدن تار شود

بهندوستان ز زلف یار مستعبدان شده کافل
هزاران دام در جاگیر دلخواهست تنخواهش

تاکی به آب تیغ قناعت کند کسی
لشکر چو شد گرسنه خوردن از عدو شکست

قانع بخانه دست بهر خوان مکش مکش
یک نان بس است منت دونان مکش مکش

جبهه سائی کرده روشن در جهان نام نگین
روسیاهی جز سجود از بخت واژون کی رود

دریای اشک برد مرا دو کنار دوست
کردم چو موج مرحلهٔ عشق طی در آب

بر فروغ مصطفی و آل او پروانه ام
شمع ماه چارده روشن بود در خانه ام

عشق تقوی سوز را پروای ننگ و نام نیست
جز بحرف سوختن این عشق را آهنگ نیست

بغمزہ گفت گنہگار عشق را چہ سزاست
کرشمہ داد گواہی کہ واجب القتل است

ہمای گو مفگن سایۂ شرف ہرگز
دران دیار کہ طوطی کم از زغن باشد

امیر خانی خاندان میں سے قانع نے چند اور شعراء کے نام لیے ہیں اور ان کی تعریف کر کے ایک ایک یا کہیں دو دو شعر نقل کیے ہیں۔ مثلاً:

میر حفیظ الدین ۱۱۸۱ھ تک زندہ تھے۔[1]

میر معین الدین خان (م۔ ۱۱۳۳ھ)

میر ولی اعظم[2]

میر حبیب اللہ[3]

میر باقر خان[4]

—:o:—

۱۔ مقالات الشعر ص ۱۶ ۲۔ ایضاً ص ۴۳ ۳۔ مقالات الشعر ص ۸۶
۴۔ ایضاً ص ۴۹۔

شاہ فقیر اللہ علوی[1]

شاہ فقیر اللہ افغانستان میں شہر جلال آباد کے ایک قصبہ حصارک کے موضع روتاس میں ۱۱۰۰ھ کے اوائل میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد عبدالرحمن شاہ اپنے وقت کے معروف عالم تھے۔ ان کا مزار خلاص آباد ترتاسی میں زیارت گاہ عام ہے۔ فقیر اللہ شاہ کا نسب حضرت علی کے فرزند حضرت محمد بن حنیفہ سے جا ملتا ہے۔ شاہ صاحب نے ابتدائی تعلیم اپنے والد سے حاصل کی۔ باقی تعلیم بر صغیر ہند و پاکستان، افغانستان اور ماوراء النہر کے علما سے حاصل کی۔ انھوں نے مولانا محمد مسعود پشاوری کے زیر تربیت ریاضت و مجاہدہ کر کے قادریہ، نقشبندیہ، چشتیہ، شطاریہ، کبرویہ فردوسیہ سلسلہ ہائے طریقت میں خرقہ خلافت حاصل کیا۔ وہ لاہور میں شیخ محمد سعید لاہوری اور سرہند میں حضرت مولانا غلام محمد معصوم ثانی کی صحبتوں سے بھی فیضیاب ہوئے۔ ان کے مرشد نے ان کو وطن واپس جا کر رشد و ہدایت کے لیے مامور کیا۔ انھوں نے جلال آباد میں قادریہ نقشبندیہ خانقاہ کی بنیاد رکھی جہاں ظاہری و باطنی تعلیم حاصل کرنے کے لیے طلبہ جمع ہوتے۔

شاہ فقیر اللہ نے سات حج کیے۔ مکہ معظمہ میں مشہور عالم بزرگ مفتی شیخ عبدالقادر سے ملاقات ہوئی۔ ان سے اوراد و وظایف اور احادیث کی سندیں حاصل کیں۔ حج کو جاتے آتے وہ سندھ میں بزرگ عالموں سے بھی ملاقاتیں کرتے۔ جلال آباد میں جب سیاسی فضا ساز گار نہ

۱۔ قطب الفرد الحاج شاہ فقیر اللہ علوی شکارپوری از امین اللہ علوی، مطبوعہ ماہنامہ الرحیم سندھی، حیدر آباد، ستمبر ۱۹۷۱، اکتوبر ۱۹۷۱، مئی ۱۹۷۲، اپریل ۱۹۷۳۔

رہی ، وہ قندھار میں مقیم ہوگئے اور دینی تعلیم دیتے رہے - ۱۱۵۰ھ میں وہ شکار پور (سندھ) میں مقیم ہوگئے - دینی تعلیم کے لیے وہاں انہوں نے مدرسہ اور خانقاہ کی بنیاد رکھی - ان کی برکت سے کئی ہندو مسلمان ہوئے - سندھ میں علامہ محمد ہاشم ٹھٹوی ، مخدوم محمد معین ٹھٹوی ، مخدوم عبدالرؤف سید میر مرتضی - قاضی محمد ادریس وغیرہ سے ان کی صحبتیں رہیں - علامہ محمد ہاشم سے تو انھوں نے شاگرد کی حیثیت سے اذکار و اوراد اور احادیث کی سند حاصل کی -

۱۱۶۰ھ میں آخری بار حج کو گئے - جمادی الاول ۱۱۶۲ھ میں رسول اکرم کے روضۂ مقدسہ پر حاضری دے کر مکہ میں واپس ہوئے تو شیخ عبدالقادر مفتی کے شاگرد شیخ سید محمد عمر محدث مکی اور شیخ محمد حیات سندھی محدث مدنی سے ملاقاتیں ہوتی رہیں - حج سے واپسی پر گوادر پہنچے تو حاکم مکران میر محبت خان نے استقبال کیا - انہوں نے ایک الہام کی بنا پر ان کو سینگارجی قبیلہ پر فتح پانے اور اس کے اسلام قبول کرنے کی بشارت دی جو بعد میں پوری ہوئی -

۱۱۶۸ھ میں احمد شاہ ابدالی سندھ میں آیا - اس نے شکار پور میں شاہ فقیر اللہ سے ملاقات کی اور ان کا معتقد ہو گیا - شاہ صاحب نے مرہٹوں کے خلاف جنگ میں فتح کے لیے دعا کی - ۱۱۷۴ھ میں ان کے ایک اور معتقد میر نصیر خان حاکم قلات اپنے براہوی اور بلوچ لشکر کے ساتھ مرہٹوں کے خلاف شاہ ابدالی کے ساتھ جنگ میں شریک ہوئے - ان کی دعا و برکت سے فتح نصیب ہوئی - کہتے ہیں کہ احمد شاہ ابدالی نے ایک لاکھ روپیہ نذرانہ اور ایک ایک لاکھ روپیہ جاگیر اور کتابخانے کے لیے عنایت کیا تھا -

شاہ فقیر اللہ شیخ عبدالقادر مفتی مکی اور مخدوم محمد ہاشم ٹھٹوی کی وساطت سے ۳۶ مختلف سلسلہ ہائے طریقت سے وابستہ تھے - ان کی تفصیل انہوں نے اپنی کتاب قطب الارشاد میں لکھی ہے -

حضرت فقیراللہ ۹۵ سال کی عمر میں یعنی ۱۱۹۵ھ میں وفات پا گئے۔

شاہ فقیراللہ لاہور کے نقشبند اولیاء میں صاحب شریعت و طریقت ہونے کی وجہ سے نامور تھے۔ وہ مستجاب الدعوات تھے اور ان سے کرامات بھی ظاہر ہوئیں۔ وہ لاہور میں کچھ عرصہ کے لیے مقیم رہے اور درس و تدریس اور رشد و ہدایت میں مشغول رہے۔ جب احمد شاہ ابدالی نے لاہور پر حملہ کیا اور اس کے سپاہیوں نے لوٹ مار کا بازار گرم کیا تو بادشاہ شاہدرہ میں مقیم تھا۔ شاہ فقیراللہ نے اسے خط لکھا جس سے وہ بہت متاثر ہوا اور اس نے شاہ صاحب کی قیامگاہ کے گرد و نواح میں سپاہیوں کو غارتگری سے منع کیا اور خود ان کی خدمت میں حاضر ہوا۔

تالیفات[1]

۱ - مکتوبات (فارسی و عربی) مطبوعہ

۲ - فتوحات الغیبیہ فی شرح عقاید الصوفیہ۔ اس میں تصوت کے دقیق مسائل بیان کیے گئے ہیں۔ وحدت الوجود اور وحدت الشہور پر تفصیلی روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس کتاب کا ایک قلمی نسخہ سید حسام الدین راشدی کے پاس موجود ہے۔ کل ۴۳۲ صفحات ہیں، جن میں ۲۱۶ صفحات صرف مقدمے پر مشتمل ہیں۔

۳ - وثیقۃ الاکابر۔ یہ کتاب ۱۱۶۵ھ میں تالیف ہوئی، کل آٹھ فصلیں ہیں اور ۱۱۸ صفحات ہیں۔

۴ - فتح الجمیل فی مدارج التکمیل (عربی)

---

۱ - مجلہ سروش، کراچی، شمارہ ۲، جلد دوم (۱۵ - مارچ ۱۹۵۸)، مقالہ بعنوان شاہ فقیر اللہ جلال آبادی از حبیبی۔

۵ - براہین النجات من مصائب الدنیا و العرصات (عربی)

٦ - فیوضات الٰہیہ (عربی)

۷ - طریق الارشاد فی تکمیل المومنین والاولاد (عربی)

۸ - منتخب الاصول در فقہ۔

۹ - قطبِ الارشاد یا مدارج عالیہ (تصوف ۔ اسرار حروف و اسماء و اخلاق) ۔ مطبوعہ قاہرہ ۔

۱۰ - جواہر الاوراد ۔

۱۱ - کتاب الازہار فی ثبوت الآثار ۔

۱۲ - فواید فقر (طبِ اور وظایف و اوراد) (پشتو) ۔

۱۳ - شرح قصیدہ بانت سعاد (فارسی) ۔

۱۴ - ملفوظات (فارسی) نسخہٴ خطی حافظ محمد خان کے پاس کوئٹہ میں موجود ہے ۔

۱۵ - ملفوطات و عملیات (فارسی) ۔

۱٦ - شرح ابیات مشکل مثنوی (فارسی) ۔

شاہ صاحب نے موزوں طبیعت پائی تھی ۔ خیالات منظوم کر لیتے تھے ، چنانچہ رسول اکرم کی نعت و ستایش میں عربی اور فارسی میں ان کے دو قصاید یادگار ہیں ۔ عربی قصیدے کا آغاز یوں ہے ۔ اس کا نام قصیدہ مبرور ہے ۔

یا من کنت قبل الکل مرسلا و مخبرا
اتیت الیک من بعد الاقطار قاجرا

فارسی قصیدے کا مطلع یہ ہے :

یـا رسول عربی مظہر حسن ازلی
زان شدی شہرہ ....

ان کی ایک فارسی غزل بھی محفوظ ہے :

مصدر فیض کہ عالم را تر و تازہ نمود
فی الحقیقت ہست چون مرآت در جسم شہود
خاکی از زیبا رخ سلمٰی است اگر بنگری
قطب دانا را ازین رہ بین در معنی کشود
می پرست ار می نیاشامد نمی گردد درست
یـاد جـام می بیکسر عقل صوفی در ربـود
سرمۂ چشم عزیزان است خاک میکدہ
یاوری بخت فیروز است کو این کردہ سود
لب اگر تر سازد آن رند خراباتی ہمی
جامہ و جان را نثار جام می خواہد نمود
مست با عقل آنچنان گردد کہ در روز جزا
چون رخ دلبر نباشد دیگرش گفت و شنود
درد می یابد شفا از صدق دل گر می خورد
درد مندی گرچہ در امراض بس مرہون بود
رو بخمار آورد آن کـو کـہ از روز ازل
از نقوش این و آن لوح دل او سادہ بود

مکتوبات

شاہ فقیر اللہ علوی کے ان مکتوبات کو فضل بن پیر محمد بن سلا الیاس الصاری نے مرتب کیا ہے - کل ۸۵ مکتوبات ہیں اور بڑے سائز کے ۳۷۷ صفحات پر محیط ہیں - اس میں مندرجہ ذیل ۲۳ عربی ہیں -

۳ ، ۴ ، ٦ ، ۱۱ ، ۱۳ ، ۱۹ ، ۳۳ ، ۳۴ ، ۳۵ ، ۳۷ ، ۳۹ ، ۴۱ ، ۴۲ ، ۴٦ ، ۴۸ ، ۵۰ ، ۵۱ ، ۵۷ ، ۵۸ ، ٦۰ ، ٦۲ ، ۷۱ ، ۷۴ -

بعض خطوط میں صرف علمی مباحث ہیں اور وہ کافی طویل ہیں اور رسائل کی صورت اختیار کیے ہوئے ہیں - شمارہ ۱ (ص ۵-۲۷) اور شمارہ ۸۵ (ص ۳۵۴-۳۸۷) تو جداگانہ رسائل شمار کیے جا سکتے ہیں - دوسرے طویل خطوط یہ ہیں: شمارہ ۷ ، ۸ ، ۹ ، ۴۰ ، ۴۹ ، ۵۰ ، ۵۲ ، ۵۴ - ان مختصر رسائل میں قصوف کے بعض دقیق مسائل پر روشنی ڈالی گئی ہے اور مصطلحات کی تشریح کی گئی ہے - مثلاً شہود بالغیب - علم حضوری - حضور در حضور - وصل عریان - تحقیق حق الیقین - عین الیقین - مرتبہ خواص و اخص خواص - علم لدنی - صفات ذاتی ہیں یا غیر ذاتی سیر الی اللہ و فی اللہ - مقامات عروج و ہبوط و نزول - درجات نبوت و ولایت قبض و بسط - فنا و بقا - کشف و الہام - تلوین و تمکین وغیرہ

بعض مکاتیب میں تصوف کے مختلف مکاتب فکر اور مسالک کے آداب و طرق پر تفصیلی روشنی ڈالی گئی ہے مثلاً بیان از کار طریقہائی شاذلیہ - غزالیہ - سہروردیہ - طیفوریہ - نقشبندیہ - فردوسیہ - رقاعیہ - ہمدانیہ - مدینیہ (ص ۴۰) بیان طریق قرآت اسمی از اسماء اللہ (ص ۱۵۴) بیان اذکار و اشغال طریقہ قادریہ (ص ۱۵۵-۱۵۲) بیان تصرف و توبہ و آداب ارادت (ص ۲۳۳-۲۴٦) ذکر جہر وخفی (۲۱)

بعض مکتوبات میں تنقیدی اور مناظراتی مسائل بھی زیر بحث آئے ہیں اور مکتوب نگار نے اپنی بصیرت کی روشنی میں ان کے جوابات دیے ہیں مثلاً غوث الثقلین کے کثرت خوارق پر اعتراضات ہیں اور ان کا جواب دیا ہے۔ یا اثبات اسلام و نجات والدین حضرت سرور کائنات پر اپنی رائے کا اظہار کیا ہے۔

سلاطین و حکام کے نام مکتوبات میں اعلای کلمۂ اسلام و استیصال کفر کی ترغیب دی ہے۔ مثلاً محبت خان کے نام خط (ص ۱۱۱)۔ شاہزادہ سلیمان شاہ کے نام خط (ص ۱۱۰) میں اتباع احکام شریعہ کی تائید کی گئی ہے۔ ان خطوط سے حکام کے ساتھ شاہ فقیر اللہ کے روابط پر روشنی پڑتی ہے۔ اس مجموعے میں درج ذیل خطوط سلاطین و حکام کے نام میں۔

شمارہ ۱۸، ۲۹، ۶۶	احمد شاہ درانی کے نام
شمارہ ۳۸، ۳۵	حاکم سندھ سرفراز خان کے نام
شمارہ ۱، ۲، ۳، ۴	شاہزادہ سلیمان شاہ کے نام
شمارہ ۶۹	شاہ ولی خان کے نام

علمی مسائل کے علاوہ بعض مکتوبات میں ذاتی اور نجی معاملات کا ذکر آیا ہے۔ مثلاً وفات مرشد محمد مسعود پشاوری (ص ۱۰۶) جاگیر کی بحالی پر تہنیت (ص ۱۰۸) اور احمد شاہ درانی کی وفات پر تعزیت وغیرہ۔

دلایل النیرہ فی المذاہب المحیرہ

یہ رسالہ ۳۱ ورق پر مشتمل ہے۔ اس کا ایک قلمی نسخہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری، مجموعۂ شیرانی میں شمارہ ۴۹۹/۴۷/۱۰ پر موجود ہے۔ اس کا موضوع تو اس کے نام سے ہی عیاں ہے۔ پھر بھی مصنف

نے تمہید میں اس کی وجہ تالیف بیان کی ہے۔ انھوں نے لکھا ہے کہ جب میں ولایت ژوب میں تھا تو معلوم ہوا کہ وہاں کچھ لوگ ایسے ہیں، جن میں بے دینی عام ہے۔ وہ علما کی باتیں نہیں سنتے۔ علم ظاہر کو حجاب کہتے ہیں اور علم باطن کو فرض۔ شریعت و طریقت کو ایک دوسرے سے جدا۔ ان کا عقیدہ ہے کہ جس کسی کو پیر نے قبول کیا وہی مقبول ہے۔ وہ نغمہ و سرور و رقص کو حلال سمجھتے ہیں۔ رقص کی حالت میں مرد عورت اکٹھے مل جاتے ہیں۔ ان کا قول ہے اگر دنیا میں دیدارالٰہی نہیں ہوتا تو آخرت میں بھی نہیں ہوگا۔ بعض کہتے ہیں کہ خدا کبھی گھاس میں نمودار ہوتا ہے کبھی گائے میں۔ جب عارف کو یقین کامل حاصل ہو جاتا ہے تو عبادات اس سے ساقط ہو جاتی ہیں۔ وہ اس طرح کے ملحدانہ اعتقادات رکھتے ہیں۔ وہاں کے علماء میں سے ملا نواب، ملا ابراہیم، ملا دادک، ملا تاج محمد اور دوسروں نے ان لوگوں کی گمراہی کے متعلق تفصیل بتائی تھی اور ان کے رد میں ایک رسالہ لکھنے کی درخواست کی تھی۔ یہ رسالہ انھی کی فرمایش کی تکمیل ہے۔

رسالہ کے دو مقصد ہیں:

۱۔ ثبات بر طریقۂ محمدیہ و تحریص برمتابعت حضرت رسول۔

۲۔ در معتقدات جہال صوفیہ۔

مصنف نے شروع میں اسلام کے بنیادی تصور توحید و رسالت کی طرف توجہ دلائی ہے اور خدا و رسول کی اطاعت کا فریضہ یاد دلایا ہے۔

اور آیات و احادیث سے استدلال کیا ہے مثلاً لکھا ہے:

ان کنتم تحبون اللہ فاتبعو نی یحببکم اللہ ۔ ان

هذا صراطی مستقیما ۔ فالتبعوہ و لاتتبعوالسبل فتفرق
یکم عن سبسیلہ ۔ ان اللہ لایغفر ان یشرک و یغفر
ما دون ذالک ۔ الحلال بیّن و الحرام بیّن و
ماببینہما مشتبہات فاجتنبوھا ۔

ان بنیادی عقاید کے بعد بتایا ہے کہ لوگوں نے تفرقہ پردازی سے دین میں ۷۲ فرقے بنالیے ہیں اور یہ سب دوزخی ہیں اور صرف ایک اہل سنت و جماعت بہشت میں جائے گا ۔ اس کے بعد مختلف فرقوں کا تذکرہ کیا ہے اور ان کے معتقدات پر روشنی ڈالی ہے ۔ انھوں نے فلاسفہ، معتزلہ، شیعہ، صابی اور تناسخی کا ذکر کیا ہے ۔ اور بتایا ہے کہ فلاسفہ اسلامی میں حنین بن اسحاق سے ابونصر فارابی اور بوعلی سینا تک سب اقوال ارسطو کے تابع ہیں ۔ صرف ابن سینا نے بعض باتوں میں اس کی مخالفت کی ہے ۔ ایرانی فرقوں میں سے مانویہ، زردشتیہ اور مزدکیہ اور صبائی فرقوں میں سے نسطوری اور یعقوبیہ کا نام لیا ہے ۔ اہل اسلام میں سے اشاعرہ، ماتریدیہ، معتزلہ، شیعہ اور اہل سنت و الجماعت کا ذکر کیا ہے ۔ انھی فرقوں کی تقسیم 'اہل اصول اور اہل فروع کے نقطہ' نظر سے یوں کی ہے :

اہل اصول : معتزلہ ۔ صفاتیہ ۔ شیعہ

اہل فروع : جبریہ ۔ مرجیہ ۔ خوارج

شیعہ کے مزید ذیلی فرقوں کے نام بتائے ۔ امامیہ ۔ شمطیہ ۔ اسماعیلیہ قرامطہ ۔ سبعیہ ۔ مفضلہ ۔ اثناعشریہ ۔ ثعالبیہ ۔ رشیدیہ ۔ مصنف نے بعض غیر دینی عقاید کی طرف توجہ مبذول کر کے بعض ائمہ صلحا کی آراء نقل کی ہیں مثلاً ۔ غناحرام ہے اور سماع چند شرایط کے ساتھ جائز ہے جو شخص کہتا ہے کہ میں دنیا میں خدا کو دیکھتا ہوں اور روبرو اس سے گفتگو کرتا ہوں وہ کافر ہے (ص ۲۸) رسول خدا کے سوا رویت بصری جائز نہیں ۔ (ص ۲۸)

رسائل

کائنات اور خالق کائنات کے تصور کے متعلق ایک مختصر رسالہ شاہ فقیر اللہ سے منسوب ہے۔ اس کا ایک خطی نسخہ پنجاب پبلک لائبریری کے ایک مجموعۂ رسائل میں شمارہ ۲۹۷،۵۵ ج پر موجود ہے۔ یہ رسالہ برگ ۱۳ ب تا ۱۷ الف پر مرقوم ہے۔ ہر صفحے میں ۲۵ سطریں ہیں۔

خدا کے متعلق بتایا ہے کہ وہ واجب الوجود ہے۔ اس کا وجود عین ذات ہے۔ وہ قائم بنفس ہے۔ موجودات کو سات عوالم یا مراتب میں تقسیم کیا ہے۔

۱۔ مرتبۂ وحدت و حقیقت محمدی۔ اس میں خدا کی ذات و صفات کا علم ہوتا ہے۔ اور خدا کی واحدیت اور انسان کی حقیقت کا ادراک ہوتا ہے۔ اسے عالم جبروت کہتے ہیں۔

۲۔ عالم ارواح۔ اس میں اشیائے کونیہ مجردہ بسیطیہ کا وجود ہوتا ہے۔ اسے عالم ملکوت کہتے ہیں۔

۳۔ عالم مثال اس میں اشیائے کونیہ مرکبہ اور لطیفہ کا وجود ہوتا ہے۔

۴۔ عالم اجسام اس میں اشیائے مرکبہ کا وجود ہوتا ہے اور اشیاء قابل تجزیہ و تفریق ہوتی ہیں۔

۵۔ عرش و کرسی۔ اس میں سات افلاک ہیں یعنی زحل، مشتری، مریخ، شمس، زہرہ، عطارد، قمر اور تین کرے ہیں یعنی کرۂ نار، کرۂ ہوا اور کرۂ خاک۔

۶۔ موالید ثلاثہ۔ اس میں معدنیات، نباتات اور حیوانات شامل ہیں

۷ - انسان کامل -

ان عوالم کی فلسفیانہ توجیہ یوں ہے -

تعین اول

ان میں شیونات اور اعیان ثابتہ ہیں یعنی صور علمیہ ہیں - ان کا خارج میں وجود نہیں - صور علمیہ پر صفات خداوندی کا انعکاس ہوتا ہے تو اشیاء وجود میں آتی ہیں اور مظاہر خداوندی کا ظہور ہوتا ہے - یہ تمام اشیا ذات و صفات و افعال خداوندی کا مظہر ہیں - صفات ذات کے بغیر اور افعال صفات کے بغیر نمودار نہیں ہوسکتیں -

وہ لوگ جو تمام کائنات میں خدائے واحد کو جلوہ فگن پاتے ہیں اور سب جگہ اس کا نور ظہور دیکھتے ہیں - اس توحید وجودی اور توحید شہودی کی عالمانہ اور فلسفیانہ توجیہ اس طرح کی جاتی ہے -

توحید وجودی

اس کا وجود واحد ہے - اس کی صفات کا انعکاس ہوا تو صور علعیہ بااعیان ثابتہ ظاہر ہوئے - ذات حق صفاتی علم کی مقتضی ہے - علم عین ذات ہے - فیض حق کی وجہ سے اعیان ثابتہ عین علم ہیں - ظلال صفات عین صفات اور صفات عین ذات - اس لیے اس کے سوا اور کوئی موجود نہیں یعنی ہمہ اوست -

توحید شہودی

سالک عبادت وریاضت سے ایسی حالت پر پہنچتا ہے کہ وہ خدا کے سوا کسی اور چیز کو نہیں دیکھتا - جیسا کہ سورج کے سامنے تمام ستارے محو ہو جاتے ہیں اسی طرح انوار تجلیات خدا کے سامنے تمام ظاہری و باطنی محسوسات غائب ہو جاتے ہیں - اس طرح انوار تجلیات

خدا کے سامنے تمام ظاہری و باطنی محسوسات غائب ہو جاتے ہیں۔ اسے خدا کے سوا کوئی نظر نہیں آتا۔ لاموجود الااللہ۔ وہ بازید کی طرح پکارتا ہے سبحانی ما اعظم شانی یا وہ کہتا ہے۔ انااللہ الذی تکلم بموسی فی الطور۔ توحید وجودی کی اس توجیہ پر لوگوں نے دو بڑے اعتراض کیے ہیں جن کا مصنف نے جواب بھی دیا ہے۔ وہ اعتراض یہ ہیں۔

۱ - اعیان ثابتہ عین علم ہیں۔ علم عین ذات ہے۔ یعنی جب سب جگہ خدا ہی خدا ہے تو امر و نہی اور تعذیب و تفہیم کس پر ہے۔

۲ - جب سب جگہ صفات الٰہی کا انعکاس ہے اور ہدایت و ضلالت انھی پر مبنی ہے تو پھر رسولوں کو ہدایت کے لیے بھیجنے کی کیا ضرورت ہے۔

——:o:——

مخدوم محمد معین ٹھٹوی

محمد معین بن محمد امین بن طالب اللہ، قوم لاکھادل سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کے آباء و اجداد موضع حالی کے مکین تھے۔ ٹھٹھ میں نقل مکان کے بعد محمد امین کی شادی فاضل خان میر منشی کی صاحبزادی سے ہوئی۔ محمد معین ٹھٹھ میں پیدا ہوئے۔ وہیں اپنے والد سے تعلیم حاصل کی۔ ان کے دوسرے اساتذہ میر شاہ عنایت اللہ، علی رضا درویش، مخدوم محمد ہاشم، شاہ ولی اللہ، شاہ عبدالقادر صدیقی، شیخ جلال محمد اور علامہ میر سعد اللہ پوربی کا ذکر ملتا ہے۔ علوم ظاہری کی تکمیل کے بعد علوم باطنی کی تربیت کے لیے شیخ مخدوم ابوالقاسم نقشبندی کے مرید ہوئے۔ کچھ عرصے کے لیے نظریۂ وحدت الوجود سے متاثر ہو کر شاہ عنایت سے متوسل ہو گئے لیکن بعد میں مخدوم ابوالقاسم کی ناراضی کے پیش نظر شاہ عنایت سے الگ ہو گئے۔ شاہ ابوالقاسم کی وفات کے بعد وہ عبد اللطیف بھٹائی کے عقیدت مندوں میں شامل ہو گئے۔

مخدوم محمد معین نے ٹھٹھ میں ایک مدرسہ قائم کیا، جہاں وہ طلبہ کی تعلیم و تربیت کرتے اور طلبہ کے اخراجات خود برداشت کرتے۔ ان کے شاگردوں میں میر نجم الدین عزلت، مولانا محمد صادق، علامہ محمد حیات اور میر مرتضی سیوستانی معروف ہوئے۔

۱۔ دراسات اللبیب فی الاسوۃالحسنہ بالحبیب، مقدمہ از رشید نعمانی۔ ذب ذبابات الدراسات از مخدوم عبداللطیف۔ القسطاس المستقیم از مخدوم ابراہیم۔ تحفۃالکرام مقالات الشعرا۔ تذکرہ روز روشن۔ اتحاف النبلا۔ مدارالحق فی رد معیارالحق شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک از عبیداللہ سندھی۔

مخدوم محمد معین اپنے عہد کے ہردلعزیز بزرگ تھے۔ ناظمان ٹھٹہ میں سے نواب مہابت خان اور سیف اللہ خان ان کے ساتھ گہری عقیدت رکھتے تھے۔

آپ ۱۱۶۱ھ میں فوت ہوئے اور مکلی میں مدفون ہوئے۔ محسن ٹھٹوی نے تاریخ کہی:

لا جرم سال فوت او گفتند
قطرۂ در بحر واصل شد

مخدوم صاحب کے ظاہری و باطنی کمالات کا اندازہ لگانے کے لیے علی شیر قانع اور ابراہیم خلیل کا مندرجہ ذیل تعارف نامہ دیکھیے۔ قانع نے لکھا ہے:

''جامع معقول و منقول، حاوی معالم فروع و اصول، کاشف حقایق علمی و عملی، شارح دقایق صوری و معنوی، علامۂ عصر، نحریروقت، مظہر انوار حقایق ربانی، مہبط آثار معارف سبحانی''۔

آنکہ آمد راست بر بالاش تشریف علوم
ثانیش کس نیست در معقول الا بو علی

ابراہیم خلیل نے ان کے متعلق کہا ہے:

''عمدۃ العلماء الر بانیین، قدوۃ المفسرین و المحدثین''۔

ان کی مندرجہ ذیل تصانیف کے نام معلوم ہوئے ہیں:

۱۔ رسالہ اویسیہ (فارسی)۔ شاہ عبداللطیف بھٹائی کے ایک سوال کے جواب میں۔

۲ - شرح رموز عقاید الصوفیہ - یہ رسالہ نواب مہابت خان والی سندھ کی فرمایش پر لکھا گیا ہے -

۳ - اثبات رفع الیدین فی الصلوۃ (عربی و فارسی) -

۴ - ایقاظ الوسنان (در بحث لغات قریش) -

۵ - غایتہ انفسخ لمسئلۃ النسخ (در بحث نسخ اجتہادی) -

۶ - رسالہ در تحقیق اهل البیت مذکورہ در آیہٴ تطہیر -

۷ - غایتہ الایضاح فی المحاکمۃ بین النووی و ابن الصلاح -

۸ - ابراز الضمیر للمنصف الخبیر -

۹ - انوار الوجد (اسرار باطنہ مطابق ذوق صوفیہ) -

۱۰ - رسالہ در بحث تناسخ -

۱۱ - رسالہ فی انتقاد الموضعین من فتح القدیر -

۱۲ - رسالہ فی تحقیق معنی الحدیث (لا نورث ما ترکنا صدقۃ)

۱۳ - مواہب سید البشر فی حدیث الائمہ الاثنی عشر -

۱۴ - قرۃ العین فی البکاء علی الامام الحسین -

۱۵ - رسالہ در بحث حدیث المصراۃ (در اثبات آنکہ این حدیث موافق قیاس است) -

۱۶ - الحجۃ الجلیہ فی نقض الحکم بالافضلیہ -

۱۷ - رسالہ بالاجوبتہ الفاضلہ الا مثلۃ العشرۃ الکاملہ -

۱۸ - رسالہ فی اثبات اسلام ابی طالب -

۱۹ - دراسات اللبیب فی الاسوۃ الحسنۃ بالحبیب -

۲۰ - رسالہ در تردید ابن الہمام (بحث تقدیم قرآۃ بر اعلم در امامت)

مخدوم کبھی کبھی شعر بھی کہتے تھے - فارسی میں تسلیم اور ہندی میں بیراگی تخلص کرتے تھے - ان کے مندرجہ ذیل اشعار مل سکے ہیں :

علی ولی چو امام مبین ما شدہ بود
برون توسن افلاک زین ما شدہ است

کہ گفت با دف و نی درس اینما امروز
کہ شکل سجدہ بہرسو جبین ما شدہ بود

بہ بزم میکدہ راز ازل عیان دیدم
کہ چشم ساقی ما دوربین ما شدہ بود

جہان ہوش بخود بردہ آن پریزادی
سحر کہ یک دمکی ہم نشین ما شدہ بود

بزور بازوی مستی چو ہستیم بشکست
کرشمہات کمکی در کمین ما شدہ بود

بشہر عشق ز فتوی بربط و طنبور
سجود کوی خرابات دین ما شدہ بود

برای نقش خوش دین جعفری تسلیم
ز جوہر یمن دل نگین ما شدہ بود

چو آہو نافہ ریزی از دم مردان دمی دارم
درین بیدای وحشت تاکہ قلاچی رمی دارم

خزان کثرت موہوم نتواند خراش من
کہ رخسار گلم کز بحر وحدت شبنمی دارم

ز پیچ و تاپ کفر زلف ترسابچهٔ شوخی
پریشان قبله گاهم کیش درهم برهمی دارم
ز فریاد نهان و فاش دست غمزه پردازی
زباب اضطرابم نغمهٔ زیر و بمی دارم
بیا دریوزه کن تسلیم زان تاجر[1] که میگوید
ز اسباب جهان حاصل همین جنس غمی دارم

(مقالات الشعرا)

مبادا هیچ کس خسته دل ز ما تسلیم
که زیب خرقهٔ ما شیوهٔ کماندارست

کیست روباه که از شیر ژیان صرفه برد
عقل از چپقلش عشق زبون می گردد

سگت را خون دل دادم که بامن آشنا گردد
ندانستم زبخت بد که او دیوانه خواهد شد

(روز روشن)

—:o:—

---

۱ - قاضی عطاءالله تاجر بغدادی -

مخدوم محمد ہاشم

مخدوم محمد ہاشم بن عبدالغفور ۱۱۰۴ھ میں پیدا ہوئے۔ وہ مخدوم ضیاء الدین کے ارشد تلامذہ میں تھے۔ انھوں نے علامہ سید سعداللہ ساکن سورت سے بھی استفادہ کیا۔ اپنے زمانے کے جید علماء میں شمار ہوئے۔ وہ احیائے سنت اور تقویت دین کے لیے بے باک تھے۔ انھوں نے دین کے لیے قابل قدر خدمات انجام دیں۔ ان کی تبلیغ اور جذبۂ جہاد سے بے شمار مشرکین مشرف بہ اسلام ہوئے۔ وہ نادر شاہ اور احمد شاہ کو خط لکھتے تھے اور احکام دین کی اشاعت اور استحکام کے لیے تلقین کرتے تھے۔ وہ ۱۱۷۴ھ میں فوت ہوئے اور کوہ مکلی میں مدفون۔

مخددم ابراہیم خلیل نے ان کے عربی، فارسی اور سندھی تالیفات کی تعداد ۱۱۴ اور غلام محمد نبیرۂ مخدوم محمد ہاشم نے ۱۵۰ بتائی ہے لیکن سید حسام الدین راشدی نے ۱۳۸ کتب و رسائل کی نشاندہی کی ہے۔ ان میں سے فارسی کی مندرجہ ذیل تالیفات ہیں:

۱ - حیات القلوب فی زیارت المحبوب (۱۱۳۵ھ)

۲ - ذریعتہ الوصول الی جناب الرسول۔

۳ - رسالہ در ذبح شکار۔

۴ - رشف الزلال فی تحقیق فئ الزوال۔

۵ - الباقیات الصالحات فی ذکر الازواج الطاہرات۔

---

۱ - تکلمۂ مقالات الشعرا، مخدوم محمد ابراہیم خلیل تتوی، مرتبہ سید حسام الدین راشدی، کراچی - ۱۹۵۸ء، ص ۴۳، ۵۲-۵۹، ۲۰۸-۲۰۹ - رحمان علی، تذکرہ علمائے ہند۔

٦ - تحفته الاخوان فی منع شرب الدخان ۔

٧ - تحفته المسلمین فی تقدیر مهور امهات المومنین ۔

٨ - جمع الیواقیت فی تحقیق المواقیت ۔

٩ - حیات الصائمین ۔

١٠ - رسالہ فی تحقیق ان الواجب علی العالم المقلد اتباع المجتهد اوالعمل بظاہر الحدیث ۔

١١ - زاد السفینہ فی اسامی المدینہ ۔

١٢ - سفینته السالکین الی بلد الله الامین ۔

١٣ - فتح القوی فی نسب آباء النبی ۔

١٤ - فتح الکلام فی کیفیته اسقاط الصلوٰة والصیام ۔

١٥ - فیض الغنی فی تقدیر صاع النبی ۔

١٦ - مقدمته الصلوة ۔

١٧ - نتیجته الفکر فی تحقیق صدقته الفطر ۔

١٨ - التفحات الباہرہ فی جواز القول بالخمسته الطاہرہ

١٩ - وسیلته الغریب الی جناب الحبیب (بشرح اسماء الرسول البشیر) ۔

٢٠ - وسیلہ الفقیر الی اسماء البشیر والنذیر ۔

٢١ - رسالہ فی تقدیر الوضوء والغسل بموازین بلدة التة ۔

۱ - حیات القلوب فی زیارۃ المحبوب

کتاب کے مقدمہ میں حج و عمرہ کے فضایل بتا کر ان کے فرائض ، واجبات ، سنن ، مستحبات ، مکروہات ، محرمات اور مفسدات بیان کیے ہیں - رسول خدا کے حجوں اور عمروں کی تعداد بھی بتائی ہے - کتاب چودہ ابواب پر مشتمل ہے - ہر باب میں مختلف فصلیں ہیں - پہلے باب میں احرام کے فرایض ، سنن و واجبات بتائے ہیں - مختلف ملکوں کے لیے احرام کے متعین مقامات کا ذکر کیا ہے - احرام سے پہلے ، احرام کے دوران میں اور احرام کے بعد عورت و مرد کی کیفیات بیان کی ہیں - آخر میں محرمات و محظورات مذکور ہیں - باب دوم میں مکہ اور مسجد الحرام میں داخل ہونے کے آداب و اذکار و ادعیہ بتائی ہیں - باب سوم طواف کے متعلق ہے - اس میں پوری تفصیل سے طواف کی قسمیں - فرایض و سنن و واجبات اور آخر میں محرمات و مکروہات کا ذکر کیا ہے - باب چہارم میں سعی کے شرائط و واجبات - باب پنجم میں منیٰ و عرفات کے متعلق مسائل اور آداب و اذکار کا بیان ہے - باب ششم میں عرفات میں اور باب ہفتم میں مزدلفہ میں قیام اور اس کے مستحباب و مکروہات بیان کیے میں - باب ہشتم میں مناسک منی - باب نہم میں طواف زیارت باب دہم میں رمی جمار اور باب یازدہم میں طواف و وداع کا ذکر ہے - دوازدہم میں عمرہ کے تمتم احکام درج ہیں - تیرھویں باب میں مکہ معظمہ میں داخل ہونے ، ٹھہرنے ، خانہ کعبہ کا طواف کرنے ، حجرالاسود کو بوسہ دینے کے متعلق احکام و آداب بیان کیے ہیں - اس باب کے آخر میں مسجد حرام کی تاریخ بنا و پیمائش اور گرد و نواح کی عمارات کا ذکر کیا ہے - چودھویں باب میں مدینہ منورہ اور روضہ رسول کی عمارت سے متعلق تفصیل بتائی ہے اور زیارت کے آداب قلمبند کیے ہیں -

مندرجہ بالا مشمولات سے ظاہر ہے کہ علمی نقطہ نظر سے کتاب مستند ہے اور لائق استفادہ ہے - کتاب ادارۃ المعارف کراچی کی طرف سے ۱۳۹۱ھ میں شایع ہو چکی ہے - کل ۳۶۷ صفحات ہیں -

۱۹ - وسیلۂ الغریب

اس رسالے کا نسخہ خطی سنٹرل ریکارڈ آفس لائبریری پشاور میں شمارہ ۲۹۴ پر موجود ہے۔ کل ۱۱۰ صفحات ہیں۔ تمہید میں مولف بیان کرتے ہیں کہ میں نے فضائل و مناقب صحابۂ کرام و خلفائے اربعہ میں تین رسائل لکھے یعنی رسالۂ کبیر، اوسط اور اصغر۔ بعد میں فضائل و مناقب اہل بیتِ پیغبر پر بھی مختصر رسالہ لکھنے کا ارادہ کیا چنانچہ ۱۱۶۴ھ میں یہ مختصر رسالہ تمام کیا۔

یہ رسالہ چھ ابواب میں منقسم ہے۔

۱ - پہلے باب میں وہ چھ آیات درج کی ہیں جو ان کے خیال کے مطابق اہل بیت کی فضیلت میں نازل ہوئی ہیں۔ ہر آیت کی تفسیر میں احادیث نقل کی ہیں۔ چوتھی آیت کی تفسیر میں احادیث نقل کرنے کے بعد گیارہ فوائد لکھے ہیں۔ ایک فائدے میں اس چادر کی کیفیت بتائی ہے جس میں پانچ اہل بیت تھے۔

۲ - دوسرے باب میں وہ چالیس احادیث بیان کی ہیں جن میں عمومی طور پر اہل بیت کی فضیلت بیان ہوئی ہے۔

۳ - تیسرے باب میں وہ پینسٹھ احادیث نقل کی ہیں جو اہل بیت کے معینہ اشخاص سے متعلق مروی ہیں۔

ان کی تفصیل یہ ہے۔

۱ - حضرت علی کے متعلق	۲۳ احادیث
۲ - حضرت فاطمہ	۲۴ تا ۳۸ (۱۵)
حضرت حسن و حسین	۳۹ تا ۶۵ (۲۷)

۴ - چوتھے باب میں مذکورہ اہل بیت کے احوال زندگی - فضائل و کرامات اور علم و عمل پر روشنی ڈالی ہے -

۵ - پانچویں باب میں اہل بیت کی تاریخ ولادت و وفات اور ان کی عمروں کی تفصیل بتائی ہے اور ان کی اولاد کا ذکر کیا ہے -

٦ - چھٹے باب میں حضرت فاطمہ زہرا کے سوا حضرت پیغمبر کی صلبی اولاد کا ذکر کیا ہے جس کی تفصیل یہ ہے :

ذکر پسران یعنی قاسم - عبداللہ - ابراہیم
ذکر دختران یعنی زینب - رقیہ - ام کلثوم

—:o:—

مخدوم محمد ابراہیم[1]

مخدوم محمد ابراہیم بن عبداللطیف بن مخدوم محمد ہاشم - اپنے زمانے کے کامل اولیا اور علمائے راسخ میں شمار ہوتے تھے - وہ ۱۱۶۲ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۲۲۵ھ میں شہر منڈی کچ کی بندر گاہ میں مدفون ہوئے ان کے لاکھوں مرید تھے - وہ شہر شہر اور گاؤں گاؤں جاتے اور ارشاد و تلقین کرتے - ان کے مرید ان کے یہ مواعظ لکھتے جاتے - وہ جامع خسروی میں اپنے باپ کے قائم مقام ہو کر خطبہ دیا کرتے تھے - ۱۱۸۷ھ میں میاں سرفراز خان کی طرف سے قاضی عسکر بھی منصوب ہوئے -

محمد امین چھترانی نے ان کے مناقب و خوارق کے متعلق ایک مستقل رسالہ لکھا ہے -

سید حسام الدین راشدی نے تکملۂ مقالات الشعرا کے تعلیقات میں ان کی مندرجہ ذیل تالیفات کا ذکر کیا ہے لیکن یہ مشخص نہیں کیا کہ ان میں کون کون سی فارسی میں ہیں :

۱ - ابلاغ جهد الدمص فی مسئلۂ قص اللحی و النتف و النمص -

۲ - اغناء الواصل -

۳ - اماطتہ اذی العبید من طریق جواز استعمال اموال الکافرین العنید -

۴ - تحریر فی بیان آخر الظہر -

---

۱ - تکملہ مقالات الشعرا ، محمد ابراہیم خلیل تتوی ، مرتبہ حسام الدین راشدی ، کراچی ' ۱۹۵۸ - ص ۴۷ ، ۶۵ -

۵ - تطبیب افواه الاخوان فی المنع عن شرب الدخان ۔

۶ - توثیق الاسباق فی مسئلہ الصداق ۔

۷ - تہذیب البیان فی اجوبہ اسولہ من وحید من الا کابر الخلان ۔

۸ - الحبل المتین فی او صاف خلفاء الراشدین ۔

۹ - رسالہ فی بیان السلسلہ ۔

۱۰ - سحق الاغبیا والطاغین فی کمل الاولیاء واتقیاء العلماء ۔

۱۱ - میرالتقریر فی تحیقیق مقاصد مسئلہ استعمال الحریر

۱۲ - طریدۃ الحیاک ممّاطردہ الخصم بقطع التنباک ۔

۱۳ - غسل العباک عن تصویب قطع التنباک ۔

۱۴ - القسطاس المستقیم ۔

۱۵ - القول الرضی بتصحیح حدیث الترمذی ۔

۱۶ - مفتاح الکلام ۔

۱۷ - نثر حلاوی المعارف و العلوم ۔

۱۸ - تشیج الضحی فی حل مسئلہ قص اللحی ۔

۱۹ - ہدایتہ الناس فی البقاء الشعر علی الرأس ۔

۲۰ - وعظ الانوار فی حکم مسئلہ رویتہ القمر یوم الشک فی النہار ۔

۲۱ - وصول انغنا فی تحریم لدفوف مع الجلاجل وانغناء ۔

—:o:—

میاں نور محمد

منشور الوصیت و دستور الحکومت

میاں نور محمد نے یہ وصیت نامہ ۱۱۶۳ھ میں لکھا جو مطبوعہ صورت میں ستائیس صفحات پر مشتمل ہے سید حسام الدین راشدی نے سندھ ادبی بورڈ کی طرف سے دیگر ضمایم کے ساتھ ۱۹۶۴ع میں شایع کر دیا تھا۔ جیسا کہ نام سے ظاہر ہے ، ایک حصے میں ذاتی اور نجی قسم کی نصیحتیں کی ہیں۔ قوانین شرعی پر عمل کرنے اور اخلاق درست رکھنے کی تاکید کی ہے۔ میاں صاحب کے مخاطب ان کے بیٹے پوتے ہیں۔ انھیں کہا ہے کہ عبادت سے غافل نہ رہو۔ مہینے میں ایک مرتبہ قرآن مجید ختم کرو۔ رسول اکرم پر درود بھیجو۔ دعائے سیفی اور حزب البحر پڑھنے سے پرہیز کرو کیونکہ ان کے لیے خاص شرایط ہیں۔ روزہ نماز قائم کرو۔ یاد حق اور یاد مرگ کو اپنا شعار بناؤ۔ ذاتی اخلاق میں ہمیشہ ہمت و استقلال سے کام لو۔ اہل بیت سے محبت رکھو۔ جو صاحب استحقاق و احتیاج ہیں ، انھیں صدقہ اور زکوۃ بھی دو کیونکہ علما نے اسے جائز قرار دیا ہے۔ علما و صلحا کی عزت کرو۔ شرفا سے نیک سلوک کرو۔ عجز و انکسار کو شعار بناؤ کہ میں حلال خور کو ہزار بار اپنے آپ سے بہتر سمجھتا ہوں۔ سادہ لباس پہنو اور عیاشی کے پاس بھی نہ پھٹکو۔

انتظامی اور سیاسی امور کے متعلق تاکید کی ہے کہ آپس میں محبت و مودت سے رہو۔ میاں صاحب نے تمام بیٹوں کو ملک کے الگ الگ حصے تقسیم کر دیے تھے تاکہ وہ اپنے اپنے علاقے میں سلیقے سے حکومت چلائیں۔ اپنے بیٹے مراد خان کو اپنا ولیعہد مقرر کیا اور دوسرے بیٹوں کو نصیحت کی کہ جس طرح نصف محصول اور خرچ ملکداری مجھے دیتے ہو اسی طرح اسے بھی ادا کرنا۔ ماؤں کا فصلانہ اور یومیہ کم نہ کرنا۔

افراد رعایا اور دیگر قبایل کے متعلق مشورہ دیا کہ سیاست کو مد نظر رکھو ۔ ترک سیاست ضعف ریاست است (ص ۵) ہندوؤں کے متعلق کہا کہ ان سے جزیہ وصول کرو ۔ ان کو خاص منشی نہ بناؤ کیونکہ وہ آیات اور احادیث پڑھنے سے عاجز ہیں ۔ انھیں لکھنے پڑھنے اور دوسرے حساب کے کاموں میں لگاؤ اور خیال رکھو کہ خسرہ میں اراضی کم نہ کریں ۔ براھوی خود غرض اور جھوٹے ہیں ۔ ان پر بھروسا نہ کرو ۔ داؤدپوتہ کو تنگ نہ کرو ۔ وہ احسان مند ہیں اور خوشی سے نوکری کرتے ہیں ۔ مغلوں سے بظاہر فرمان بردار رہو ۔ لشکر کی دیکھ بھال کرو ۔ سکہ بارود کی موجودگی اور قلعہ کی نگہداری فرض جانو ۔

میاں صاحب کے اس منشور اور دستور سے ظاہر ہے کہ وہ دیندار اور مخلص انسان تھے ۔ اپنے خاندان ، ملک اور رعایا کی خاطرداری انھیں پیش نظر تھی ۔ لیکن افسوس ان کے بیٹوں نے ان کی نصیحت پر عمل نہ کیا ۔ مراد خان نامزد ولیعہد کو نادر شاہ اپنے ہمراہ ایران لے گیا تھا ۔ اس کی واپسی تک خداداد خاں نائب ولیعہد بنا لیکن مراد خان کی واپسی پر بے حواس ہو کر ہندوستان کی طرف بھاگ گیا ۔ جب ۱۱۷۰ھ میں میاں غلام شاہ تخت پر بیٹھا تو دوسرے بھائیوں احمد یار خاں اور میاں عطر خان نے سرکشی کی اور شکست کھا کر قلات میں پناہ لی ۔

میاں صاحب نے ضمناً اپنے مذہب و مشرب کے متعلق بھی لکھا ہے ۔ وہ کہتے ہیں "چاروں مذہب برحق ہیں لیکن ہم مذہب حنفیہ پر قائم ہیں ۔ سلسلۂ طریقت میں سہروردی ہیں اور ہمارے پیر و مرشد سید میران محمد جونپوری ہیں ۔

—:o:—

میر امین الدین خان حسینی[1]

میر امین الدین ، میر ابوالمکارم شہود کے بیٹے تھے - اپنی خاندانی روایت کے مطابق علم و فضل سے آراستہ ہوئے - شعری ذوق بھی ورثہ میں ملا اور سلطنت کے نظم و نسق میں بھی حصہ لیا .

ان کی زندگی کے متعلق بہت کم معلومات میسر ہوئی ہیں - خیال یہ ہے کہ انھوں نے ٹھٹہ میں شیخ عبدالواسع کے مدرسے میں تعلیم حاصل کی - شیخ عبدالواسع بڑے اچھے استاد تھے - علی شیر قانع نے لکھا ہے کہ استاد کی لکھی ہوئی شرح مخزن الاسرار ، قاضی ابراہیم کی شرح سے بہتر ہے - میر امین الدین عالی مرتبہ امیر اور عالی نسب سید ہوتے ہوئے بھی اپنا وقت مطالعۂ کتب میں صرف کرتے تھے اور علما سے اکثر صحبتیں رہتی تھیں -

کاروبار سلطنت میں ان کی مصروفیت کے متعلق اتنا معلوم ہے کہ وہ ۱۱۱۴ھ میں ٹھٹہ کے حاکم مقرر ہوئے - تحفۃالطاہرین کے حوالے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایک سال کے بعد یا اسی سال خانپور میں تبدیل کر دیے گئے تھے - تحفۃ الطاہرین میں ۱۱۲۰ھ کے تحت واقعات میں مرقوم ہے کہ میر امین‌الدین خان سرکار بھکر کے فوجدار مقرر ہوئے - اسی سال انھوں نے سکھر میں ایک عالیشان مسجد بنوائی - علامہ عبدالجلیل بلگرامی نے جو مرکز کی طرف سے بخشیگری اور وقایع نویسی پر مامور تھے ، بنائے مسجد کی تاریخ لکھی - اس قطعہ میں میر امین‌الدین کی تعریف

---

۱ - تذکرۂ امیر خانی ، حسام الدین راشدی ، حیدرآباد ، ۱۹۶۱ ، ص‌ص ۱۹۴ تا ۲۱۸ ، ۳۳۳ ، ۳۳۴ ، ۳۵۸ - ۳۶۱ -

میں مندرجہ ذیل اشعار لکھے جس سے ان کی شخصیت عالی کی جھلک نمایاں ہوتی ہے :

خان ذیشان امین الدین خان   ذکر فیضش بزبانہا مذکور
در رخش نور سخا گشتہ عیان   در کفش جود علی کردہ ظہور
سینہ‌اش مخزن اسرار ازل   شمع فانوس دلش لمعۂ نور
مسجدی کردہ بنا در سکر   پاک تر از دل ارباب حضور
سال تاریخ چنین گفت خرد   مہبط نور چو بیت المعمور

(۱۱۲۰ھ)

میر امین الدین ۱۱۲۷ھ میں فوت ہوئے۔ 'یدخل الجنت' سے سال وفات نکلتا ہے۔ عبدالحکیم عطا نے ذیل کے قطعے میں تاریخ لکھی :

[داخل گلشن جنت] شدہ از فضل الست
[مغفرت داد بشارت] کہ برحمت پیوست
[گفت فی الجملہ] بتاریخ وفاتش شایان
[جملۂ] "آمن بالعفو امین الدین خان"[1] (۱۱۲۷ھ)

وہ قبرستان مکلی میں مدفون ہیں۔ قبر پر یہ کتبہ موجود ہے :

خان باتمکین امین الدین خان   عالی از حسن عمل درجات او
چون سفرکرد از جہان بی ثبات   سال فوتش "داخل الجنات او"

(۱۱۲۷ھ)

---

۱ - دیوان عبدالحکیم عطا ، مرتبہ راشد برہانپوری -

میر امین الدین شعر بھی کہہ لیتے تھے۔ مقالات الشعرا میں فقط مندرجہ ذیل اشعار منقول ہیں :

ای دل چہ غفلت ست کہ آهی نمی کنی
یک شعلہ برق ظلمت راهی نمی کنی
برعیب خلق کردہ شب و روز دیدہ باز
بر کردہ های خویش نگاهی نمی کنی
کارت همیشہ کردنی و نا کردنی و بس
کاریکہ کردنیست تو گاهی نمی کنی
این راہ کوی دوست نباشد کہ می روی
چشمی کشا کہ روی براهی نمی کنی

افسوس کہ بی دوست همہ عمر بسر رفت
در صرفہ کار شتر استر و خر رفت
حالات همہ صرف خز و اطلس و دیبا
اوقات همہ در طلبِ نقرہ و زر رفت
بر تکیۂ باد نفس این همہ مغرور
چشمی کہ بهم می زنی این باد بدر رفت
بر بالش راحت نسزد تکیہ زانک
از یک مژہ برهم زدنت نیض سحر رفت

بردم کہ می کشیم بیاد تو میکشیم
مارا بغیر یاد تو یک دم نمی رود

میر امین الدین دو کتابوں کے مؤلف ہیں:

(۱) معلومات الآفاق ۔

(۲) رشحات الفنون ۔

معلومات الآفاق

جیسا کہ اس کتاب کے نام سے ظاہر ہے ، یہ دنیا بھر کی معلومات کا ذخیرہ ہے ۔ اس میں اکثر حصہ تاریخی ، جغرافیائی معلومات پر حاوی ہے ۔ راشدی صاحب نے برٹش میوزیم کے نسخۂ خطی سے مندرجات کی فہرست درج کی ہے ۔ پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں بھی ایک نفیس نسخہ شمارہ APG2 پر موجود ہے ۔ یہ ۱۱۲۷ھ کا لکھا ہوا ہے یعنی مؤلف کی زندگی کے آخری سال میں لکھا گیا ہے ۔ بڑے سائز کے کل ۲۳۶ برگ ہیں ۔

مؤلف نے تمہید میں اپنی کتاب کے چند مآخذ کا ذکر یک جا کیا ہے لیکن بعد میں دوسری معلومات کے ضمن میں اور کتابوں کے نام بھی لیے ہیں ۔ ابتدائی مآخذ یہ ہیں:

زیچ میرزا الغ بیگ گورکانی ۔

رسالہ ربع مسکون ۔

منتخب التواریخ از مولانا یوسف کیچی ۔

شروع میں تبرکاً اخلاق و صفات نبوی ۔ معجزات و خوارق ۔ فضیلت درود پر بحث کر کے ادعیہ ماثورہ نقل کی ہیں ۔ ان میں استغفار ، استخارہ اور خطبہ نکاح کی دعائیں شامل ہیں ۔ یہ دعائیں کتاب الجوھر سے منقول ہیں ۔

کتاب کا زیادہ حصہ جغرافیائی معلومات پر مشتمل ہے - اس کی تفصیل اس طرح ہے :

حروف تہجی کے اعتبار سے شہروں کے نام دے ہیں - جس اقلیم میں وہ شہر واقع ہے ، اس کا نام لیا ہے - پھر ہر شہر کا طول و عرض لکھا ہے - پیچیدہ جدت یہ پیدا کی ہے کہ پیمایش ہندسوں میں درج کرنے کے بجائے حروف جمل میں درج کی ہے - اس کے بعد طبیعی جغرافیہ کے متعلق معلومات فراہم کی ہیں - اس باب میں حقیقت عناصر اربعہ - ایجاد سحاب - رعد و برق اور مقدار زمین کا ذکر کیا ہے - بعد میں اقالیم سبعہ اور خارج از اقالیم کے رہنے والوں کا تذکرہ ہے - ہفت اقلیم میں چین ، ہند ، حبشہ ، روم ، عراق اور عجم شامل ہیں - پھر شہروں ، قصبوں ، پہاڑوں ، چشموں ، درختوں اور حیوانوں کے متعلق عجائب و غرائب بیان کیے ہیں - مندرجہ بالا معلومات کے مآخذ میں صورالاقالیم اور تاریخ مجد الدین کا نام لیا ہے - بعض نوادر نگارستان احمد غفاری سے منقول ہیں - اور بعض غرائب عجایب البلدان سے نقل کیے ہیں - اسی ضمن میں عجائب الحیونات کا نام بھی لیا ہے جو عین الحیات منتخب حیات الحیوان ہے - اس حصے میں ان خاص بدایع و وقایع کا ذکر کیا ہے جو عالمگیر اور فرخ سیر کے زمانوں میں وقوع پذیر ہوئے -

ان جغرافیائی معلومات کے بعد دانستن قیمت جواہر اور علم طب پر دو ابواب کا بے جوڑ سا اضافہ کیا ہے - آخری حصے میں مغلیہ حکومت کی وسعت بیان کی ہے - ۱۹ صوبوں اور ۴۴۴۰ پرگنوں کے نام بتائے ہیں - بادشاہ ، شاہزادوں ، بیگمات ، خوانین اور کارپردازان سلطنت کے القاب و خطابات اور ضوابط ، منصبداروں اور ان کی تنخواہوں کا دستور العمل بیان کیا ہے جس کا مطالعہ کرکے حکومت کے تنظیمی اور مالیاتی ڈھانچے کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے - اور بر صغیر میں مغلیہ حکومت کے آخری دور کا درباری نقشہ آنکھوں کے سامنے آ جاتا ہے -

رشحات الفنون

یہ کتاب ۱۱۲۳ھ میں مرتب ہوئی ۔ مؤلف نے خود ہی تاریخ اتمام لکھی ہے :

للہ الحمد کز عطای خدا　　شد مرتب سفینہ ای ز علوم
طرفہ مجموعہٴ علوم شدہ　　کہ سر جہل ازان شدہ معدوم
رشحات الفنون بود نامش　　یا مسمی ست اسم این مرقوم
چون سر جہل ازان بریدہ شود　　سال تاریخ زان شود معلوم

تمہید میں مؤلف نے بتایا ہے کہ بعض اصحاب کے پاس وقت کم ہوتا ہے اور تھوڑے وقت میں زیادہ علوم سے آشنا ہونا چاہتے ہیں ۔ اس لیے میں نے علوم معقول و منقول سے تعارف پیش کرنے کے لیے یہ مجموعہ تیار کیا ہے ۔ وہ خود ہی لکھتے ہیں کہ یہ علوم کا مجموعہ ہے لیکن شاید تاریخ نکالنے کے لیے انھوں نے کتاب کا نام فنون رکھ دیا ہے ۔ اس میں ۱۶ رشحات ، ۱۹ فصلیں اور ۳۸ ذکر ہیں ۔ کتاب کی جامعیت کا اس سے اندازہ لگائیے کہ اس میں تفسیر ، حدیث ، فقہ ، عقاید و کلام ، تصوف ، منطق ، طب ، حکمت عملی ، صرف ، نحو ، معانی ، بیان ، بدیع اور علم تاریخ کا ذکر ہے سوانحی حصے میں اہل صفہ ، نساءعارفان ، مشائخ ہند اور حکمائے اسلامی شامل ہیں ۔ تاریخ میں بنوامیہ سے ایران کے شاہان صفویہ تک ایران و توران کے دیگر سلاطین ، ہندوستان میں دکن ، گجرات ، سندھ ، ملتان ، بنگال ، مالوہ ، خاندیش ، جونپور اور کشمیر کے ملوک و سلاطین اور آخر میں امیر تیمور سے لے کر عالمگیر کی وفات تک کے احوال و کوائف اختصار سے بیان کیے گئے ہیں ۔

میر امین الدین خان کے تین بیٹے تھے ۔

۱ ۔ میر متین الدین خان اسمعیل ۔

۲ - میر محمد گدا -

۳ - میر محمد عطا -

ان میں سے میر محمد عطا اپنے خاندان میں ممتاز تھے - وہ بڑے خلیق اور ملنسار تھے - انھوں نے اپنے بزرگوں کے نقش قدم پر چل کر اپنے آباء کا نام روشن کیا - وہ ۱۱۷۸ھ میں فوت ہوئے - مکلی میں ان کے مزار پر یہ کتبہ موجود ہے -

مہیمنا بہ نبی و علی و ہر دو گوہر
بعابدین و بباقر - بصادق و جعفر
بموسی و برضا و تقی و ھم بہ نقی
بعسکری و بمہدی امام غیب اندر
ہر آن گناہ کہ کردیم از صغیر و کبیر
بحق آل محمد کہ از ہمہ بگذر

یا محمد عطا بنام حسین
تاریخ سوم ماہ شعبان ۱۱۷۸ھ

وہ شعر گوئی کا مذاق رکھتے تھے - مقالات الشعرا میں ان کے چند اشعار منقول ہیں : [۱]

محو گشتہ در خیال یار خویش
خود شدم آخر عطا غم خوار خویش

ای عطا - این عطا بما حق کرد
پردھای حجاب را شق کرد

---

۱ - مقالات الشعرا - ص

چارۂ کار ما چو او نکند
کارہا ہیچ گفتگو نکند

من سپردم بدوست مطلب خویش
داغ او را کہ جز تکو نکند

میر محمد جعفر ان کے عزیز فوت ہوئے تو انھوں نے تاریخ لکھی :

'آب کوثر بکام جعفر' ۱۱۳۵ھ

حیات نامی ایک خاتون سے محبت تھی - اس کی وفات پر کیسی درد ناک تاریخ کہی ہے :

"ہای حیاتم رفت" - ۱۱۵۵ھ

میر محمد گدا

ان کا نام کلب علی خان تھا - محمد گدا کے نام سے معروف تھے - قانع نے لکھا ہے کہ وہ بزرگوں کے اخلاق حمیدہ سے متصف تھے اور کمال بلاغت سے موصوف تھے - مقالات الشعرا میں ان کے مندرجہ ذیل شعر محفوظ ہیں :

چون آئینہ بیتاب نگہ بود دل ما
ہر چند ترا دید نیاسود دل ما

سگ اصحاب کہف یافت نجات
چون نیابد نجات کلب علی

بی یاد روی یار چہ در دل کند کسی
جائیکہ یست یار چہ محفل کند کسی
ہمچون حباب بر سر بحر یم بیقرار
بر روی سطح آب چہ منزل کند کسی

—:o:—

میر رضی الدین فدائی

میر رضی الدین نام ، فدائی تخلص ، میر ابوالمکارم شہود کے بیٹے تھے ۔ قانع نے ان کے ظاہری و باطنی محاسن کی تعریف کی ہے ۔ وہ اپنے وقت کے باکمال شاعر مانے جاتے تھے ۔ دیوان بھی مرتب کیا تھا ۔ وہ ۱۱۲۰ھ میں وفات پا گئے ۔ قانع نے خود تاریخ وفات لکھی :

بسکہ بفوتش ہمہ گفتند ھی
"ھی رضی الدین" بود سال وی ۱۱۲۰ھ

قانع نے صرف دو شعر نقل کیے ہیں ۔ ایک قصیدے کا صرف ایک شعر نقل کیا ہے جس میں صنعت چار در چار کا التزام کیا ہے ۔

عدوی خاندان او بشمع کشتہ می ماند
بسر خاک و بپا بند و برو اشک و بدل اخگر

دوسرا شعر یہ ہے :

غیر خاموش کسی از درد ما آگاہ نیست
آہ را بہر عیادت بر سر ما راہ نیست

راشدی صاحب نے میر مرتضائی افقر اور میاں رجا ٹھٹوی کی خطی بیاضوں سے غزلوں کے چند اشعار نقل کیے ہیں جو فدا تخلص شاعر کے تحت درج ہیں اور قیاس ظاہر کیا ہے کہ فدائی اور فدا ایک ہی شخص کے تخلص ہیں ۔[1]

---

۱ ۔ تذکرۂ امیر خانی مذکورہ ، ص ۲۱۹-۲۲۲ ۔

میر محمد شفیع ہمت رضوی بھکری

(م - ۱۱۴۴ھ)

سید یار محمد کے بیٹے تھے - ۱۱۳۵ھ سے ۱۱۳۷ھ تک ٹھٹہ کے گورنر رہے - حکومت دہلی کی طرف سے لطف علی خان اور شجاعت علی خان کے خطابات ملے تھے - بڑے بہادر، متواضع اور خلیق تھے - علی شیر قانع نے مقالات الشعراء[1] میں (ص ۱۳۷) پر اس کی نثر کا نمونہ دیا ہے اور اس کے اشعار بھی درج کیے ہیں - اتفاق سے اس کی ایک تالیف طلسم سعادت کا سراغ ملا ہے - یہ کتاب سندھ ادبی بورڈ کے کتابخانے میں محفوظ ہے - سید حسام الدین راشدی نے مکلی نامہ کے تعلیقات میں صفحات ۶۳۳ - ۶۳۶ پر اس کا تعارف پیش کیا ہے -

محمد شفیع ہمت نے یہ کتاب اپنے بیٹوں غضنفر علی اور ذوالفقار علی کی فرمائش پر لکھی جیسا کہ انھوں نے کتاب کی تمہید میں بتایا ہے - کتاب کا موضوع وہ آداب و اخلاق ہیں جو انبیاء، اوصیاء اور اولیاء کا شیوۂ حیات رہا ہے - کتاب بارہ ابواب اور خاتمے پر مشتمل ہے - کتاب کا نسخۂ خطی مکتوبہ ۱۱۴۳ھ اول و آخر سے ناقص ہے - کتاب ابواب و فصول میں منقسم ہے، جس کی تفصیل یہ ہے:

باب اول: در اخلاق و عادات و علو مرتبہ انبیا و اوصیاء -

فصل اول: در عالی فطرتی و فراغ مشربی و شکیبائی انبیاء و اوصیاء در مقام ابتلا و وا سپردن خود را در رضا -

---

۱ - مقالات الشعرا، علی شیر قانع، مرتبہ سید حسام الدین راشدی، کراچی، ص ۱۱۷ -

فصل دوم : در محبت خیرالانبیاء و قرب کمال ایشان در بارگاه خدا

فصل سوم : در صبر و شکر و معراج - پستی مرتبه دنیا و عدم جمع آن با آخرت -

باب دوم : در توکل و تجرد -

باب سوم : در انزوا بسرمایهٔ دانش و آگاهی -

باب چهارم : در آداب صحبت و فوائد سیاحی -

باب پنجم : در لطف خموشی و آگهی از مراتب درویش -

باب ششم : در ضوابط دستور پادشاهی و سیرت پادشاهان -

باب هفتم : در عفو و عدم انتقام و طور معاش والا منشان در جوش بهار عشق و جوانی -

باب نهم : در پیری و تجربه کاری -

باب دهم : در ترک دنیا -

باب یادهم : احترام سادات و عرفاء و علماء -

باب دوازدهم : در طرز شناسیٔ آداب معاشی - پاسداری انفاس لیل و نهار در تحصیل مراتب یقین -

——:o:——

بدر رکن سندھی

اساس المصلی

حنفی مسلک کے مطابق وضو اور نماز کے فواید اور اعمال پر ایک مختصر رسالہ - اس کے مؤلف بدر رکن سندھی ہیں -

رسالہ دو ابواب میں منقسم ہے - پہلے باب میں ۹ اور دوسرے باب میں ۸ فصلیں ہیں - بوہار لائبریری کلکتہ میں اس کا نسخۂ خطی موجود ہے - نسخۂ مکتوبہ ۱۱۳۹ھ -

رسالے کا آغاز اس طرح ہے :

الحمدللہ رب العالمین و العاقبتہ للمتقین و الصلوٰۃ علی رسولہ -

—:o:—

سید امجد علی

نور القلوب

صوفی آبادانی (۱۱۵۱ھ - ۱۲۲۰ھ) کے فرمودات و کرامات کے متعلق کتاب ہے۔ اس کے مؤلف سید امجد علی شاہ ہیں۔ کتاب ۱۲۲۶ھ میں تالیف ہوئی۔ صوفی آبادانی کے مرشد شیخ محمد حیا سندی (م - ۱۱۸۸ھ) ان کے مریدین، شیوخ، معاصرین اور اخلاف کے احوال و واقعات بھی بیان کیے گئے ہیں۔ کتاب کے آغاز میں رسول اکرم اور خلفاے راشدہ کا ذکر ہے۔ کتاب پانچ ابواب پر مشتمل ہے اور ہر باب فصول میں منقسم ہے۔

کتاب کا آغاز یوں ہے :

ہزاران ہزار شکر و سپاس مراحدیرا کہ مصباح القلوب العارفین را بہ تجلیات ذات منور ساخت۔

کتاب کا نسخہ خطی بوھار لائبریری کلکتہ میں موجود ہے۔ کتاب کے ۱۷۸ برگ ہیں۔

—:o:—

میاں عبدالغنی بھکری

شرح تحفہ العراقین

یہ خاقانی کی مشہور مثنوی تحفۃ العراقین کی شرح ہے۔ شارح کا نام میاں عبدالغنی بھکری ہے جس کی زندگی کے متعلق معلومات فراہم نہیں ہو سکیں۔ یہ کتاب یقیناً طلبہ کی سہولت کے لیے لکھی گئی ہے۔ لیکن صرف مشکل اشعار کی تشریح و توضیح کی گئی ہے۔ آیات قرآنی، احادیث نبوی، سوانح تاریخی اور اصطلاحات تصوف و نجوم وغیرہ کے معانی و مطالب بیان کیے گئے ہیں۔ عربی الفاظ کا تلفظ بتا کر معانی کی تشرایح کی گئی ہے۔ طریق کار یہ ہے کہ اشعار نقل کر کے پہلے الفاظ کے معانی بتائے ہیں پھر مطالب کی توضیح کی ہے۔ کتاب کے آغاز سے ہم چند سطور یہاں نقل کرتے ہیں تاکہ شرح کی روش و اسلوب کا نمونہ سامنے آ جائے:

مائیم نظارگان غمناک ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

حقہ سبز ۔ آسمان ۔ مہرہ خاک کنایت از زمین است ۔ سر کیسہ عمر کشودن کنایت از صرف کردن عمر است ۔ طرفہ بمعنی عجب ۔ زمن ۔ فروماندہ معنی آنست کہ ما نظارگان غمناک ہستیم از فلک و زمین ۔ چرا کہ تا اینہا ہستند ہر روز و شب از کیسۂ عمر چیزی می برند و این عجب است کہ بر عرصہ حکم ایزدی زمین کہ مہرہ است ، ایستادہ است و فلک کہ از بابت حقہ است گردان ۔ قاعدہ آنست کہ مہرہ گردان باشد و حقہ ایستادہ و اینجا خلاف اوست ۔ چون اوضاع فلک اعتباری ندارند ، ازین جہت اورا بہ بہان حقہ و مہرہ تشبیہہ دادہ ۔

کتاب کا خطی نسخہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں شمارہ Pivi, 5A پر موجود ہے ۔ کل ۵۷ برگ ہیں ۔ تقطیع ۱۶ سم × ۹ سم ۔ صفحے میں ۱۷ سطریں ہیں ۔ نسخہ مکتوبہ ۱۱۳۶ھ ہے ۔

دیگر مصنفین

حکیم عبدالرؤف

بڑے صاحب کمال شخص تھے - میر عبدالجلیل بلگرامی کے دوستوں میں سے تھے - نواب خدا یار خان کی سرکار میں منصب عالی پر سرفراز تھے - فن موسیقی میں بڑی مہارت تھی - انھوں نے ابوالنغم کے نام سے موسیقی پر ایک جامع کتاب لکھی -

شیخ عبدالواسع

صوفی و عالم تھے - میر امین الدین صاحب رشحات الفنون کے استاد تھے - انھوں نے مخزن الاسرار کی شرح لکھی جو قاضی ابراہیم کی شرح سے بہتر ہے - [1]

مخدوم عبدالواحد سیوستانی

قاضی ، عالم ، استاد اور شاعر - ۱۲۲۴ھ سال وفات ہے -

مندرجہ ذیل کتابوں کے مصنف ہیں :

حاشیۂ اشباہ و النظائر للحموی

رش الانوار حاشیہ در مختار

تحریرات المسائل علی حسب النوازل عرف بیاض واحدی

انشاء واحدی

---

۱ - تحفة‌الکرام ، علی شیر قانع ، ج ۳ ، ص ۳۲۷ -

مخدوم محمد عاقل کھوروی

وطن کھوروہ ضلع خیر پور ہے ۔ اپنے وقت کے عالم ، قاضی ، درویش اور شاعر تھے ۔ ۱۲۶۳ھ میں فوت ہوئے ۔ ان کی تالیفات یہ ہیں :

منبع المسائل (فقہ) ۔

تفسیر جزو عم ۔

تفسیر سورۂ یوسف ۔

ریاض محافل (انشاء) ۔

نشای مرغوب ۔

آئینۂ جہاں نما (تاریخ) ۔

—:o:—

اضافات

ابوالفتح قابل خان[1]

ابوالفتح نام تھا ۔ ٹھٹہ کے رہنے والے تھے ۔ وہ اورنگزیب کے میر منشی یا منشی الممالک تھے ۔ قابل خان ان کو خطاب ملا تھا ۔ وہ چودہ سال کی عمر میں مغلیہ حکومت کے اراکین واعیان سے وابستہ رہے ۔ وہ بارہ سال اورنگزیب کے ملازم رہے ۔ ۱۰۷۰ھ میں وجع المفاصل اور کوتاہی بصارت کی وجہ سے استعفا دے دیا ۔ ویسے بھی وہ اخراجات کی کثرت سے گھبرا کر قناعت کی زندگی گزارنا چاہتے تھے ۔ آخری دنوں میں اورنگزیب نے منشی کے کام سے انھیں سبکدوش کر کے گھوڑوں اور اونٹوں کی نگرانی کا کام سپرد کر دیا تھا ۔ انھوں نے اپنے کام پر بحال ہونے کی کوشش کی لیکن اس میں وہ کامیاب نہ ہوئے ۔ انھوں نے تجویز بھی کیا کہ تسوید مطالب ضروری اور نشانہای خاص کی خدمت ان کے ذمے رہے اور امثلۂ گرامی کا کام دیوان وزارت کے سپرد رہے ۔ ابوالفتح تقریباً ۱۰۵۹ھ سے اورنگزیب کے ساتھ وابستہ رہے ہوں گے، اس لیے وہ صوبیداری ملتان کے زمانے سے اس کے ساتھ ملتان ، قندھار ، لاہور ، شاہجہان آباد ، برہانپور ، دولت آباد اور اورنگ آباد میں ساتھ ساتھ رہے ہوں گے ۔ مستعفی ہونے کے بعد وہ برہانپور یا لاہور میں مقیم ہونا چاہتے تھے لیکن بعد میں معلوم ہوتا ہے کہ وہ اپنے وطن ٹھٹہ میں واپس آ گئے اور ۱۰۷۲ھ یا ۱۰۷۳ھ میں انتقال کر گئے ۔

اورنگزیب کو ابوالفتح پر بڑا اعتماد تھا ۔ جب شاہ جہان کی علالت کے زمانے میں دارا شکوہ سیاسی و عسکری معاملات میں دخل انداز ہو کر سالاروں کی ہمدردیاں اپنے ساتھ کر رہا تھا ، اورنگزیب نے ابوالفتح کو

---

۱ . آداب عالمگیری ،/ تصحیح و تہذیب عبدالغفور چودھری ، ادارۂ تحقیقات پاکستان ، دانشگاہ پنجاب ، لاہور ، ۱۹۷۱ دو جلد ۔ دیباچہ ۔

میر جملہ ، معظم اور مرزا سلطان کے پاس بھیجا تاکہ وہ ان کی ہمدردی حاصل کرے اور دوسرے منصبداروں کو بھی اورنگزیب کا طرفدار بنائے۔ ابوالفتح نے اورنگزیب کے ان تمام مراسلات کی نقول اورنگزیب کو بھیجیں جو میر جملہ کے دربار سے یا دارا شکوہ سے موصول ہوئے تھے اور میر جملہ کو دربار میں حاضر ہونے کے لیے بلا رہے تھے۔ ابوالفتح نے ان منصبداروں کے بارے میں بھی اطلاعات ارسال کیں جو اورنگزیب کی حمایت چھوڑ کر آگرہ جا رہے تھے۔ تخت کے حصول کے لیے جنگ برادران کے دوران میں ابوالفتح برہانپور میں تھے۔ جنگ کے اختتام کے بعد اورنگزیب نے کئی ایک فرامین لکھ کر اسے برہانپور سے واپس بلایا۔ ۴ رمضان ۱۱۰۹ھ میں تخت نشینی کے موقع پر خطابات کی نوازش کے وقت ابوالفتح کو قابل خان کا خطاب اور چار ہزار روپیہ انعام ملا۔ وطن میں واپسی کے بعد بال بچوں کے لیے انھیں دو لاکھ دام برسم سیورغال بھی ملے۔ وہ مزید وظیفہ حاصل کرنے کے لیے بھی کوشش کرتے رہے۔

آداب عالمگیری

آداب عالمگیری ان مراسلات کا مجموعہ ہے جو اورنگزیب کی طرف سے شاہ جہان ، اپنے اعزاء ، اراکین سلطنت اور دوسرے امراء کو لکھے گئے۔ ان میں سے شاہ جہان کے نام خطوط تو اورنگزیب نے اپنے ہاتھ سے لکھے ہیں کیونکہ آداب مملکت میں یہی دستور تھا کہ بادشاہ اور شاہزادے آپس میں ایک دوسرے کو اپنے قلم سے خط لکھتے تھے۔ باقی خطوط ابوالفتح قابل خان کے مسودات ہیں۔ محمد صادق انبالوی نے ان کو ۱۱۱۵ھ میں مرتب کیا۔ تالیف کی غرض و غایت اپنے بیٹے کی تعلیم و تربیت کے لیے انشائیہ ادب کے قابل تقلید نمونے فراہم کرنا تھا۔ وہ ان کو دستور العمل کاردانی وعمل و دستور فرزانگی کہتے ہیں۔ محمد صادق اورنگزیب کے سب سے چھوٹے بیٹے شہزادہ اکبر کا میر منشی تھا۔ اس نے اس مؤلفہ مراسلات کے ساتھ وہ مراسلات بھی شامل کر دیے ہیں جو

اس نے شہزادہ کی طرف سے اورنگزیب اور اراکین سلطنت کو لکھے تھے۔ ان خطوط سے سیواڑ اور مارواڑ کے خلاف مہم کے بارے میں مفید و اہم معلومات حاصل ہوتی ہیں ۔ ان مراسلات کے علاوہ اس تالیف میں عہد عالمگیری کے دو سالوں کے تاریخی واقعات کو اختصار سے لکھ کر شامل کر دیا ہے ۔ اس میں جنگ برادران پر ایک باب ہے لیکن یہ تمام تفاصیل عمل صالح اور عالمگیر نامہ سے ماخوذ ہیں ۔ ایک باب میں انشاء و القابات کی اہمیت بتا کر اس کے صحیح استعمال کی طرف توجہ مبذول کی ہے اور مکاتبات میں کام آنے والے القابات کی فہرست بھی ضمیمہ کے طور پر شامل کی ہے ۔

آداب عالمگیری ، ادارۂ تحقیقات پاکستان ، دانشگاہ پنجاب کی طرف سے دو جلدوں میں شایع ہو چکی ہے ۔ عبدالغفور چودھری نے تصحیح و تہذیب کے وقت ہر خط کے شروع میں خط کا پس منظر اور خلاصہ بیان کیا ہے ۔ اس سے پڑھنے والوں کے لیے بہت سہولت ہو گئی ہے اور مکاتیب کی تاریخی اہمیت سمجھنے میں بہت مدد ملتی ہے ۔

پہلی جلد میں شاہجہان کے نام ۱۱۷ ، والیان دکن کے نام ۴۳ ۔ میر جملہ معظم کے نام ۴۵ ۔ سعداللہ کے نام ۲۴ ۔ شایستہ خان کے نام ۴۰ ۔ شاہنواز خان صفوی کے نام ۳۲ ۔ مہابت خان کے نام ۱۴ خطوط ہیں اور ان سے کمتر تعداد میں دوسرے امرا کے نام مراسلات ہیں ۔ اسی جلد میں مکاتیب کے علاوہ قاچولی بہادر کا خواب اور عہد نامہ شاہزادہ مراد بخش بھی شامل ہے ۔

دوسری جلد میں میرزا سلطان کے نام ۱۷ ۔ ملتفت خان کے نام ۲۳ جہاں آرا بیگم کے نام ۲۸ ۔ معظم خان میر جملہ کے نام ۲۸ ۔ اورنگزیب اور دوسرے امراء کے نام قابل خان کے ۲۶ خطوط منقول ہیں ۔ شاہجہان کے نام عزلت گزینی کے دوران میں اورنگزیب کی طرف سے ۱۲ خطوط ہیں ۔

آداب عالمگیری کی تاریخی حیثیت کے متعلق کوئی شک نہیں۔ خصوصاً ۱۰۵۹ھ سے ۱۰۷۰ھ تک کے واقعات کے متعلق خاص طور پر اورنگزیب کے حوالے سے سرکاری معاملات کے اندرونی گوشوں پر روشنی پڑتی ہے۔ اورنگزیب اس زمانے میں ملتان اور دکن کے صوبیدار تھے۔ اورنگزیب اور شاہجہان کے روابط۔ اورنگزیب اور بھائیوں کے روابط۔ امراء و مقتدر اشخاص کی مخالفت و حمایت حاصل کرنے کی خفیہ تدابیر۔ مخالفین کو شکست دینے کے طریق کار۔ والیان مملکت خارجہ سے سیاسی امور کے نشیب و فراز سمجھنے اور جاننے کے لیے ان مکاتیب کی اہمیت واضح ہے۔ سرکاری طور پر مرتب کی ہوئی تاریخوں کے علاوہ یہ مکاتیب صحیح تاریخ سمجھنے کے لیے بہترین ماخذ ہیں۔

ان مکاتیب کی ادبی اہمیت بھی مسلم ہے۔ اس دور کے انشائی ادب کے بہترین نمونے شمار ہوتے ہیں۔ ایک میر منشی نے ان کے اعلیٰ معیار کو سامنے رکھ کر ان کی تدوین کی ہے۔ اورنگزیب جو خود صاحب طرز انشا پرداز تھا اور مراسلہ نویسی کے فن کو سمجھتا تھا، قابل خان کی لیاقت و استعداد کو جانتا تھا، اسی لیے اس کو اس کام پر متعین کیا تھا اور اس کے لکھے ہوئے مکاتیب اس کی نظر میں پسندیدہ تھے۔ زبان پر قدرت ہونے کے علاوہ آقا کے ذہن کی ترجمانی منشی کا بڑا کمال سمجھا جاتا ہے۔ مکتوب الیہم کے درجہ و مرتبہ کا خیال رکھ کر مناسب اسلوب بیان اختیار کرنا انشا کا بڑا نازک مسئلہ ہے۔ ان مکاتیب سے معلوم ہوتا ہے کہ قابل خان ان تمام صفات سے آراستہ تھے۔ ان کی تحریر کے وہ نمونے مندرجہ ذیل ہیں جن سے ان کی سلاست و پختگی عبارت ظاہر ہے۔ وہ صنایع و بدایع کا متکلفانہ التزام نہیں کرتے۔

"بعد گذارش مراسم عقیدت و اخلاص مرفوع ضمیر منیر و مشہود

خاطر خطیر می گردد کہ مژدۂ قدوم و نوید قرب حصول ملازمت آن مخدوم کہ منتہای متمنیات مخلصان تواند بود، ابواب

مسرت و شادمانی بروی روزگار این ذرهٔ حقیر کشوده نسایم این بشارت مشام آرزو مندان دریافت خدمت حضور موفورالسرور عطر آگیں ساختہ۔" ج ۲ ، ص ۹۰۹ -

خان رفیع مکان سعادت نشان المستغنی عن الالقاب۔ مشمول الطاف و عنایت نا متناہی اعلحضرت ظل الٰہی بوده ، معلوم نمایند۔"

ج - ص

—:o:—

داؤد عباسی

صیدالمراد فی قوانین الصیاد

اس کتاب کے مؤلف داؤد عباسی بن یار محمد ہیں ۔ حکومت کے نظم و نسق کے ساتھ ساتھ وہ علم و ادب سے بھی دلچسپی رکھتے تھے ۔ وہ مربی علوم و فنون اور فیاض تھے ۔ وہ شعر بھی کہہ لیتے تھے ۔ مقالات الشعرا میں ان کے ایک قصیدے کے چند اشعار منقول ہیں ۔

شکار اور شکاری جانوروں سے انھیں بڑا لگاؤ تھا ۔ انھوں نے شکاری جانوروں کے مزاج ، شکار کرنے کے طریق ، ان کی بیماریوں اور علاج کے متعلق ایرانیوں ، تورانیوں اور ہندوستانیوں کی کتابوں کا مطالعہ کیا ۔ ان کتابوں میں ابواب و فصول کی ترتیب بھی درست نہیں تھی ۔ فروع و اصول کے قوانین و ضوابط میں باقاعدگی نہ تھی ۔ وہ لکھتے ہیں کہ میں نے ارادہ کیا کہ ان کو نئے طریقے سے منظم کروں اور اپنے تجربات کا بھی اضافہ کروں تاکہ سابقہ متعدد و متفرق کتابوں سے بے نیاز ہو جائیں ۔ میں نے اس کتاب کا نام جوارحنامۂ امامیہ فی قوانین الصیاد رکھا ۔ کتاب اکتیس ابواب اور خاتمہ پر مشتمل ہے ۔ کتاب ڈی ۔ سی ۔ فیلٹ نے کلکتہ سے ۱۹۰۸ع میں حواشی کے ساتھ مرتب کر کے شایع کی بیرونی صفحے پر کتاب کا نام قوانین الصید از خدا یار خان عباسی لکھا ہے ۔ کتاب کے اندر صفحات کے بالائی حصے پر اس کا نام باز نامہ ، لکھا ہے ۔ دیباچے میں صفحہ XXII پر صیدالمراد فی قوانین الصیاد مرقوم ہے ۔

آغاز میں اس فن کے قدیم ماہرین اور ملوک و سلاطین کا مختصر ذکر ہے ۔ پہلے باب میں کیفیت صید و صیاد اور دوسرے میں عیب و ہنر

جانوراں کا بیان ہے۔ پھر جانوران کلال چشم اور سیاہ چشم کے احوال و کوائف اور ان کے معالجات کی تفصیل بتائی ہے۔ بعد کے ابواب میں کان آنکھ، گلا، پپوٹا، دل، جگر، معدہ، پر اور ٹانگوں کی بیماریوں کا حال درج ہے اور ان کے علاج کے نسخے لکھے ہیں۔ ہوا لگ جانے یا لو لگ جانے۔ سرد و خشک دوا کھانے کے بعد گرم کرنے۔ کمزور جانوروں کا موٹا کرنے کے بھی طریق بتائے گئے ہیں۔

ابواب متعدد فصلوں میں منقسم ہیں۔ خاتمے میں دو مقدمے ہیں۔ پہلے میں بلبل، طوطی اور جانوران باقی طرب اور دوسرے میں علاج امراض اسپاں کی تفصیل بتائی ہے۔

—:o:—

مرکز ادب وادی پشاور

سیاسی پس منظر

اورنگزیب کی وفات یعنی ۱۷۰۷ع میں وادی پشاور کا علاقہ صوبہ کابل میں شامل تھا اور پشاور میں نائب حاکم مقرر ہوتے تھے۔ خیبر پار کا علاقہ مخدوش تھا اور رسل و رسائل کے ذرائع محفوظ نہیں تھے۔ اورنگزیب کی وفات کے بعد بارہ سال کے عرصے میں تخت نشینی کے لیے تین جنگیں ہوئیں اور پانچ بادشاہ سریرآرائے سلطنت ہوئے۔ شاہ عالم، اورنگزیب کا بیٹا، پنجاب اور کابل کا گورنر تھا۔ اس نے جمرود کے مقام پر مرگ شہنشاہ کی خبر سنی تو آگرہ کی طرف دوران سفر میں وہ بہادر شاہ کے لقب سے بادشاہ بن بیٹھا۔ پانچ سال کے بعد پھر تخت نشینی کے لیے جھگڑے ہوئے۔ ۱۱۲۴ھ میں فرخ سیر کو کچھ عرصہ حکومت کو مستحکم کرنے کا موقع ملا لیکن سید برادران کی ریشہ دوانیوں سے وہ اندھا کر کے تخت سے اتار دیا گیا۔ ۱۱۳۱ھ سے ۱۱۶۱ھ تک محمد شاہ تخت تیموری پر متمکن ہوا، ۱۱۵۲/۱۷۳۹ء میں نادر شاہ افشار شاہ ایران نے حملہ کر کے کابل اور لاہور فتح کر لیا۔ پانی پت کی لڑائی میں مغل افواج کو شکست دے کر وہ دہلی میں فاتح کی حیثیت سے داخل ہوا۔ قتل و غارت کے بعد مال غنیمت لے کر واپس گیا۔ کابل کا مغل حاکم ایران کا نائب السلطنت ہو گیا۔ ۱۷۴۷ء میں نادر شاہ کے قتل کے بعد احمد شاہ درانی نے قندھار، کابل، غزنی، نواحی پشاور، سندھ، ڈیرہ جات اور ملتان کو الگ سلطنت قرار دیا اور اپنے نائبین حکومت مقرر کیے۔ کئی مرتبہ پنجاب پر بھی حملے کیے۔ ۱۷۶۱ء میں پانی پت کی لڑائی میں مرہٹہ اور مسلم افواج کو شکست دی۔ ۱۷۷۳ سے ۱۷۹۳ء تک تیمور شاہ حکمران رہا۔ بعد میں تیمور شاہ کے بیٹوں شاہ زمان، محمود شاہ اور شجاع الملک میں اقتدار حاصل کرنے

کے لیے جنگیں ہوتی رہیں ۔ ۱۷۹۳ء سے ۱۸۱۰ء تک بارک زئی سردار یار محمد اور سلطان محمد خان حکمران رہے ۔

۱۷۹۳ء میں تیمور شاہ اور سکھوں کا تصادم ہوا تھا اور سکھ پسپا ہوئے تھے ۔ ۱۸۱۸ء میں وہ مسلمانوں سے انتقام لینے کے لیے وادی سرحد میں آگے بڑھ آئے ۔ ۱۸۲۳ء میں عظیم خان نے کابل سے آکر سکھوں کو ہٹانے کی آخری کوشش کی لیکن اسے شکست ہوئی اور وہ خراج دینے پر رضامند ہوا ۔ آخر سکھوں نے پشاور پر قبضہ کر لیا اور اوی تابیل کو گورنر مقرر کیا گیا ۔

فارسی ادب

معلوم ہوتا ہے وادی پشاور میں حکومت کا کوئی ایسا مستقل مرکز قائم نہیں ہوا ، جہاں کوئی آزاد خود مختار حاکم و امیر ہو ۔ اس کا دربار ہو ۔ وہ زر و جواہر کا مالک ہو ۔ اس کے دربار سے شعرا وابستہ ہوں جو اس کی مدح میں قصاید لکھیں یا دوسری تقریبات پر منظومات یا قطعات تاریخ کہیں ۔ اس لیے اس قسم کا کوئی شاعر نظر نہیں آتا ۔ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ زیادہ تر شعرا پشتو میں شعر کہتے تھے اور ساتھ ذائقہ بدلنے کے لیے فارسی میں بھی کہہ لیتے تھے ۔ چنانچہ ہمیں صرف دو شعرا مل سکے ہیں جو صاحب دیوان ہیں ۔ ان کے کلام کا بیشتر حصہ پشتو میں ہے لیکن فارسی اشعار بھی دیوان کا جزو ہیں ۔ یہ شعرا معزاللہ مہمند اور مصری خان گگیانی ہیں ۔ تین چار اور شعرا کے نام ملے ہیں جو فارسی اشعار کہتے تھے لیکن تفصیل سے ان کے احوال و کوائف نہیں مل سکے ۔ ان کے صرف چند ایک شعر ملے ہیں ۔

عربی و فارسی چونکہ دینی زبان تھی ، اس لیے اس کا پڑھنا پڑھانا بھی ضروری تھا ۔ علما جو پڑھاتے تھے ، وہ مذہبی مسائل پر کتابیں بھی تالیف کرتے تھے اور درسی کتابوں پر شروح و حواشی بھی لکھتے تھے ۔ چنانچہ ان موضوعات پر چند کتابیں دستیاب ہوئی ہیں ۔

صوفیہ و اولیاء کے ساتھ عوام کا رابطہ رہا ہے۔ لوگ ان بزرگوں کی روحانیت سے متاثر ہو کر ان سے فیض حاصل کرتے رہے ہیں۔ ان بزرگوں نے سلوک و طریقت پر رسائل تصنیف کیے ہیں اور تاکہ ان کے ارادتمند ان کی تعلیمات سے مستفید ہو سکیں۔ اس عہد میں محمد غوث قادری اور محمد عمر چمکنی برآوردہ بزرگ ہوئے ہیں جنھوں نے ظاہر و باطن کو سنوارنے کے لیے دینی و روحانی موضوعات پر کتابیں تالیف کیں۔

ان متذکرہ صدر موضوعات کے علاوہ ریاض الملوک کے نام سے ایک اور کتاب تالیف ہوئی ہے جس میں جہانگیری اور جہانبانی کے اصول و قواعد پر بحث ہے اور سلاطین و حکام کی زندگی کے واقعات بیان کیے گئے ہیں۔

—:o:—

معزاللہ خان مہمند

معزاللہ قبیلۂ مہمند کی ایک ذیلی شاخ محب خیل یا مہیب خیل سے تعلق رکھتے تھے ۔ ان کا شجرۂ نسب یہ ہے :

محبت خان

آزاد خان

مستجاب خان

محمد خان

عبداللہ خان | محب اللہ خان | عبدالحق خان

حبیب اللہ خان | عزیز اللہ خان | معزاللہ خان | محسن خان | احمد خان

معزاللہ خان کے گاؤں کا نام کوٹلہ محسن خان ہے ۔ اس کا پہلا نام کوٹلہ مستجاب تھا ۔ معزاللہ کے بھائی محسن خان کے ارباب بننے پر اس کا نام کوٹلہ محسن خان مشہور ہوگیا ۔ عہد شاہجہان میں معزاللہ کے چچا محب اللہ اور باپ عبداللہ خان کو ارباب کا منصب عطا ہوا تھا ۔ اس خاندان کے افراد بعد کی حکومتوں یعنی سکھوں اور انگریزوں سے تعاون کرتے رہے ۔ ارباب خود ایک قسم کے نواب ہوتے تھے ۔ وہ اپنے علاقوں کا آبیانہ اور لگان اکٹھا کرتے تھے ۔ دیوانی اور دوسرے نجی جھگڑوں کا فیصلہ کرتے تھے ۔ آج تک ارباب کے حجروں کو سرکار کے نام سے پکارا

جاتا ہے ۔ حبیب اللہ اور ان کے بیٹے ارباب کے منصب پر سرفراز رہے لیکن معزاللہ اور عزیزاللہ اس منصب سے محروم رہے ۔

معزاللہ کا سال پیدائش اور سال وفات معلوم نہیں ۔ ایک دستاویز کی رو سے معزاللہ ۱۱۶۷ھ تک زندہ تھے ۔ یہ تحریر جو اس کے بھائی حبیب اللہ خان نے لکھی تھی ، اس میں تینوں بھائیوں کا ذکر ہے ۔ معزاللہ خان نے ایک پشتو غزل عبداللہ خٹک (م - ۱۰۱۲ھ) کے جواب میں لکھی تھی ۔ اس میں خوشحال خان خٹک کے اشعار کا بھی ذکر ہے ۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس وقت خوشحال خان (م - ۱۱۰۰ھ) تک زندہ تھے ۔ قیاس ہے کہ معزاللہ اس وقت بیس پچیس سالہ جوان تو ہوں گے ۔

معزاللہ یقیناً ایک عالم اور صوفی مشرب تھے ۔ شیخ احمد سرہندی سے انھیں خاص لگاؤ تھا ۔ چنانچہ کوٹلہ محسن خان میں دیوان معزاللہ کی حویلی کا دروازہ سرہند کے دروازے کے نمونے پر بنایا گیا تھا جو اب بھی موجود ہے ۔

دیوان :

پشتو اکیڈیمی پشاور کے اہتمام سے معزاللہ کا دیوان ۱۹۵۸ء میں شایع ہوا تھا ۔ یہ ان کے پشتو ، فارسی اور اردو کلام پر مشتمل ہے ۔ دیوان کا قلمی نسخہ معزاللہ نے خود ۱۱۵۹ھ میں مرتب کیا تھا ۔ بعد میں تصحیح و اصلاح کے بعد ۱۱۶۱ھ میں مکمل کیا ۔ اس نسخے پر معزاللہ کی مہر بھی موجود ہے ۔ اس دیوان کا ایک نسخہ برٹش میوزیم میں بھی موجود ہے ۔ ہمیش خلیل نے ایک اور نسخے کی مدد سے دیوان مرتب کر کے جہانگیر پورہ سے شایع کیا تھا ۔

فارسی کلام صفحہ ۱۱۹ سے ۱۶۳ تک محیط ہے ۔ اس میں ۹۱ غزلیں اور ۳ مخمس ہیں ۔ معزاللہ فارسی میں افغان تخلص کرتے تھے ۔

شاعری

معزاللہ ارباب کے بیٹے تھے۔ بڑی حویلیوں میں رہتے تھے۔ سرکار و رعایا میں عزت تھی۔ اس لیے خیال ہے کہ امیرانہ زندگی بسر کرتے ہوں گے لیکن ان کے کلام سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ درویش کی زندگی بسر کرتے تھے۔ عزلت و انزوا اور عجز و افتادگی کو پسند کرتے تھے۔ دنیا سے بے گانہ رہنا اور ہوا و ہوس سے بچنا چاہتے تھے۔ اپنے آپ کو مٹا کر اور دوسروں سے علاقہ توڑ کر محبوب حقیقی کا وصال چاہتے تھے۔ اس میں ان کی کامیابی اور بامرادی تھی۔ انھوں نے اپنے ان خیالات کو سادہ اور پر سوز انداز میں پر تاثیر تمثیلوں کے ساتھ بیان کیا ہے۔ مثلاً یہ اشعار دیکھیے :

تا نکردی نیست ہستی تا ابد حاصل کجاست
یافتن آسان نباشد گنج این ویرانہ را

بستہ ای در دہر بی بنیاد محکم دل چرا
بر سر رہ کردہ ای راہرو منزل چرا

خویش را معدوم کن دروی اگر خواہی وصال
بحر گردد قطرہ ای با بحر چون واصل شود

در گلشن مراد چو باد سحر رسد
ہر آنکسں کہ بگذرد از آرزوی خویش

جز متاع خاکساری نیست در بازار ما

معز اللہ کا دل یاد الٰہی میں بسا ہوا ہے ۔ انھیں عاشق کی دردمندی حاصل ہے ۔ وہ فراق یار میں آنسو بہا کر لذت حاصل کرتے ہیں :

دیدہ گریان دل پر سوز زبانم خاموش
غم ہجران تو جانانہ چہا کرد مرا

شعلۂ طور است پنہان در دل پر درد ما

سیرود موج سرشکم بگریبان افغان
خانۂ صبر مرا بر سر دریای ہست

بحسن وخوبی مہ منیری دلبریہا تو بینظیری
فتادگان را تو دستگیری بگیر دست من گدا را

ہر طرف مرا افغان در نظر خیال اوست
ہمچو خواب از مردم در دو دیدہ پنہان است

نبض من بر نام او چون می طپد در عشق او

وہ ہر دم خیال یار میں مگن رہتے ہیں ۔ جلوۂ محبوب سے ان کا دل منور ہے ۔

ہر طرف مرا افغان در نظر خیال اوست
ہمچو خواب از مردم در دو دیدہ پنہان است

دیده در آئینهٔ دل رخ زیبای توام
از خیال تو مرا سینه مصفای هست

وہ اپنی درویشانہ زندگی میں دل و دماغ کی خوبیوں سے آراستہ ہوئے اور انھوں نے زندگی کے تجربے بھی حاصل کیے۔ وہ دوسروں کو بھی اچھی نصیحتیں کرتے ہیں تاکہ وہ بھی اپنے دل و دماغ کو سنوار سکیں۔

نصیحتی کنمت یاد گیر و سہو مکن
بہ عیب پوشی مردم بکوش و عریان باش

بر سر رہ خفتہ ای عزم سفر داری بدل
خواب غفلت تابکی بر خیز کای محمل رسید

از قضا مگریز افغان در رضا کوشیدہ باش
می شود آسان ز فضل حق اگر مشکل رسید

ع چون عمل نیست از بیفائدہ گفتار چہ سود

ہر چہ میگیریم از عالم بعالم میدہیم
ہمچو ابر افغان سراپا لطف و احسانیم ما

معز اللہ نے کہیں کہیں اپنے زمانے میں لوگوں کی پریشان روزگاری اور زمانے کی نا امنی کا بھی ذکر کیا ہے۔ مثلاً:

ع روز و شب دارد پریشان دل غم نان خلق را

بنگر افغان کہ چہ غم میگزرد بر دل ما
ہر یکی دشمن ما در رہ ما خونریز است

ان کی غزلوں میں روایتی غزل کے مضامین بہت کم ہیں ۔ کہیں کہیں روایتی مضمون باندھا ہے ۔ مثلاً گالیاں کھا کر بے مزہ نہ ہوا ۔

تلخی گفتن دشنام تو قند آمیز است

پاکبازوں کے ہاں شراب کا کیا گزر مگر ساقی سے شراب کی فرمائش کی ہے ۔

بدہ ساقی بمن جام شراب پرتگالی را
جز متاع خاکساری نیست در بازار ما

خواہی کہ زہد عشق میسر شود ترا
تسبیح خویش رہن کن و بادہ نوش کن

ما روزہ نمازم نبود کار کہ ما را
می نوشی و پابوسی خم روزہ نماز است

سعد اللہ غزل میں حافظ ، صائب ، طالب اور ناصر علی کا تتبع کرتے ہیں ۔ جا بجا ان کی بحروں میں غزلیں لکھی ہیں ۔ گویا قدرت کلام دکھانے کے لیے ان کی غزلوں کا جواب لکھا ہے لیکن ان کی بلند پایگی کے قائل ہیں ۔

این جواب آن غزل افغان کہ ناصر گفتہ است

جواب آن غزل گویم کہ طالب گفتہ است

جواب صائب شیرین کلام کرد افغان

انھوں نے صائب ، کلیم اور ناصر کے اسلوب میں شیوۂ تمثیل کو بھی اپنایا ہے اور اپنے خیالات و افکار کی وضاحت میں اچھی اچھی خیال افروز اور فکر انگیز مثالیں پیش کی ہیں ، مثلاً :

تابکی در سینہ پنہان داشت دود آہ را
شعلہ چون بالا شود طاقت نماند کاہ را

می رود موج سرشکم بگریبان افغان
خانۂ صبر مرا بر سر دریای ہست

باریک اندیشی اور مضمون آفرینی بھی شیوۂ نگارش رہا ہے ۔ معز اللہ نے بھی اپنے تخیل کے مطابق کہیں کہیں اس روش کو اپنایا ہے ۔ عموماً وہ دقت پسند نہیں ہیں ۔ اس قسم کی دو مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں :

گر خیال روی او بی پردہ آید سوی دل
ما بہ جاروب مژہ روبیم خاک راہ را

ز مشرق شیشہ طالع گشت ساقی آفتاب می
بنور او فروغی دہ شب تاریک ہجران را

——:o:——

مصری خان گگیانی[1]

مصری خان کی زندگی کے احوال و کوائف کے متعلق بہت کم معلومات حاصل ہوتی ہیں۔ اس کے دیوان میں داخلی حوالوں سے کچھ معلومات اخذ کی جا سکی ہیں۔ وہ اپنا تخلص مصر، مصری اور کبھی گگیانی کرتے ہیں۔ وہ اپنے آپ کو اہل سنت و جماعت سے شمار کرتے ہیں۔ لیکن ساتھ ہی آل پیغمبر سے محبت کا اظہار کیا ہے۔ شیخ عبدالقادر جیلانی کو غوث اعظم اور پیر ہدی کہتے ہیں۔ وہ سیر و سیاحت کے بھی رسیا تھے۔ ہند دکن گنگا جمنا کے سواحل کا ذکر کیا ہے اور راستے کی دشواریوں کی طرف اشارہ کیا ہے۔ مصری خان نے اورنگزیب، بہادر شاہ اور فرخ سیر کا زمانہ ضرور پایا۔ ۱۱۱۴ھ میں انھوں نے محمد مراد خان کی کسی جنگ کا حال ایک قصیدے میں بیان کیا ہے۔ ۱۱۲۷ھ کسی مرزا ساہم بیگ کی تاخت و تاراج کا حال قلم بند کیا ہے اور اس سال کسی سفر میں اپنی پریشان حالی کا ذکر کیا ہے۔ شعرا میں اپنے معاصر نعمت خان عالی، خوشحال خان، حمید اور رحمان بابا کا بھی ذکر کیا ہے۔ وہ کسی ارباب کے منشی بھی تھے۔

که هستم منشی ارباب مرحوم
که دولت خواہیش مہر الخلا بود

گمان غالب ہے کہ مصری خان پشاور میں قیام پذیر تھے اور یہیں پیوند خاک ہوئے ہوں کیونکہ انھوں نے مناجات کے سر عنوان نثر میں درخواست کی ہے کہ چند اشعار پشاور میں پتھر پر کھدوا کر وہ پتھر میری قبر پر لگوایا جائے۔

۱۔ دیوان مصری خان گگیانی، پشاور، ۱۹۵۹، دیباچہ از خیال بخاری۔

اس مناجات کا آخری شعر یہ ہے :

روی مصر بباب رحمت شوی
کہ زبس معصیت سیہ فام است

مصری خان کا پشتو و فارسی دیوان ۱۹۵۹ء میں پشتو اکیڈیمی پشاور کی طرف سے شایع ہو چکا ہے۔ خیال بخاری نے تصحیح و ترتیب دیا اور اس پر مقدمہ لکھا۔ کل ۲۳۸ صفحات ہیں، جن میں ۱۸۹ سے ۲۳۸ تک فارسی کلام ہے۔ ۱۹۸ سے ۲۰۹ تک غزلیات ہیں اور ۲۱۲ سے ۲۳۸ تک قصاید، قطعات اور متفرقات ہیں۔

غزلیات میں کچھ تو ہجر و وصال کے روایتی مضامین ہیں۔ زاہد و واعظ پر بھی چوٹیں ہیں اور بادہ و مینا کے بھی مضامین ہیں۔ عشق کے متعلق ان کا نظریہ بڑا جاندار ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ جس میں عشق نہیں، وہ مردہ ہے۔ عشق آسان کام نہیں۔ یہ بڑا جان جوکھوں کا کام ہے۔ عشق کا سزاوار وہی ہے جو آگ کی بھٹی میں جلنے کا دم خم رکھتا ہو۔ ان کی زبانی ان کے خیالات سنیے۔

ہر دل کہ در و تاب و تب عشق نباشد
در مذہب عشاق برو مرگ روا دے

ای مصر کی رسد دل شیدا بکام خویش
در راہ عاشقی کہ کسی سست گم شد

سایہ پروردہ کجا و تاب گر میہای عشق
جز سمندر دیگری کی خانہ در اخگر کند

مصری خان عالی ظرف ، بلند ہمت ، قانع اور آزادی خواہ تھے ۔ روٹی کے لیے کسی کے سامنے ہاتھ پھیلانا انہیں سخت ناگوار تھا ۔ ان کا خیال تھا ۔ 'کمینہ اشخاص سے روٹی مانگنا آدمی کو کتے سے بھی کمتر بنا دیتا ہے ۔ اگر انسان ایک دروازے پر نظر رکھے تو وہ ہزاروں دروازوں سے بے نیاز ہو جاتا ہے ۔

نمی خواہم زر و مالی کہ از من آبرو کاہد
غنیمت دانمش کز نیم نانی در حیا یابم

ملک آزادی عجب ملکیست چون آید بدست
ہریک نان منت دونان ز سگ کمتر کند

از گدائی ھای ہر در مخلصی یابد گدا
شاہ گردد بر جہان گر روی بر یک در کند
ھمتم ملک سکندر نمی گیرد بخس
این فراغتہای من کی شاہ بحر و بر کند

شعرا عموماً اجرام فلکی کے سعد و نحس پر یقین رکھتے ہیں ۔ گردش افلاک کا گلہ کرتے ہیں ۔ مصری خان اس کے برعکس اظہار خیال کرتے ہیں ۔ ان کا عقیدہ ہے جو ستاروں پر بھروسا کرتا ہے عروج کے بجائے اسے زوال آتا ہے :

از عروج آید بمنزل از شرف اندر ہبوط
ہر کہ او تفویض کار خویش بر اختر کند

مصری خان نے کہیں کہیں اپنے زمانے کے معاشرے پر بھی تبصرہ کیا ہے ۔ ان کی نگاہ میں انسانوں کی قدر و منزلت نہیں ۔ نا قدری کا عالم ہے ۔ امن و امان نہیں ۔ وہ کہتے ہیں ۔

ای مصر از جفای خلق مثال
دیو دد ماند و رفت آدمیان

زمانه گاو خر را مست میدارد بشیر خود
نصیب آدمی جز زہر در شربت نمی یابم

فارسی کلام میں دو قصاید ایسے ہیں جن کے سرعنوان ممدوحین کے نام مذکور ہیں ۔ محمد مراد خان اور مرزا غازی بیگ پسر چین بلوچ خان ۔ محمد مراد کے متعلق لکھا ہے :

بژبر و فرد و شہی پر دلاں دقیقہ شناس
دریں زمانہ محمد مراد را پندار

مرزا غازی کی بہادری اور جنگی قابلیت کی تعریف کی ہے اور اس کی آمد پر مسرت کا اظہار کیا ہے :

چرا چون بلبل اندر وصف او خوشدل نباشم مست
کہ غازی چون بہار اندر بہارم در دیار آمد

معصری خان کا فارسی کلام پختہ ہے ۔ لفظوں کا در و بست استوار ہے ۔ کہیں کہیں تجنیسات اور ایہام سے بھی کام لیا ہے ۔ بحور بھی پر آہنگ اور لطیف ہیں ۔ تخیل واضح ہے ۔ جذبات میں خلوص ہے ۔ انہوں نے اپنے کلام کو نغز گفتار اور فنون شعری سے آراستہ کیا ہے :

گر ندارم سیم و زر اندوہ نیست
معصر را این نغز گفتار است بس

عروس فن خود آراستم بہ زینت و زیب
توان کہ عاشق معنی در آردش بکنار

ایک اور جگہ پر اپنے کلام کی خوبی بیان کی ہے لیکن ساتھ ہی یہ بھی بتایا ہے کہ اس کے سمجھنے اور پہچاننے کے لیے ایک دقیقہ شناس کی ضرورت ہے :

بیت من ہر یکی است رمز تمام
فرد من ہر یکی شدہ فن تم
لیک باید دقیقہ دان مردی
مدرک شعر و برفنش اعلم
من غلام مزاج نکتہ شناس
نہ بہ دینار بندہ نی بہ درم
شعر من ہمچو من زطمع بری است
صمدی مجتنب بود ز صنم

—— :o: ——

دیگر شعراء

شیخ صدر الدین پشاوری[1]

کشن چند اخلاص نے لکھا ہے کہ وہ سلسلۂ قادریہ سے تعلق رکھتے تھے ۔ طالب علم قسم کے آدمی تھے ۔ عالم شعر سے انھیں کوئی لگاؤ نہیں تھا ۔ انھیں کچھ عرصہ میرزا بیدل کی صحبت میسر آئی ۔ انھی کی ہم نشینی سے انھیں رباعی کہنے کا ملکہ ہوا ۔ خوب پختہ کہتے تھے ۔ ان کی دو رعیاں یہ ہیں :

گر مرا بخویش جامعیت انشاست
بی زن این معنیش چو لفظ بی جاست
در نسخہ کائنات حادث مضمون
آدم نصفی و نصفی دیگر حواست

صفت پاکان کہ خلق خاص باریست
از نسبت جنس پوچ محو زاریست
زین شرم کہ با شراب تہمت زدہ است
دایم عرق جبین دریا جاریست

---

۱ - ہمیشہ بہار ، کشن چند اخلاص ، مرتبہ ڈاکٹر وحید قریشی ، مطبوعہ مجلہ اردو سہ ماہی جنوری ۱۹۶۸ ، ص ۱۴۴ - مخزن الغرائب ، ۱۹۶ - سفینۂ خوشگو ، بندرابن داس ، مرتبہ شاہ محمد عطاء الرحمن ، پٹنہ ، ۱۹۵۹ ، ص ۲۶۵ ۔

عابد پشاوری[1]

حج کو جا رہے تھے کہ ٹھٹہ میں انتقال کر گئے۔
ان کا ایک شعر یہ ہے:

ہرچہ خواہی ازین جہان برگیر
کہ قیامت فزون و کم نکند

عزیز پشاوری[2]

قانع لکھتے ہیں کہ حج بیت اللہ سے واپس وطن جا رہے تھے۔ ایک دوست کی زبانی جو ان کا ہم سفر تھا، ان کے اشعار سننے کا اتفاق ہوا۔ اشعار سلیس اور بے تکلف معلوم ہوئے۔

صرف ایک شعر یاد رہ گیا ہے:

همین دلیل بر آسایش عدم دارم
کہ باز آمدن کس نمی شود زانجا

آگاہ، شیخ محمد صلاح معروف بہ محمد کاظم[3]

شیخ صدر الدین محمد پشاوری کے بیٹے تھے۔ صاحب علم و صاحب استعداد تھے۔ اچھے شعر کہتے تھے۔ معنی یاب خان شاعر سے گہرے

۱۔ مقالات الشعراء، علی شیر قانع، مرتبہ سید حسام الدین راشدی، کراچی، ص ۳۸۲۔ ۲۔ ایضاً ص ۳۹۰۔ ۳۔ سفینۂ خوشگو مذکورہ، ص ۶۵-۲۶۶۔

مراسم تھے - غلام محی الدین خان بیوتات کے نائب تھے - خوشگو لکھتے ہیں کہ "بسیار رنگین طبع و خوش فکر و معنی تلاش و گرم جوش و مہربان" ہے - کسی بزرگ کی معنوی تربیت سے کمال حاصل کیا -

ان کے چند اشعار یہ ہیں :

تا نقشی ازان زلف سیہ فام کشیدم
ہر جا دلی کہ بود باین دام کشیدم

دل را طپش شوق تو پرواز دگر داد
تا خون کبوتر بلب بام کشیدم

تا محو خیال دہنت گشت دل من
خود را بہ پس پردۂ اوہام کشیدم

گر دست کشیدی تو ز من شکوہ ندارم
من پای خود از کوی تو خودکام کشیدم

رفتم بخیال سر زلف کسی آگاہ
تصویر پریشانی ایام کشیدم

چو بعد عمر بسوی تو چشم باز کنم
کمان حلقۂ قد دوتا نیاز کنم

گیرد بہ بغل تنگ تر ہر کہ بخواہد
از بسکہ تو چون شیشۂ می پنبہ دہانی

ہر کس کہ بہ ذم شاعران دارد خو
دستش بقفا بہ بند مانند سبو

گویم بتو گر ز اعتادم پرسی
بر دشمن اہل بیت جز لعن مگو

نظام خان معجز[1]

پشاور کے رہنے والے تھے ۔ عبداللطیف خان تنہا کے شاگرد ۔ استادانہ شعر کہتے تھے لیکن دور از کار عالم خیال سے بات لاتے تھے ۔ دیوان ترتیب دیا تھا ۔ اس میں دس ہزار اشعار تھے۔ خوشگو بتاتے ہیں ۔ ایک دفعہ مشاعرہ میں ان سے شعر کہنے کی فرمایش کی گئی ۔ انھوں نے اپنا دیوان لا کر رکھ دیا کہ پڑھیے اور لطف اٹھائیے۔ دماغ اتنا کہ خود پڑھنا گوارا نہ کیا ۔

ایک دفعہ مرزا بیدل کی طرحی غزل پر یہ شعر نکلا ۔ سب نے پسند کیا :

شب چشم نیم مستی وا شد بہ خواب نیمی
در دست فتنہ دادند جام شراب نیمی

معجز نے فرخ سیر کے عہد پر آشوب کے متعلق یہ رباعی لکھی ہے :

دہقان فلک تخم چہا افشانده است
امسال ہمہ قلبہ بجا رانده است
سلطان جہان بزیر و پاجی بالا
در زیر و بر شدن چہ باقی مانده است

——:o:——

۱ ۔ سفینۂ خوشگو ، ص ۳۴۸ ۰ ۳۴۹ ۔

محمد غوث قادری پشاوری ثم لاہوری

حضرت محمد غوث نے اپنے رسالہ "اسرار طریقت" کی آخری فصل میں اپنے والد اور اپنے متعلق احوال و کوائف بیان کیے ہیں ۔ ان خود نوشت حالات سے بڑھ کر اور مستند معلومات کیا ہو سکتی ہیں ۔ اس لیے ہم یہاں انھی کا خلاصہ پیش کرتے ہیں :

محمد غوث کے دادا سید عبداللہ ٹھٹھ میں مقیم ہوئے ۔ (ان کا سلسلۂ نسب حضرت عبدالقادر جیلانی سے جا ملتا ہے ۔ "اسرازالطریقت" میں ان کا شجرہ نسب دیا گیا ہے ۔) وہیں شادی کی ۔ ان کے والد سید حسن وہیں پیدا ہوئے ۔ وہیں تعلیم حاصل کی ۔ بعد میں ریاضت و سیاحت کے بعد پشاور میں آئے ۔ سید عباس کی بہن سے شادی کی ۔ وہ سید علی ترمذی اور سید علی ہمدانی سے نسبت رکھتے تھے ۔ محمد غوث پشاور میں ۱۰۸۸ھ کو پیدا ہوئے ۔ وہ سات سال کی عمر تک قاصر الفہم تھے ۔ قرآن مجید حفظ نہیں ہوتا تھا ۔ ابتدائی کتابیں والد ماجد سے پڑھیں ۔ فقہ و اصول کی مشہور کتابیں ، تلویح اور توضیح ، اخوند میاں محمد نعیم سے پڑھیں ۔ مولانا جان محمد کلاں سے علم حدیث پڑھا اور اجازت حاصل کی ۔[1] پیر دستگیر کی بارگاہ میں عرض کرنے سے اللہ کا کرم ہوا ۔ اٹھارہ سال کی عمر میں کتب متداولہ کی تحصیل سے فارغ ہوئے ۔ مطول کو چھ مہینوں میں پڑھا ۔ طلب حق میں غلبہ دیکھ کر ان کے والد نے طریقۂ قادریہ میں ان کی بیعت قبول کر لی ۔ شغل و ذکر بتا کر خلوت میں بٹھایا ۔ چار اربعین ان کے حضور میں گزارے ۔ پانچ سال تک عزلت میں بیٹھے ۔ ذکر لسانی جہریہ و خفیہ اور

---

۱ ۔ روحانی رابطہ ، عبدالحکیم ، باجوڑ ، ۱۹۷۱ ، ۶۹۹-۷۱۷ ۔

ذکر قلبی و مراقبات کیے ۔ چھ سال کے بعد اجازت نامہ لکھ کر دیا گیا ۔ ۱۱۱۵ھ میں والد انتقال کر گئے ۔

محمد غوث مشایخ و فقراء کی خدمت میں حاضر ہوتے اور ان کی صحبتوں میں فیضیاب ہوتے ۔ انھوں نے بتایا ہے کہ میں نے شیخ یحیٰی اٹکی کی صحبت سے ذکر قلب و طریقۂ حبس کی ابتدائی باتیں حاصل کیں ۔ وہ چار سانسوں میں ، کبھی دو سانسوں میں ، رات گزار دیتے تھے ۔ عشاء کے وضو سے نماز تہجد اور نماز فجر ادا کرتے تھے ۔ وہ اٹک میں میاں نور محمد کی خدمت میں بارہا گئے ۔ وہ جس کی طرف توجہ کرتے ، وہ صاحب جلال ہو جاتا ۔ شاہ محمد فاضل درویش بھی اٹک میں تھے ان سے بھی صحبتیں رہیں ۔ ایک صاحب شاہ زندہ فقیر تھے ۔ چالیس سال تک انھوں نے پیشاب پاخانہ نہیں کیا تھا ۔ ان سے بھی فیض حاصل کیا ۔ کابل کے پرگنوں میں سے جلال آباد کے قریب ایک جگہ محمود کا مہ ہے ، وہاں کے اخوند محمد نعیم کی خدمت میں دس ماہ رہ کر کتاب تلویح و توضیح پڑھی ۔ وہ علم ظاہر و باطن میں کمال رکھتے تھے ۔ انھوں نے اپنا طریقۂ سلوک بتایا ۔ ایک مرتبہ شاہد حسین نامی شافعی المذہب مرتاض پکھلی سے پشاور آئے ۔ وہ ذکر جہری اور اوراد زبانی میں مشغول رہتے تھے ۔ ان کی مجلس سماع میں رقت قلب طاری ہوتی تھی ۔ شاہ چراغ پوٹھوہار سے پشاور آئے ۔ وہ دعوت اسماء اور شغل قلب میں محو رہتے تھے ۔ محمد غوث ان کی خدمت میں حاضر ہوتے رہے ۔ راولپنڈی میں شاہ لطیف نامی مجذوب صاحب کشف تھے ، ان سے بہت سی خارق عادت باتیں ہوتی تھیں ۔ محمد غوث بتاتے ہیں کہ میں کئی مرتبہ ان کی خدمت میں حاضر ہوا ۔ انھوں نے توجہ باطن بھی کی لیکن ایک روز کے بعد اثر زائل ہوگیا ۔

حضرت غوث نے فقرا کی زیارت کے لیے دور دراز کے سفر کیے ۔ گجرات میں نوشہر نامی گاؤں ہے ، وہاں صد سالہ شیخ پیر محمد تھے ۔ وہ حاجی گلکوی کے مرید تھے ۔ صاحب نظر تھے ۔ ان کے دیکھتے ہی حرارت ،

ذکر قلب اور گریہ و حال پیدا ہو جاتا ۔ محمد غوث بتاتے ہیں کہ میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا ۔ وہ باغ میں بیٹھے تھے ۔ ایک خادم پاؤں مل رہا تھا ۔ میں نے بھی پاؤں ملنا شروع کیا ۔ انہوں نے پوچھا ۔ یہ دوسرا آدمی کون ہے کہ اس کے ہاتھ سے آواز ذکر سنائی دیتی ہے ۔ تین دن تک انہوں نے مجھے اپنے پاس ٹھہرایا ۔ میرے منہ میں لقمہ ڈالا ۔ مجھے تاقین ، چادر اور اجازت نامہ دیا لیکن دو تین دن کے بعد وہ جذبہ غالب نہ رہا ۔

تحقیقات چشتی میں لکھا ہے کہ انہوں نے گجرات میں شاہ دولا سے ملاقات کی لیکن یہ ممکن نہیں کیونکہ شاہ دولا تو ۱۰۸۵ھ میں وفات پا چکے تھے ۔ کنجاہ میں میاں جعفر نامی بزرگ سے بھی ملاقات کی ۔ انہوں نے حبس دم میں بہت ریاضت کی تھی ۔ غوث بتاتے ہیں کہ میں نے بھی چالیس روز تک ان ریاضتوں پر عمل کیا ۔

لاہور میں میاں میر اور پیر ہجویری کے مقابر پر حاضر ہوئے ۔ لاہور میں منڈی فالیز آباد میں میاں جان محمد بزرگ تھے مرتاض و محدث ۔ دعوت اسماء میں تاثیر رکھتے تھے ۔ ایک اور میاں جان محمد قصاب پورہ میں تھے ۔ ان سے بھی ملاقاتیں کیں ۔ میاں نور محمد مدقق فاضل اجل و زاہد و متوکل و مرتاض تھے ۔ ایک ماہ تک ان کی صحبت میں رہے ۔ انہوں نے بھی اشغال باطنی بتائے ۔

پشاور کے قریب لنڈی میں شیخ احمد نامی مرتاض ، متقی ، موحد بزرگ تھے ۔ انہوں نے چالیس سال عزلت میں گزارے تھے ۔ ان کے خادم ہمیشہ کلمۂ طیبہ کے ذکر میں مشغول رہتے تھے ۔ محمد غوث اکثر ان کی خدمت میں جاتے اور نصیحتیں سنتے ۔

کچھ عرصہ کے بعد محمد غوث نے سنا کہ گجرات میں حاجی گلگوی کے پوتوں میں سے میاں عصمت اللہ مرد مؤثر اور صاحب جذبہ ہیں ۔ وہ پشاور سے گجرات گئے ۔ انہوں نے دیکھا کہ وقت سماع ، رقت قلب و گریہ

طاری ہوتا ہے ۔ ان پر بھی رقت و درد کی حالت طاری ہوئی ۔ حضرت غوث بتاتے ہیں کہ ایک سال کے بعد جب میں دوبارہ ان کی خدمت میں حاضر ہوا تو سماع کے وقت وہی حالت طاری ہوئی ۔

شاہجہان آباد میں شیخ محمد چشتی اور شیخ کلیم اللہ چشتی سے ملاقاتیں ہوئیں ۔ مؤخرالذکر نے اپنی تصنیف نقات عنایت کی ۔

سرہند کے نواح میں سید بھیک چشتی معمر و مجرد کی خدمت میں چند دن گزار کر بعض اذکار چشتیہ ان سے سیکھے ۔ ذکر سہ پایہ ہشت رکنی اور شغل محمود ان سے حاصل کیا ۔ شیخ احمد سرہندی کے پوتوں میں سے میاں صبغتہ اللہ اور ان کی اولاد میں سے میاں عبدالاحد سے ملاقات ہوئی ۔ وہ دادا کے مزار کے سامنے لے جا کر توجہ کرتے تھے ۔ محمد غوث کہتے ہیں کہ میں نے ان کی صحبت سے بڑا اثر قبول کیا ۔ رخصت کے وقت میاں عبدالاحد نے معجزات نبوی پر اپنی تصنیف عنایت کی ۔

لاہور میں قریہ سیام چوراسی میں نقشبندی طریقہ کے نو مسلم بزرگ شیخ عبدالنبی رہتے تھے ۔ وہ لاہور آئے تھے ۔ وہ دائم الشغل ، کثیرالصمت اور مؤثر تھے ۔ ان کی مجلس میں کوئی نہیں بولتا تھا ۔ محمد غوث نے ان سے کئی مرتبہ ملاقات کی ۔ ان کی توجہ سے بے خودی و بیباکی کا غلبہ ہوتا تھا ۔ انہوں نے ذکر و شغل کی اجازت بھی دی ۔

محمد غوث سکندرہ (آگرہ) گئے ۔ وہاں شاہ مشتاق مجذوب سے ملاقات ہوئی ۔ وہ ہمیشہ لیٹے رہتے تھے ۔ مہینہ آدھ مہینہ کے بعد اٹھتے تھے ۔ بہت تھوڑا کھاتے پیتے تھے ۔ دائم الاستغراق اور دائم السکر رہتے تھے ۔ کبھی کبھی مجذوبوں کی طرح باتیں کرتے تھے ۔ غوث فرماتے ہیں کہ مجھ پر ان کے جذب باطن کا اثر نہ ہوا ۔

میر سید یداللہ متوطن شاہجہان آباد حضرت سید گیسو دراز کی اولاد میں سے تھے ۔ بہادر شاہ کی ملازمت میں تھے ۔ وہ پشاور میں آئے ۔

عالم تصوف اور حقائق و معارف کے بیان میں ماہر تھے۔ ان کے پاس فصوص الحکم اور فتوحات مکیہ تھیں۔ ایک اور مرد درویش شیخ محمد اعظم سپاہیانہ زندگی گزارتے تھے۔ وہ بھی کتب تصوف میں مہارت رکھتے تھے۔ محمد غوث ان بزرگوں سے فصوص کے مشتبہ مقام سمجھتے تھے۔ وہ لکھتے ہیں کہ دو نکتوں کے متعلق تشفی نہ ہوئی۔ ۱۔ تحقیق وجود مطلق و کیفیت صدور کثرت ازو۔ ۲۔ خاتم الانبیاء ہم در مرتبہ ولایت اخذ از خاتم الاولیاء میکند۔ آخر ایک رات ابن عربی، صدرالدین قونوی اور مولوی جامی کو خواب میں دیکھا۔ انھوں نے یہ دونوں مسائل اچھی طرح سمجھا دیے۔ محمد غوث بتاتے ہیں کہ میں نے اسی موضوع سے متعلق ایک رسالہ "اسرارالتوحید" کے نام سے عربی میں اور دو رسالے فارسی میں لکھے۔

محمد غوث لاہور میں ۱۷ ربیع الاول ۱۱۵۲ھ کو فوت ہوئے۔ تحقیقات چشتی کے مؤلف لکھتے ہیں کہ غلام سرور مصنف خزینۃ الاصفیاء نے انھیں قطعہ تاریخ لکھ کر دیا جس سے سال وفات ۱۱۷۷ھ نکلتا ہے۔ لیکن خود غلام سرور نے "خزینۃ الاصفیاء" میں "عارف مخدوم سالک" سے ۱۱۵۲ھ سال وفات نکالا ہے۔ محمد دین فوق نے "یاد رفتگان" میں سال وفات ۱۱۷۷ھ دیا ہے جو صحیح نہیں۔

آپ کے خلفاء میں سے مندرجہ ذیل نامور ہوئے[1]:

۱۔ حافظ محمد صدیق لاہوری۔

۲۔ قاضی محمد غوث پشاوری۔

۳۔ شیخ وجیہہ الدین المعروف بہ پیر زھدی (مزنگ لاہور)۔

۱۔ روحانی رابطہ۔ ص ۷۰۸۔

۴ - شاہ غلام بن سید محمد عابدبن شاہ محمد غوث -

۵ - اخوند زادہ عبدالخالق قصوری -

تصانیف

۱ - اسرارالطریقت -

۲ - شرح غوثیہ ، صحیح بخاری کی مفصل شرح - بڑی تقطیع کے ایک ہزار صفحات پر مشتمل ہے - یہ پہلے تین حصوں کی شرح ہے - اس کا ایک خطی نسخہ پشاور یونیورسٹی لائبریری میں موجود ہے - تالیف ۱۱۳۱ھ -

۳ - رسالہ اصول حدیث (عربی) -

۴ - رسالہ در بیان کسب سلوک و بیان طریقت و حقیقت - یہ اصل میں اسرار الطریقت ہے - اس کا اردو ترجمہ لاہور میں اسرارالطریقتہ کے نام سے شایع ہو چکا ہے لیکن نا مکمل ہے - اس میں صفحہ ۳۱ سے لے کر ۳۹ تک کا مضمون حضرت محمد غوث گوالیاری کی کتاب سے ماخوذ ہے - (تذکرۂ مشایخ قادریہ حسینیہ مؤلفہ محمد امیر شاہ قادری) -

۵ - رسالہ ذکر جہر (عربی) -

۶ - ترجمہ قصیدۂ غوثیہ شریف - قصیدہ کی عام فہم فارسی شرح - یہ ترجمہ ۱۹۱۰ع میں لاہور سے شایع ہوا - پیر عبدالغفار مہتمم نے اس کا نام شرح حمزیہ رکھا -

۷ - اسرارالتوحید (عربی) -

۸ - جامع العلوم (عربی) -

۱ - اسرارالطریقت

علم سلوک و تصوف پر محمد غوث قادری کی نہایت مفید کتاب ہے جس میں اختصار کے ساتھ طریقت کی تمام بنیادی باتیں بیان کی گئی ہیں۔ سالک کی راہنمائی کے لیے اس کے قلب و دماغ کو مصفا کرنے اور اسے نور خداوندی سے منور کرنے کے لیے جو اصولی باتیں ہیں ، ان کی توضیح کی گئی ہے۔ ساتھ ہی علمی حیثیت سے بعض اسرار تصوف کی تشریح کی گئی ہے اور بعض مصطلحات کے معانی و مطالب بھی بتائے گئے ہیں۔ کتاب سات فصلوں میں منقسم ہے۔

شروع میں بتایا ہے کہ صفات بشری ظلال و آثار الٰہی ہیں۔

نیاوردم از خانہ چیزی نخست
تو دادی ہمہ چیز من چیز تست

خدا کی حقیقت جاننے اور اس کا قرب حاصل کرنے اور اس کی صفات سے متصف ہونے کے لیے ذکر و فکر ضروری ہے۔ ذکر رگ و پے میں جاری ہو جاتا ہے۔ اس سے ذوق و لذت حاصل ہوتی ہے اور انوار تجلیات حق اس پر ظاہر ہوتی ہیں۔ فکر سے ہر چیز غیر حق دل سے محو ہو جاتی ہے۔

سالک شریعت و طریقت پر عمل کرتا ہے تو حقیقت و معرفت کا سزاوار ہوتا ہے۔

وہ اعمال شریعت میں نماز اور قرأت قرآن ۔ نماز تہجد اور دوسرے اعمال و ادعیہ پڑھنا ہے ۔ طریقت کی نو شرایط ہیں ۔ قلت طعام ، قلت منام ، قلت کلام ، عزلت ، صدق ، توکل و یقین ، صبر و عزم ۔ ارکان طریقت میں طلب مرشد کامل ہے ۔ اس کے بتائے ہوئے اذکار و اشغال میں مشغولیت ، تصور شیخ و فنا فی الشیخ ۔ اذکار میں ذکر کلمۂ طیبہ ، ذکر اللہ ، تصور الہ ، ذکر قلب ، ذکر سلطان (ذکر اعضاء و عروق) ۔ ذکر صورت سرمدی (آواز ہُو دماغ سے ظاہر ہوتی ہے) شامل ہیں حبس نفس کی مشق کرائی جاتی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ

چشم بند و گوش بند و لب بہ بند
گر نہ بینی سرّ حق بر من بخند

ذکر قلبی کی تفصیل یہ بتائی ہے کہ ہر حرکت میں اللہ کا ذکر مفہوم ہو اور اس کی مندرجہ ذیل درجہ بندی کی ہے :

لطیفۂ قطبی (بائیں طرف)

لطیفۂ روحی (دائیں طرف)

لطیفۂ سری (درمیان سینہ)

لطیفۂ نفسی (ناف کے نیچے)

ذکر خفی (پیشانی میں)

ذکر خفی (تا رگ سر میں)

ذکر سلطانی (ہر رگ و پوست میں)

مصنف نے ایک فصل میں مراقبات کی تفصیل بتائی ہے ۔ مراقبہ دستور ، مراقبہ شہود اور مراقبہ فریت ، کمال مراقبہ میں سالک واحد حقیقی

کے سوا کسی چیز کو نہیں دیکھتا ، اسے توحید شہودی کہتے ہیں ۔ اس کا مطلب ہے : ہمہ ازوست نہ ہمہ اوست ۔ (ص ۴۲)

اس فصل میں عقیدۂ ہمہ اوست کی توضیح و تشریح کی ہے اور بعض اعتراضات کا جواب دیا ہے ۔ وہ کہتے ہیں :

اعیان ثابتہ عدم محض نہیں ہیں کیونکہ عدم کو امتیاز نہیں ہوتا لیکن یہ اعیان مرتبۂ علمی میں اپنا امتیاز رکھتے ہیں ۔ جب صفات حق ان میں منعکس ہوتی ہیں تو انھیں وجود خارجی ملتا ہے ۔ ہر موجود خواہ وہ ذہنی ہو یا خارجی ، وجود حق ہے کیونکہ وجود تو اس کا ہے ، دوسرے کا نہیں ۔ اگر کوئی شرعی احکام کے متعلق یہ اعتراض کرتا ہے کہ جب 'ہمہ اوست' تو پھر امر و نہی ، تعذیب و تنعیم کس طرح نافذ العمل ہے ۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اگرچہ وہ 'عین اوست' لیکن ان امکانیہ مظاہر میں وہ اسماء و صفات حق کا سایہ ہے ۔ اصل و سایہ میں بہت فرق ہے ۔ جیساکہ آفتاب ہر جگہ چمکتا ہے لیکن کسی جگہ لا حق نہیں ۔

عینیت کے یہ معنی نہیں کہ وہ بعینہ اس صورت میں آ گیا ہے یا حلول کر گیا ہے بلکہ ان معنوں میں کہ اس کے سوا کوئی اور چیز نہیں ہے ۔ اس کا ظہور و جلوہ ہے جیسا کہ عکس آفتاب کو عین آفتاب کہتے ہیں ۔ یہ عکس ہر گھر میں موجود ہے لیکن اس کی اصل ہر گھر میں نہیں ہے ۔ انسان ظل ہے اور مرتبۂ عبودیت کو جانتا ہے اور اصل مرتبۂ عبودیت رکھتا ہے ۔ اس لیے شرعی احکام کی پابندی میں کوئی خلل نہیں پڑتا ۔

ایک فصل میں مراتب وجود ظہور حق کی وضاحت کی ہے اور احدیت ۔ وحدت ۔ مرتبۂ لاہوت ، جبروت ، ملکوت ، مرتبۂ مثال و مرتبہ ناسوت کے معانی و مطالب بتائے ہیں ۔

علم تصوف کے اصولی مباحث کے بعد دو فصلوں میں ارادت و بیعت کے آداب و مراتب بیان کیے ہیں اور بزرگوں سے منقول اذکار لسانی نقل کیے ہیں ۔ آخری فصل میں اپنے والد مکرم اور اپنی زندگی کے احوال و کوائف بیان کیے ہیں ۔

کتاب کے آخر میں اپنا شجرۂ طریقت درج کیا ہے ۔

۲ - شرح غوثیہ

یہ صحیح بخاری کا فارسی ترجمہ ہے لیکن ساتھ ساتھ ضروری توضیح و تشریح کی گئی ہے ۔ محمد غوث کتاب کی تمہید میں لکھتے ہیں کہ اتباع نبوی کے بغیر سعادت نصیب نہیں ہو سکتی اور علم حدیث کے بغیر اتباع ممکن نہیں ۔ علم حدیث میں صحیح البخاری اصح الکتب ہے ۔ اس لیے میں اکثر اوقات اس کتاب کے مطالعہ میں مصروف رہا ۔ میں نے اس کی اہمیت کے پیش نظر اس کی شروح کا مزید مطالعہ کیا اور اس کا فارسی میں ترجمہ کیا تاکہ اس کا فائدہ عام ہو ۔

شارح نے عربی متن نقل کر کے الفاظ و رجال کا تلفظ بتایا ہے ، رجال کی تشخیص کر کے ان کا مختصر تعارف کرایا ہے ۔ اصل متن پر اعراب لگائے ہیں ۔ الفاظ کی لغوی تشریح کی ہے اور تلمیحات کی تفصیل بھی بتائی ہے اور فارسی میں سادہ و آسان ترجمہ کیا ہے ۔

نمونے کے طور پر ہم یہاں ایک حدیث اور اس کا ترجمہ و شرح نقل کرتے ہیں تاکہ کتاب کی کیفیت اور اہمیت کا اندازہ ہو سکے ۔

”عن النبی قال مثل ما بعثنی اللہ بہ من الھدی و العلم کمثل الغیث الکثیر اصاب ارضاً ۔

از پیغمبر خدا کہ فرمود : مثال چیز یکہ فرستادہ است مرا اللہ تعالی بآن چیز از ہدایت و علم مثال باران بسیار است کہ رسیدہ باشد آن باران زمین را ۔ لفظ مثل بفتح میم و ثاء مثلثہ بمعنی صفت عجیب ایشان است و غیث بمعنی باران است و ہدی بضم ہاء مہلہ دلالتہ موصولہ الی المطلوب است و علم مدلول آنست و مراد باو ادلہ شرعیہ است“

شرح غوثیہ کا ایک خطی نسخہ پشاور یونیورسٹی لائبریری میں شمارہ ۲۳۰ پر موجود ہے ۔ یہ نسخہ جزو ثالث اور باب السجود علی الانف فی الطین سے شروع ہوتا ہے ۔

کل ۵۱۲ ورق ہیں ۔ تقطیع 13½″ × 9½″ ہے ۔ نسخہ مکتوبہ ۱۲۷۸ھ ہے ۔

—:o:—

محمد غوث[1]

محمد غوث کے والد اخوند ترکمان بن تاج خان ، اورنگ زیب کے عہد میں قندھار کے غوڑہ مرغہ مقام سے پشاور میں آ گئے اور مقام امازئی میں آباد ہوئے ۔ اخوند ترکمان خود عالم تھے ۔ انھوں نے اپنے بیٹے کو بھی اعلیٰ تعلیم و تربیت سے آراستہ کیا ۔ بعد میں وہ اپنے وقت کے علامہ کہلائے وہ حضرت شاہ محمد غوث پشاوری ثم لاہوری کے خلفاء میں شمار ہوتے تھے۔ عبدالحی جیبی نے لکھا ہے کہ ۱۱۶۰ھ میں وہ احمد شاہ ابدالی کے حکم سے قاضی پشاور مقرر ہوئے ۔ قاضی خیلان پشاور الٰہی کی نسل سے ہیں[2] ۔ شیخ فقیراللہ علوی کے مکاتیب میں ایک مکتوب ان کے نام ہے ۔ اس میں ان کو متمکن مسند شریعت لکھا ہے ۔ محمد غوث سلسلۂ نقشبندیہ میں ان کے پیرو تھے ۔

تالیفات

۱ - حاشیہ بر میرزای کلان (منطق) ۔

۲ - شرح الشرح (فارسی) ۔ احمد شاہ ابدالی کے حکم سے لکھی گئی اور اسی کے نام منسوب ہوئی ۔ یہ کتاب بعض صوفیانہ اقوال کی شرح ہے ۔ ۳۰۰ صفحات پر مشتمل ہے ۔ عبدالحی جیبی نے اس کا نسخۂ خطی ۱۳۱۰ھ کو چاریکار کابل میں مرحوم نجم الدین مجددی کے پاس دیکھا تھا ۔

---

۱ ۔ تذکرہ علماء و مشائخ سرحد جلد اول ، محمد امیر شاہ ، پشاور ، ۱۹۶۴ ، ص ۱۵۸-۱۶۱ ۔ ۲ ۔ تازہ نوای معارک ، عطا محمد شکار پوری ، مرتبہ عبدالحی جیبی ، کراچی ، ۱۹۵۹ ، ص ۸۳۵-۸۳۶ ۔

محمد غوث کے دو بیٹے تھے۔ قاضی محمد اکبر شاہ اور قاضی داداللہ۔ قاضی عبدالکریم بن قاضی داداللہ بھی عالم شخص تھے۔ ان کی ایک تالیف نصاب التوحید ہے۔ قاضی محمد حسن بن قاضی محمد اکبر شاہ بھی فاضل استاد شمار ہوتے تھے۔ شاہ شجاع نے انھیں 'خان علماء' کا خطاب دیا ہوا تھا۔

جب نادرشاہ ہندوستان پر حملہ آور ہونے کے لیے پشاور پہنچا تو اس نے دعا اور استمداد روحانی کے لیے حضرت شاہ محمد غوث کو لاہور سے پشاور بلایا لیکن انھوں نے آنے سے انکار کر دیا۔ نادر شاہ نے کہا کہ میں لاہور پہنچ کر اس نافرمان کو سزا دوں گا۔ جب نادر شاہ دریائے اٹک پر پہنچا تو سیلاب کی وجہ سے دریا عبور نہ کر سکا۔ وہ سمجھا کہ یہ قدرت کی طرف سے رکاوٹ ہے۔ آخر اس نے محمد غوث مرید شاہ محمد غوث کی خدمت میں دعا کے لیے آدمی بھیجا۔ قاضی محمد غوث نے کہا: "یہ رکاوٹ بادشاہ کے برے ارادے کی وجہ سے ہے جو اس نے حضرت سید محمد غوث کے متعلق کیا ہے۔ جب تک وہ اس ارادے سے باز نہیں آئے گا دریا عبور نہیں کر سکے گا"۔ کہتے ہیں کہ بادشاہ توبہ کے بعد ہی دریا عبور کر سکا۔[۱]

—:o:—

۱۔ خزینۃ الاصفیاء، غلام سرور، لاہور، ۱۲۸۱ھ، ص ۱۸۸-۱۸۹۔

محمد عمر چمکنی[1]

چمکنی پشاور سے تین میل دور ایک گاؤں ہے۔ میاں محمد عمر کا منشاء و مسکن و مدفن ہونے کی وجہ سے ان کے نام کا جزو بن گیا ہے۔ ان کے دادا جناب کلا خان عالم اور سلسلہ٘ قادریہ چشتیہ کے عالی پایہ بزرگ تھے۔ شاہجہان کے عہد حکومت میں وہ لاہور آئے تو بادشاہ تکریم و تعظیم سے پیش آئے اور موضع فرید آباد بطور جاگیر عطا کیا اور وہ آباد ہوگئے۔ یہیں انھوں نے موضع میدان والہ کے ایک شریف خاندان میں شادی کی اور محمد ابراہیم یعنی میاں محمد عمر کے والد پیدا ہوئے۔ کلا خان اپنے آبائی وطن باجوڑ کو جا رہے تھے کہ خدوخیل کے علاقے میں موضع کلا خان میں قتل کر دیے گئے۔ محمد ابراہیم جندول (باجوڑ) میں قیام کے بعد فرید آباد چلے گئے۔ پشاور میں قحط ہوا تو چمکنی کے ملک سعید خان اپنا گھر بار چھوڑ کر فرید آباد میں چلے گئے۔ ان کی بیٹی سے محمد ابراہیم کی شادی ہوئی۔ ان کے بطن سے تین بیٹے پیدا ہوئے، محمد موسیٰ، محمد عیسیٰ اور محمد عمر۔ اتفاق سے محمد ابراہیم فوت ہو گئے تو ملک سعید اپنی بیٹی اور نواسوں کو لے کر دوبارہ چمکنی میں آگئے۔ اس وقت محمد عمر کی عمر آٹھ نو سال تھی۔ ان کے نانا نے احسن طریق سے ان کی تعلیم و تربیت کا انتظام کیا۔ ان کے اساتذہ میں مولانا محمد فاضل پاپنی، شیخ فرید، حاجی محمد امین، شیخ عبدالغفور نقشبندی اور محمد یونس کے اسمائے گرامی معروف ہیں۔ میاں محمد عمر سلسلہ٘ نقشبندیہ سے منسلک تھے۔ حضرت یحییٰ اٹکی مرید شیخ سعدی لاہوری مرید حضرت آدم بنوری، مرید مجدد الف ثانی احمد سرہندی سے گہری عقیدت تھی۔ ان کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ ۱۵ صفر ۱۱۰۶ھ کو پشاور

۱۔ تذکرۂ علماء و مشائخ سرحد، محمد امیر شاہ، پشاور، ۱۹۶۴۔ روحانی رابطہ، عبدالحلیم اثر، دارالاشاعت باجوڑ، ۱۹۶۴۔ ص ۷۵۵-۷۸۳۔

میں ان کا استقبال کیا ۔ انھوں نے بھی اٹکی المعروف حضرت جی کے ہاتھ پر بیعت کی ۔

حضرت میاں محمد عمر نے اپنی ساری زندگی اشاعت علوم اسلامی اور سلسلۂ نقشبندیہ کی ترویج میں صرف کی ۔ دوران سفر میں گرد و نواح کی بستیوں میں جاتے اور یوسف زئی، مہمند اور خلیل قبائل میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اپنا شعار بناتے ۔ ان کی خانقاہ ہدایت و معرفت کا مرکز تھی ۔ مستقل لنگر جاری تھا ۔ مسافر آ کر ٹھہرتے اور مفت طعام و قیام کی سہولتوں سے مستفید ہوتے ۔

میاں عمر مفکر اور سیاست دان تھے ۔ احمد شاہ درانی اکثر ان کے مشوروں پر عمل کرتے تھے اور ان کی سفارش پر لوگوں کو جاگیریں اور عہدے دیتے تھے ۔ ان کے مریدوں میں رؤسائے پشاور اور وزیر احمد شاہ ابدالی کے اسمائے گرامی بھی آتے ہیں ۔

میاں محمد عمر کے صاحبزادہ میاں محمدی بھی اپنے باپ کی طرح صاحب علم و عمل بزرگ شمار ہوئے ۔ وہ فقیہہ عالم تھے ۔ ان کی دو تصانیف کے نام معلوم ہیں ۔

۱ - برہان الوصول فی بیان الا صول (اصول فقہ) ۔ عربی ۔ نسخہ خطی پنجاب یونیورسٹی لائبریری شمارہ Ard I 20 پر موجود ہے ۔ دوسرا نسخہ اسلامیہ کالج پشاور میں شمارہ ۵۸۱ پر موجود ہے ۔

۲ - مقاصدالفقہ ۔ قلمی نسخہ پشاور یونیورسٹی لائبریری میں محفوظ ہے ۔

وہ ۱۱۹۰ھ میں فوت ہوئے ۔ ان کا روضہ اب بھی مرجع خلایق ہے ۔

تالیفات میاں عمر

۱ - خلاصۂ کیدانی کا پشتو میں منظوم ترجمہ بعنوان توضیح المعانی۔

۲ - شمائل النبی - - پشتو میں منظوم کتاب ۔

۳ - المعالی شرح قصیدہ امالی (پشتو) ۔

۴ - پشتو نسب نامہ ۔

۵ - سر الاسرار یا خزینتہ الاسرار (فارسی) ۔

۶ - محمد عثمان اوشی کے ۶۳ عربی اشعار کی شرح فارسی میں مؤلفہ ۱۱۵۸ھ ۔ کتب شمارہ ۱ ، ۳ اور ۶ فضل احمد صمدانی (بھانہ ماڑی پشاور) کے شخصی کتابخانے میں موجود ہیں ۔

۷ - الظواہر ۔

۸ - شمس الہدی درائبات اسلام ۔

۱ - خزینۃ الاسرار

چونکہ شریعت و طریقت کے اعتبار سے مصنف کا اعلیٰ مقام ہے ، اس لیے علمی نقطۂ نظر سے یہ کتاب اہم ہے ۔ حضرت میاں عمر نے اس کتاب میں اکثر تاریخی واقعات بھی درج کیے ہیں ۔ اور ایک طرح کا روز نامچہ لکھا ہے ۔ اس لیے تاریخی حیثیت سے بھی یہ کتاب قابل اعتماد اور مستند ہے ۔

کتاب کا آغاز اس طرح ہے :

الحمدللہ حق حمدہ والصلوۃ علی خیر رسلہ و آلہ اجمعین ۔ بعداز تمہید درود بر رسول مقبول از بعض حکایات صالحین ، فقیر حقیر گوشہ نشین ،

نکتہ نکتہ آموختہ التماس دارم کہ ایراد نگیرند ۔ و این کتاب را نام نہادم بہ خزینتہ الاسرار ، : قطعہ ۔

ما خازنان مخزن اسرار وحدتیم
نبود عجب کہ سر حق ازما کند ظہور
ہمچو صبح پردۂ ظلمت دریدہ ایم
اینک علم زسینۂ ما شعلہ ہای نور

مفتی غلام سرور کے پاس اس کتاب کا ایک نسخہ موجود تھا ۔ انھوں نے خزینتہ الاصفیا میں اکثر اس کے اقتباسات دیے ہیں ۔ ایک اور نسخہ کابل میں پشتو پسولنہ لائبریری نمبر ۵ دینی ۱۳۲۴/۶۱۲۵ ش پر محفوظ ہے ۔ تقطیع ۲۲ × ۸/۲۹ نسخہ ۹۲۸ صفحات پر مشتمل ہے ۔ ہر صفحے میں ۱۷ سطریں ہیں [1]

۲ ۔ الظواہر

اس کا تعارف پہلے پیش کیا جا چکا ہے ۔ دیکھیے پاکستان میں فارسی ادب کی تاریخ' جلد دوم ۔ صفحہ ۵۸۴ ۔

—— :o: ——

۱ ۔ روحانی رابطہ ۔ عبدالحلیم اثر ۔ باجوڑ ۔ ۱۹۶۵ ۔

شیخ عبدالحکیم کاکڑ نقشبندی مجددی قادری[1]

عبدالحکیم کوئٹہ میں تحصیل پشین کی سب تحصیل خانوزائی میں ۱۰۷۰ھ میں پیدا ہوئے۔ یہ تاریخ قیاسی ہے۔ ان کے والد سکندر شاہ قبائلی دستور کے مطابق کھیتی باڑی کرتے اور مویشی پالتے تھے۔ عبدالکحیم نے ابتدائی تعلیم اپنے علاقے میں حاصل کی۔ مزید تعلیم کے لیے قندھار، ننگرہار اور پشاور گئے۔ علوم شریعت کی تکمیل کے بعد سید لعل محمد صاحب سے طریقت میں تربیت حاصل کی۔ بعد میں شیخ عبدالغفور نقشبندی قادری پشاوری کی خدمت میں تصوف و معرفت کی منازل طے کیں۔ ان کے استاد مولانا شیخ اللہ یار لاہوری سے بھی روحانی فیوض سے مالا مال ہوئے۔ شیخ عبدالحکیم اپنے مشایخ سے خرقہ خلافت حاصل کر کے قندھار گئے اور درس و تدریس اور وعظ و تبلیغ کا سلسلہ شروع کیا۔ وہ قندھار میں حاجی میر ویس کے زمانہ حکومت (۱۱۳۱ھ تا ۱۱۳۷ھ) میں قندھار گئے۔ میر ویس عبدلعزیز خان، شاہ محمود، شاہ اشرف اور شاہ حسین۔ ۱۱۴۳ھ تک قندھار کے حکمران رہے۔ یہ حاکم حضرت شیخ عبدالحکیم کے ساتھ ارادت و عقیدت سے پیش آتے تھے لیکن شاہ حسین خان ہوتک کے ساتھ تعلقات اچھے نہ رہے اور اس نے ان کو قندھار سے چلے جانے کا حکم دیا۔ وہ ۱۱۴۶ھ میں قندھار سے روانہ ہو کر اپنے آبائی وطن خانوزائی میں واپس آ گئے۔ بعد میں دوسرے مقامات پر ٹھہرتے ہوئے موضع چوتیالی میں پہنچے اور آخر ۱۱۵۳ھ میں انتقال کر گئے۔

شیخ عبدالحکیم ترین قبیلہ کے خاص پیشوا ہیں اور اس قبیلے کے افراد ان کے مزار کے مجاور اور خدمتگذار ہیں۔ خانقاہ اور لنگر کا خرچ ادا کرتے ہیں۔

---

[1] روحانی رابطہ، عبدالحلیم اثر۔

تالیفات

حصن الایمان : عقاید اسلامی پر فارسی میں کتاب ۔ مصنف نے خود ہی اس کو مختصر کیا اور اس کا نام مختصر حصن الایمان رکھا ۔ اس کا قلمی نسخہ پشتو اکیڈیمی پشاور میں موجود ہے ۔

۲ ۔ مجموعۂ رسائل : تصوف کے مختلف مسائل پر چھ رسالے ۔ ان میں تزکیہ و تنزیہ کے قواعد ۔ حقیقت فقہ ، حقیقت مہدی ، نفی و اثبات کے مسائل پر محققانہ بحث کی ہے ۔ پانچویں رسالے میں خصوصیت سے ان معارف کا ذکر ہے جو مصنف نے حضرت میر سید لعل ننگرہاری سے حاصل کیے ۔ چھٹے رسالے میں ان تعلیمات و فیوضات کا ذکر ہے جو انھوں نے شیخ میاں حافظ اللہ یار لاہوری سے حاصل کیے ۔ اس رسالے میں شریعت ، طریقت اور حقیقت کے موضوع پر تفصیل سے گفتگو کی ہے ۔

—— :o: ——

اخوند حافظ شیر محمد فاروقی[1]

شیر محمد قادری سہروردی نقشبندی سلسلوں سے منسوب تھے۔ اپنے وقت کے فاضل محقق استاد شمار ہوتے تھے۔ مروجہ علوم حدیث، تفسیر، فقہ، صرف و نحو، عروض اور تجوید میں مہارت رکھتے تھے۔ دولت پورہ میں پیدا ہوئے۔ سال ولادت معلوم نہیں۔ بازار احمد خان بنوں میں تقریباً ۱۲۱۲ھ میں فوت ہوئے۔ اسی مقام پر ان کی خانقاہ اور مدرسہ تھا اور ہزاروں شاگرد استفادہ کرتے تھے۔ ان کا طریق درس یہ تھا کہ وہ کتابوں کی تشریح و توضیح کرتے تھے اور شاگرد ان کو ضبط تحریر میں لاتے جاتے تھے۔ اس طرح شروح و حواشی کا عمدہ ذخیرہ جمع ہوگیا تھا۔ بازار احمد خان میں حافظ شیر محمد کا بے نظیر کتب خانہ تھا لیکن ان کے افراد خاندان کی بے پروائی سے سب ضایع و برباد ہوگیا ہے۔

فارسی میں حافظ شیر محمد نے مقدمۃ الصلواۃ یا نام حق کی شرح لکھی۔ یہ شرح انھوں نے اپنے بھائی محمد زبیر کی فرمائش پر لکھی تاکہ دوسرے بھی اس سے استفادہ کر سکیں۔ کتاب کے آخر میں وہ لکھتے ہیں:

"تم تمام شد شرح نام حق تصنیف شیر محمد قریشی ولد شیخ محمد قریشی فاروقی ساکن بازار والد احمد خان، عیسی حسن خیل۔ بیت:

شیر محمد نوشت این اوراق   گفت تمتہا لدی الاشراق
شیر محمد کہ این بخیر نوشت   از برای اخی زبیر نوشت
یا حبیبی محمد عربی   بندہ را روز آخرت طلبی
بطفیل شفاعتش کنی شاد   وز تمامی شدایدش آزاد

۱۔ روحانی رابطہ۔ عبدالحلیم۔ ۱۹۶۳۔ ص ۸۰۶۔

گر نداریم خرمن اعمال خوشہ چینیم ز خرمن افضال
شیر محمد شفاعتش جوید کن شفیعاً لذلتی گوید

اس کتاب کا ایک قلمی نسخہ محمد فتح خان خیل کوہاٹ شہر میں غلام جعفر بن غلام سرور کے پاس موجود ہے ۔ کتاب کا آغاز اس طرح ہے :

الحمد للہ علی نوالہ والصلواۃ علی نبیہ و آلہ ۔

گوید این بندۂ حقیر فقیر در کمند ہوائے نفس اسیر

شیر محمد قریشی بن شیخ محمد فاروقی کہ بعضی از خلان و خلص اخوان التماس نمودہ کہ بعض الفاظ کتاب مقدمۃ الصلواۃ مشہور بنام حق بہ فہم بعضی یاران نمی رسد ۔ اگر بہ تشریح آن مہربانی شود ، از فضل و کرم امیدواری است ۔

حافظ شیر محمد پشتو میں بھی شعر کہہ لیتے تھے ۔ ان کے چند اشعار روحانی رابطہ میں منقول ہیں ۔

——:o:——

محمد غوث قطب شاہی پشاوری

محمد غوث بن محمد فائق قطب شاہی پشاوری ریاض الملوک کے مصنف ہیں - اس کتاب کا منفرد نسخہ پنجاب یونیورسٹی لائبریری میں شمارہ Pc I 43 پر موجود ہے کل ۸۳ ورق ہیں -

مصنف کی زندگی کے متعلق کوائف میسر نہیں ہو سکے - وہ خود کتاب کے دیباچے میں لکھتے ہیں کہ میں پریشانی و بیکاری کی حالت میں حسن ابدال پہنچا - ایک مخلص دوست نے احمد خان درانی اسحاق زئی (آخورباشی) سے تعارف کرایا - اس نے مجھ پر نوازش کرکے میری غمگساری کی - آہستہ آہستہ آپس میں ارادت و اتحاد کی بنا استوار ہوئی - تیمور شاہ درانی سے بھی تعارف ہوا - وہ بھی قدر کی نگاہوں سے دیکھتے تھے - ایک مرتبہ چند وکلائے دربار نے فرمایش کی کہ میں سلاطین و امرا کے حالات و کوائف زندگی بیان کرکے ان کے لیے نصایح قلمبند کروں تا کہ بادشاہ کے سامنے وہ کتاب پیش کی جائے اور وہ اپنے فارغ اوقات میں اس سے استفادہ کرے - چنانچہ یہ کتاب مرتب ہوئی -

ریاض الملوک مقدمہ - دو روضہ اور خاتمہ پر مشتمل ہے - مقدمہ میں ریاست و سلطنت کے بنیادی قوانین پر گفتگو کی گئی ہے -

روضۂ اول میں سلاطین اور روضۂ دوم میں بعض امرا کے احوال و واقعات بیان کیے گئے ہیں - بادشاہ کے لیے پانچ قسم کی سیاست میں مہارت کی ضرورت ہے ؛ سیاست نفس ، سیاست بدن ، سیاست خواص ، سیاست جمہوریت اور سیاست جنگ -

ہر روضہ میں چار گلدستے ہیں - ان کے عنوانات عدل ، مروت ، سخاوت اور غیرت و ہمت ہیں - ہر عنوان کے تحت سلاطین و امرا کے

واقعات و حکایات بیان کیے گئے ہیں ۔ گلدستہ اول میں ۱۰ ۔ گلدستہ دوم میں ۵ ۔ گلدستہ سوم میں ٦ اور گلدستہ چہارم میں ٦ حکایات درج ہیں ۔ خاتمہ میں بادشاہ کے لیے ضروری وصیتیں کی ہیں ۔ آخر میں بتایا ہے کہ بادشاہ کے مندرجہ ذیل دس مخصوص افراد لازمی ہیں تاکہ وہ ان کے تعاون اور امداد سے سلطنت کا نظم و نسق اچھی طرح چلا سکے ۔

حاکم عادل ۔ وزیر عامل ۔ کاتب عارف ۔ حاجب عاقل ۔ عامل کافی ۔ اعوان و انصار ۔ طبیب صادق ۔ صاحب طعام ۔ لشکر قوی اور آخر میں مال بسیار ۔

مصنف نے سلاطین سابق کے متعلق واقعات بیان کرتے وقت اپنے مآخذ کا بھی ذکر کیا ہے اور درج ذیل مستند تواریخ کے حوالوں سے حکایات بیان کی ہیں :

روضۃ الصفا ۔ روضۃالاحباب ۔ اکبر نامہ ۔ واقعات شیر شاہی ۔ واقعات اکبری ۔ اقبالنامہ جہانگیری ۔ شاہنامہ شاہجہانی ۔ روضۃ الطاہرین ۔ تذکرۂ دولت شاہ ۔ تاریخ فرشتہ ۔ سراج القلوب ۔ تاریخ ہندی ۔ چمنستان ۔

احمد شاہ درانی اور تیمور شاہ درانی کے عہد سے متعلق حکام و امراء کے واقعات شنیدہ و دیدہ ہیں ۔ اس لیے ایک معاصر کی تحریر ہونے کی حیثیت سے تاریخی نقطۂ نظر سے اہم ہیں ۔

محمد غوث مؤلف کتاب نے موزوں طبیعت پائی تھی ۔ شعر موزوں کر لیتے تھے ۔ کتاب کی تمہید میں حمد و نعت اور مدح شاہ کے متعلق اشعار لکھے ہیں ۔ ہم انہیں یہاں محفوظ کرتے ہیں تاکہ سخن سرائی میں اس کی مہارت کا اندازہ ہو سکے ۔

مثنوی : حمد

گهی از شهی دادگر ملک را
دهی رونق روضهٔ باصفا
ز بیداد گر گاه بخشش کنی
همه هست و بودش بهم برزنی
بهر روز شانی دگر باشدت
کرا زهرهٔ آنکه بشناسدت
جهانرا بفرمان چندین شیون
نگهدا شتی از غبون و فتون

رباعی - نعت

فلک جنیبت کش عزتش ز تعظیم است
خطاب قدسی او احمد بلا میم است
بحسن خلق کریم است رحمت عالم
بلطف عام چو عین تسنیم است

قصیده - مدح بادشاه

کلکم ز فخر گر بفلک سایدش کلاه
شاید که سرنموده ز سر مدح بادشاه
شاهنشی که سایهٔ عدل و همتش
ناکرده داد داد دهد بهر داد خواه
هر صبح و شام شیوهٔ بال هما کند
بر خاص و عام سایهٔ تیمور بادشاه
تیغش بسر نرفته سر دشمنان فگند
نیزه بیاد شاه کند کار سربراه

هرگز بسوی فیل غلام و حشم خدم
چون خسروان دهر نباشد ورا نگاه

چرخ فلک همیشه کمانداریش کند
فیل فلک بگاه وغایش بود سپاه

باشد علی الدوام خواقین دهر را
از جان و دل دوال رکاب تو بوسه گاه

از ساکنان عرش بگوشم صدا رسید
یا خالق السماء بکن روحنا فداه

تا زیر سکهٔ تو کند نقد خود عیار
آرد طلاء و نقره فلک هم ز مهر و ماه

پیوسته اولیای تو چو صبح رو سپید
باشند دشمنان تو چو شام روسیاه

در پیش آب لطف تو عالم چو کشت زار
در پیش نار قهر تو دشمن چو گشت کاه

مداح بارگه تو دائم بود عزیز
احوال بد سگال تو دائم بود تباه

چو نیست حرف مدح ترا غایتی پدید
بهتر که در دعای تو کردیم رو براه

بادا بقای دولت تو تا ابد مدام
ممدود باد سایهٔ لطف تو مهر و ماه

——:o:——

اضافات

عبدالکریم

مسائل زنان

اس کتاب کے مؤلف عبدالکریم بن اخوند درویزہ ہیں ۔ اپنے والد کی طرح عبدالکریم بھی عالم باعمل مشہور تھے اور وعظ و تدریس میں مشغول رہتے تھے ۔ ان کا ذکر اس کتاب کی دوسری جلد میں آ چکا ہے ۔ وہاں ہم نے ان کے مکتوبات کا تعارف کرایا تھا ۔ مسائل زنان پر ان کا یہ رسالہ دستیاب نہیں ہوا تھا ، اس لیے اس کا تعارف نہ ہو سکا ۔ اب اتفاق سے اس کا ایک نسخہ' خطی پنجاب یونیورسٹی لائبریری ، مجموعہ آذر میں شمارہ ۸۳۵۶ پر مل گیا ہے ۔ کتاب ۶۹ ورق پر مشتمل ہے ۔

کتاب کا اسلوب بیان یہ ہے کہ مسئلہ کا عنوان دے کر مختلف مباحث بیان کیے گئے ہیں ۔ اگرچہ جو احکام بیان کیے گئے ہیں ، ان میں سے بعض مردوں کے لیے بھی وہی ہیں لیکن عورتوں سے متعلق خصوصیت سے بیان کیے گئے ہیں ۔ ایمان کے بعد طہارت ، وضو ، غسل ، نماز ، روزہ کے مسائل کی تشریح کی گئی ہے ۔ ان کے ضمن میں مردوں پر عورت کے فرائض کے متعلق تفصیل سے گفتگو کی گئی ہے ۔ ان فرایض کو پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ مذہبی حلقوں میں عورت کو کس قدر مجبور اور مقید رکھا جاتا تھا اور اس کو غیروں سے بچانے کے لیے کیسی کیسی پابندیاں لگائی جاتی تھیں ۔ آجکل کے مہذب دور میں اس قسم کی بعض پابندیاں اب اسلام کی تنگ نظری پر دلالت کر سکتی ہیں ۔ عورت کے اقوال و اعمال کی ذرا سی لغزش بھی اسے کفر کی حدود میں داخل کر دیتی ہے ۔ مثلاً

اگر وہ شوہر کے ڈر سے مسلمان ہوئی ہو تو وہ مسلمان تو شمار ہوگی لیکن آخر میں کافر شمار ہوگی ۔

اگر وہ اچھا لباس پہن کر بیگانہ مردوں میں جائے اور اسے حلال سمجھے تو وہ کافر ہو جائے گی۔ (ص ۵ الف)

ساز و رباب سنے اور حلال جانے تو وہ کافر ہے۔

بیگانہ مرد کے ہاتھ پکڑے تو کافر (ص ٦)

عورت کے حفظ ناموس کے لیے یہ پابندی لگائی گئی ہے کہ اگر وہ مسئلہ شریعت سیکھنے باہر جائے تو میلے اور پرانے کپڑے پہن کر باہر جائے اور دور بیٹھ کر مسئلہ سیکھے۔ شوہر کی خدمت کے فرایض بتاتے ہوئے اس کے لیے عملی نصیحتیں کی ہیں۔ شوہر باہر سے آئے تو وہ آگے بڑھے۔ اس کے ہاتھ سے کتاب یا اوزار لے۔ بیٹھنے کی جگہ ٹھیک کرے۔ کھانا پانی سامنے رکھے۔ خنداں پیشانی سے پیش آئے۔ اچھا لباس اور زیور پہنے۔ شوہر کی خواہش کو رد نہ کرے خواہ اونٹ ہر کیوں نہ سوار ہو۔ اگر تین بار شوہر کی خواہش کو رد کرے تو اس کے تمام اعمال ضایع ہو جاتے ہیں۔

اگر عورت شوہر کی ناشایستہ بات کو تحمل سے سنے تو اللہ تعالی اسے ستر شہیدوں کا ثواب دے گا (ص ۱۱)

اگر شوہر دوسری بیوی کرنا چاہتا ہو۔ اگر اس کی بیوی جائز نہ سمجھے تو وہ کافر ہو جائے گی۔

اگر عورت اپنے شوہر سے کہے کہ اگر تو میرے لیے وہ چیز نہیں لائے گا تو میں تم سے خوش نہیں ہوں گی تو وہ کافر ہو جائے گی (ص ٦٩)

ان احکام کو پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ عورت عموماً مرد کی تابع اور کنیز ہے۔ لیکن مندرجہ ذیل دو احکام پڑھ کر معلوم ہوتا

ہے کہ عورت بالکل کٹ پتلی نہیں بلکہ وہ بہادر بھی ہے اور احکام کی خلاف ورزی پر مرد کا مقابلہ بھی کر سکتی ہے مثلاً اگر مرد عورت پر ظلم کرے تو وہ عورت تلوار کے ساتھ جنگ کرے۔ اگر عورت ہلاک ہو جائے تو وہ شہید ہوگی۔ اگر شوہر مارا گیا تو گویا ظالم مارا گیا۔ (ص ۲۱)

اگر مرد روزہ دار عورت کے ساتھ مجامعت کرنا چاہیے تو عورت اس سے جنگ کرے۔ اگر اسے قتل کر دے تو کوئی مضایقہ نہیں (ص ۲۸ ب)

——:o:——

اشاریہ

مقامات

پ = پاورق ۔ Footnote = f

گ

ل

کتب و رسائل - کتابخانے اور ادارے

ب

پ

ت

چ

ح

خ

د

ذ

ر

ش

ص

ط

ظ

ع

ق

گ

ن

و

ہ

ی

—:o:—

اشخاص و قبایل و دیگر اعلام

الف

ب

بھ

پ

ت

چ

ح

خ

دھ

ذ

ر

ز

س

ص

ض

ط

غ

ق

ک

گ

ل

م

ن

— —:o:— —